

مزید اضافہ عنوانات و تصحیح، نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن

# الشرع والہدایہ

شرح اردو

## ہدایۃ



مؤلف عنوانات

مولانا محمد علی شاہ  
رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مولانا جمیل احمد سکس روڈ صوی  
مدرسہ دارالعلوم دیوبند

مکتبہ  
دارالاشاعت

لاہور پاکستان و قراچی پاکستان 2213766

مزید اضافہ عنوانات و تفصیلی تفصیلات شدہ جلدیں میں

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (القرآن)  
اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہیں راہِ راست بتلا دیتے ہیں

# اَشْرَفُ الْهُدَايَةِ

شرح اردو

## هُدَايَاتُ

جلد دوم

باب صفۃ الصلوۃ

باب الصلوۃ فی الکعبۃ

تالیف: مولانا جمیل احمد سکروڈھوی

مدد و سرکار المقوم دیوبند

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظیم اللہ

رفیق دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

نور و بازار، ایم ایس جنت روڈ  
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر 15036

پاکستان میں جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مولانا جمیل احمد عزمی کی تصنیف کردہ شرح ہدایہ بنام "اشرف الہدایہ" کے حصہ اول تا پنجم اور ششم تا دہم کے ہمہ حقوق ملکیت اب پاکستان میں صرف خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی کو حاصل ہیں اور کوئی شخص یا ادارہ غیر قانونی طور پر فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ سینٹرل کاپی رائٹ رجسٹر ارجو بھی اطلاع اس کی گئی ہے لہذا اب جو شخص یا ادارہ بلا اجازت طبع یا فروخت کرتا پایا گیا اس کے خلاف کارروائی لی جائے گی۔ ناشر

اضافہ عنوانات، تسہیل و کمپوزنگ کے جملہ حقوق بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی  
طباعت : مکی سنٹر، مکی کراچی  
صفحات : 379  
کمپوزنگ : منظور احمد

### قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

### ..... ملنے کے پتے.....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	بیت العلوم 20، بھدروہ لاہور
بیت القرآن اردو بازار کراچی	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک 2 کراچی	مکتبہ امدادی بی بی ہسپتال روڈ ملتان
بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی	مکتبہ خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار لاہور و پٹنہ
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ گامی اڈہ۔ بیت آباد
ادارہ اسلامیات 190- انارکلی لاہور	مکتبۃ المعارف محلہ جنٹلی۔ پشاور

### انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre  
119-121, Half Way Road  
Bolton BL7 5NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.  
Al Continenta (London) Ltd.  
Cooks Road, London E15 2PW

## فہرست عنوانات

۲۳	بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ
۲۳	نماز کے فرائض
۲۶	نماز کے واجبات
۲۷	نماز کا طریقہ، تکبیر تحریمہ شرط ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
۲۸	ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھانا سنت ہے
۲۹	ہاتھوں کو کانوں کی لو کے برابر یا کندھوں تک اٹھایا جائے گا۔۔۔ اقوال فقہاء
۳۱	عورت کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے گی
۳۲	اللہ اکبر کی جگہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ لینے کا حکم۔۔۔ اقوال فقہاء
۳۳	فارسی میں قرأت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل
۳۵	اللھم اغفر لی کے ساتھ نماز شروع کرنے کا حکم
۳۶	نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ، اور ہاتھ کہاں باندھے جائیں۔۔۔ اقوال فقہاء
۳۸	ثناء میں کیا پڑھا جائے۔۔۔ اقوال فقہاء
۳۹	تعویذ کی شرعی حیثیت، موضع تعویذ، تعویذ کے الفاظ
۴۱	تسمیہ
۴۱	تعویذ، تسمیہ، آمین سر اکی جائے یا جبراً۔۔۔ اقوال فقہاء و دلائل
۴۳	قرأت فاتحہ و ضم سورۃ رکن ہے یا نہیں۔۔۔ اقوال فقہاء و دلائل
۴۴	امام اور مقتدی کے لئے آمین کہنے کا حکم۔۔۔ اقوال فقہاء و دلائل
۴۶	امام اور مقتدی دونوں آمین سر اکیں گے، اور آمین کا صحیح تلفظ
۴۷	رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا
۴۸	رکوع کی تکبیر اور رکوع کی تسبیح
۴۹	امام رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ ہے اور مقتدی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے۔۔۔ اقوال فقہاء و دلائل



- ۵۱ قومہ کا حکم، سجدہ میں جانے اور اس سے اٹھنے کا طریقہ اور جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء، ودلائل
- ۵۳ سجدہ کی کیفیت (طریقہ)
- ۵۴ ناگ اور پیشانی پر سجدہ کرنے یا کسی ایک پر اکتفاء کرنے کا حکم، اقوال فقہاء، ودلائل
- ۵۶ پکڑی کے بل پر اور فاضل کپڑے پر سجدہ کرنے کا حکم
- ۵۶ دونوں بازوؤں کو سجدہ میں کشادہ رکھے
- ۵۷ سجدہ سے میں پیٹ کو رانوں سے دور رکھے
- ۵۷ پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے
- ۵۸ سجدہ کی تسبیح
- ۵۹ عورت کے لئے سجدہ کا طریقہ
- ۵۹ سجدہ سے اٹھ کر دوسرے سجدہ میں جانے کا طریقہ، جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء، ودلائل
- ۶۰ سجدہ سے قیام کی طرف جانے کا طریقہ
- ۶۱ دوسری رکعت مکمل کرنے کی کیفیت
- ۶۲ رفع یدین کا حکم، اقوال فقہاء، ودلائل
- ۶۳ قعدہ میں جہننے کی بیست
- ۶۴ تشہد ابن مسعود
- ۶۷ قعدہ اولیٰ میں مقدار تشہد پر اضافہ نہ کرے
- ۶۷ آخری دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ
- ۶۸ قعدہ اخیرہ قعدہ اولیٰ کی مانند ہے
- ۶۹ تشہد کی شرعی حیثیت، اقوال فقہاء، ودلائل
- ۷۱ ماثورہ و منقولہ دعاؤں کے پڑھنے کا حکم
- ۷۱ لوگوں کے کلام کے مشابہ ادعیہ سے اجتناب کرے
- ۷۲ دائیں بائیں سلام پھیرنا، سلام میں نیت کس کی کرے
- ۷۳ مقتدی سلام میں امام کی نیت بھی کرے گا یا نہیں

 $\angle$ 

## 24

 $\angle A$ 

△

29

AI



AF

△△



A4

A. C.

AA

A9

A9

41

43

## 95

42

• منیب امامت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟

- ۹۵ ہم بالنسبہ میں سب برابر ہوں تو مستحق امامت کون ہے؟
- ۹۶ ہم اور قرابت میں سب برابر ہوں تو مستحق امامت کون ہے؟
- ۹۶ ہم، قرابت، تقویٰ میں سب برابر ہوں تو مستحق امامت کون ہے؟
- ۹۷ غلام، دیہاتی، فاسق اور نابینے کی امامت کا حکم
- ۹۸ امامت کے لئے کن امور کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے
- ۹۸ عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم
- ۹۸ ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو
- ۱۰۰ دو مقتدی ہوں تو امام مقدم ہو جائے
- ۱۰۰ مردوں کے لئے عورت اور بچے کی اقتداء کا حکم
- ۱۰۲ صفوں کی ترتیب کیسے ہوگی؟
- ۱۰۳ مسئلہ محاذات
- ۱۰۴ امام نے محاذی عورت کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو اس کا حکم
- ۱۰۶ محاذات کی شرائط
- ۱۰۷ عورتوں کے لئے جماعت کی نماز میں شرکت کا حکم
- ۱۰۷ بوڑھی عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت کا حکم اقوال فقہاء
- ۱۰۹ طاہرہ کے لئے مستحاضہ کی اقتداء کا حکم
- ۱۰۹ قاری کے لئے امی اور کپڑے پہننے والے کے لئے ننگے کی اقتداء کا حکم
- ۱۰۹ متوضّین کے لئے متیمم کی اقتداء کا حکم اقوال فقہاء
- ۱۱۰ ناسلین کے لئے مسح کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۱ قائم کے لئے قائم کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۱ مؤوی کے لئے مؤوی کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۴ رکیع اور ساجد کے لئے مؤوی کی اقتداء کا حکم
- ۱۱۲ منقرض کے لئے متغفل کی اقتداء کا حکم

۱۱۳

ایک فرض والے کے لئے دوسرے فرض والے کے پیچھے نماز کا حکم

۱۱۴

منتقل کے لئے مقتضی کی اقتداء کا حکم

۱۱۵

ایک شخص نے امام بنی اقتداء کی پھر معلوم ہوا امام محدث ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے

۱۱۵

قراء اور امیوں کے لئے امی کی اقتداء کا حکم

۱۱۷

قاری اور امی کے لئے الگ الگ نماز پڑھنے کا حکم

۱۱۷

امام نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر آخری دو میں امی کو مقدم کر دیا تو کیا حکم ہے

۱۱۸

بَابُ الْحَدِّثِ فِي الصَّلَاةِ

۱۱۸

امام کو نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو کیا کرے۔۔۔ بنا کا حکم

۱۲۰

استیناف افضل ہے

۱۲۰

منفرد کو نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو کیسے مکمل کرے

وہ شخص جس نے بحالت نماز گمان کیا کہ وہ محدث ہو گیا ہے وہ اپنی جگہ سے پھر گیا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ محدث نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے

۱۲۱

۱۲۲

امام نے حدیث گمان کر کے کسی کو خلیفہ بنادیا پھر ظاہر ہوا کہ حدیث نہیں ہوا تھا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے

۱۲۳

منصوب دوران نماز مجنوں یا مجتہم یا مدہوش ہو گیا نماز کا حکم

۱۲۳

امام قراءت سے عاجز ہو گیا اس حالت میں دوسرے کو اس نے آگے بڑھا دیا خلیفہ بنانے کا حکم، اقوال فقہاء

۱۲۴

امام فرض قراءت کرنے کے بعد عاجز آجائے تو خلیفہ بنانے کا حکم

۱۲۵

تشہد کے بعد حدیث لاحق ہو تو نماز مکمل کیسے کرے

۱۲۵

تشہد کے بعد تمام حدیث لاحق کیا یا کلام کیا یا منافی صلوٰۃ عمل کر لیا کیا نماز مکمل ہو جائے گی؟

۱۲۵

مستحکم نماز میں پانی دیکھ لے نماز باطل ہے

۱۲۶

مسائل اشیا عشرہ

۱۲۸

امام کو حالت نماز میں حدیث لاحق ہو تو مسبوق کو خلیفہ بنانا ناجائز البتہ مد رک کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہے

۱۲۹

مسبوق خلیفہ بن جائے تو نماز مکمل کہاں سے کرے

۱۳۰

امام کو حدیث لاحق نہیں ہوا اور قد تشہد بیٹھنے کے بعد قیام الگایا یا عمدہ حدیث لاحق کیا تو نماز کا کیا حکم ہے

- ۱۳۲ روع اور سجدے میں جس کو حدیث لاحق ہو جائے تو نماز کا کیا حکم ہے
- ۱۳۲ امام روع سجدے میں حدیث لاحق ہو جائے تو اس نے خلیفہ بنایا، خلیفہ نے سرے سے روع سجدہ کر کے
- ۱۳۳ نمازی کو روع یا سجدہ میں آیا کہ اس پر روع یا سجدہ باقی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے
- ایک ہی شخص کی امامت کر رہا تھا اور اسے حدیث لاحق ہو گیا اور سجدہ سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے خلیفہ
- ۱۳۴ بنانے کی نیت کی ہو یا نہیں
- ۱۳۵ بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا
- ۱۳۵ نماز میں کام کرنے سے خواہ عمدہ ہو یا نسیاناً نماز باطل ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء و دلائل
- ۱۳۷ نماز میں کر رہنا اور رونا خواہ خشیت سے ہو یا تکلیف اور درد سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں
- ۱۳۹ نماز میں کھانا نذر سے ہو یا بغیر نذر کے اسی طرح چھینکے اور ڈکار لینے کا حکم
- ۱۳۹ نماز میں چھینک کا جواب دینا مفسد صلوٰۃ ہے
- ۱۴۰ نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے کا حکم
- ۱۴۱ مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینے کا حکم
- ۱۴۲ لقمہ دینے میں جلد بازی سے کام لیا اور امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم
- ۱۴۲ نماز میں کسی کو "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ جواب دینے کا حکم
- ۱۴۴ اگر دوسرے کو نماز میں ہونے پر خبردار کرنے کے لئے کلمہ یا آیت پڑھی تو بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی
- ۱۴۴ ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد عصر یا غل میں شروع ہوا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی
- ۱۴۴ ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ ظہر میں شروع ہوا تو پہلی پڑھی ہوئی رکعت محسوب ہوگی
- ۱۴۵ نماز میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۱۴۶ نماز میں مکتوب چیز کا طرف دیکھ کر اسے سمجھ لیا تو یہ بالا جماع مفسد صلوٰۃ نہیں
- ۱۴۷ عورت کا نماز کی کے سامنے سے گزرنا مفسد صلوٰۃ نہیں
- ۱۴۸ سحرا (میدان) میں نماز پڑھنے والے کے لئے سترہ قائم کرنا مستحب ہے
- ۱۴۹ نماز کی سترہ اپنے قریب گاڑھے، سترہ لگانے کا طریقہ
- ۱۵۰ امام کا سترہ مقتدی کے لئے کافی ہے

- ۱۵۰ سترہ گناڑھنے کا اعتبار ہے ڈال دینا اور خط کھینچنا کافی نہیں
- ۱۵۰ نمازی سترہ کی عدم موجودگی میں گذرتے والے کو دفع کرے
- ۱۵۱ فصل
- ۱۵۱ مکروہات نماز
- ۱۵۱ نماز میں کپڑے، بدن سے کھیلنا اور عبث کام مکروہ ہے
- ۱۵۲ کنکریوں کو پلٹنے کا حکم
- ۱۵۲ نماز میں انگلیاں ہنسی نا اور کھوکھوں پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے
- ۱۵۳ گردن موڑ کر دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے
- ۱۵۴ کتے کی طرح بیٹھنا اور بازوؤں کو زمین پر بچھا دینا بھی مکروہ ہے
- ۱۵۴ نماز میں سلام کا جواب دینے کا حکم
- ۱۵۵ نماز میں چارزانو بیٹھنے اور بالوں کو گوندھنے کا حکم
- ۱۵۶ نماز میں کپڑے کو سمیٹنا اور سدل کرنا مکروہ ہے
- ۱۵۶ نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر کھانا پینا مفسد صلوٰۃ ہے
- ۱۵۷ امام کا مسجد میں کھڑا ہونا اور سجدہ محراب میں کرنا مکروہ نہیں ہے، مکمل محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے
- ۱۵۸ بیٹھ کر باتیں کرنے والے کی پیچھے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں
- ۱۵۸ نمازی کے سامنے مصحف یا تلوار لٹکی ہوئی ہو تو کوئی حرج نہیں
- ۱۵۹ تصویر والے پچھونے پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں
- ۱۶۰ نمازی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا دائیں بائیں تصویریں ہوں تو مکروہ ہے
- ۱۶۱ سرکئی یا سرمئی تصویر کے حکم میں نہیں
- ۱۶۲ نماز تصویر والے تکبے یا پچھونے پر ہو تو نماز مکروہ نہیں
- ۱۶۲ تصویر والے لباس میں نماز مکروہ ہے
- ۱۶۳ غیر فی روح کی تصاویر مکروہ نہیں
- ۱۶۳ دوران نماز موذی جانوروں کے مارنے کا حکم



۱۶۴

نماز میں آیات اور تسبیحات کا شمار کرنا مکروہ ہے

۱۶۵

خارج نماز کے مکروہات کا بیان

۱۶۵

بیت خدا میں قرآن کے ساتھ استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ مکروہ ہے

۱۶۶

مسجد کی چھت پر انجی، پیشاب پاخانہ مکروہ و تحریمی ہے

۱۶۷

مسجد کی مسجد کی چھت پر پیشاب کرنا مکروہ نہیں

۱۶۷

مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے

۱۶۸

مسجد و چوئے بکری ہونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے کا حکم

۱۶۹

## بَابُ صَلَاةِ الْوُسْطَى

۱۶۹

وتر کی شرعی حیثیت اقوال فقہاء و اہل

۱۷۰

وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں

۱۷۱

قنوت وتر سب پڑھی جائے "رکوع سے پہلے یا بعد میں" اقوال فقہاء

۱۷۲

قنوت وتر پورا سال پڑھی جائے گی، امام شافعی کا نقطہ نظر

۱۷۳

وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھی جائے گی

۱۷۴

قنوت پڑھنے کا طریقہ

۱۷۵

وتر کے علاوہ قنوت کا حکم، اقوال فقہاء

۱۷۶

قنوت نماز فجر کی نماز میں پڑھی جائے گی اور مقتدی کے لئے قنوت پڑھنے کا حکم اقوال فقہاء

۱۷۷

## بَابُ الْوَأْفِلِ

۱۷۸

مسن و زوال کا بیان، مسن موكدہ اور غیمہ موكدہ کی تعداد و رکعات

۱۷۹

مسن و زوال کے زوال کی تعداد و رکعات

۱۸۰

قنوت کا بیان فرائض میں قنوت کا حکم امام شافعی کا نقطہ نظر و اہل

۱۸۱

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں قنوت کا حکم

۱۸۲

زوال میں قنوت کا حکم

- ۸۷ نفل شروع کرنے کے بعد نافہ سرنے سے قضا کا حکم
- ۱۸۸ نوافل کی چار رکعتیں پڑھنا شروع کیں پہلی دو میں قرائت کی اور قعدہ اولیٰ بھی کیا پھر آخری دو رکعتوں کو نافہ سر دیا تو کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے
- ۱۸۹ چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں بھی قراءت نہیں کی کتنی رکعتوں کا احوال لازم ہے اقوال فقہاء
- ۹۲ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی آخری دو میں قراءت نہیں کی بالا جماع پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہے
- ۱۹۲ آخری دو میں قراءت کی پہلی دو میں نہیں کی بالا جماع پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہے
- پہلی دو اور آخری دو میں سے ایک میں قراءت کی اسی طرح آخری دو اور پہلی دو میں سے ایک میں قراءت کی اسی طرح ہیں
- ۹۳ میں سے ایک میں اور آخری دو میں سے ایک میں قراءت کی کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے
- ۹۴ پہلی رکعت کے مدوہ کسی رکعت میں قراءت نہیں کی کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے اقوال فقہاء
- ۱۹۵ قدرت علی اقدار کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنے کا حکم
- ۹۶ کھڑے ہو کر نفل شروع کئے پھر بغیر عذر کے بیٹھ کر مکمل کرنے کا حکم اقوال فقہاء
- ۱۹۷ شب سے ہم چوپائے پر نفل پڑھنے کا حکم اقوال فقہاء
- ۹۹ سواری پر نفل شروع کئے پھر اتر کر اسی پر بن کر نے کا حکم اسی طرح تراویح رکعت پر بھی چار سواری پر نہ پڑھتے
- ۲۰۱ فصل فی قیام رمضان
- ۲۰۱ نماز تراویح کے لئے اجتماع مستحب ہے نماز تراویح کی رکعات
- ۲۰۳ تراویح کی جماعت کی شریعتی حیثیت
- ۲۰۶ غیر رمضان میں وتر کی جماعت کا حکم
- ۲۰۶ نائب رادزاکہ القریضہ
- ۲۰۶ سنت پڑھنے کے دوران فرض کی جماعت شروع ہو جائے تو نماز کے لئے یا حکم ہے
- ۲۰۸ تیس رکعتیں پڑھ چکا تھا پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو چوتھی رکعت مدنے کا حکم
- ۲۱۰ فجر کی سنت ایک رکعت پڑھی پھر جماعت کھڑی ہو گئی
- ۲۱۱ ان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم
- ۲۲ ان کوئے کے بعد ظہر اور عشاء میں نماز پڑھ چکا تھا تو مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں

- ۲۱۳ نماز میں نماز میں ہما مت بنت فجر پڑھنے کا حکم
- ۲۱۶ نماز میں نماز میں ہما مت بنت فجر پڑھنے کا حکم
- ۲۱۷ نماز میں نماز میں ہما مت بنت فجر پڑھنے کا حکم
- ۲۱۸ نماز میں نماز میں ہما مت بنت فجر پڑھنے کا حکم
- ۲۱۹ نماز میں نماز میں ہما مت بنت فجر پڑھنے کا حکم
- ۲۲۰ نماز میں نماز میں ہما مت بنت فجر پڑھنے کا حکم
- ۲۲۰ نَابُ قِصَاءِ الْقَوَابِ
- ۲۲۰ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۱ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۲ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۲ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۳ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۴ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۴ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۵ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۶ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۸ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۸ فوت شدہ نماز وقت کے وقت
- ۲۲۹ نَابُ سُحُودِ السَّهْوِ
- ۲۳۰ جہد و سہو واجب ہوتا ہے اور ان کی طرح
- ۲۳۲ جہد و سہو واجب ہوتا ہے اور ان کی طرح
- ۲۳۳ جہد و سہو واجب ہوتا ہے اور ان کی طرح
- ۲۳۳ جہد و سہو واجب ہوتا ہے اور ان کی طرح
- ۲۳۴ جہد و سہو واجب ہوتا ہے اور ان کی طرح

- ۲۳۶ امام کے بھونسنے سے امام مقتدی اذان پر سجدہ سہواً کرے
- ۲۳۷ مقتدی کی جھوٹ سے امام اور مقتدی دونوں سجدہ سہو نہیں
- ۲۳۸ قعدہ اذان بھول گیا پھر یا آ یا ار بیٹھنے کے قریب بے وقوف ہو جائے اور سجدہ سہو کرے گا یا نہیں
- ۲۳۸ اگر رکعت کے ہونے کے قریب ہو کھڑا ہو جائے اور سجدہ سہو کرے
- ۲۳۹ قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو فرض ہو گئے یا باطل ہیں، اقواب فقہاء
- ۲۴۰ چھٹی رکعت ملائے کا حکم
- ۲۴۱ قعدہ اخیرہ مقتدر شہد بیٹھ پھر سلام پھیرے بغیر پانچویں رکعت کے کھڑا ہو گیا جب پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو کس سے
- ۲۴۲ پانچویں کا سجدہ کر یا تو چھٹی رکعت ملائے
- ۲۴۲ چھٹی رکعت ملائے کے بعد سجدہ سہو کرے گا یا نہیں، اقواب فقہاء
- ۲۴۲ نفل کی دو رکعتیں پڑھیں ان میں بھو، ورجہ سہو بھی کر لیا دو رکعتوں کی پہلی پر رستہ ہے یا نہیں
- ۲۴۳ امام نے سلام پھیرا اور اس پر سجدہ سہو تھا مقتدی نے سلام کے بعد امام کی اقتداء کی اگر امام سجدہ سہو کرے تو مقتدی کی اقتداء
- ۲۴۷ شاذوں ورنہ نہیں اقواب فقہاء
- ۲۴۹ نماز کو ختم کرنے کے لئے سلام پھیرا اس پر سجدہ سہو لازم ہے تو سجدہ سہو کر لے
- ۲۴۹ جس شخص کو نماز میں شک ہو گیا اسے معلوم نہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اس کا کیا حکم ہے
- ۲۵۰ اگر سہو بار بار پیش آتا ہو پھر کیا کرے
- ۲۵۱ بَابُ صَلَوةِ الْمَرِيضِ
- ۲۵۱ قیام پر قعدہ نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے
- ۲۵۲ رُوح ورجہ کی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے رکوع سجدہ کرے
- ۲۵۳ بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کا طریقہ کیا ہے
- ۲۵۴ لیٹ کر چھوٹے بل نماز پڑھنے کا حکم
- ۲۵۴ رک کے اشارہ تک سے جائز ہو تو نماز کب تک مؤخر کرے گا
- ۲۵۵ قیام پر قعدہ و رُوح ورجہ پر قعدہ نہ ہوا ان کے کیا حکم ہے

- ۲۵۶ تندرست نے نہ رکھا ہے ہوا شروع کی چہ مرض لاحق ہو گیا بیٹھا بھل کرے
- ۲۵۷ حالت مرض میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور روح مجروح ہوا ہے یہ کچھ تندرست ہو گیا کھڑے ہو کر پہلی نماز پڑھا کر سکتا ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۲۵۷ نذرانہ چھوڑ جیتیں شاربہ سے پائیں پھر روح مجروح ہو گیا یا اتفاق نے مرے سے نماز پڑھے
- ۲۵۷ نقل مرے یہ بر شمع کے چھوٹے لگان تو کیا حکم ہے
- ۲۵۹ بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے
- ۲۵۹ سختی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم اقوال فقہاء
- ۲۶۰ مانع یا مانع کے نمازوں میں بے ہوشی طاری رہی تو قصہ ہے اور اس سے زیادہ میں نہیں
- ۲۶۲ بَابُ فِي سَجْدَةِ التَّلَاوَةِ
- ۲۶۲ قرآنِ ربیم میں کل کتنے سجدے ہیں اور کون کون سی سورت میں ہیں
- ۲۶۲ صاحب ہدایہ نے ان پودہ مواضع سجدہ پر مصحف عثمان سے استدلال کیا ہے اور مصحف عثمان ہی معتد ہے
- ۲۶۳ ان تمام مواضع میں قاری اور سامع پر سجدہ تلاوت ہے
- ۲۶۵ بالجمہیت سجدہ تلاوت کی تو ایسا موقوفہ کی پر سجدہ تلاوت ہے اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ کا حکم
- ۲۶۷ نماز کے باوجود آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم ہے
- نماز میں کسی تیسرے شخص کے سجدہ تلاوت کی آیت سننے والے کے ساتھ نماز میں نہیں ہے نماز میں یا نماز کے بعد
- ۲۶۷ سجدہ کریں گے یا نہیں
- ۲۶۸ نماز میں سجدہ کرنا تو یہ سجدہ کافی نہیں
- ۳۶۸ سجدہ کا عذر لازم نماز کا عذر نہیں
- ۳۶۸ امام کے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور یہ شخص نے نہ جو نماز میں نہیں تھا امام کے سجدہ کرینے کے بعد نماز میں
- ۳۶۹ داخل ہوا اس پر سجدہ نہیں
- ۳۶۹ اگر وہ سجدہ کرنا نہیں چاہا یا وہ نماز میں سجدہ کرنا کافی نہیں ہوگا
- ۳۶۹ آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا پھر نماز میں داخل ہوا دوبارہ آیت پڑھی اور سجدہ کیا یہ سجدہ انہوں تلاوتوں
- ۳۷۰ کے لحاظ سے ہے

- ۲۷۱ آیت سجدہ کی تلاوت کی پھر سجدہ یا نماز میں دوبارہ آیت سجدہ کی تلاوت کی اب پہلے والا سجدہ کافی نہیں
- ۲۷۱ ایک مجلس میں کئی بار آیت سجدہ کی تلاوت کی تو ایک ہی سجدہ کافی ہے
- ۲۷۳ سامع کی مجلس بدلتی تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلتی تو سامع پر مکرر سجدہ ہے نہ کہ تلاوت کرنے والے پر
- ۲۷۴ سجدہ کرنے کا طریقہ
- ۲۷۵ نماز یا غیر نماز میں سورۃ پڑھنے کے دوران آیت سجدہ چھوڑنا مکروہ ہے
- ۲۷۵ بَابُ صَلَوةِ الْمُسَافِرِ
- ۲۷۶ مذکورہ کی مسافت
- ۲۷۷ متوسط رفتار معتبر ہے
- ۲۷۷ دریا میں نہنگی کی رفتی معتبر نہیں
- ۲۷۸ قسم نماز کی حیثیت
- ۲۹۰ اراقعہ کے بجائے اتمام کیا تو کیا حکم ہے
- ۲۹۰ قسم نماز کہاں سے شروع کرے
- ۲۸۱ مقیم بننے کے لئے کتنے دن کی اقامت کی نیت ضروری ہے
- ۲۸۳ ایک شہر سے آج کل نکلنے کا ارادہ کیا لیکن دو سال تک ٹھہرا رہا تو نماز قصر پڑھے گا
- ۲۸۳ تمدن، راحہ میں اقامت کی نیت معتبر ہے یا نہیں
- ۲۸۴ مسافر، عدم میں اسلامی لشکر نے باغیوں پر حملہ کیا اور اقامت کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر ہوگی یا نہیں
- ۲۸۵ مسافر کے لئے مقیم کی اقامت کا حکم
- ۲۸۵ مسافر کے لئے فوت شدہ نماز کی اقامت کا حکم
- ۲۸۶ مسافر مقیمین کا امام بن سکتا ہے
- ۲۸۷ مسافر امام کے لئے یہ مناسبت ہے اَسَلُّوا صَلَاتُكُمْ فَإِنَّا فَوْقُكُمْ سَقَرًا
- ۲۸۸ مسافر شہر میں داخل ہو جائے تو مکمل نماز پڑھے گا اگرچہ اقامت کی نیت نہ ہو
- ۲۸۸ وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے



- ۲۸۹ ، ہفتے سے وہ شہروں میں اقامت کی نیت کا قیام نہیں
- ۲۹۰ نماز کا خطبہ میں تصریح نہ کی جائے اور خطبہ کی نماز میں پہلے پڑھی جائے گی
- ۲۹۰ نماز کی رخصت مطہر اور ماحضہ دونوں کے لئے ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۲۹۱ **بَابُ صَلَوةِ الْجُمُعَةِ**
- ۲۹۳ شرائط صحت جمعہ
- ۲۹۵ منیٰ میں جمعہ کا حکم
- ۲۹۶ شرائط صحت امام کی پہلی شرط صحتان سے
- ۲۹۷ شرائط امام میں سے ایک شرط وقت ہے
- ۲۹۸ تیمم کی شرط خطبہ ہے
- ۲۹۹ صے ہو کر خطبہ دینے کا حکم
- ۳۰۰ خطبہ میں ذکر پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۰۱ شرائط جمعہ میں سے ایک شرط جماعت ہے
- ۳۰۲ امام کے روح اور کبدہ سے پہلے لوگ چل دیئے اور یہ صرف عورتیں اور بچے روئے تو خطبہ کی نماز کا کیا حکم ہے اقوال فقہاء
- ۳۰۳ بن افراد پر جمعہ فرض نہیں
- ۳۰۴ بن پر جمعہ فرض نہیں اگر انہوں نے جمعہ پڑھا تو وقتی فرض رہو جائے گا
- ۳۰۴ دن کو جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے
- ۳۰۵ بن نے جمعہ کے دن شہر کی نماز امامت سے پہلے پڑھ لی اور کوئی عذر مانع بھی نہیں تھا تو ایسا کر مکرر وہ ہے یا خطبہ کی نماز ہوئی یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۰۶ نماز پر جئے والا جمعہ کی صرف چل پڑے تو خطبہ باطل ہو جائے گی یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۰۷ معذرتین کے لئے جمعہ کے دن شہر میں خطبہ کی نماز جماعت سے پڑھنے کا حکم
- ۳۰۸ جس نے امام کو جمعہ کی جتنی نماز میں پالیا نماز پڑھے اور جمعہ کی بنا کر

- ۳۰۹ گرام کو شہد یا مجدہ سہو میں پایا تو جمعہ کی بنا درست ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۱۰ اے جب خطبہ کے لئے نکلا تو لوگ نماز اور کھانا ترک کر دیں گے یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۱۱ بیع و شراء، ڈان اولیٰ پر ختم کر دیں
- ۳۱۲ بَابُ الْعِيدَيْنِ
- ۳۱۳ عید انظر مقرر ہونے کا راز
- ۳۱۳ عید قربان کے مقرر ہونے کی وجہ
- ۳۱۴ نماز عید کی شرعی حیثیت
- ۳۱۴ عیدین میں مسنون اعمال
- ۳۱۵ صدقہ عطر کی ۱۰ انگلی کا وقت
- ۳۱۷ عید کاہ میں عید کی نماز سے پہلے غسل پڑھنے کا حکم
- ۳۱۷ نماز عید کا وقت
- ۳۱۸ عید کی نماز کا طریقہ
- ۳۲۰ تنبیہ ت عیدین میں رفع ایدین کا حکم
- ۳۲۱ نماز کے بعد عیدین کے خطبے دیئے جائیں
- ۳۲۲ منہ والے سے عید کی نماز قضا کرنے کا حکم
- ۳۲۳ عید النہج کے مستحبات
- ۳۲۳ راست میں جہرا تکبیر کہنے کا حکم
- ۳۲۴ کسی مانع کی وجہ سے پہلے دن عید نہیں پڑھی تو دوسرے دن یا پھر تیسرے دن پڑھیں
- ۳۲۶ اہل عرفہ کے ساتھ مشابہت کا حکم
- ۳۲۵ فصل فی تکبیرات التشریق
- ۳۲۵ تنبیہات تشریق کا بیان تنبیہات تشریق کا آغاز ب ہو کا اور ختم م رب ہو کا
- ۳۲۷ تنبیہ تشریق کے لئے کا وقت

## بَابُ صَلَوةِ الْكُصُوفِ

۳۲۸

۳۲۹

سورتِ کرہن کی نماز کا طریقہ

۳۳۰

بکی اور مراقبات کرنے کا حکم

۳۳۲

نماز کے بعدوں کا حکم

۳۳۲

امام جمعہ صلوٰۃ الکسوف کی امانت کرے

۳۳۲

چاند گرہن میں جماعت کا حکم

۳۳۳

## بَابُ الْإِسْتِسْقَاءِ

۳۳۴

نماز استسقاء کی جماعت کا حکم

۳۳۵

صائین کا نقطہ نظر

۳۳۵

جماعت کا حکم

۳۳۶

نماز استسقاء میں خطبہ کا حکم

۳۳۶

قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے کا حکم

۳۳۷

## بَابُ صَلَوةِ الْخَوْفِ

۳۳۷

صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ

۳۳۹

امام قیوم ہو تو نماز کا کیا طریقہ ہے

۳۴۰

حالت نماز میں قتل کا حکم

۳۴۰

سورگی پر نماز پڑھنے کا حکم

۳۴۱

## بَابُ الْجَنَائِزِ

۳۴۱

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ

۳۴۲

نماز جنازہ کے فرض علی الکفایہ ہونے کا راز

۳۴۲

قریب المرگ کو کس ہیئت پر لایا جائے

- ۳۴۳ فصل فی الْعُسْلِ
- ۳۴۳ میت کو غسل دینے کا طریقہ
- ۳۴۷ اعضاء، جسدہ پر خوشبو لگانے کا حکم، میت کو نکھلی کرنے، ناخن اور بال کاٹنے کا حکم
- ۳۴۸ فَصْلُ فِي التَّكْفِينِ
- ۳۴۸ مرد کے لئے مسنون کفن
- ۳۴۹ وہ چیزیں پر اکتفا کرنے کا حکم
- ۳۴۹ کفن پینے کا طریقہ
- ۳۵۰ عورت کا مسنون کفن
- ۳۵۱ کفن پہنانے کا طریقہ
- ۳۵۱ کفن و خوشبو لگانے کا حکم
- ۳۵۲ فَصْلُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ
- ۳۵۲ میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا مقدار کون ہے
- ۳۵۳ نبی، ولی نے نماز جنازہ پڑھائی تو ولی اعادہ کر سکتا ہے
- ۳۵۴ جس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم
- ۳۵۵ نماز پڑھنے کا طریقہ
- ۳۵۷ امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو
- ۳۵۸ سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم
- ۳۵۹ نماز جنازہ کرنے لئے ولی سے اجازت لینے کا حکم
- ۳۵۹ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم
- ۳۶۰ جس بچہ یا چاندنی کے بعد آثار حیات نمایاں ہوں یا مر رہا جائے، غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی
- ۳۶۱ وہ بچہ اپنے والدین کے ساتھ قید ہو گیا، پھر مر گیا تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی

۳۶۲

کافر کا مسلمان ولی سے غسل و ارشاد دے کا ورد فہم کرے گا

۳۶۲

## فَصْلٌ فِي حَمْلِ الْحَاذِرَةِ

۳۶۳

جنازہ اٹھانے کا بیان جنازہ اٹھانے کا طریقہ

۳۶۴

قبر میں رکھنے سے پہلے بیٹھنے کا حکم

۳۶۵

## فَصْلٌ فِي الدَّفْنِ

۳۶۵

دفن کا بیان قبر مدہ بنانی کا یہ شق

۳۶۶

قبر میں رکھنے والے کی دعا پڑھے اور سیاہ عمل کرے

۳۶۷

قبر میں پکی ایسا بھری لگانے کا حکم

۳۶۸

## بَابُ الشَّهِيدِ

۳۶۸

شہید کی تعریف

۳۷۰

شہیدوں، غنیوں اور غریبوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کا حکم

۳۷۰

جب تک شہید و غسل ایسے کا حکم، اقوال فقہاء

۳۷۲

شہید سے خون نہ پانچھا جائے اور نہ پیرے اتارے جائیں، مرد و عورت، تارلی یا میں

۳۷۳

ارشات کی تعریف

۳۷۴

شہر میں رہنے والے کے مقتول کے غسل کا حکم

۳۷۵

مرد و عورتوں میں قتل ہونے والے و غسل ایسے اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

۳۷۶

## بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

۳۷۶

کعبہ میں فرائض ہو فرائض و اہل بیت کا حکم، اقوال فقہاء

۳۷۷

کعبہ میں جماعت سے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

۳۷۸

نہ بدرامہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ

۳۷۸

عبتہ بدن چھت پر نماز پڑھنے کا حکم، امام شافعی کا نقطہ نظر





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ

ترجمہ (یہ) باب نماز کی صفت (کے بیان میں) ہے

تشریح اب تک نماز کے وسائل اور مقدمات کا بیان تھا اب یہاں سے مقصود یعنی نماز کو ذکر کریں گے۔

اہل لغت کے نزدیک وصف اور صفت دونوں مترادف ہیں اور دونوں مصدر ہیں جیسے وعد اور وعدۃ۔ اور متکلمین میں سے ہمارے علماء کے نزدیک وصف و اصف کا کلام ہے اور صفت وہ معنی ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ پس یہی عالم زیادہ کا وصف ہے نہ کہ صفت اور اس کا علم جو اس کے ساتھ قائم ہے صفت ہے نہ کہ وصف۔

یہاں کہ یہاں صفت سے کیا مراد ہے اس بارے میں اختلاف ہے۔ صاحب منایہ نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ صفت سے مراد نماز کی وہ جنس ہے جو اس کے ارکان اور عوارض سے حاصل ہو اور بعض کا خیال یہ ہے کہ صفت سے مراد وہ امور ہیں جو اس باب میں مذکور ہیں یعنی واجبات، فرائض، سنن و رمندوبات پس اس صورت میں صفت کی اضافت صلوۃ کی طرف اضافت جزئی الکل کے قبیلہ سے ہوگی۔ چونکہ صفات مذکورہ میں سے ہر صفت نماز کا جز ہے۔

اور بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے تقدیری عبارت ہے باب صفۃ اجزاء الصلوۃ اس صورت میں صفت سے مراد کیفیت ہوں گے۔ یعنی یہ باب نماز کے اجزاء کی کیفیت (وجوب، فرضیت وغیرہ) کے بیان میں ہے۔

## نماز کے فرائض

فَرِائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ: التَّحْرِيمَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَرَتَكَ فِكْرُ وَالْمُؤَادَّةُ بِهٖ تَكْبِيرُهُ لِإِفْتِتَاحِ وَالْقِيَامُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَ قَوْمُوا لِلَّهِ قِاسْتُنَ وَالْقِرَاءَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَاقْرَءُوا مَا نَزَّلَ مِنْ الْقُرْآنِ وَالزَّكَاةُ وَالسَّجْدَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَالْمُعَدَّةُ فِي أَجْرِ الصَّلَاةِ مَقْدَارُ الشَّهَادَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا بَأْسَ مَسْعُودٍ حِينَ عَشَمَهُ الشَّهَادَةُ إِذَا قُبِلَ هَذَا أَرَفَعَتْ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ غَلَّقَ التَّمَامَ بِالْفِعْلِ فَرَأَوْهُ تَقَرُّأً

ترجمہ اور نماز کے فرائض چھ ہیں (۱) تحریمہ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا وراپ رب کی بزرگی بیان کر۔ اور تکبیر سے مراد نماز شروع کرنے کی نیت ہے (۲) قیام اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کے واسطے بحالت خشوع، (۳) قرأت اس لئے کہ اللہ رب عزت نے فرمایا قرآن جس قدر سنا ہو پڑھو (۴-۵) رکوع و رجوع کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے اور رکوع کرو ورجوع کرو، (۶) آخر نماز میں شہدہ کی مقدار قعدہ ہے اس لئے کہ حضور نے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہدہ کی تعلیم دی تو فرمایا کہ جب قعدہ یہاں آئے اور یہ تیری نماز پوری ہوئی۔ حضور نے نماز کا پورا ہونا فعل پر معلق یہاں ہے (خواہ) کچھ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو۔

تشریح

یہاں قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اہل مقدور کی فرائض الصلوٰۃ بست فرماتے اس لئے کہ تین سے نو تک اہل دے استعمال کا قاعدہ یہ ہے کہ محدود اگر نہ ہو تو عدد مؤنث ہوگا اور اگر محدود مؤنث ہے تو عدد مذکر ہوگا۔ اور اس جگہ فرائض (محدود) فرضیہ کی جمع ہے اور فرضیہ مؤنث ہے اس وجہ سے عدد مذکر آنا چاہیے تھا۔

جواب: یہاں فرائض فروض کی تاویل میں کر لی گئی اور فروض جمع ہے فرض کی اور فرض مذکر ہے ہذاستہ کو مؤنث انا قاعدے کے مطابق ہوا۔ صاحب منایہ نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں فرائض الصلوٰۃ بست ہے پس اس نسخہ کی بنا پر سرے سے کوئی اشکال واقع نہیں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ مصنف نے فرائض الصلوٰۃ کیوں کہا ارکان الصلوٰۃ کیوں نہیں ذکر کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ فرائض عام ہے جو ارکان وغیرہ رکات (شرائط) سب کو شامل ہے۔ اور یہاں تحریر جو مذکور ہے وہ رکن صلاۃ نہیں بلکہ جواز صلاۃ کی شرط ہے اور تعدد اخیرہ اگرچہ فرض ہے لیکن رکن اسی نہیں اور رکن اصلی نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تعدد اخیرہ پہلی رکعت میں مشروع نہیں کیا گیا۔ بہر حال مصنف اگر لفظ فرائض کی جگہ ارکان ذکر کرتے تو یہ تحریر وغیرہ کو شامل نہ ہوتا۔ اس لئے ایسا لفظ ذکر کیا گیا جو سب کو عام ہو۔

فرض وہ ہے جس کا کرنا دلیل قطعی سے لازم ہو۔ اس سے کہ وہ رکن ہے یا شرط اور رکن وہ ہے جو نماز کی مابیت میں داخل جزو ہو۔ (البحر الرائق) اور کبھی اس کو بھی فرض کہہ دیا جاتا ہے جو نہ رکن ہو اور نہ شرط ہو۔

نماز کا پہلا فرض نماز سے فرائض میں سے اول تحریر ہے اور لغت میں تحریر کہتے ہیں "جعل لشیء محظرفاً" کو یعنی کسی کو محرم بنانا۔ یہاں تحریر تکبیر اولیٰ کا نام ہے کیونکہ تکبیر اولیٰ ان تمام چیزوں کو حرام کر دیتی ہے جو اس سے پہلے مباح تھیں۔ اس سے برخلاف دوسری تکبیروں کی یہ شان نہیں ہے۔

علامہ ابن ابراہیم نے کہا کہ تکبیر کو تحریر کہنا ہی زی ہے اس لئے کہ تحریم بذات خود تکبیر نہیں بلکہ اس سے تحریم ثابت ہو جاتی ہے اور اسی کی طرف اس حدیث کا اشارہ ہے "مفتاح الصلوٰۃ الطہور و تحریمہا لتکبیر و تحلیلہا التسلیم" (ابوداؤد، ترمذی) نماز کی کنجی تو طہور ہے اور تحریم اس کی تکبیر ہے اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔

تکبیر تحریر کی فرضیت پر چند دلیلیں ہیں۔ اول تکبیر تحریر پر حضور ﷺ کا ہمیشگی فرمانا ہے اور بغیر ترک کے کسی چیز پر آپ ﷺ کا ہمیشگی فرمانا واجب کی مدت ہے دوم اجماع ہے کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے سے آج تک تکبیر اولیٰ کے وجوب میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔

تیسری دلیل باری تعالیٰ کا قول "وَدَبَّكَ فَكَّرَ" (اسہ ۳) آیت میں اللہ اکبر کہنا مراد ہے کیونکہ مروی ہے "اِنَّهُ لَقَدِ ارْسَلَ رَسُوْلًا مِّنْ اِلٰهِهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَكَّرَتْ خَدٰیجَةُ وَفَرَحَتْ وَانْقَضَتْ اِنَّهُ الْوَحٰی" یعنی جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اللہ اکبر پس حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی تکبیر کہی اور خوش ہوئیں اور یقین کیا کہ یہ وحی ہے۔

چہاں استدلال یہ ہے کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد تکبیر تحریر ہے نیز کتب صیغہ امر ہے اور امر کا موجب وجوب ہے اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے کہ خارج صلاۃ کوئی تکبیر واجب نہیں ہے پس متعین ہو گیا کہ اس سے تکبیر نماز مراد ہے اور تکبیر تحریر۔

دوسرا فرض قیام ہے یعنی فرض نماز اور وتر اور جو حق بفرض ہوں مثلاً نماز نذران کوٹھڑے ہو کر پڑھنا فرض ہے بشرطیکہ قیام و سجدہ

کرنے پر قادر ہو۔ اور اگر قیام کر سکتا ہے مگر سجدہ نہیں کر سکتا تو اس کے لئے بیٹھ کر اشرار سے بڑھنا بہتر ہے۔ قیام کے فرض ہونے میں دلیل باری تعالیٰ کا قول ”وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ“ (بقرہ ۲۳۸) ہے یعنی ہڑے ہو اللہ تعالیٰ کے واسطے سخت خصوصاً یا خاموشی قنوت کے معنی اطاعت کرنا، اور بعض کے نزدیک خشوع اور بعض کے نزدیک سکوت اور خاموشی۔

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قنوت کے معنی نماز میں طول قیام کے ہیں۔ آیت سے استدلال اس طور ہوگا کہ خداوند قدس نے قیام کا امر فرمایا ہے اور مرد و عورت کے لئے آتا ہے اور خراج نماز با اتفاق قیام واجب نہیں پس ثابت ہو گیا کہ قیام نماز میں واجب (فرض) ہے۔

تیسرا فرض: قراءت ہے۔ اے اللہ تعالیٰ کا قول ”فَاَقْرَءْ وَاَمَّا یَسِّرْ مِنَ الْقُرْآنِ“ (نمل ۲۰) ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ قراءت کا حکم بصیغہ امر ہے اور امر واجب کے لئے آتا ہے اور نماز سے باہر ہر جماع قراءت فرض نہیں پس نماز میں قراءت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا یہی بات کہ اتنی مقدار پڑھنا فرض ہے؟ سو اس بارے میں ”فصل القراءۃ“ میں مفصل کام فرمایا جائے گا۔

چوتھا فرض: رکوع اور پانچواں سجود ہے۔ اے اللہ تعالیٰ کا قول ”وَازْکَعُوا وَاسْجُدُوا“ (ع ۷۷) ہے یعنی رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ وجہ استدلال وہی ہے جو سابق میں گذر چکی کہ رکوع اور سجود کا حکم بصیغہ امر ہے اور امر کا موجب وجوب ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اسلام کے شروع زمانے میں کچھ لوگ سجدہ کرتے تھے مگر رکوع نہیں کرتے تھے اور کچھ رکوع کرتے تھے مگر سجدہ نہیں کرتے تھے پس ان کو حکم کیا گیا کہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھو۔

فائدہ: نماز کے ارکان کتاب اللہ میں متفرق کر کے مشروع سے گئے ہیں چنانچہ کسی آیت میں رکوع اور سجود کا بیان ہے اور کسی میں قنوت کا اور کسی میں قیام وغیرہ کا۔ صاحب شرح نقایہ نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ دوسرا سجدہ واجب یعنی فرض نہیں ہے کیونکہ اس کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں ہوا۔

اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ دوسرے سجدہ کی فرضیت باجماع ثابت ہے حتیٰ کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ پھر فرمایا کہ ہر رکعت میں تکرار سجود نہ کرنا رکوع امر تعبیدی ہے یعنی خلاف قیاس ثابت ہے۔

اور بعض نے کہا کہ پہلا سجدہ (آقا) کے حکم کی تعمیل کے لئے ہے اور دوسرا انہیں کورسوا اور ایل کرنے کے لئے ہے کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کے باوجود ازراہ تکبر سجدہ نہیں کیا تھا۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ پہلا سجدہ للافہ اور دوسرا للشکر ہے۔ بعض نے کہا کہ پہلا سجدہ ایمان کی وجہ سے ہے اور دوسرا بقائے ایمان کی وجہ سے۔

اور بعض نے کہا کہ پہلے سجدے سے انسان کی ابتدائی پیدائش کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے اس کی حالت بقائے طرف اشارہ ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے قول ”مِنْهَا حَقِّقْکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی“ (ہود ۵۵) میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چھٹا فرض: بقدر تشبہ قعدۃ اخیرہ ہے یعنی اتنی مقدار بیٹھنا فرض ہے جس میں ”التحیات سے عنذہ ورسولہ“ تک پڑھنا ممکن ہو۔ ویسے یہ ہے کہ امام محمد امام ابو داؤد اور امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ان النبی ﷺ احدہ بیدہ



صاحب ہدایہ نے اس عبارت کے آخر میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ سنت سے مراد ماثبات بالسنۃ ہے اور چونکہ واجب بھی سنت سے ثابت ہوتا ہے اس لئے واجبات پر سنت کا اطلاق کر دیا گیا۔

لیکن صاحب ہدایہ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جمع بین الحقیقۃ واجبہ و لزوم آتا ہے ہے اس طور پر کہ سنت سے سنن مراد بطریق حقیقت ہے اور واجبات مراد لین بطریق مجزی ہے پس چونکہ یہاں دونوں مراد ہیں اس لئے حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا لازم آتا ہے۔

جواب: مصنف قدوری کے قول **فَهُوَ مُسْتَلْزَمٌ** سے مراد ثابت ہوا ہے اور واجبات اور سنن جو اس باب میں مذکور ہیں وہ اس لفظ کے تحت بطریق حقیقت داخل ہیں پس جمع بین الحقیقۃ و المجاز کا اشکال واقع نہیں ہوا۔

مصنف ہدایہ نے واجبات شرعہ کے ساتھ فرمایا کہ جیسے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور فاتحہ کے ساتھ سورۃ مدنا واجب ہے۔ اور جو انعام ایک رکعت میں مکرر شروع ہوئے ہیں ان میں ترتیب کی رعایت رکھنا بھی واجب ہے چنانچہ اگر کسی نے بھول کر رکعت اولیٰ کا دوسرا سجدہ چھوڑ دیا اور کھڑے ہو کر نماز پوری کر لی پھر اس کو یاد آیا تو وہ مترکہ سجدہ ادا کرے ورنہ ترک ترتیب کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ یہاں آنا سلام سے پہلے ہو یا سلام کے بعد بشرطیکہ کوئی مفید صلوٰۃ امر پیش نہ آیا ہو۔

در پہلے قعدہ قعدہ اخیر میں تشہد پڑھنا وتر میں دو قنوت پڑھنا عمیدین کی تمیزیں اور ہمہ نمازوں میں جہر کرنا اور سری نمازوں میں اخفا کرنا بھی واجب ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک ترک ہو گیا تو سجدہ سہو واجب ہوا۔

فائدہ: یہاں واجب سے مراد یہ ہے کہ جس کے بغیر نماز درست ہو جائے لیکن اس کے سوا ترک سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور سنت سے مراد یہ ہے کہ جس کو حضور ﷺ نے مواظبت کے ساتھ کیا ہو اور بغیر مذکور کبھی ترک نہ کیا ہو جیسے ثناء بعد از تمییزات روع و سجود۔

نماز کے پچھ آداب ہیں اور نماز میں ادب وہ ہے جس کو حضور ﷺ نے کبھی کبھار کیا اور اس پر مواظبت نہ فرمائی ہو۔ جیسے رکوع اور سجدے میں تین پر تسبیحات کی زیادتی اور قرات مسنونہ سے زائد قرات کرنا۔

### نماز کا طریقہ، تکبیر تحریمہ شرط ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَإِذَا شَرَعَ فِي الصَّلَاةِ كَثَّرَ لِمَا تَلَوْنَا وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَنَا حِلَاقًا لِلشَّافِعِيِّ حَتَّىٰ أَنْ يَجْزِيَ لِلْفَرْصِ كَانَ لَهُ أَنْ يُؤَدِّيَ بِهَا التَّطَوُّعَ وَهُوَ يَقُولُ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ لَهَا مَا يُشْتَرَطُ لِسَائِرِ الْأَرْكَانِ وَهَذَا يَهْ أَيْ التَّكْبِيرَ وَلَمَّا أَعْطَفَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهِ نَعَالِي وَدَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى وَمُقْتَضَاهُ الْمُغَايِرَةُ وَلِهَذَا لَا يَتَكَبَّرُ كَتَكْوَارِ الْأَرْكَانِ وَمُزَاعَاةُ الشَّرَائِطِ لِمَا يَنْصِلُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ

ترجمہ: اور جب نماز شروع کرے تو تکبیر ہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی اور حضور ﷺ نے فرمایا نماز کی تحریم تکبیر ہے اور یہ ہمارے نزدیک شرط ہے امام شافعی کا خلاف ہے حتیٰ کہ جو کوئی فرض کا تحریمہ باندھے تو اس کو جواز ہے کہ اس تحریمہ سے نقل کرے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ تحریمہ کے سے ہر وہ چیز شرط ہے جو ہر ارکان کے لئے شرط ہے اور یہ بات اس لئے کہ ہر ارکان کی عبادت ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر ارکان کے قائلوں کے قول و ذکر اسم ربہ فصلی میں تکبیر مذکور ہے نماز کا عطف کیا گیا ہے اور عطف کا مقتضی مغایرت ہے اور اسی وجہ سے تکبیر مکرر نہیں ہوتی جیسا کہ دوسرے ارکان مکرر ہوتے ہیں۔ اور شرائط کی رعایت اس



قیم میں جب سے جب جس کے ساتھ متصل ہے۔

**تشریح** مسد، باب نماز شروع کرنے کا ارادہ رکھنے نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل تو تکبیر تحریمہ ہڑے ہو رہے ہیں اس کی بجائے تکبیر کی پھر اٹھ اٹھ یا تو وہ نماز شروع کرنے والے نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص نماز میں شرکت کے ارادے سے آیا حالانکہ نماز شروع میں ہے پس اس نے اپنی پشت جھکاتے ہوئے تکبیر کہی تو اس صورت میں اگر یہ شخص تکبیر کہتے وقت قیوم سے قریب تر ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر کسی نے نماز شروع میں پایا پھر اس نے رکوع کے ارادے سے کھڑے ہو کر تکبیر کہی تو بھی جائز ہے کیونکہ اس کا ارادہ لغو ہے اور حالت قیوم میں اس کی تکبیر تحریمہ کے لئے قرار دی جائے گی۔

اسل وہ آیت ہے جو سابق میں مذکور چکی یعنی وردنک فکنر (اسعد ۳ اور دوسری اسل حضور ﷺ کا قول "تُخْرِئُهَا التَّكْبِيرُ" ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ تکبیر تحریمہ ہمارے نزدیک شرط ہے درامہ شافعی کے نزدیک رکن ہے۔ شرعاً اختلاف اس طرح ظاہر ہوگا کہ ہمارے نزدیک چونکہ تحریمہ شرط ہے اس لئے فرض کے تحریمہ سے نفل اور کرنا جائز ہوگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ رکن ہے اس لئے فرض کے تحریمہ سے نفل ادا کرنا جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ ایک شرط کے ساتھ متعدد نمازیں ادا کرنا جائز ہے لیکن ایک رکن کے ساتھ جائز نہیں۔ بہرحال تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے پر امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ہر وہ چیز شرط ہے جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہے جیسے طہارت، ستر، عورت، استقبال قبلہ، نیت اور وقت، یعنی یہ چیزیں جس طرح قیوم قرأت رکوع اور بعدہ وغیرہ ارکان کے لئے شرط ہیں اس طرح تکبیر تحریمہ کے لئے بھی شرط ہیں اور جس چیز کے لئے وہ باتیں شرط ہوں جو تمام ارکان کے لئے شرط ہیں تو یہ اس چیز کے رکن ہونے کی علامت ہے یعنی دوسرے ارکان پر قیاس کر کے اس کو بھی رکن قرار دیا جائے گا۔

ہماری اسل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے قول "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى" (یعنی ۱۵) میں نماز کا عطف ذکر اسم رب یعنی تکبیر تحریمہ پر کیا ہے اور عطف قضا کرتا ہے مغایرت کا یعنی معطوف ملے اور معطوف کے درمیان تغیر ضروری ہے۔

پس اگر تکبیر تحریمہ واجب ہے تو کل کا عطف جز پر لازم آئے گا اور چونکہ کل اس جز کو بھی شامل ہے اس لئے عطف شئی علی نفسہ لازم آئے گا اور یہ جائز ہے۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں بلکہ شرط ہے اور چونکہ شرط شئی سے خارج ہوتی ہے اس سے تکبیر تحریمہ ورنہ نماز کے درمیان تغیر ہوگا اور عطف درست ہوگا پس ثابت ہو گیا کہ تکبیر تحریمہ نماز کی شرط ہے نہ کہ رکن۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح دوسرے ارکان نماز میں مکرر ہوتے ہیں تکبیر تحریمہ مکرر نہیں ہوتی پس یہ اس بات کی علامت ہے کہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں ورنہ دوسرے ارکان کی طرح تکبیر تحریمہ مکرر ہوتی۔

ومرعاة الشرائط سے امام شافعی کی دلیل کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ شرائط (طہارت، ستر، عورت وغیرہ) کی رعایت تکبیر تحریمہ کے لئے نہیں ہے بلکہ قیوم جو تحریمہ سے متصل ہے اس کے لئے ہے اور وہ رکن ہے پس اس سے تحریمہ کا رکن ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

**ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھانا سنت ہے**

و يرفع يديه مع التكبير وهو سنة لان النبي عليه السلام و اطب عليه و هذا اللفظ يشير الى اشتراط المقاربة





اٹھائے کیونکہ اس کے حق میں یہ علت نہیں پائی گئی۔

جواب: تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اصل تو جماعت کے ساتھ آ کرنا ہے ارشاد باری ہے **وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ** پس منہ و انماز، آ کرنا نادر ہوگا ورشی نادر کا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ قاعدہ ہے **السادر کالمعدوم** اشکال: لیکن پھر اشکال ہوگا کہ چھ تو مقتدی کے حق میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی ولی ضرورت نہیں۔

جواب ممکن ہے کہ بہرہ آدمی آخری صف میں ہو اور وہ امام کو نہیں دیکھ سکتا تو ایسی صورت میں وہ اپنے سے آگے والے مقتدیوں کو دیکھ کر ہی نماز شروع کرے گا اس لئے مقتدیوں کے لئے بھی کانوں تک ہاتھ اٹھانا ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اب مشافعی کی پیش کردہ حدیث نبی حمید مذرہ کی حالت پر محمول ہے، چنانچہ وائل بن حجر سے روایت ہے **قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَوَجَدْتُهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى الْأُذُنِ ثُمَّ قَدِمْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ قَابِلٍ وَعَلَيْهِمُ الْأَكْسَةُ وَسُرْسُ مِنْ شِدَّةِ السَّرْدِ فَوَجَدْتُهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى الْمَاكِبِ**، وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں نہ خدمت ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ (تکبیر کے وقت) اپنے ہاتھ اپنے کانوں تک اٹھاتے ہیں پھر اگلے سال حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لوگ سخت سردی کی وجہ سے کمرے سے کھلے اور ایسے لباس پہنتے تھے جس کا کچھ حصہ نوپ کی جگہ کامرے تو میں نے ان کو دیکھا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

وائل بن حجر نے اس حدیث میں واضح کر دیا کہ ان لوگوں کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اشکاف کرنا ان کے لباس کی وجہ سے تھا پس معصوم ہوا کہ حدیث الی المناکب حالت عذر پر محمول ہے۔

صاحب شریعت نقایہ نے دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے اس طرح یہ (ہاتھ) کا اطلاق ہتھیلی اور اس سے اوپر کے حصہ پر ہوتا ہے پس ہوسکتا ہے کہ ہتھیلی کا کن رو اور گٹھ مونڈھوں کے مقابل رہتا ہو اور نفس ہتھیلی کانوں کی محذوفت میں رہتی ہو اب دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

### عورت کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے گی

**وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَكْبِئِهَا هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّهُ اسْتَرْتَلَهَا**

ترجمہ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اپنے مونڈھوں کے مقابل یہی صحیح ہے کیونکہ یہ طریقہ عورت کے لئے زیادہ پرہیزگار ہے۔

تشریح تکبیر تحریرہ کے وقت عورت اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے گی تو یہی صحیح ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے روایت کی کہ عورت اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے روایت حسن بن زیاد کی وجہ یہ ہے کہ رفع یدین ہتھیلیوں سے متحقق ہوتا ہے اور سابق میں کذرچکا کہ عورت کی ہتھیلی عورت نہیں ہے پس کانوں تک ہاتھ اٹھانے میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔

اور قول صحیح کی وجہ یہ ہے کہ مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں عورت کے واسطے زیادہ پرہیزگار ہے اس لئے عورت کے واسطے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا مناسب ہے۔

اللہ اکبر کی جگہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ لینے کا حکم اقوال فقہاء

فَإِنْ قَالَ سَدَلَ التَّكْسِيرِ اللَّهُ أَحْسَنُ أَوْ اعْظَمُ أَوْ الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ أَوْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَوْ غَيْرُهُ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى أَحْرَافُ  
عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَنَحْنُذِي وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ إِنْ كَانَ يُحْسِنُ التَّكْسِيرَ لَهُ يُحَرِّمُ إِلَّا قَوْلُهُ اللَّهُ أَكْبَرُ أَوْ اللَّهُ الْأَكْبَرُ أَوْ اللَّهُ  
الْكَبِيرُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يُحَرِّمُ إِلَّا بِالْأَوَّلِينَ وَقَالَ مَالِكٌ لَا يُحَرِّمُ إِلَّا بِالْأَوَّلِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَشْهُورُ وَالْأَخْلَافُ فِيهِ  
التَّوَقُّيفُ وَالشَّافِعِيُّ يَقُولُ إِذَا حَانَ الْأَلْفُ وَالْأَلَامَةُ أُنْبِغِ فِي السَّاءِ فَهَذِهِ مَقَامُهُ وَأَبُو يُوسُفَ يَقُولُ إِنْ فَعَلَ وَفَعِلًا فِي  
صِفَاتِ اللَّهِ يَدُلُّ عَلَى سَوَاءِ أَحْلَافٍ مَا إِذَا كَانَ لَا يُحْسِنُ لِأَنَّهُ لَا يَقْدَرُ إِلَّا عَلَى الْمَعْنَى وَلَهُمَا أَنَّ التَّكْسِيرَ هُوَ لِلْعَظِيمِ  
لَعْنَةً وَهُوَ حَاصِلٌ

ترجمہ: یہ اس کے نتیجے کے ہے۔ اللہ اَحْلٰی یا اللہ اَعْظَمُ کہا یا اللہ حَسْبُ اَنْكُرُ یا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ یا اس کے عبادہ والہ تعالیٰ کے  
 سوا جس کے (یعنی وہ امر یا واقعہ نہیں ہے) یہ کافی ہے اور ابو یوسف نے کہا کہ اگر انہی تفسیر کے تحت یہ تو جہ نہیں مگر اس کا قول اللہ  
 کسر یا اللہ الا کسر یا اللہ الکسر اور ما مشافعی نے کہا کہ یہ فہم و بکلموں کے ساتھ جہ ہے۔ اور ما مالک نے کہا کہ یہ مالک پہلے  
 علم کے ساتھ جہ ہے۔ یونہی نہیں مکتوب ہے اور اسل اس میں تو قیاف ہے۔ اور ما مشافعی فرماتے ہیں کہ الف اور ہ کا داخل کرنا ثانیہ میں  
 زیادہ مبالغہ کرتا ہے۔ قول ابی اسیر کے قاضی متا صہ ابی اور ابو یوسف فرماتے ہیں کہ افضل اور فاعیل اللہ تعالیٰ کے۔ لغات میں ہوا ہیں۔  
 برحق اس کے باب و انفس اچھی طرح نہیں کہہ سکتا یونہی وہ وہ ف معنی پر قادر ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ تیسرے لغت میں تعظیم ہ نام  
 ہے اور یہ تعظیم کا فعل ہے۔

تشریح : سب بات میں امتحان کا اندازہ یہاں نے اپنا نچھڑا قیس کے لئے ایک ہر اس لفظ سے نماز شروع کرنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر بات ہے۔ خواہ اللہ اکبر، یا اللہ الاکبر، یا اللہ عظیم، یا الرحمن اکبر، یا لا الہ الا اللہ یا الحمد للہ یا سبحان اللہ یا اللہ کے اسماء میں سے اور کسی اسم سے شروع کرے سب جائز ہے۔ ابابو یوسف نے فرمایا کہ اگر اچھی صحت تبیہ کرنے پر تو ائمہ فقہین المتأخر (اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ العظیم) میں سے کسی ایک لفظ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

امام تائفی نے یہی رسول اللہ اکبر اور اللہ الاکبر کے ساتھ شروع کرتا ہے اور امام مالک نے یہ کہہ کر فقہ المذاہب سے  
ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

۱۔ یہ سب اہل یہود و نصاریٰ کے لئے ہے۔ اور اہل اس میں تو قیامت میں شام علیہ السلام کا واقف  
 نہ ہو گا۔ یہاں سے صرف اللہ اکبر منقول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شروع میں شروع میں نہیں ہے۔  
 ۲۔ یہ سب اہل یہود و نصاریٰ کے لئے ہے۔ اللہ اکبر منقول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شروع میں شروع میں نہیں ہے۔  
 ۳۔ یہ سب اہل یہود و نصاریٰ کے لئے ہے۔ اللہ اکبر منقول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شروع میں شروع میں نہیں ہے۔

مذہبِ نبوی میں یہ ہے۔ اللہ کی رحمت میں افضل ہے۔ وہ ہے۔

تعالیٰ کی صفات میں زیادتی ثابت کرنا مراد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اصل کبریائی میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کوئی مساوی نہیں یہاں تک کہ فعل کے صیغہ کو زیادتی کے لئے قرار دیا جائے جیسا کہ بندوں کے اوصاف میں ہوتا ہے لہذا فعل اور فعلیل صفات باری میں دونوں برابر ہوں گے اس کے برخلاف اگر وہ شخص اچھی طرح تکبیر نہیں کہہ سکتا تو جس طرح اس سے ہو سکے تعظیم کے معنی ادا کر دے کیونکہ یہ شخص صرف معنی پر قادر ہے الفاظ تکبیر پر قادر نہیں۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لغت میں تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں باری تعالیٰ کا قول ہے "وَرَبُّكَ فَكَبِّرُ" (المدثر ۳) یعنی فَعَطِّمْ اور فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَاهُ (یسف: ۳۱) یعنی عَظَّمْنَاهُ اور تعظیم کے معنی ان تمام الفاظ سے حاصل ہو جاتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں اس لئے نماز کا افتتاح ہر اس لفظ سے ہو سکتا ہے جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرے۔

### فارسی میں قرأت کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

فَإِنْ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ بِالْفَارِسِيَّةِ أَوْ قَرَأَ فِيهَا بِالْفَارِسِيَّةِ أَوْ ذَبَحَ وَسَمَّى بِالْفَارِسِيَّةِ وَهُوَ يُحْسِنُ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَاؤُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يُجْزِيهِ إِلَّا بِأَبِي الذَّبِيحَةِ وَإِنْ لَمْ يُحْسِنِ الْعَرَبِيَّةَ أَجْزَاؤُهُ أَمَّا الْكَلَامُ فِي الْإِفْتِاحِ فَمُعْتَمَدٌ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْعَرَبِيَّةِ مَعَ أَبِي يُونُسَ فِي الْفَارِسِيَّةِ لِأَنَّ لُغَةَ الْعَرَبِ لَهَا مِنَ الْمَرْيَةِ مَا لَيْسَ لِغَيْرِهَا وَأَمَّا الْكَلَامُ فِي الْقِرَاءَةِ فَمَوْجُودٌ لِقَوْلِهِمَا أَنَّ الْقُرْآنَ اسْمٌ لِمَنْظُومٍ عَرَبِيٍّ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ الْعَجْزِ يُكْتَفَى بِالْمَعْنَى كَمَا لَا يَمْنَاءُ بِخِلَافِ التَّسْمِيَةِ لِأَنَّ الذِّكْرَ يَحْصُلُ بِكُلِّ لِسَانٍ وَلَا بِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ تَعَالَى وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ وَلَمْ يَكُنْ فِيهَا بِهَذِهِ اللَّغَةِ وَلِهَذَا يَجُوزُ عِنْدَ الْعَجْزِ إِلَّا أَنَّهُ يَصِيرُ مُسَيِّئًا لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ الْمُتَوَارِدَةِ وَيَجُوزُ بِأَبِي حَنِيفَةَ لِسَانُ كَلَامٍ سِوَى الْفَارِسِيَّةِ هُوَ الصَّحِيحُ لِمَا تَلَوْنَا وَالْمَعْنَى لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ اللُّغَاتِ وَالْخِلَافُ فِي الْإِعْتِدَادِ بِالْخِلَافِ فِي أَنَّهُ لَا نَسَادَ وَيُرْوَى رَجُوعُهُ فِي أَصْلِ الْمَسْئَلَةِ إِلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْإِعْتِمَادُ وَالْخُطْبَةُ وَالنَّهْدُ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ وَلِي الْأَذَانُ يُعْتَبَرُ التَّعَارُفُ

ترجمہ۔ پس اگر نماز شروع کی فارسی زبان میں یا نماز میں قرأت کی فارسی زبان میں یا جانور ذبح کیا اور تسمیہ فارسی میں کہہ حالانکہ یہ شخص عربی میں ادا کر سکتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو کافی ہوگا۔ اور صاحبین نے کہا کہ جائز نہیں مگر ذبیحہ میں۔ بہر حال کلام افتتاح میں عربی زبان میں امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور فارسی زبان میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں کیونکہ عربی زبان کو ایک خاص فضیلت ہے جو دوسری زبان کو حاصل نہیں۔ اور ہا کلام قرأت میں تو صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نام ہے کلام عربی کا جیسا کہ اس کے ساتھ نص ناطق ہے مگر عجز کے وقت معنی پر اکتفا کیا جائے جیسے اشارے پر اکتفاء ہوتا ہے برخلاف تسمیہ کے کیونکہ ذکر تو ہر زبان میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول "وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ" ہے اور پہلی کتابوں میں اس زبان میں قرآن نہیں تھا اور اسی وجہ سے عجز کے وقت جائز ہے مگر سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور فارسی کے علاوہ بھی ہر زبان کے ساتھ جائز ہے یہی قول صحیح ہے اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کردی اور معنی زبان کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتے اور اختلاف اس کے معتبر نہیں ہے اور عہد فساد میں کوئی اختلاف نہیں اور اصل مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف روایت کیا جاتا ہے

اور ای پر اعتماد ہے اور خطبہ اور تشہد میں ایسی ہی اختلاف ہے اور اذان میں تعارف معتبر ہے۔

**تشریح** فارسی زبان میں نماز شروع کرنا اور نماز کے اندر فارسی میں قرأت کرنا ذبیحہ پر فارسی زبان میں تسمیہ کہنا مثلاً بنام خدائے بزرگ کہنا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے خواہ عربی زبان پر قدرت ہو یا قدرت نہ ہو۔ اور صاحبینؒ نے کہا کہ اگر عربی زبان پر قادر ہے تو فارسی میں دُکرن جائز نہیں ہے البتہ ذبیحہ پر فارسی زبان میں بلکہ ہر زبان میں تسمیہ جائز ہے اور اگر عربی زبان پر قدرت نہ ہو تو فارسی میں سب جائز ہیں۔

تکبیر تحریر میں کلام یہ ہے کہ حضرت امام محمدؒ عربی زبان میں ادا کرنے میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں یعنی جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر اس کلمہ سے نماز شروع کرنا جائز ہے جو تعظیم باری تعالیٰ پر دلالت کرے اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک بھی ہر کلمہ تعظیم کے ساتھ افتتاح نماز جائز ہے اور فارسی زبان میں ادا کرنے میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ سوائے عربی کے دوسری زبان میں تکبیر کہنا امام محمدؒ کے نزدیک بھی ناجائز ہے حاصل یہ کہ عربی پر قدرت کی صورت میں غیر عربی میں تکبیر تحریر کہنا صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عربی زبان کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے جو کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا قول ہے "تَفْضِيلُ لِسَانِ الْعَرَبِ عَلَى سَائِرِ الْأَلْسِنَةِ أَنَا عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ وَلِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ" زبان عرب کو تمام زبانوں پر فضیلت حاصل ہے میں عربی ہوں قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

رہ کلام قراءت تو صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا نماز میں امر کیا گیا ہے وہ قراءت قرآن ہے اور قرآن اس نظم عربی کا نام ہے جو معنی پر دلالت کرے اور مصاحف میں مکتوب ہے اور ہماری طرف نقل تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "إِنَّا خَلَقْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا" (الزحرف ۳) اور فرمایا "قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ" (الزمر ۲۸) حاصل یہ کہ مامور بہ قرأت قرآن ہے اور وہ عربی میں ہے اس لئے عربی زبان میں قرأت کرنا فرض ہوگا اس کا تھنا تو یہ ہے کہ حالت عجز میں بھی نظم عربی کو ترک نہ کیا جائے مگر بات یہ ہے کہ عجز کے وقت معنی پر اکتفا اس لیے کیا گیا تا کہ تکلیف ممالا یُنطاق لازم نہ آئے جیسے اگر کوئی شخص رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے رکوع اور سجدہ کا اشارہ کافی ہے عین رکوع اور سجدہ ضروری نہیں۔

برخلاف ذبح کے وقت تسمیہ کے کہ وہ فارسی میں جائز ہے اگرچہ وہ عربی پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ مقصود تسمیہ سے ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَلَا تَأْكُلُوا أَمْثَالَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّهُمْ عَلَيْهِمْ" (الانعام ۱۰) اور ذکر ہر زبان میں حاصل ہو جاتا ہے خواہ عربی پر قادر ہو یا قادر نہ ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا "وَأَنَّهُ السِّبْحُ زُبُرُ الْأَوَّلِينَ" (اشراء ۱۹۶) یعنی قرآن پہلی کتابوں میں موجود ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن پہلی کتابوں میں نظم عربی کے ساتھ موجود نہیں تھا پس متعین ہو گیا کہ پہلی کتابوں میں اس کے معنی موجود تھے پس ثابت ہوا کہ قرآن معنی کا نام ہے نہ کہ نظم کا اور جب قرآن علی سبیل الترجمہ فارسی میں پڑھا جائے تو وہ اس کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا کیونکہ قراءت قرآن پائی گئی اور چونکہ قرآن پہلی کتابوں میں نظم عربی کے ساتھ موجود نہیں تھا اسی لئے نظم عربی پر عدم قدرت کے وقت فارسی زبان میں قراءت کرنا جائز ہے لیکن گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے سنت متواترہ کی مخالفت کی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل فارس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ ان کے لئے فارسی زبان میں سورہ فاتحہ لکھ کر بھیج

دیں۔ سلمان فارسیؓ نے فارسی زبان میں سورۃ فاتحہ لکھ کر بھیج دی وہ لوگ اس کو نماز میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے عربی زبان سیکھ لی۔ سلمان فارسیؓ نے لکھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ نماز میں بزبان فارسی قراءت کرنا جائز ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فارسی زبان میں نماز کے اندر قراءت کرنا جائز ہے اسی طرح فارسی کے علاوہ ہر زبان میں قراءت جائز ہے یہی صحیح قول ہے۔

اور ابوسعیدؓ کا قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صرف فارسی زبان میں قراءت کرنا جائز قرار دیا ہے فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اجازت نہیں دی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ فارسی زبان کو عربی سے قرب ہے اس لئے فارسی میں قراءت کی اجازت دی گئی اور دوسری زبانوں کو چونکہ یہ قرب حاصل نہیں اس لئے ان میں قراءت کرنا جائز نہیں۔

اور قول صحیح کی دلیل آیت ”وَإِنَّ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ“ (اشراء: ۱۹۲) ہے کیونکہ قرآن پہلی کتابوں میں جس طرح عربی زبان میں نہیں تھا اسی طرح فارسی زبان میں بھی نہیں تھا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت اعتماد معنی پر ہوگا اور معنی زبانوں کے اختلاف سے نہیں بدلتے لہذا ترکی ہندی وغیرہ ہر زبان میں جائز ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان غیر عربی میں قراءت کے جواز و عدم جواز کا جو اختلاف ہے وہ اس بارے میں ہے کہ غیر عربی میں قراءت معتبر ہوگی یا نہیں؟ حتیٰ کہ امام صاحب کے نزدیک اگر غیر عربی میں قراءت کی تو فرض قراءت ادا ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک ادا نہ ہوگا۔ وراں میں کچھ اختلاف نہیں کہ غیر عربی میں قراءت سے نماز فاسد نہیں ہوگی یعنی غیر عربی میں اگر قراءت کی تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔

علامہ ابن البہام نے لکھا ہے کہ نجم الدین نسفی اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ بو بکر رازی نے روایت کیا کہ اصل مسئلہ میں امام صاحبؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا یعنی حضرت امام اعظمؒ بھی آخر میں اس کے قائل ہو گئے تھے کہ نماز کے اندر غیر عربی میں قراءت جائز نہیں ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

خطبہ اور التحیات میں یہی اختلاف ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک غیر عربی میں جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے اور اذان میں تعارف معتبر ہے۔ مبسوط میں مذکور ہے کہ حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر فارسی زبان میں اذان دی اور لوگ جانتے ہیں کہ یہ اذان ہے تو جائز ہے اور اگر لوگ اس کے اذان ہونے سے واقف نہ ہوں تو جائز نہیں اس لئے مقصود اذان سے اعلام ہے اور لوگوں کے نہ جاننے کی وجہ سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوا۔

### اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ كَسَاةِ نَمَازٍ شَرَعْتَ كَرْنَهُ كَا حَكَم

وَإِنْ فَتَحَ الصَّلَاةَ بِاللَّهِمَّ اغْفِرْ لِيْ لَا تَجُوزُ لِأَنَّهُ مَشْرُوبٌ بِحَاجَتِهِ فَلَمْ يَكُنْ تَعْظِيمًا خَالِصًا وَإِنْ افْتَحَ بِقَوْلِهِ اللّٰهُمَّ فَقَدْ قِيلَ يُخْزِيهِ لِأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ وَقَدْ قِيلَ لَا يُخْزِيهِ لِأَنَّ مَعْنَاهُ يَا اللَّهُ أَمَّا بِحَسْبِ فَكَانَ سُؤْلاً



ترجمہ اور اگر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ سے نماز شروع کی تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کی حاجت کے ساتھ مخلوط ہے تو خالص تعظیم نہ ہوئی۔ اور اگر اَللّٰهُم سے شروع نہ کیا گیا کہ کافی ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں یا اللہ اور کہا گیا کہ کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں اے اللہ ہمارا قصد فرما خیر کے ساتھ پس یہ سوال ہوا۔

تشریح اور اگر نماز اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ کے ساتھ شروع کی تو جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی حاجت کے ساتھ مخلوط ہے پس چونکہ یہ کلمہ خالص تعظیم کے لئے نہیں رہا اس لئے اس کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہی حال ان تمام لفاظ کا ہے جو خالص تعظیم پر دلالت نہ کریں بلکہ صراحت یا معنی سواں کو متضمن ہوں جیسے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اِنَّا لِلّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ اور اگر فقط اَللّٰهُم کے ساتھ نماز شروع کی تو اس میں اختلاف ہے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ اَللّٰهُم کے معنی ہیں یا اللہ اور یہ محض ذکر اللہ ہے اس میں حاجت وغیرہ کی کوئی آمیزش نہیں ہے یہ قول اہل بصرہ کا ہے اور ایک جماعت کا خیال ہے انہم کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں یا اللہ اَمْنًا بِخَيْرٍ يَعْنِي اَقْصَدْنَا بِخَيْرٍ اے اللہ ہمارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرما ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کلمہ خالص تعظیم پر دلالت کرنے والا نہیں ہوا اس لئے اس کلمہ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے یہ قول اہل کوفہ کا ہے۔ (عنایہ)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ اور ہاتھ کہاں باندھے جائیں..... اقوال فقہاء

قَالَ وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى تَحْتَ السَّرَّةِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السُّنَّةِ وَضَعَ الْيَمِيْنُ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السَّرَّةِ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَا لَكَ فِي الْاَرْسَالِ وَعَلَى الشَّافِعِيِّ فِي الْوَضْعِ عَلَى الصَّدْرِ وَلِاَنَّ الْوَضْعَ تَحْتَ السَّرَّةِ اَقْرَبُ اِلَى التَّعْظِيْمِ وَهُوَ الْمُقْصُوْدُ ثُمَّ الْاِعْتِمَادُ سُنَّةُ الْقِيَامِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَابْنِ يُوْسُفَ حَتَّى لَا يُرْسِلَ حَالَةَ الشَّاءِ وَالْاَصْلُ اَنَّ كُلَّ قِيَامٍ فِيْهِ ذِكْرٌ مَّسْنُوْنٌ يَعْتَمِدُ فِيْهِ رَمَالًا فَلَا هُوَ الصَّحِيْحُ فَيَعْتَمِدُ فِيْ حَالَةِ الْقُنُوْتِ وَصَلَوَةِ الْجَزَاةِ وَيُرْسِلُ فِي الْقَوْمَةِ وَبَيْنَ تَكْبِيْرَاتِ الْعِبَادِ

ترجمہ مصنف نے کہا کہ ٹیکے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ناف کے نیچے دائیں ہاتھ کا بائیں پر رکھنا سنت ہے اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے ہاتھ چھوڑنے میں اور امام شافعی کے خلاف حجت ہے سینہ پر ہاتھ باندھنے میں اور اس لئے کہ زیر ناف رکھنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور تعظیم ہی مقصود ہے پھر اعتماد شیخین کے نزدیک قیام کی سنت ہے حتیٰ کہ شام کی حالت میں ہاتھوں کو نہیں چھوڑے گا۔ اور اصل یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں کوئی ذکر مسنون ہو اس میں ہاتھ باندھے اور جو قیام اس صفت کا نہ ہو اس میں مسنون نہیں ہے یہی قول صحیح ہے پس ہاتھ باندھے حالت قنوت میں اور جنازہ کی نماز میں اور ہاتھ چھوڑے قومہ میں اور عیدین کی تکبیروں میں۔

تشریح... اس عبارت کے تحت اعتماد میں چار مسئلے ہیں:

- (۱) کیا نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے یا نہیں؟
- (۲) کس طرح رکھے؟ (۳) کہاں رکھے؟ (۴) کب رکھے؟

پہلے مسئلہ میں ہمارے علماء مثلاً شافعی کا قول یہ ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا مسنون ہے اور امام مالکؒ نے کہا کہ ارسال کرے یعنی نماز میں ہاتھ چھوڑے رکھے اور جی چاہے تو باندھ لے پس امام مالکؒ کے نزدیک ارسال عزیمت اور اعتماد (ہاتھ رکھنا) رخصت ہے۔ ہمارے علماء کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی اور فرمایا اِنَّا مَعْتَسِرُ الْاَیْمَانِ اَمْرًا نَاْخُذُ شَمَانِلَا بِاَیْمَانَا یَافِی الصَّلَاۃِ یعنی ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا کہ ہم نماز میں اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مِّنَ السَّنَةِ اَنْ یَّضَعَ الْمُصَلِّیْ بَیْمَتَهُ عَلٰی شِمَالِهِ تَحْتَ السَّرِقَةِ فِی الصَّلَاۃِ صاحب ہدایہ نے یہ اثر ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا اِنَّ مِنَ السَّنَةِ وَضَعَ الْبَیْمَنِ عَلٰی الشِّمَالِ تَحْتَ السَّرِقَةِ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے۔ یہاں یہ بات قائل ذکر ہے کہ ہدایہ کے اصل نسخہ میں یہ عبارت یوں تھی لقول علیؑ ان من السنة ان لیکن نادان نسخے داؤں نے اس کو لقولہ علیہ السلام کر دیا۔

اور ابو داؤد میں ہے عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ اَنَّهُ كَانَ یُصَلِّیْ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰی عَلٰی الْیُمْنٰی فَرَاَهُ النَّبِیُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی الْیُسْرٰی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نماز پڑھتے تھے پس انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا حضور ﷺ نے دیکھا تو ابن مسعود کا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ دیا۔ بہر حال ان روایات سے ثابت ہوا کہ مسنون دائیں ہاتھ کا بائیں پر رکھنا ہے پس یہ احادیث امام مالکؒ کے خلاف حجت ہوں گی اور ہمارا مذہب ثابت ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: کیفیت وضع کا ہے یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی کیفیت کیا ہے سو اس کی کیفیت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلی انگلی سے بائیں ہاتھ کا گنا (پہنچا) پکڑے۔ (عنایہ)

تیسرا مسئلہ: ہاتھ رکھنے کی جگہ کا ہے پس ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سینہ پر ہاتھ رکھنا افضل ہے امام شافعیؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول "فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرِ" (انکوثر: ۲) ہے یعنی اپنے دیکے واسطے نماز پڑھ اور دایاں ہاتھ بائیں پر سینہ پر رکھنا علامہ ابن ابیہمامؒ اور صاحب عنایہ نے فرمایا کہ مفسرین نے کہا کہ و انحر سے دائیں ہاتھ کا بائیں پر سینہ پر رکھنا مراد ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سینہ نور ایمان کی جگہ ہے لہذا نماز کے اندر اپنے ہاتھ سے اس کی حفاظت کرنا اولیٰ ہے ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے یعنی اِنَّ مِنَ السَّنَةِ وَضَعَ الْیُمْنِ عَلٰی الشِّمَالِ تَحْتَ السَّرِقَةِ اور لفظ سنت سے بالعموم رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے زیر ناف ہاتھ باندھنے میں تعظیم ہے اور نماز کے اندر تعظیم ہی مقصود ہوتی ہے اس لئے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنا افضل ہے۔

صاحب کفایہ نے لکھا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ سے بعد ہو جاتا ہے اور ستر عورت سے قرب ہو جاتا ہے اس لئے بھی زیر ناف ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے اور امام شافعیؒ کا لفظ و انحر سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ آیت میں و انحر سے مراد عید کی نماز کے بعد قربانی کے جانور کا نحر (ذبح) کرنا ہے۔ (کفایہ)

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ نمازی ہاتھ کب باندھے سو اس بارے میں شیخین کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا قیام کی سنت ہے اور امام محمدؒ

سے مروی ہے کہ قراءت کی سنت ہے چنانچہ ثناء میں شیخین کے نزدیک ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک حالت ثناء میں ہاتھ چھوڑے رکھے اور قراءت شروع ہونے پر ہاتھ باندھ لے۔

مذہب بدایہ نے ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کے بارے میں یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ بدوہ قیام (خواد حقیقی ہو یا حکمی) جس میں کوئی ذکر مسنون ہو تو ایک قیام میں ہاتھ باندھے اور جو قیام ایسا نہ ہو اس میں ہاتھ باندھنا مسنون نہیں ہے یہی قول صحیح ہے۔ اسی قول پر شیخ الاسلام سی صدر البیہ برہان الامہ اور صدر الشہید سام الائمہ فتویٰ دیا کرتے تھے پس اس اصول کے ماتحت حالت قنوت اور نماز جنازہ میں ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا اور قومہ (ربوٰع اور مجدہ کے درمیان) و رعیدین کی تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑنا مسنون ہوگا۔

### ثناء میں کیا پڑھا جائے..... اقوال فقہاء

تَمْ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَىٰ آخِرِهِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَضُمُّ إِلَيْهِ قَوْلَهُ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ إِلَىٰ آخِرِهِ لِرِوَايَةِ عَمْرِو بْنِ الْقَيْسِ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ ذَلِكَ وَلَهُمَا رِوَايَةٌ أَنَّهُ أَنَّ السَّيِّءَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا بَسَّخَ الصَّلَاةَ كَثَرَ وَقَرَأَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ إِلَىٰ آخِرِهِ وَلَمْ يَزِدْ عَلَىٰ هَذَا وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَىٰ التَّحْدِيدِ وَقَوْلُهُ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ لَمْ يَدْكُرْ فِي الْمَشَاهِيرِ فَلَا يَأْتِي بِهِ فِي الْمَرَائِضِ وَالْأُولَىٰ أَنْ لَا يَأْتِيَ بِالتَّوَجُّهِ قَبْلَ التَّكْبِيرِ لِيَتَّصِلَ الْيَتَةُ بِهِ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ پھر سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ آخر تک پڑھے۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس ثناء کے ساتھ اسی وجہت و جہی آخر تک ملا۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ حضور اس کو کہا کرتے تھے اور طرفین کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع کرتے تو اس کو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ آخر تک پڑھتے اور اس پر زیادہ نہیں کیا۔ اور جو ابو یوسف نے روایت کیا وہ تہجد پر محمول ہے۔ اور اس کا قول قَحْلٌ ثَنَانُكَ مشہور روایتوں میں مذکور نہیں ہے اس فقرائض میں نہ لائے اور اولیٰ یہ ہے کہ تکبیر سے پہلے توجہ (إِنِّي وَجَّهْتُ) نہ پڑھے تاکہ نیت تکبیر کے ساتھ متصل ہو جائے یہی صحیح ہے۔

تشریح امام قدوری نے کہا کہ مذکور ہاتھ باندھنے کے بعد ثناء پڑھے اور ثناء یہ ہے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَىٰ حُدُوكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ اور بعض روایات غیر مشہورہ میں وتعالیٰ جدک وحل ثناوک ولا الہ غیرک ہے لیکن چونکہ جل ثنائوک مشہور روایات میں مذکور نہیں ہے اس لئے اس کو فقرائض میں نہ کہے۔

اسی بات کے ثناء کے ساتھ کسی اور دعا کو ملا یا نہیں تو اس بارے میں طرفین کا مذہب اور امام ابو یوسف کا قول اول یہ ہے کہ ثناء کے ساتھ اور دعا نہ ملے۔ اور امام ابو یوسف کا قول ثانی یہ ہے کہ متصلی ثناء کے ساتھ یہ دعا ملے إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِذِي فَطَرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اور بعض روایات میں من المسلمین کے بعد یہ لفظ بھی وارد ہوئے ہیں اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّيْ وَ اَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاعْفُ عَنِّيْ دُوْبِيْ خَمِيْعًا

لَا يَعْصِرُ الدُّوْبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا تَصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ لَكَ يَكُ وَتَعْدِيكَ وَالْحَيُّ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اسْتَغْفِرُكَ وَاتُوبُ إِلَيْكَ فقہاء کی اصطلاح میں اس دعا کا نام توجہ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف کی دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے کہا کہ اس دعا کو بھی پڑھا کرتے تھے۔ طر فین کے اصل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَثَرُوا قَوْلَ اسْتَحَاكَ اللَّهُمَّ وَيَحْمَدُكَ إِلَى آخِرِهِ "صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے زیادہ کچھ بیان نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ ثناء کے بعد توجہ یعنی انی و حہت الخ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ امام ابو یوسف کی پیش کردہ روایت تہجد کی نماز پر موقوف ہے یعنی حضور ﷺ نفل نماز میں اس کو پڑھا کرتے تھے اور فرائض میں ثناء کے علاوہ کوئی دعا پڑھنا منقول نہیں ہے۔ فاضل مصنف نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ نیت کے بعد اور تکبیر سے پہلے بھی اسی و حہت الخ نہ پڑھے تاکہ نیت کا تکبیر کے ساتھ اتصال ہو جائے اور درمیان میں انی و حہت و حہی الخ فاضل نہ ہو۔ یہی صحیح ہے۔ اور بعض متاخرین جن میں فقیہ ہواہیث بھی ہیں فرماتے ہیں کہ نیت اور تہنہ کے درمیان اس کا پڑھنا جائز ہے۔

### تعوذ کی شرعی حیثیت، موضع تعوذ، تعوذ کے الفاظ

وَيَسْتَعِذُّ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مَعَهُ رِذَا أَرَدَتْ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ، وَالْأُولَى أَنْ يَقُولَ اسْتَعِذْ بِاللَّهِ لِيُؤَافِقَ الْقُرْآنَ وَيَقْرُبَ مِنْهُ أَعُوذُ بِاللَّهِ لَكُمْ السَّعُودُ تَبَعٌ لِلْقِرَاءَةِ دُونَ الشَّيْءِ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ وَمُحَمَّدٍ لِمَا تَلَوْنَا حَتَّى يَأْتِيَ بِهِ الْمَسْبُوقُ دُونَ الْمُقْتَدِي وَ يُؤَخَّرُ عَنْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ

ترجمہ اور پناہ طلب کرے اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے پھر جب تو قرآن پڑھے تو پناہ ڈھونڈ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان مردود سے اِذَا قَرَأْتَ کے معنی یہ ہیں کہ جب تو قراءت قرآن کا ارادہ کرے اور اولیٰ یہ ہے کہ اسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ کہے تاکہ قرآن سے موافق ہو جائے اور ان کے قریب اَعُوذُ بِاللَّهِ بھی ہے۔ پھر تعوذ طر فین کے نزدیک قراءت کے تابع سے نہ کہ ثناء کے اس نیت کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے حتیٰ کہ اس کو مسبوق پڑھے گا نہ کہ مقتدی اور امام تعوذ کو عید کی تکبیروں میں مؤخر کرے گا۔ اس میں ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

تشریح اس جگہ تین بحثیں ہیں۔

(۱) اصل تعوذ میں یعنی نماز کے شروع میں تعوذ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

(۲) موضع تعوذ میں، (۳) تعوذ کے الفاظ میں۔

پہلی بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہرے نزدیک نماز کے شروع میں تعوذ مسنون ہے۔ (فتح القدیر) اور صاحب شرح نقایہ نے لکھا ہے

کہ علامہ اسلف کے نزدیک مستحب ہے اور جمہور خف بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ نماز کے شروع میں تعوذ نہ کیا جائے۔ سفیان ثوریؒ اور عطاء دہوب تعوذ کے قائل ہیں۔ سفیان ثوریؒ اور عطاءؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اور استعذام کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ وجوب کا قول خلاف اجماع ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَخَلْفَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانُوا يَفْتَحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا رسول اور شیخین الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے اور اس سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل: ۹۸) ہے جس میں استعذام کا تقاضا اگرچہ یہ ہے کہ تعوذ واجب ہو جیسا کہ عطاءؒ اور ثوریؒ کہتے ہیں مگر چونکہ اسلاف نے اس کے سنت ہونے پر اجماع کیا ہے اس لئے ہمارے علماء تعوذ کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔

دوہری بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعوذ قرأت قرآن سے پہلے ہے اور اصحاب ظواہر کے نزدیک قرأت کے بعد ہے اصحاب ظواہر ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہیں اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ جب تو قرأت قرآن کر چکے تو استعاذہ کر اس سے معلوم ہوا کہ استعاذہ قرأت کے بعد ہے۔

لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ یعنی جب قرأت قرآن کا ارادہ ہو تو استعاذہ کر رہی یہ بات کہ تعوذ قرأت کے تابع ہے یا ثناء کے تو اس بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ طرفین کے نزدیک تعوذ قرأت کے تابع ہے نہ کہ ثناء کے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ثناء کے تابع ہے پس طرفین کے نزدیک جس شخص پر قرأت واجب ہوگی وہ تعوذ کرے گا حتیٰ کہ مسبوق تعوذ کرے گا کیونکہ اس پر فوت شدہ رکعات میں قرأت کرنا واجب ہے ابنتہ مقتدی تعوذ نہ کرے کیونکہ اس پر قرأت واجب نہیں۔

اور عیدین کی نماز میں تعوذ عید کی تکبیروں سے مؤخر کرے گا کیونکہ عیدین کی پہلی رکعت میں قرأت تکبیرات عید سے مؤخر ہوتی ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو ثناء پڑھے گا وہ تعوذ بھی کرے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تعوذ ثناء کی جنس سے ہے کیونکہ جس طرح ثناء دعا ہے اسی طرح تعوذ بھی ایک دعا ہے اور شکی کا تابع شکی کے بعد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ تعوذ ثناء کا تابع ہے نہ کہ قرأت کا اور طرفین کی دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل: ۹۸) ہے۔

تیسری بحث کا حاصل یہ ہے کہ تعوذ کے اغاظ میں اوں یہ ہے کہ اَسْتَعِذُّ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ کہے تاکہ باری تعالیٰ کے قول فاستعذ باللہ کے موافق ہو جائے۔

لیکن اکثر اخبار و آثار میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وارد ہے اسی وجہ سے صاحب ہدایہ نے کہا کہ استعینہ کے قریب

أَعُوذُ بِاللّٰهِ بِحَبْلِ عَمَلٍ مِّنْ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھا ہے لہذا اسی کو اختیار کیا جائے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ

تسمیہ

وَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، هَكَذَا نُقِلَ فِی الْمَشَاهِیْرِ

ترجمہ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے۔ ایسا ہی مشہور حدیثوں میں مروی ہے۔

تشریح..... تسمیہ کے اندر چند باتوں میں کلام ہے

(۱) واضح ہو کہ سورہ نمل کی آیت وَإِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں بِسْمِ اللّٰهِ اتفاق قرآن کا جز ہے اور سورہ نمل کا بھی لیکن دوسورتوں کے درمیان جو بسم اللہ مذکور ہے اس میں اختلاف ہے کہ وہ قرآن کا جز ہے یا نہیں پس ہمارے علماء احناف کے نزدیک قرآن کا جز ہے اور امام مالک قرآن کا جز ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

(۲) بسم اللہ ہمارے نزدیک نہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی دوسری سورت کا بلکہ سورتوں کی درمیان فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور باقی سورتوں کا جز ہونے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔

(۳) بسم اللہ کے ساتھ جبر ہوگا یا سر اس کی تفصیل اگلی سطور میں آرہی ہے۔

تعوذ، تسمیہ، آمین سر اُکھی جائے یا جبراً..... اقوال فقہاء و دلائل

وَيُسَرِّبُهُمَا لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَرْبَعٌ يُخَفِّضُهُنَّ الْإِمَامُ وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا التَّعَوُّذَ وَالتَّسْمِيَةَ وَآمِينَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجْهَرُ بِالتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ لِمَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَهَرَ فِي صَلَاتِهِ بِالتَّسْمِيَةِ قُلْنَا هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى التَّعْلِيمِ لِأَنَّ أَمْسًا أَخْبَرَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَجْهَرُ بِهَا ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَأْتِي بِهَا فِي أَوَّلِ كُلِّ رَكْعَةٍ كَالْتَّعَوُّذِ وَعَنْهُ أَنَّهُ يَأْتِي بِهَا اخْتِطَاطًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَلَا يَأْتِي بِهَا بَيْنَ السُّورَةِ وَالْفَاتِحَةِ إِلَّا عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ يَأْتِي بِهَا فِي صَلَاةِ الْمُحَافَةِ

ترجمہ اور بسم اللہ اور تعوذ کے ساتھ خفاء کرے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ چار چیزیں ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے اور ذکر کیا بخجلہ ان میں سے تعوذ، تسمیہ اور آمین کو اور امام شافعیؒ نے کہا کہ تسمیہ کو جہر سے پڑھے جب قرأت سے جہر کرے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی نماز میں بسم اللہ کے ساتھ جہر کیا ہم کہتے ہیں کہ یہ تعلیم پر محمول ہے کیونکہ حضرت انسؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ کا جہر نہیں کیا کرتے تھے پھر امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے شروع میں نہ پڑھے جیسے تعوذ کا حکم ہے اور ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ بسم اللہ کو احتیاطاً (ہر رکعت کے اول میں) لائے اور یہی صاحبین کا قول ہے اور بسم اللہ کو فاتحہ اور سورت کے درمیان نہ لائے مگر امام محمدؒ کے نزدیک اس لئے کہ اس کو سری نماز میں پڑھے۔

تشریح صاحب تہذیبؒ نے فرمایا کہ تسمیہ اور تعوذ میں سر کرے یعنی نماز کے اندر ان کو آہستہ پڑھے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ جہری

نماز میں بسم اللہ کو جہر کے ساتھ پڑھے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ اپنی نماز

میں بسم اللہ کو بائجر پڑھتے تھے چنانچہ صحیح ابن خزیمہ ابن حبان اور نسائی میں نعیم النضر سے روایت ہے کہ صَلَّيْتُ وِرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَرَأَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ثُمَّ قَرَأَ بِأَمِّ الْقُرْآنِ حَتَّى بَلَغَ وَلَا الصَّالِينَ فَقَالَ آمِينَ ثُمَّ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ وَالَّذِي بَفِي يَدَيْهِ إِنِّي لَا أَشْهَكُمُ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (یعنی اقرار) یعنی مجھ کو مجمع سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس ابو ہریرہ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی پھر ام قرآن یعنی سورہ فاتحہ پڑھی حتیٰ کہ وَلَا الصَّالِينَ پر پہنچے آمین بھی پڑھا۔ کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ مشابہ ہوں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے بسم اللہ سورہ فاتحہ اور آمین تینوں میں ہم کیا یہ نماز ابو ہریرہ اور جب نہ فرماتے تو نعیم النضر کو اس طرح علم ہوتا اور چونکہ ابو ہریرہ نے کہا کہ میری نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مشابہت رکھتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے بھی ان چیزوں کو بائجر پڑھا ہے۔

اور دارقطنی نے سعید بن جبیر سے روایت کی،

عَنْ أَبِي عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْهَرُ فِي الصَّلَاةِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور ﷺ نماز میں بسم اللہ بائجر پڑھتے تھے۔

ہماری دلیل ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام آہستہ پڑھتے ہیں چار چیزیں یہ ہیں تعوذ تسمیہ تحمید (ربنا لک الحمد) آمین۔ صاحب شرح نقایہ نے بحالہ تحمید کے ثناء و ترسیل سے یونکہ امام محمد نے آثار میں روایت کی ہے عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قَالَ أَرَبُ بَعْضِهِمْ الْإِمَامُ التَّعَوُّذُ وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَسُحَاكُ اللَّهِ وَبِعَمْدِكَ وَآمِينَ (شرح نقایہ)

بسم اللہ وہ سہ پڑھتے ہیں یہ حضرات اس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی مشہور ہے صَلَّيْتُ حَيْثُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَيْثُ أَسَى بُكَرَوُ عُمَرُو وَعُثْمَانُ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اور مسلم کی ایسی روایت میں ہے فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ حضرت اس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابو ہریرہؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی پس میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے نہیں سنا۔ حضرت امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت بائجر کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بھی لوگوں کی تعلیم کے واسطے بسم اللہ کے ساتھ جہر فرمایا ہے ورنہ آپ کی ممانعت بسم اللہ کے ساتھ جہر کرنے کی نہ تھی چنانچہ حضرت اس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوابی کہ آنحضرت ﷺ بسم اللہ نماز کے اندر بائجر نہیں پڑھتے تھے دوسرا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے ساتھ جہر کرتے تھے لیکن اذْعُو رَبُّكُمْ نَصْرًا غَاوٍ خَفِيَةً کے ذریعہ جہر منسوخ ہو گیا۔

صاحب شرح نقایہ طاعلی قاری نے فتح کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے

عَنْ سَعِيدِ بْنِ حَبِيبٍ أَنَّهُ قَالَ كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَحْضُرُونَ لِمُسْحَدٍ وَإِذَا قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا هَذَا مُحَمَّدٌ يَذْكُرُ رَحْمَتَ الْيَمَامَةِ يَعُوْنَ مُسْلِمَةَ الْكَذَّابِ فَأَمْرًا أَنْ يُخَافَتْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَتَرَكْتُ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَوَتِكَ وَلَا تَخَافُتِ بَهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ مشرکین مکہ مسجد حرام میں جھڑپ کرتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ قرأت کرتے تو کہتے کہ یہ محمد ہیں یمامہ کے رحمن یعنی سیدنا کا اکر کرتے ہیں پس آپ کو صحابہ یا گیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ اخفاء کریں اور لَا تَجْهَرُوا بِصَلَوَاتِكُمْ آیت نازل ہوئی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ بسم اللہ اور قرأت قرآن میں جہر فرماتے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد جہر کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے فَخَفَضَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ یعنی اس واقعہ کے بعد اللہ کے پاک نبی ﷺ نے بسم اللہ کو پست آواز کے ساتھ پڑھایا بھی جہر کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن السمان نے نعیم الحکمر کی روایت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخفاء کے باوجود نعیم الحکمر نے سن لیا ہو کیونکہ اگر مقتدی امام سے قریب ہو ورنہ امام نے اخفاء میں مبالغہ نہ کیا ہو تو بھی سننا متحقق ہو سکتا ہے۔

ربی یہ بات کہ بسم اللہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھے یا فقط پہلی رکعت میں اس بارے میں حضرت امام عظیم سے دو روایتیں ہیں۔ حسن بن زیاد کی روایت تو یہ ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت میں نہ پڑھے بلکہ نماز کے شروع میں فقط ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہے جیسے کہ تعویذ صرف پہلی رکعت میں پڑھنا کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے بلکہ افتتاح صلوۃ کے لئے پڑھی جاتی ہے اور صلوۃ واحدہ فعل واحد کے مانند ہے ورنہ فعل واحد کے لئے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہے لہذا صلوۃ واحدہ کے لئے بھی ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنا کافی ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ سے دوسری روایت ابو یوسف کی ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے احتیاط اسی میں ہے کیونکہ بسم اللہ کے فاتحہ کا جز ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے۔ لہذا بسم اللہ کا پڑھنا بھی ہر رکعت میں ضروری ہوگا۔ تاکہ اختلاف سے بچا جاسکے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا صحیحین کا قول ہے۔ پھر فرمایا کہ سورت فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ نہ پڑھے البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ سری نماز میں بسم اللہ فاتحہ اور سورت کے درمیان پڑھ سکتا ہے لیکن جہر نماز میں نہ پڑھے۔

### قرأت فاتحہ وضم سورت رکن ہے یا نہیں؟ ... اقوال فقہاء و دلائل

ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أُنَى سُورَةٍ شَاءَ فَيَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ لَا تَتَعَيَّنُ رُكْنًا عِنْدَنَا وَكَذَا صَمُّ السُّورَةِ إِلَيْهَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي الْفَاتِحَةِ وَلِمَالِكٍ فِيهِمَا لَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ سُوْرَةٍ مَعَهَا وَلِلشَّافِعِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَلَنَا قَوْلُهُ نَعَالِي فَأَقْرَأْ وَأَمَّا يَسْرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالرِّيَادَةُ عَلَيْهِ يَحْبِرُ الْوَاحِدُ لَا يَحُورُ لِكِنَّهُ يُوجِبُ الْعَمَلَ فَقُلْنَا بِوَحْوِيَّتِنَا

ترجمہ پھر سورۃ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورت یا تین آیات جس کی سورت میں سے چاہے جس سے ہماری نزدیک قرأت فاتحہ کا رکن ہونا متعین نہیں ہے۔ اور یہی اس کے ساتھ سورت ماننے کا ہے۔ سورہ فاتحہ میں امام شافعی کا اور سورہ فاتحہ اور سورت دونوں میں امام مالک کا اختلاف ہے امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہیں مگر فاتحہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ سورت کے۔ اور امام شافعی کی



دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ نماز نہیں ہے مگر سورۃ فاتحہ کے ساتھ۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پڑھو جو آسان ہو قرآن میں سے۔ اور قرآن پر خبر واحد کے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خبر واحد عمل واجب کرتی ہے پس ہم ان دونوں کے وجوب کے قائل ہو گئے۔

**تشریح** علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نماز کے اندر قرأت قرآن کی کتنی مقدار فرض اور رکن ہے؟ سو ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلق قرأت قرآن فرض ہے چنانچہ کسی ایک آیت کو پڑھیں تو رکن قرأت اور ہو جائے گا۔ رہا سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا تو یہ دونوں ہمارے نزدیک واجبات میں سے ہیں۔

حضرت امام شافعی نے کہا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رکن ہے اور امام مالک فاتحہ اور سورت جدا دونوں کو رکن کہتے ہیں۔

امام مالک کی دلیل حضور ﷺ کا قول لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ سُورَةٍ مَعَهَا ہے یعنی بغیر فاتحہ اور سورت کے نماز نہیں ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ شان فرض کی ہوتی ہے نہ کہ وجب کی۔ اسی کے ہم معنی امام ترمذی نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی تَبْرِمُفَسَّاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَ تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَ تَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ وَلَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَلْحَمْدِ لِلَّهِ وَ سُورَةٍ هِيَ فَرِيضَةٌ أَوْ غَيْرُهَا یعنی نماز کی کنجی طہارت (وضو) ہے اور، ورا نماز کو حرام کرنے والا اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کو حلال کرنے والا سہم ہے جس شخص نے فرض یا غیر فرض میں الحمد للہ اور سورت نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

امام شافعی کی دلیل حدیث رسول اللہ ﷺ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ہے۔ اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاقْرَأْ وَ اٰمَّا تَبَسُّورُ مِنَ الْقُرْآنِ ہے اس آیت سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ من اقرآن مطلق ہے لہذا المطلق بجوہ علی اطلاقہ کے قاعدہ سے جس ادنی مقدار پر قرآن ہونا صادق آئے اس کا پڑھنا فرض ہوگا اس لئے کہ یہی مقدار مامور بہ ہے اور چونکہ خارج نماز قرأت قرآن فرض نہیں ہے اس لئے نماز کے اندر فرض ہونا متعین ہوگا۔

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی پیش کردہ روایات اخبار احاد سے ہیں اور اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں اور اصول فقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ رکن دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ دلیل ظنی سے البتہ دلیل ظنی عمل واجب کرتی ہے اس لئے ہمارے علماء نے کہا کہ یہ دونوں واجب ہیں اور چونکہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے اس لئے ان احادیث سے کتاب اللہ (فَاقْرَأْ وَ اٰمَّا تَبَسُّورُ مِنَ الْقُرْآنِ) پر زیادتی بھی نہیں ہو سکتی۔

**امام اور مقتدی کے لئے آئین کہنے کا حکم..... اقوال فقہاء و دلائل**

وَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الصَّالِبِينَ قَالَ اَمِيْنُ وَيَقُولُهَا الْمُؤْتَمُّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ قَامُوا وَ لَا مَمْسَكَ بِمَا لَكُمْ فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الصَّالِبِينَ فَقُولُوا اَمِيْنُ مِنْ حَيْثُ الْقِسْمَةُ لِأَنَّهُ قَالَ فِي اِحْرَاهُ فَإِنَّ الْاِمَامَ يَقُولُهَا

ترجمہ اور جب امام و لَا الصَّالِبِينَ کہے تو خود امام آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اور امام مالک کا حضور ﷺ کے قول اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الصَّالِبِينَ فَقُولُوا اَمِيْنُ میں تقسیم کے اعتبار سے کوئی

استدلال نہیں اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا فَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُهَا۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے ختم پر جب امام ولا الصالحین کہے تو امام اور مقتدی دونوں کو آمین کہنا چاہئے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ فقط مقتدی آمین کہے امام آمین نہ کہے۔

امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے إِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الصَّالِحِينَ فَقُولُوا آمِينَ، مسلم نے پوری حدیث اس طرح روایت کی ہے اِنَّمَا حُجِّلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَحْتَلِفُوا عَلَيْهِ فَإِذَا اكْتَرَفَ كَثَرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَانصِتُوا وَإِذَا قَالَ وَلَا الصَّالِحِينَ فَقُولُوا آمِينَ، یعنی امام تو اسی لئے بنایا گیا کہ اس کی اقتداء کی جائے سو تم اس سے اختلاف مت کرو پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو اور جب وہ ولا الصالحین کہے تو تم آمین کہو۔

امام مالک نے اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے تقسیم فرمائی چنانچہ امام کے حصہ میں قرأت کا اتمام ہے اور مقتدی کے حصہ میں آمین ہے اور چونکہ تقسیم شرکت کے منافی ہے اس لئے آمین کہنے میں امام اور مقتدی دونوں شریک نہیں ہوں گے بلکہ صرف مقتدی آمین کہے گا۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ عُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین ہو کیونکہ جس کا آمین کہنا موافق پڑی ملائکہ کے آمین کہنے کے اس کے پیچھے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

امام مالک کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے فَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُهَا یعنی امام بھی آمین کہتا ہے پس معلوم ہوا کہ اس حدیث میں تقسیم اور بٹوارہ مراد نہیں ہے۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت مسیب نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الصَّالِحِينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُولُ آمِينَ وَرَبُّ الْإِمَامِ يَقُولُ آمِينَ فَصَرَّ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ عُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (واہ عبد الرزاق فی مصنفہ)

امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ امام آمین نہ کہے بلکہ فقط مقتدی آمین کہے گا۔ اور دلیل اس روایت کی یہ ہے کہ امام داعی ہوتا ہے اور مقتدی سننے والا اور آمین سننے والا کہتا ہے نہ کہ داعی جیسا کہ نماز کے عداوہ باقی دوسری دعاؤں میں عادت ہے۔

اور حضور ﷺ کے قول إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا میں امام کو آمین کہنے والا اس لئے کہا گیا کہ اس نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر آمین کا سبب پیدا کر دیا اور مسبب کو مباشر کے نام کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ ہنسی الامیر المذہبی بنی کی نسبت امیر کی طرف مسبب ہونے کی حیثیت سے ہے۔

**نوائد** لفظ آمین کے ہمزہ کو بعض لوگوں نے ممدود پڑھا ہے اور بعض نے مقصور پڑھا ہے ممدود پڑھنے کی صورت میں تو آمین ہی رہے گا و مقصور پڑھنے کی صورت میں آمین ہوگا۔ مگر یہ واضح رہے کہ دونوں صورتوں میں وزن فعلیل ہی کار ہے گا۔ پس ممدود ہونے کی صورت میں الف اشباع کا ہوا ممدود ہونے کے استشہاد میں مجنوں کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے وَنُوحَهُ اللَّهُ عَبْدًا قَالَ آمِينَ اس میں آمین ممدود استعمال ہوا ہے آخر کا الف بھی اس میں اشباع ہی کا ہے۔

یہ شعر اپنے تئیں ایک واقعہ رکھتا ہے واقعہ یہ ہے کہ جب مجنون سے دل میں لیلیٰ کی محبت گھر کر گئی اور وہ اس کی محبت میں غرق ہو کر حیرن و پریشان، رانا را پھرنے لگا تو اس کے باپ طوح کو بہت زیادہ فکر ہوئی۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اس کو سعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے جہان چھوڑ کر باپ مجنون کو حج کے ردہ سے لے گیا ورنہ سب تک اس کو خطائے اور مجنون سے کہا کہ کعبہ معظمہ کے پردوں کو چمت رہہ اللہم ارحمینی من لیلیٰ وحیہا۔ میرے پروردگار تو مجھ سے لیلیٰ کی محبت کو زائل کر کے مجھے راحت پہنچا۔

پس مجنون نے بجائے اس شعر کے والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھ

اَللّٰهُمَّ مَنِّ عَلٰی بَلٰلِیْ وَقُرْبَہَا

اے اللہ مجھے بلی کا قرب اور وصل عطا فرما کر میرے اوپر احسان کیجئے۔

باپ نے یہ سنتے ہی پٹائی شروع کر دی کہ میں نے تو زول کی دعا، تھن کوہا تھا اور تو حصول کی دعا مانگ رہا ہے تو پھر مجنون یہ شعر کہنے

کا

بَسَارَتْ لَا تَسْلُبْنِیْ حُبَّہَا اَبَدًا وِیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالِ اٰمِیْنَا

یعنی اے میرے رب مجھ سے اس کی محبت بھی نہ لے بھی نہ لے مت کر اور اس میری دعا پر جو آمین کہے اس پر رحم فرما۔

یہ تو مد کا استشہاد تھا اور قصر کے استشہاد میں دوسرا شعر پیش خدمت ہے،

اٰمِیْنَنَّ فَاَزَادَ اللّٰہُ مَا بَیْنَنَا بَعْدًا

استشہاد اس میں یہ ہے کہ آمین الف مقصورہ کے ساتھ آیا ہے یہ شعر جبیر بن اضبط کا ہے یہ شعر اس موقع پر کہا تھا جب اس نے فطحل نامی ایک شخص سے اس کے اونٹ کی درخواست کی تھی لیکن اس نے اونٹ نہیں دیا تب اس نے یہ شعر کہا تھا پورا شعر یہ ہے۔

تَبَاعَدَ عَنِّیْ فَطْحَلٌ اِذْ دَعَوْتُهُ اٰمِیْنَنَّ فَاَزَادَ اللّٰہُ مَا بَیْنَنَا بَعْدًا یعنی فطحل نے مجھ سے ریزیا اور دوری ظاہر کی جب کہ میں نے اس کو اپنی حاجت کے سے پکارا خدا کرے ہماری دوری میں اور بھی اضافہ ہووے خدا تو اس دعا کو قبول کر لے۔

اس میں آمین کا لفظ پہلے آیا ہے اور دعا بعد میں ہے حالانکہ ترتیب واقعی اس کے خلاف چاہتی ہے وجہ یہ ہے کہ شاعر کو قبولیت دعا کا

زیادہ اہتمام ہے اس اہتمام ہونے کی وجہ سے غلط آمین و مقدمہ سر دیا۔

نبیل علی مند

امام اور مقتدی دونوں آمین سرأ کہیں گے، اور آمین کا صحیح تلفظ

قَالَ وَیَحْمُوْہَا لِمَنْ رَّوٰیہَا مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ لَا تَدْعُ فَاَیُّکُمْ مَسَاہُ عَلٰی الْاِخْفَاءِ وَ الْمَدُّ وَ الْقَصْرُ فِیْہِ وَ جَہَانِ وَ التَّشْدِیْدُ فِیْہِ حَطًّا کَاِحْشٍ

ترجمہ کہ یہ سب لوگ آمین کو اسے کہیں ابن مسعودی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور اس وجہ سے کہ آمین دعا کا پسندیدہ بنا تھا پہنچی اور آمین میں مد اور قصر دو نہیں ہیں اور تشدید اس میں فحش غلطی ہے۔

تشریح کہ یہ سب لوگ آمین کو اسے کہیں ابن مسعودی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور اس وجہ سے کہ آمین دعا کا پسندیدہ بنا تھا پہنچی اور آمین میں مد اور قصر دو نہیں ہیں اور تشدید اس میں فحش غلطی ہے۔

شافعی کی دلیل ابو داؤد کی روایت ہے عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ وَلَا الصَّالِّينَ قَالَ آمِنَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْنَهُ، اور ترمذی میں ہے وَمَدَّ بِهَا صَوْنَهُ لِيَعْنِي وَائِلُ بْنُ حَجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ هَبْتُمْ هِيَ كَمَا رَوَى اللَّهُ ﷻ بِهَا وَلَا الصَّالِّينَ كَيْتُ تَوَّ آمِنَ كَيْتُ اور آپ نے آمِن کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کیا۔

دوسری دلیل حدیث ابن مسعود ہے جو سابق میں گذر چکی یعنی قَالَ ارْتَعُ بِخَفِيَّتَيْنِ الْإِمَامُ التَّعَوُّدُ وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَآمِنُ۔ اور ایک روایت میں ہے حُمْسٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ اور مذکورہ چار چیزوں کے مدد و سبب خاکِ النِّهْمَ وَبِحَمْدِكَ کو بھی ذکر کیا۔ اس روایت سے آمِن کو آہستہ بہا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آمِن اِسْتَجَابَ کے معنی میں دے ہے اور دعا میں اخفاء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُدْعُوا رُسُلَكُمْ تَصْرِعُوا وَخَفِيَّةً اس سے آمِن میں اخفاء مستنون ہوگا۔

اور، شافعی کی طرف سے پیش کردہ حدیث وائل بن حجر کا جواب یہ ہے کہ علقمہ بن وائل نے اپنے باپ وائل سے روایت کی جس میں خَفِصَ بِهَا صَوْنَهُ ہے جس تعارض کی وجہ سے وائل کی دونوں روایتیں ناقابل استدلال ہوں گی اور ابن مسعود کی روایت جو ہمارا مستدل ہے لائق استدلال ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ آمِن کے الف میں مد و رقص کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ خام مذمت مسئلہ میں فوائد کے تحت بالتفصیل بیان کر چکا ہے اور آمِن کی میم و مشدود پڑھنا فاش غلطی ہے بعض نے نزاکت تو مفید صلوٰۃ ہے لیکن بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اس کے لفظوں کی نظیر قرآن میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَا تَمْنُنِ لِلْهَيْثِ الْحَرَامِ۔

### رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا

قَالَ لَمْ يُكَبِّرْ وَبَزَكَعَ وَفِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ وَيُكَبِّرُ مَعَ الْإِنْحِطَاطِ لِأَنَّ السِّيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ خَفِصٍ وَرَفِعٍ وَبَسْخَذُ التَّكْبِيرِ حَدْفًا لِأَنَّ الْمَدَّ فِي أَوَّلِهِ خَطَأٌ مِنْ حَيْثُ الدِّينِ لِيَكُونَهُ اسْتِفْهَامًا وَفِي آخِرِهِ لَحْنٌ مِنْ حَيْثُ اللَّغَةُ

ترجمہ کہا پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے اور جامع صغیر میں ہے کہ تکبیر کہے جمکاؤ کے ساتھ کیونکہ حضور ﷺ تکبیر کہتے ہر جمکاؤ اور اٹھاؤ کے اور حذف کرے تکبیر کو اچھی طرح کیونکہ اول تکبیر میں مد کرنا از رو دین خطا ہے اس سے کہ وہ استفہام ہے اور تکبیر کے آخر میں مد کرنا از رو لغت لحن ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ قرأت پوری کرنے کے بعد بلا توقف تکبیر کہے اور رکوع کرے یعنی پہلے کھڑے ہو کر تکبیر کہے پھر رکوع کرنے کا مقررہ وقت کے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے یعنی رکوع کے لئے جھکتے وقت تکبیر کہیں۔ اور رکوع میں پوری کرے امام طحاوی نے کہا کہ یہی صحیح ہے دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ تکبیر کہا کرتے ہر جمکاؤ اور اٹھاؤ کے وقت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے كَانَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفِصٍ وَرَفِعٍ وَقِيَامٍ وَقُعُودٍ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا تَكْبِيرُ كَمَا كَرْتُمْ جَمَاؤَ اور اٹھاؤ اور کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث سے بھی رکوع میں

جاتے وقت تکبیر کا کہنا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ ابوالحسن قدوریؒ نے کہا کہ تکبیر کو حذف کرے یعنی قصر کرے۔ مرد یہ ہے کہ جس جگہ یہ نہیں وہاں مذکرے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ اکبر میں اللہ کے اول کو خفیف فتح دے اور لام کو مد کرے اور ہاء کو رفع دے۔ اور اکبر کے اول اور ہاء کو خفیف فتح دے اور آخر کو جزم کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ کے اول میں مد کیا یا اکبر کے اول میں مد کیا تو یہ دینی اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ اس صورت میں استفہام کے معنی پیدا ہوں گے اور پہلی صورت میں آواز ہوگی کیا اللہ بڑا ہے اور دوسری صورت میں آواز ہوگی اللہ کیا بڑا ہے ان دونوں صورتوں میں اللہ کی کبریائی میں شک کرنے والا ہوگا اور اللہ کی کبریائی میں عدا شک کرنا کفر ہے۔ (عنہ)

لیکن صاحب ہدایہ نے اس کو خطا کہا ہے نہ کہ کفر البتہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اکبر کے آخر میں مد کرنا یعنی بجائے اکبر کے اکبار کہنا جیسے کہ بعض سادہ لوح برکالی طلبہ کہتے ہیں تو یہ لغت کے اعتبار سے لحن یعنی خطا ہے اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

### رکوع کی کیفیت اور رکوع کی تسبیح

وَيُغْنِمُ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفْرِجُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَنَّهُ إِذَا رَكَعَتْ فَضَعْ يَدَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَفَرَّجْ بَيْنَ أَصَابِعِكَ وَلَا يُنْدَبُ إِلَى التَّفْرِيجِ إِلَّا لِيُهِدِيَ الْعَالَةَ لِيَكُونَ أَمْكَنَ مِنَ الْأَحْدِ وَلَا إِلَى الْمَصِّ إِلَّا لِيُحَالَةَ السُّجُودِ وَفِيمَا وَرَاءَ ذَلِكَ يَتْرُكُ عَلَى الْعَادَةِ وَيَسْطُ ظَهْرُهُ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ بَسَطَ ظَهْرَهُ وَلَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَا يَنْكُصُهُ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا رَكَعَ لَا يَصُوبُ رَأْسَهُ وَلَا يَقْنَعُهُ وَيَقُولُ مُبْحَنَ رَبِّي الْعَظِيمُ ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَذْنَاهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي رُكُوعِهِ مَسْحَانِ رَبِّي الْعَظِيمُ ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَذْنَاهُ أَيُّ أَذْنَى كَمَالِ الْجَمْعِ

ترجمہ۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر ٹیکے اور اپنی انگلیوں میں کشدگی رکھے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ہے جب تو رکوع کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی پیدا کر اور اس حالت کے علاوہ کسی حالت میں کشدگی مندوب نہیں ہے تاکہ پکڑنا ممکن ہو اور حالت سجدہ کے علاوہ کسی حالت میں انگلیاں ملانا (مندوب) نہیں ہے اور مذکورہ حالتوں کے علاوہ میں اپنی عادت پر چھوڑا جائے۔ اور ہمو ر رکھے اپنی پیٹھ کو اس لئے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو پیٹھ کو برابر ہموار کرتے تھے اور سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے اس لئے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ جھکاتے اور نہ اٹھاتے اور تین بار مَسْحَانِ رَبِّي الْعَظِيمُ کہے اور یہ ادنی مقدار ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں کہے مَسْحَانِ رَبِّي الْعَظِيمُ تین مرتبہ اور یہ اس کا کمتر درجہ یعنی کمال جمع کا ادنیٰ ہے۔

تشریح۔ اس عبارت میں رکوع کرنے کی کیفیت اور رکوع کی تسبیح کا بیان ہے چنانچہ رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھے اور دونوں پٹلیوں کو قائم رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خدمت کیا کرتے تھے فرمایا کہ اے ہر جب تو رکوع کرے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھ۔

صاحبِ بدایہ کہتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں انگلیوں کو کشادہ رکھنا مندوب و مستحب ہے تاکہ انگلیوں سے گھٹنے کا پکڑنا ممکن ہو سکے اور حالتِ رکوع کے عداوہ میں انگلیوں کا کشادہ رکھنا مندوب نہیں ہے اور مجددہ کی حالت میں ہاتھ کی انگلیوں کا ملانا مستحب ہے تاکہ انگلیوں کے سر سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ان دونوں حالتوں کے علاوہ میں انگلیاں اپنی عادت پر چھوڑ دی جائیں گی یعنی ان کو نہ ملایا جائے اور نہ کشادہ کیا جائے بلکہ وضعِ طبعی پر رکھی جائیں۔ رکوع کی حالت میں پیٹھ کو اس قدر ہموار اور برابر رکھا جائے کہ اگر اس کی پیٹھ پر پانی بھرا دیا جائے تو ٹھہرا رہے۔

دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنی پیٹھ کو ہموار و برابر کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ اِنَّهُ كَانَ يُعْتَدِلُ لَوْ وُضِعَ عَلَى طَهْرِهِ قَدْحٌ مَّاءٍ تَسْتَقِرُّ یعنی حضور ﷺ اپنی پیٹھ کو اس قدر ہموار اور برابر رکھتے تھے کہ اگر آپ کی پیٹھ پر پانی سے بھرا پیالہ رکھ دیا جائے تو وہ ٹھہرا رہے اور وابستہ بن معبد کی حدیث میں ہے کہ سَوَى طَهْرَةٍ حَتَّى لَوْ صُبَّ عَلَيْهِ الْمَاءُ لَا مُسْقَرٌّ یعنی اپنی پیٹھ کو ہموار کرتے تھے حتیٰ کہ اگر اس پر پانی بہا یا جائے تو ٹھہر جائے۔

۳۔ جب تدویری کہتے ہیں کہ رُوع کی حالت میں سر نہ اونچی رکھے اور نہ جھکانے یعنی سرین سے سطح ہموار رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ جھکاتے اور نہ اونچی کرتے۔

حالت رکوع کی تسبیح یہ ہے کہ تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہے تو تین بار کہنا کم سے کم مقدار ہے ورنہ پانچ بار سات بار یا اس سے زائد کہے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا ہے یعنی جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور تین بار مہنا نماں جمع کا کتر درجہ ہے۔

امام رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے اور مقتدی

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ كَیْ . . . اقوال فقہاء و دلائل

ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَيَقُولُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَلَا يَقُولُهَا إِلَّا إِمَامٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ لَا يَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ لِمَا رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الذَّكْرَيْنِ، وَلِأَنَّهُ حَرَّضَ عَلَيْهِ فَلَا يَنْسَى نَفْسَهُ، وَلِأَنِّي حَنِيفَةٌ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَوَلُّوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، هَذِهِ قِسْمَةٌ وَإِنَّهَا تَأْتِي الشَّرْكَاءَ، وَلِهَذَا لَا يَأْتِي الْمُؤْتَمُّ بِالتَّسْمِيعِ عِنْدَنَا، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَلِأَنَّهُ يَقَعُ تَحْمِيدُهُ بَعْدَ تَحْمِيدِ الْمُقْتَدِي، وَهُوَ خِلَافُ مَوْصُوعِ الْإِمَامَةِ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ الْإِنْفِرَادِ وَالْمُنْفَرِدُ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا فِي الْأَصَحِّ، وَإِنْ كَانَ يُرَوَى الْإِكْتِفَاءُ بِالتَّسْمِيعِ، وَيُرَوَى بِالتَّحْمِيدِ وَالْإِمَامُ بِالْإِدْلَالَةِ عَلَيْهِ أَتَى بِهِ مَعْنًى.

ترجمہ پھر اپنا سر اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی رسالک الحمد کہے۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک امام اس کو نہ کہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ امام بھی اس کو آہستہ کہے کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کو جمع کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ اس نے غیر کو آمادگی دلائی لہذا اپنے آپ کو فراموش نہ کرے گا۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد ہو۔ یہ تقسیم ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اسی وجہ سے ہمارے

نیز یہ مقتدی سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ نہیں کہے گا۔ امام شافعی کا اختلاف ہے اور اس وجہ سے کہ امام کا تحمید کہنا مقتدی کی تحمید کے بعد واقع ہوگا اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے اور ابو ہریرہ کی روایت حالت انفرادہ پختوں ہے اور منظر دونوں کا مجمع ہے اس روایت میں ہے۔ چنانچہ صاحب سے مروی ہے کہ (مترجم) سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ پر اختلاف ہے اور روایت یہ بات ہے کہ فقط رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ پر اختلاف ہے اور امام تحمید پر اختلاف کرنے کی وجہ سے اس کو معنی آیا۔

**تشریح** سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے معنی ہیں قَبِلَ اللہُ حَمْدَ مَنْ حَمِدَهُ یعنی جس نے اللہ کی حمد کی اللہ اس کی حمد قبول کرے حاصل یہ کہ حمد قبولیت حمد دعا ہے اور سماع کا لفظ قبول کے معنی میں سنتوں بھی یہ بات ہے جیسے کہ گرجی کی درخواست قبول کرے تو یہاں بات ہے سَمِعَ الامیر کلامہ فلاں حمد میں ہاں سنت کے سے ہے یہاں نہایت دونوں قول ہیں یقیناً اول ثبات سے منقول ہے۔ حاصل مسئلہ یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ روح کے بعد پکارا جاتا ہو کہ سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ اور امام ہے تو ہاں جماع اس ہے اور جب مرے اور مقتدی سے تو رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کے نصہ روایت کی ہے اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اور اللہم ربنا لک الحمد بھی مروی ہے۔ (مزید)

اس بارے میں اختلاف ہے کہ امام ربنا ملک الحمد سے یہ نہ کہے۔ جس حضرت امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ امام اس کو نہ کہے اور صاحبین نے کہا کہ امام بھی اس کو آیت کہے۔ صاحبین کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ النبی - اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ حَسْبُ رَفَعُ صُفْہِ مِنَ الرُّكُوعِ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا الْحَدِیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب نماز کے لئے ارادہ فرماتے تو تکبیر کہتے جس وقت کھڑے ہوتے پھر جس وقت رُکعت کو تکبیر کہتے پھر جس وقت اپنی پٹیلہ روٹے اٹھتے تو سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے پھر کھڑے ہو کر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے پھر تکبیر کہتے جس وقت کہ جہد، آیت۔ (فتح القدیر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت - دونوں (سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) جمع فرماتے تھے اور آپ ہاموم امامت فرماتے تھے پس ثابت دینا کہ امام دونوں ذکر لایع مرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام نے سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ ہر بار وہاں وہاں کہتا ہے ہذا اپنے آپ کو بھی فراموش نہ کرے یعنی جب امام نے کہا کہ جس نے اللہ کی حمد کی اللہ اس کی حمد قبول کرے گا یہ نہ کہہ کر کہہ دے گا اور اپنے آپ کو ہم نہ رکھے گا ورنہ اَنَامُوا النَّاسَ بِالْحَقِّ وَتَسْنُونَ اَنْفُسَكُمْ وحمید کے تحت داخل ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول اِذَا قَالَ لِامَامٍ سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ہے جب تدارس یہ ہے کہ حضرت امام اور مقتدی کے رمیان تقسیم فرمائی ہے کہا امام سَمِعَ کہے اور مقتدی تحمید کہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے اس وجہ سے امام مقتدی کے اندر مقتدی کے ساتھ شریک نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ مقتدی سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ نہیں کہے گا چنانچہ شافعی کا اختلاف ہے اور مقتدی دلیل یہ ہے کہ امام ربنا لک الحمد کہے گا یعنی یہ مقتدی کی تمید ہے۔ بعد ازیں دونوں یونکہ مقتدی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ سوقت کہے گا امام سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے گا اور امام کا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ امام مقتدی کے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہنے کے بعد واقع ہوگا اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے

کیونکہ امام کو پہلے کہن چاہئے تھا اور مقتدی کو بعد میں اور یہاں برعکس ہے اور صاحبین کی پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حالت انفراد پر محمول ہے وراحتِ قوال کے مطابق منفرد کا حکم یہی ہے کہ وہ سَمِعَ اللہ لِمَنْ حَمِدَهُ پراکتفا کرے وہ یہ کہ سَمِعَ اللہ لِمَنْ حَمِدَهُ پراکتفا کرے۔ اولیٰ کی وجہ یہ ہے کہ امام فقط سَمِعَ اللہ لِمَنْ حَمِدَهُ پراکتفا کرتا ہے اور منفرد بھی اپنے حق میں امام ہے کیونکہ جس طرح امام پر قراوت واجب ہے اسی طرح منفرد پر بھی قراوت واجب ہے۔

اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ منفرد اگر دونوں ذکر یعنی تسمیع اور تحمید کا جمع کرے گا تو تحمید اعتدال یعنی قمری حالت میں واقع ہوگی۔ حالانکہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے وقت اعتدال کی حالت میں کوئی ذکر مسنون مشروع نہیں یا کیا جیسے وہ سجدوں کے درمیان قعدہ کی حالت میں کوئی ذکر مسنون مشروع نہیں ہے اس لئے کہا گیا کہ مَنْفَرْدٌ سَمِعَ اللہ لِمَنْ حَمِدَهُ نہ کہے بلکہ قَتْلًا وَتَبَالُکَ الْحَمْدُ پراکتفا کرے۔

دوسری روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ جو شخص فرض نماز میں اپنا سر رولع سے اٹھاتا ہے یا وہ اللہم اعجز لی کہہ سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ سُبَّ اور سُوت کرے اور ایت ہی وہ سجدوں کے درمیان سکوت کرے۔

قوالِ اصح کی دلیل حدیث صحیحہ ہے کہ حضورؐ دونوں ذکر یعنی تسمیع اور تحمید و جمع فرماتے تھے صاحبین کی نقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب امام نے سَمِعَ اللہ لِمَنْ حَمِدَهُ کہا تو اس نے مقتدیوں کو رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہنے کی آواز دی یہاں الدال علی الخیر کما علیہ کے مطابق گویا امام بھی معنی اس کو سننے والا ہوا اس لئے امام اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ کی وعید کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

### قومہ کا حکم، سجدہ میں جانے اور اس سے اٹھنے کا طریقہ اور جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

وَلَمْ يَكُنْ إِذَا اسْتَوَى قَائِمًا كَثِيرًا وَسُجَّدًا أَثَمًا التَّكْبِيرُ وَالسُّجُودُ فَلَمَّا نَبَّأَ وَأَمَّا الْإِسْتِوَاءُ قَائِمًا فَلَيْسَ بِفَرْضٍ وَكَذَا الْإِسْتِوَاءُ بَيْنَ السُّجُودَيْنِ وَالطَّمَأِينَةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ يَنْتَرِضُ ذَلِكَ كُنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَتَصَلِّيَ قَالَهُ لَا عَرَابِيَّ جِئْتُ أَحْمَقَ لَصَلَاةٍ وَلَهُمَا أَنَّ الرُّكُوعَ هُوَ الْإِنْجَاءُ وَالسُّجُودُ هُوَ الْإِنْخِفَاضُ لَعَنَ فَيَتَعَلَّقُ الرُّكْبَةُ بِأَلَدَيَّ فِيهِمَا وَكَذَا فِي لَا يَفْعَلُ إِذَا هُوَ عَبْرٌ مُقْصُودٌ وَفِي أَحْمَدَ مَا رَوَى تَسْبِيحُهُ أَيَّاهُ صَلَاةٌ حَيْثُ قَالَ وَمَا بَقِصْتُ مِنْ هَذَا شَيْئًا فَقَدْ بَقِصْتُ مِنْ صَلَاحِكَ ثُمَّ الْقُرْآنُ وَالْجِدَّةُ سُنَّةٌ عِنْدَهُمَا وَكَذَا الطَّمَأِينَةُ فِي تَحْرِيجِ الْحُرْحَاشِيِّ وَفِي تَحْرِيجِ لَكَرْحِي وَجِبَةُ تُحْتَى تَجِبُ سَعْدًا الشَّهِيدُ بَرَكَلَهَا عِنْدَهُ

ترجمہ کہا کہ پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کے اور سجدہ کرے بہر حال تکبیر و سجود قوالی دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور بارکوع سے سیدھا کھڑا ہونا تو یہ فرض نہیں ہے اور یوں ہی سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رولع و رجوع میں طمأنینہ (فرض نہیں ہے) امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ سب فرض ہیں اور یہی امام شافعی کا قوال ہے یہ نہ ہرگز



ایک اعرابی کو جس وقت اس نے نماز میں تخفیف کی تھی فرمایا تھا کہ کھڑے ہو کر پھر نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لغت میں رُکوع جھٹکن اور تجود پست ہونا سے پس رکنیت ان دونوں میں ادنیٰ کے ساتھ متعلق ہوگی اور ایسے ہی انتقال میں اس سے کہ یہ مقصود نہیں ہے اور حدیث اعرابی کے آخر میں اس کا نام نماز رکھا ہے چنانچہ کہا کہ جو کچھ اس میں سے کسی کی تو تیری نماز میں سے کمی ہوئی۔ پھر قوم اور جلسہ طرفین کے نزدیک سنت ہے اور جربانی کی تخریج کے مطابق طہانیت کا بھی یہی حال ہے اور امام رکنی کی تخریج کے مطابق طہانیت واجب ہے حتیٰ کہ کرخنی کے نزدیک ترک طہانیت سے دو جہدے سہو کے واجب ہوں گے۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ نمازی جب رُکوع سے سیدھا کھڑا ہو گیا تو تکبیر کہتا ہوا سجدے میں چلا جائے۔ دلیل سابق میں مذکور چلی کہ اِسَّۃُ عِیۃ السَّلاۃ کَانَ بُکْرًا عِنْدَ کُلِّ خَفِیضٍ وَرَفِیْعٍ اور سجدہ پر اول باب میں باری تعالیٰ کے قول وَاذْکَعُوا وَاَسْجُدُوا سَاسِدًا لِّاٰلِہِا کِیَا گیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ تعدیل ارکان یعنی رُکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا جس کو قوم کہتے ہیں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رُکوع اور سجدہ میں طہانیت یعنی کچھ دیر ٹھہرنا طرفین کے نزدیک فرض نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے اسی کے قائل امام شافعی ہیں شریہ اختلاف یہ ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر صریحین کے نزدیک نماز جائز ہوگی لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک جائز نہیں ہوگی۔

امام ابو یوسف کی دلیل حدیث اعرابی ہے۔ اعرابی کا نام ضیاء بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے صحیحین میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے اَنَّ اَعْرَابِیًّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ حَاءَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِیُّ اَرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعْ فَصَلَّى کَمَا صَلَّی ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ فَقَالَ لَہُ اَرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ لَہُ فِی الثَّالِثَةِ وَالْاٰدِیِ بِعَنکَ بِالْحَقِّ مَا أَحْسَرُ عِیْرَہُ فَسَمِعَنِی فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلَاۃِ فَکَرِّرْ ثُمَّ اَقْرَأْ تَسْمِیۃَکَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ اَرْکَعْ حَتّٰی تَطْمِئِنَّ رَاکِعًا ثُمَّ اَرْفَعْ حَتّٰی تَعْتَدِلَ فَإِنَّمَا اَنْتَ اَسْجُدُ حَتّٰی تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ اَرْفَعْ حَتّٰی تَطْمِئِنَّ حَالِسًا ثُمَّ اَفْعَلْ ذَلِکَ فِی صَلَاتِکَ کُلَّہَا حَتّٰی نَقِصَہَا یعنی ایک اعرابی نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی پھر آ کر حضور کو سلام کیا حضور نے اس سے کہا کہ واپس جا کر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی یعنی تیری نماز نہیں ہوئی۔ پس اس نے واپس جا کر پہلی طرح نماز پڑھی پھر آیا اور اللہ کے پاک رسول اللہ کی خدمت میں سلام پیش کیا آپ نے اس سے پھر کہا کہ واپس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ پس اس اعرابی نے تیسری بار میں حضور سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا اس کے علاوہ یا صورت بہتر ہے آپ مجھے اس کی تعلیم دیجئے۔ حضور نے اس سے کہا کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر مَا یُحَوِّزُہِ الصَّلَاۃُ قرآن کی قرات پر پھر رُکوع کر یہاں تک کہ رُکوع کی حالت میں اطمینان ہو جائے پھر اس واپسی پوری نماز میں کر یہاں تک کہ نماز پوری کرے۔

اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ تعدیل ارکان ترک کر دینے کی وجہ سے حضور نے نماز کی نفی فرمائی ہے چنانچہ فرمایا فَبِئْسَ لَکَ تَصَلِّ اور یہ شانِ فرض کی ہوتی ہے کیونکہ فرض کے علاوہ کامنشی ہونا نماز کی نفی کو مستلزم نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ نماز کے اندر تعدیل ارکان فرض ہے۔

طرفین کی دلیل باری تعالیٰ کا قول وَاذْکَعُوا وَاَسْجُدُوا اسے باری طور کہ رُکوع کہتے ہیں مصطفیٰ جھٹکنے کا اور سجدہ کہتے ہیں پست ہونے کو یعنی زمین پر پیشانی رکھنا پس رُکوع اور نفس سجدہ فرض ہوا اور آیت سے یہی مطلوب ہے۔ اور چونکہ یہ آیت رُکوع اور سجدہ کے معنی

پردہ انت کرنے میں خاص ہے اور خاص محتاج بیان نہیں ہوتا اس لئے حدیث اعرابی اس آیت کے لئے بیان واقع نہیں ہو سکتی۔

اور اگر آپ کہیں کہ اس آیت کو حدیث اعرابی سے منسوخ مان لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا پس ثابت ہوا کہ مطلق جھکنا اور زمین پر پیشانی ٹیکنا فرض ہے (تفصیل نور الانوار میں دیکھ لی جائے) جمیل احمد۔

وفی ماروی الخ سے حدیث اعرابی کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اعرابی نے نماز کی شکل میں جو کچھ کہہ کر حضور ﷺ نے اس کو نماز کے ساتھ موسوم کیا ہے چنانچہ اسی حدیث اعرابی کے آخر میں یہ الفاظ مروی ہیں وَمَا نَقَضَتْ مِنْ هَذَا شَيْءٌ فَقَدْ نَقَضَتْ مِنْ صَلَاتِكَ یعنی تو نے جو کچھ ان چیزوں میں کمی کی تو تیری نماز میں کمی ہوئی۔

پس اگر تعدیل ارکان و ترک کرنا مفسد نماز ہوتا ہے تو آپ ﷺ اس کو صلوٰۃ (نماز) کے ساتھ موسوم نہ فرماتے جیسا کہ اگر رکوع یا جہدہ کو ترک کر دیا گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کو نماز نہیں کہا جاتا پس معلوم ہوا کہ ترک تعدیل سے نماز میں نقصان آتا ہے مگر نماز فاسد نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ فرض کی یہ شان نہیں ہے پس حدیث اعرابی سے بھی تعدیل ارکان کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قورہ اور دو جہدوں کے درمیان جلسہ باتفاق مشائخ طرغین کے نزدیک سنت ہیں اور بارون و جہدہ میں طہنیت کا حکم سواس کی تخریج میں اختلاف ہے چنانچہ امام ابو عبد اللہ البحر جانی کی تخریج یہ ہے کہ طہنیت بھی مسنون ہے اور امام رافعی نے تخریج کی کہ یہ واجب ہے حتیٰ کہ امام رافعی کے نزدیک ترک طہنیت سے سو کے دو جہدے واجب ہوں گے جرجانی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ طہنیت تکمیل رکن کے لئے مشروع کی گئی ہے اور جو چیز تکمیل رکن کے واسطے مشروع ہو وہ سنت ہوتی ہے ہذا یہ طہنیت بھی سنت ہوگی۔

اور امام رافعی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ طہنیت رکن مقصود بنفسہ کے لئے مشروع کی گئی ہے اور جو چیز ایسی ہو وہ واجب ہوتی ہے اس لئے یہ طہنیت واجب ہوگی۔

### سجدہ کی کیفیت (طریقہ)

وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ لِأَنَّهُ وَابِلٌ بْنُ حَجْرٍ وَصَفَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَسَجَدَ وَادْعَمَ عَلَى رَاحَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجِيرَتَهُ وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفْيَيْهِ وَيَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ لِمَارِيٍّ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ كَذَلِكَ

ترجمہ اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے کیونکہ وائل بن حجر نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بیان کیا تو سجدہ کیا اور ٹیک کیا دونوں ہتھیلیوں پر اور سرین کو اونچا رکھا اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رکھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے مقابل رکھے کیونکہ روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا۔

تشریح اس عبارت میں سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ سجدہ کی کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے اور چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل رکھے دلیل وائل بن حجر کی حدیث ہے حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا **سَجَدَ وَادَّعَمَ عَلَى رَاحَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجْبَرَتَهُ** جس نے آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہاتھیں زمین پر رکھ دیں اور سرین کو اونچا کیا۔ اور اہل بن حجر بنی سے مروی ہے **قَالَ رَفَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا سَجَدَ وَصَعَّ بِدُنْهِ حِدَاءً أَدْبَهُ فَرَّيَا** کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا جب آپ نے سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کے مقابل رکھے۔

نبیہ اہل اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے براہ بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا **أَيْنَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ نَضَعُ حَنَظَّتَهُ ذَا صَلَّى** **قَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فِي حُضُورِ صَلَاتِهِ** ہم جب نماز پڑھتے تو اپنی پیشانی کہاں رکھتے تھے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان۔

**ناک اور پیشانی پر سجدہ کرنے، کسی ایک پر اکتفاء کرنے کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل**

**قَالَ وَسَجَدَ عَلَى أَمْرِهِ وَجْهَتِهِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاطَّاعَ عَلَيْهِ فَإِنْ افْتَصَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا خَارَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ لَا يَحُورُ لِقِصَرٍ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَهُوَ رَوَاتُهُ عَنْهُ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَفْعَةِ أَعْضِهِ وَعِنْدَ مَالِكٍ الْحَبْطَةُ وَلَا يَحُورُ إِلَّا فِي حَبْطَةِ أَنْ السُّجُودَ يَحَقُّ بِوَضْعِ بَعْضِ أَوْجُهِهِ الْمَأْمُورُ بِهِ إِلَّا أَنْ الْحَدَّ وَالْدَفْعَ خَارِجًا بِالْإِحْصَاءِ وَاسْتِغْوَارُ فِيمَا رَوَى لَوْحَةً فِي الْمَشْهُورِ وَوَضْعُ الْيَدَيْنِ وَالرُّكُوعَيْنِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا لِتَحَقُّقِ السُّجُودِ دُرُوبَهَا وَأَمَّا وَضْعُ الْقَدَمَيْنِ فَقَدْ ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ أَنَّ فَرِيضَةً فِي السُّجُودِ**

ترجمہ: کہا کہ سجدہ کرنا اپنی ناک اور پیشانی پر کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر موافقت کی پھر اگر ناک اور پیشانی میں سے کسی ایک پر اکتفاء کیا تو یہ حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے کہا کہ ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے مگر مذہب کے ایک امام صاحب سے ایک روایت ہے یہ سجدہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہیوں پر سجدہ کروں اور ان میں سے شمار یہ پیشانی کو اور حنیفہ کی مثال یہ ہے کہ سجدہ بعض چہرے پر ہوتا ہے اور یہی حق مامور بہ ہے لیکن گاہ اور ٹھوڑی بالاحصاء خارج ہیں اور روایت مشہورہ میں مذکور ہے (چہرہ) سے اور ہاتھوں اور ٹھنڈوں کا رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے کیونکہ بغیر ان دونوں کے جو متحقق ہو جاتا ہے ورنہ دونوں قدم ہا رہنا ققدہ رکی کے نزدیک ہے کہ یہ سجود میں فرض ہے۔

**تشریح** صاحب حنا یہ نے لکھا ہے کہ سجدہ کی کیفیت و سجدہ کے کھڑے ہونے کی کیفیت کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو عضو زمین سے قریب تر ہو سجدہ کرتے وقت سب سے پہلے اس کو زمین پر رکھے اور جو عضو آسمان سے اقرب ہو سب سے پہلے اس کو اٹھائے پس اب کیفیت یہ ہونی کہ وہ زمین پر دونوں ٹھنڈے رکھے پھر دونوں ہاتھ چہرہ پر رکھے اور حنیفہ کے بعد ناک رکھے پھر پیشانی رکھے وراحت کے وقت ترتیب یہ ہونی کہ پہلے پنا چہرہ اٹھائے پھر دونوں ہاتھ پھر دونوں ٹھنڈے۔

عبارت ۵۔ حاصل یہ ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کر کے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ ان میں سے سجدہ کیا ہے۔ اور اگر ایک پر اتنی ہی قیاسی اصول میں ہیں۔

(۱) یہ کہ نقطہ پیشانی پر سجدہ کرے۔ (۲) یہ کہ نقطہ ناک پر سجدہ کرے۔

پہلی صورت میں ہمارے علماء، حنفیہ کا سجدہ کے جواز پر اتفاق سے اور دوسری صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک مع اکثریت جائز

ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ بلا عذر ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو شرعی جائز ہے۔

صاحبین کی دلیل وہ حدیث ہے جو کتب ستہ میں مذکور ہے

”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجُحْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ“

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں سجدہ تراں سات ہڈیوں پر پیشانی پر دونوں ہاتھوں دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے پوروں پر۔

مجہ سند اس یہ ہے کہ جن سات ہڈیوں پر سجدہ کا حکم دیا گیا ان میں ناک کا ذکر نہیں ہے اس وجہ سے ثابت ہوا کہ ناک محل سجدہ نہیں ہے اور جب ناک محل سجدہ نہیں ہے تو ناک پر اکتفاء کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں مصطفیٰ سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اور سجدہ بعض چہرہ رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ پورے چہرے کا رکھنا ناممکن ہے اس لئے کہ ناک اور پیشانی ایسی ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پورے چہرے کو زمین پر رکھنے سے مانع ہیں بہرحال جب پورے چہرے کا زمین پر رکھنا معذور ہے تو بعض چہرے کا زمین پر رکھنا مہمور بہ ہوگا لیکن گال اور ٹھوڑی ہاں جماع خارجی ہیں یعنی آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے اگرچہ ان کو بھی شامل ہے لیکن بالجماع آیت میں مراد نہیں ہیں کیونکہ سجدہ سے مراد تعظیم ہے اور گال اور ٹھوڑی زمین پر رکھنے سے تعظیم مشروع نہیں ہوتی اس لئے یہ دونوں سجدہ کے منہوم سے خارج ہوں گے۔

پس اب ناک اور پیشانی باقی رہ گئے اور یہ دونوں سجدہ کا محل ہیں اس لئے ان دونوں پر سجدہ کرنا جائز ہے اور چونکہ پیشانی پر اکتفاء کرنا جائز ہے اس لئے ناک پر بھی اکتفاء کرنا جائز ہوگا۔

والمذکور فیماروی الخ سے صاحبین کی دلیل کا جواب ہے جواب کا اصل یہ ہے کہ مشہور روایت میں بھی اے جہہ کے وجہ مذکور ہے چنانچہ سنن اربعہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے اِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجْدَةً مَعَهُ سَعَةٌ اَرَابَ وَخِفَّةٌ وَكُمَاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ يَعْنِي حُضُورَهُ كَوَفَرَاتٍ دَعَا سَكَ بِنْدٍ وَجِبْ سَجْدَةً رَتَا هِيَ تَوَاسُ كَ سَاتِه سَاتِ عَضَاهُ سَجْدَةً كَرَتَ هِيَ اس کا چہرہ اس کی ہتھیلیاں اس کے گھٹنے اور اس کے دونوں قدم اس حدیث میں مجہ مذکور ہے اور سابق میں مذکور چکا کہ وجہ سے ناک اور پیشانی دونوں مراد ہیں اس لئے ہم نے کہا کہ سجدہ کے حکم میں ناک اور پیشانی دونوں برابر ہیں۔

ہاتھوں و گھٹنوں کا زمین پر رکھنا مسنون ہے صاحب ہدایہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا مسنون ہے۔ امام زرق، امام شافعی اور فقیہ ابواللیث نے کہا کہ یہ واجب ہے ان حضرات کی دلیل حضور ﷺ کا قول اَمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ الخ ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا امر فرمایا گیا ہے اور امر کا موجب وجوب ہے پس معلوم ہوا کہ سجدہ میں ساتوں اعضاء کو زمین پر رکھنا واجب ہے اور ان سات اعضاء میں ہاتھ اور دونوں گھٹنے بھی ہیں اس وجہ سے دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا واجب ہے۔

بہاری دلیل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھے بغیر سجدہ کرنا ممکن ہے اس لئے ان کا زمین پر رکھنا سجدہ کے منہوم میں

داخل نہیں ہوگا۔ اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث فقط اس پر دلائل مرتبی ہے کہ یہ سات اعضا سجدہ کا محل ہیں اس پر کوئی دلائل نہیں کہ ان تمام کا زمین پر رہنا لازم ہے۔ اور رہا یہ کہ حدیث میں اصوات کا لفظ آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر جس طرح وجوب کے لئے کتابانی طریق مذکور ہے بکے بھی آتا ہے ہو سکتا ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے مستعمل نہ ہو۔

رہا یہ کہ سجدہ میں دونوں قدموں کو زمین پر رکھنے کا کیا حکم ہے اس بارے میں امام قدوسی نے فرمایا کہ سجدہ میں دونوں قدموں کا زمین پر رہنا فرض ہے چنانچہ اگر سجدہ کیا اور پیروں کی انگلیوں کو زمین سے اٹھایا تو جائز نہیں ہوگا۔ امام سرشتی اور ابو ہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ہیں۔

اور ان اہل قدم زمین پر رہا ورا یک زمین سے اٹھایا تو یہ جائز ہے۔ اور قاضی خاں نے مع الکراہت جائز قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ عدم فرضیت میں دونوں ہاتھ اور دونوں قدم برابر ہیں۔

### پکڑی کے بل پر اور فضیلت کپڑے پر سجدہ کرنے کا حکم

فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كُوفٍ عَمَامَةٍ أَوْ قَاصِلٍ ثَوْبِهِ جَارٍ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَسْجُدُ عَلَى كُوفٍ عَمَامَتِهِ وَيُذَوِي أَمَامَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ يَتَّقِي بِمُصُولِهِ حَرَّ الْأَرْضِ وَتَرْدَهَا

ترجمہ پھر اگر نمازی نے عمامہ کے چپ پر یا فضیلت کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے عمامہ کے چپ پر سجدہ کیا کرتے تھے اور روایت یہ ہے کہ حضور نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی کہ اس کے فضیلت سے زمین کی حرارت اور برسات کو پھرتے تھے۔

تشریح مسجد ہمارے نزدیک عمامہ کے چپ یا فضیلت کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے اور حضرت امام شافعی نے کہا کہ عمامہ کے چپ پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک سجدہ کے وقت پیشانی کا کھڑا رہنا واجب ہے۔ ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْجُدُ عَلَى كُوفٍ عَمَامَتِهِ یعنی حضور ﷺ اپنے عمامہ کے چپ پر سجدہ کرتے تھے عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْجُدُ عَلَى كُوفٍ عَمَامَتِهِ عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے عمامہ کے چپ پر سجدہ کیا کرتے تھے دوسری دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ يَتَّقِي بِمُصُولِهِ حَرَّ الْأَرْضِ وَتَرْدَهَا یعنی حضور ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی آپ اس کے فضیلت سے زمین کی حرارت اور برسات کو پھرتے تھے۔

ایک روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ فَإِذَا لَهُ يَسْطِيعُ أَحَدُنَا أَنْ يَمْسِكَ رُحْبَهُ مِنَ الْأَرْضِ يَسْطِ ثَوْبُهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ ﷺ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ نماز کرتے تھے میں نماز پڑھتے ہو جب ہم میں سے کوئی قیونہ پاتا کہ چہرہ کو زمین پر نیچے تو اپنا کپڑا ابھارتا اس پر سجدہ کرتا۔

### دونوں بازوؤں کو سجدہ میں کشادہ رکھے

وَيُذَوِي صَبْعَهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَبْدٍ صَبْعِكَ وَيُزَوِّي وَأَنْدَ مِنَ الْإِنْدَادِ وَهُوَ الْمَدُّ وَالْأَوَّلُ مِنَ الْإِنْدَاءِ وَهُوَ الْإِطْفَاءُ

ترجمہ ۔ اور کشادہ کر دے اپنے دونوں بازو کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کراپے بازوؤں کو اور روایت کیا جاتا ہے کہ ابد ابد اسے ماخوذ ہے معنی ہیں کھینچنا اور اول ابداء سے ہے معنی ہیں غائب کرنا۔

تشریح ۔ مسند سجدہ کی حالت میں نمازی اپنے بازو طہر کرے یعنی کشادہ کرے درندے کی طرح زمین پر نہ بچھائے دلیل یہ روایت ہے عَنْ اَدَمَ بْنِ عِيْتِ الْبُكْرِيِّ قَالَ رَأَى ابْنُ عُمَرَ وَكَأُ أَصْبَى لَا اتَّعَافَى عَنِ الْأَرْضِ بِذَرَاْعَتِي فَقَالَ يَا ابْنَ آخِي لَا تَسْطُطُ نَسْطُ الشَّيْءِ وَادَّعِمَ عَلَى رَأْسِكَ وَأَبْدِ صَنْعَكَ فَإِنَّكَ إِذَا قَعَلْتَ ذَلِكَ سَحَدَ كُلِّ عَضْوٍ مِنْكَ

آدم بن علی البہری نے کہا کہ مجھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا اس حال میں کہ میں نماز پڑھتا کہ زمین سے اپنے ہاتھوں کو جدا نہیں کرتا تھا تو فرمایا کہ اے بھتیجے درندوں کی طرح مت بچھا وراپنی ہتھیلیوں پر ٹیپ لگا اور اپنے بازو کشادہ کر کیونکہ جب تو نے ایسا کیا تو تیرا ہر عضو سجدہ میں ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ایک روایت میں ابدال کی تشدید کے ساتھ آیا ہے ابداء سے مشتق ہے جس کے معنی کھینچنے کے ہیں یعنی اپنے بازو کھینچے ہوئے رکھ اور اول ابداء سے مشتق ہے جس کے معنی غائب کرنے کے ہیں یعنی اپنے بازو طہر کرے یعنی کشادہ رکھ۔

### سجدے میں پیٹ کو رانوں سے دور رکھے

وَبُجَافِي نَطْمَهُ عَنْ فَحْدَيْهِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافَى حَتَّىٰ أَنْ يَهْمَهُ لَوْ أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ وَقِيلَ إِذَا كَانَ فِي صِفِّ لَا يُعَافِي كَيْلًا يُؤْذِي جَارَهُ

ترجمہ ۔ اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا کرے کیونکہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو جدا کرتے حتیٰ کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے گزرنے کا ارادہ کرتا تو گزر جاتا اور کہا گیا کہ اگر صنف میں ہو تو جدا نہ کرے تاکہ پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

تشریح ۔ مسئلہ یہ ہے کہ نمازی سجدہ کی حالت میں اپنا پیٹ اپنی رانوں سے جدا رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب سجدہ کرتے تو جوف اپنے پیٹ رانوں سے جدا رکھتے اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھتے حتیٰ کہ اگر بکری کا بچہ آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا۔ اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر صنف کے اندر ہوتا ہاتھوں و جوف نہ دے یعنی ان کو نہ پھیلائے تاکہ برابر والے ایذا محسوس نہ کرے۔

### پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے

وَبُؤُجَهُ أَصَابَ رَجُلِيهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا سَجَدَ الْمُؤْمِنُ سَجَدَ كُلُّ عَضْوٍ مِنْهُ فَلْيُؤْجِهْ مِنْ أَصْبَاحِ الْقِبْلَةِ مَا اسْتَطَاعَ

ترجمہ ۔ اور اپنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ کرے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤمن سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے پس جہاں تک قدرت ہوا اپنے اعضاء میں سے قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔

تشریح مسدودوں کی دلیل واضح ہے۔

### سجدہ کی تسبیح

وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى تِلْكَ أَدْنَاهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَسَقُلْ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى تِلْكَ أَدْنَاهُ أَيُّ أَدْنَى كَمَالِ الْجَمْعِ وَيُسَبِّحُ أَنْ يُرِيدَ عَلَى الثَّلَاثِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ بَعْدَ أَنْ يَحْمَدَ لَوْلَاهُ عِبْدُ السَّلَامُ كَنْ يَحْتَمِلُ بِالْوُتْرَانِ كَأَنَّ مَفَا لَا يُرِيدُ عَلَى وَحْدِهِ يُمَلُّ الصُّومَ حَتَّى لَا يُؤَدِّيَ إِلَى التَّسْبِيحِ ثُمَّ تَسْبِيحَاتُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ سُنَّةٌ لِأَنَّ النَّصَّ تَأْوِيلُهُمَا دُونَ تَسْبِيحَاتِهِمَا فَلَا يَزَادُ عَلَى النَّصِّ

ترجمہ : سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے یعنی حضور کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ سب سے چھٹی ماں جمع کی ادنیٰ مقدار ہے۔ اور مستحب ہے کہ روح اور بدن میں تین پرانے الفاظ : عرض حق پر ختم کرے اس سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور تین بار کہنا مگر اسے مارجت چنانچہ ۳۷۰ سال سے یہ ہے۔ اس کا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسجد احدکم فليقل في سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلاث۔

تشریح : ہر قدر کی جائے کہ بدن کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور تین بار کہنا مگر اسے مارجت چنانچہ ۳۷۰ سال سے یہ ہے۔ اس کا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسجد احدکم فليقل في سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلاث۔

روح اور بدن میں تین مرتبہ پرانے الفاظ : عرض حق پر ختم کرے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح : عرض حق پر ختم کرتے تھے۔ اور حدیث : تَبَارَكَ اللَّهُ وَتُرِيحُ الْوُتْرَانِ بھی استدلال یہ ہے۔

نصاب بدنیہ یہ ہے کہ : خواہ وہ سجدہ تین مرتبہ پرانے الفاظ نہ کرے کہ ایک کتب میں اور ان کے دونوں میں نعت ورنہ ماری یہ ہے۔ واضح ہو کہ روح اور بدن کی تسبیحات سنت سے یہ کہ نہ نفس یعنی "ارکھوا سجدا رکوعا اور سجدہ کوشل ہے ان کی تسبیحات کو شامل نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تسبیحات روح و بدن میں فرض نہیں ہیں۔

تین مرتبہ : ہر شخص نے سنا ہے کہ یہاں زمزم کتاب کے سنت ہو جہ نہیں ہے کہ واجب، ورنہ ایسا وجوب پر وہ بلیس موجود ہیں۔ اس لیے روح اور بدن کی تسبیحات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیحات کی تسبیحات کے بارے میں اختلاف ہے فرمایا جملہ ائمہ بدنیہ کی تسبیحات کے بارے میں فرمایا فليقل۔ اور یہ امر کے صیغہ ہیں اور امر کا موجب وجوب ہے ہذا ان دونوں کی تسبیحات وہ حسب قریب ہے تھو اب ہم اپنی دلیل دیتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان نہیں کیا تھا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ تسبیحات روح اور بدن کا حکم بطور وجوب نہیں بلکہ استحباب ہے۔

## عورت کے لئے سجدہ کا طریقہ

وَالْمَرْأَةُ تَخْفِضُ فِي سُجُودِهَا وَتَلَرِقُ نَظْمًا بِفَجْدِيهَا لِأَنَّ ذَلِكَ اسْتِرَافُهَا

ترجمہ اور عورت اپنے سجدہ میں پست نہ جائے اور اپنے پیٹ و پٹی رانوں سے نہ ملے۔ چونکہ ایسا کرنا اس کے حق میں زیادہ پردہ ہے۔

تشریح اس عبارت میں عورت کے سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ عورت سجدہ کرتے وقت پست ہو جائے یعنی زمین سے قریب تر ہو جائے اور پیٹ کو رانوں سے ملا دے۔ دلیل یہ ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ سجدہ کرنے میں عورت کے حق میں زیادہ ستر سے دور آنی عورت کے حق میں ستر ہی مطلوب ہے۔

سجدہ سے اٹھ کر دوسرے سجدہ میں جانے کا طریقہ، جلسہ کا حکم، اقوال فقہاء و دلائل

قَالَ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، وَيُكَبِّرُ لِمَا زَوَّيْنَا، فَإِذَا أَطْمَأَنَّ جَالِسًا كَثُرَ وَسُجِدَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ  
ثُمَّ أَرْفَعَ رَأْسَكَ حَتَّى تَسَوِيَ جَالِسًا وَلَوْلَا يَسْتَوِي جَالِسًا وَكَثُرَ وَسُجِدَ أُخْرَى أَخْرَأَهُ عَبْدُ أَبِي حَبِيبَةَ وَمُحَمَّدٌ  
وَقَدْ دُكِرَ سَادَ وَتَكَلَّمُوا فِي مِقْدَارِ الرَّفْعِ وَالْأَصْحَحُ أَنَّهُ إِذَا كَانَ إِلَى السُّجُودِ أَقْرَبَ لَا يَحْزُرُ لِأَنَّهُ يُعَدُّ سَاحِدًا وَإِنْ  
كَانَ إِلَى الْجُوسِ أَقْرَبَ جَارَ لِأَنَّهُ يُعَدُّ جَالِسًا فَتَحَقَّقُ الثَّانِيَةَ

ترجمہ کہ پھر اٹھ کر اٹھائے اور تکبیر کہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ پھر جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر سے اور سجدہ کرنے کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا پھر اپنا سر اٹھائیں یہاں تک کہ تو سیدھا بیٹھ جائے۔ اور اگر سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا تو اوصیفاً اور امام محمد کے نزدیک اس کو کافی مگر اور ہم اس کو اگر برحق ہیں۔ اور سر اٹھانے کی مقدار میں کامیاب ہے اور اس سے ہے کہ جب سجدہ سے قریب تر ہو جائے نہیں ہے اس لئے کہ وہ سجدہ ہی میں شمار ہوگا۔ اور اگر وہ بیٹھنے سے زیادہ قریب ہے تو جب سے یہ کہ وہ بیٹھ کر شمار ہوگا پس وہ سجدہ ہی میں شمار ہوگا۔

تشریح عبارت میں ہے کہ سجدہ کی کیفیت کا بیان سے چنانچہ فرمایا کہ جب وہ اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور روایت سے دوسرا سجدہ رکھنے یعنی اِنْ السَّيِّءُ كُنْ بِكَبْرٍ عِنْدَ كُلِّ حَقِيقَةٍ وَرَفْعِ بَیِّنَاتٍ اطمینان سے ساتھ بیٹھ گیا تو تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدہ میں چل جائے۔

دلیل یہ ہے کہ احادیث و نماز کی تعلیم دیتے ہوئے حضور نے فرمایا اَرْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَسَوِيَ جَالِسًا یعنی پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جائے۔ اور اگر نماز کی پہلی سجدہ ہے۔ سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا تو طرفین کے نزدیک کافی ہے۔ اس کی تفصیل مع الاختلاف تعدیل ارکان کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوسرا سجدہ معتبر ہونے کے لئے پہلی سجدہ سے کس قدر برابراں ضروری ہے۔





نماز استراحت کے واسطے وضع نہیں کی گئی ہے۔

**تشریح** فرمایا کہ جب سجدہ کی حالت میں اطمینان کرے تو کھڑا ہونے کے لئے تکیہ ہے۔ دلیل سابق میں مذکور یعنی اَنَّ السَّيِّئَ كَانَ بُكْبَرُ عِنْدَ كُلِّ خَفِضٍ وَرَفْعٍ 'صاب عنیہ نے لکھا کہ مصنف کو اپنی حالت کے مطابق سابق میں مذکور حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ماردویسا کہنا چاہئے تھا لیکن ہو سکتا ہے کہ گذشتہ سجدہ میں اپنی حدیث کی طرف اشارہ کرنے سے لہذا رویسا کہا تھا اور اب یہاں اس لہذا رویسا کی طرف وقفہ کرنا سے اشارہ دیا گیا ہو۔

امام قدوری نے کہا کہ سجدہ ثانیہ سے فراغت کے بعد اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ نہ ٹیٹھے اور نہ اپنے ماتھوں سے زمین پر ٹیک لگائے۔ گزر نہ ہو تو یہ مستحب ہے۔ حضرت امام شافعی نے کہا کہ ہلکا سا جلسہ کرے پھر زمین پر بہار کرے۔ کراٹھ جائے۔

امام شافعی کی دلیل مالک بن الحویرث کی حدیث ہے اَنَّ السَّيِّئَ كَانَ رَافِعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَعْدَتُهُ يَهْصُ 'یعنی حضور ﷺ جب اپنا سر سجدہ سے اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر اٹھتے ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ اَنَّ السَّيِّئَ كَانَ يَهْصُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدْرِهِ 'قَدَمَيْهِ 'یعنی حضور ﷺ نماز میں اپنے پنجوں کے بل ٹھٹھتے تھے۔

اور امام شعبی سے مروی ہے قَالَ كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَأَصْحَابُ السَّيِّئَ يَنْهَضُونَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِهِمْ 'یعنی شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ و اصحاب رسول اللہ ﷺ نماز کے اندر اپنے قدموں کے بل اٹھتے تھے۔ اور مروی ہے حدیث جس میں امام شافعی کے استدلال میں پیش کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے یعنی بڑھاپے والے نے اس میں آپ نے ایسا کیا ہے ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ بیٹھنا استراحت کے لئے ہے اور نماز استراحت و آرام کے واسطے وضع نہیں کی گئی اس لئے یہ قعدہ نہ کرے۔

## دوسری رکعت مکمل کرنے کی کیفیت

وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى لِأَنَّهُ تَكَرَّرَ الْإِرْكَانُ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَفْتِحُ وَلَا يَتَعَوَّدُ لِأَنَّهُ لَمْ يُشْرَعْ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً

**ترجمہ** اور دوسری رکعت میں اسی کی مثل کرے جو پہلی رکعت میں کیا کیونکہ وہ ارکان کا تکرار ہے مگر یہ کہ سبحانک اللہم و اعوذ باللہ نہ پڑھے اس لئے کہ یہ دونوں صرف ایک بار مشروع ہوئے۔

**تشریح** ... رکعت اولیٰ سے فراغت کے بعد نماز پڑھنے والا رکعت ثانیہ پڑھے گا اور رکعت ثانیہ میں وہ سب کام کرے گا جو رکعت اولیٰ میں کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رکعت ثانیہ میں ارکان کا تکرار ہے اور تکراروں کے اعادہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ رکعت ثانیہ میں اسی کے مثل کرے جو پہلی رکعت میں کیا ہے ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ دوسری رکعت میں زُبحَا نَکَ لِلّٰہِمْ پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک ہی مرتبہ مشروع ہوئیں ہیں اس لئے کہ جن حضرات صحیحہ نے حضور ﷺ کی نماز کو روایت کیا ہے انہوں نے ان چیزوں کو صرف ایک مرتبہ روایت کیا ہے۔

## رفع یدین کا حکم، اقواب فقہاء و دلائل

وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي الْكَبِيرَةِ الْأُولَى جَلَاءً لِلشَّافِعِيِّ فِي الرُّكُوعِ وَفِي الرَّفْعِ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ تَكْبِيرَةِ الْإِفْتِتَاحِ وَتَكْبِيرَةِ الْقُوتِ وَتَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ وَذَكَرَ الْأَرْبَعِ فِي الْحَجِّ وَالَّذِي يُرْوَى مِنَ الرَّفْعِ مَحْمُولٌ عَلَى الْإِبْتِدَاءِ كَمَا نَقَلَ عَنْ ابْنِ لُزَيْبٍ

ترجمہ اور اپنے ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر تحریمہ میں، امام شافعی کا خداف ہے روع میں جانے اور اس سے سرائٹھانے میں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں تکبیر و تکیبیر قنوت تکبیرات عیدین اور چار رکوع میں ذکر کیا۔ اور جب حدیث رفع یدین میں روایت کی جاتی ہے وہ ابتداء پر محمول ہے اسی طرح ابن زبیر سے منقول ہے۔

تشریح مسند یہ ہے کہ سات تکبیر تحریمہ کے کسی تکبیر میں ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام شافعی نے کہا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دو تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے ایک رکوع میں جاتے وقت دوم روع سے سرائٹھاتے وقت، امام شافعی کی دلیل ابن عمر کی حدیث ہے أَنَّ السَّيِّئَ كَذَّابٌ رَفَعَ يَدَيْهِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنَ الرُّكُوعِ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے رکوع کرتے وقت اور روع سے سرائٹھاتے وقت ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث لَا يَرْفَعُ الْأَيْدِي سَبْعَ مَوَاطِنَ الْحَدِيثِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں

- (۱) تکبیر تحریمہ میں، (۲) تکیبیر قنوت میں،
- (۳) تکبیرات عیدین میں، (۴) تکیبیر عرفات میں،
- (۵) تکبیرات حرمین میں، (۶) تکیبیر صفا و مروہ میں،
- (۷) تکیبیر استلام میں،

حدیث ابن عمر و ابتداء کے اسناد پر محمول یا جائے۔ یعنی بتدریج اسلام میں رفع یدین کا حکم تھ پھر منسوخ ہو گیا۔

یوں ہی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ چنانچہ ابن زبیر سے مروی ہے

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنَ الرُّكُوعِ فَمِمَّا فَرَعَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ فَإِنْ هَدَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ تَرَكَهُ «

یعنی ابن زبیر نے دیکھا کہ ایک آدمی مسجد حرام میں نماز پڑھتا ہے اور نماز میں رکوع کے وقت اور روع سے سرائٹھاتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے پس جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو ابن زبیر نے اس سے کہا کہ یہ مت کر کیونکہ یہ کسی چیز کے جس کو حضور ﷺ نے کیا پھر اس کو ترک کر دیا۔

فوائد شامین ہدایہ (منیہ، فتح القدیر، کفایہ) نے اس مسند میں ایک دلچسپ حکایت ذکر کی ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مسجد حرام میں امام اور علی بن عمر نے ملاقات ہو گئی۔ اور امام اوزاعی نے کہا کہ کیا بات ہے بل عراق رکوع کرتے وقت اور رکوع سے



**تشریح**۔۔ اس عبارت میں قعدہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جب دوسری رکعت کے دوسرے پچھڑے سے اپنا سر اٹھایا تو اپنا بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور وایں ہڑا کرے۔ ورنہ دونوں پیروں کی انگلیاں قعدہ کی طرف متوجہ کرے۔

دلیل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کا نماز میں بیٹھنا اسی کیفیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیاں بچھ دے۔ یعنی جس حال پر ہیں چھوڑ دے ہا ہم نہ ملائے اور ہاتھوں سے گھٹنے نہ پکڑے۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں اسی کیفیت کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اس وضع میں ہاتھوں کی انگلیوں کا قبلہ رخ متوجہ کرنا حاصل ہو جاتا ہے اور جہاں تک ہر عضو و قعدہ رخ متوجہ کرنا ممکن ہو اولی ہے۔

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ امام محمد نے حضور ﷺ کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے لہذا ہم بھی اسی طرح کریں گے اور یہی قول ابو حنیفہ کا ہے اور ہمارا ہے۔ اور اس اشارہ کی تفصیل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انھتر اور بنصر کو بند کرے اور وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ امام حلوائی سے مروی ہے کہ تشہد میں لفظ لا الہ کے وقت اپنی شہادت کی انگلی کھڑی کرے اور الا اللہ کے وقت پست مزے تاکہ انگلی کھڑی کرنا غیہ اللہ سے غی اور پست کرنا اللہ کے لئے اثبات ہو جائے۔

اور عورت کے بیٹھنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے بائیں سرین پر بیٹھ جائے اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دے کیونکہ یہ وضع عورت کے لئے زیادہ پردہ پوش ہے۔

### تشہد ابن مسعودؓ

وَالشَّهَادَةُ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ إِلَى آخِرِهِ، وَهَذَا تَشَهُدُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَإِنَّهُ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِي وَعَلَّمَنِي التَّشَهُدَ كَمَا كَانَ يُعَلِّمُنِي سُورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَقَالَ قَدْ تَحِيَّاتُ لِلَّهِ إِلَى آخِرِهِ وَالْأَحَدُ بِهَذَا أُولَى مِنْ الْآخَرِ تَشَهُدُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ قَوْلُهُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ سَلَامٌ عَلَيْكَ إِلَى آخِرِهِ لِأَنَّ فِيهِ الْأَمْرَ وَالْقَلَّةُ الْإِسْتِحْبَابُ وَالْأَلْفُ وَالْكَلامُ وَهُمَا لِإِسْتِغْرَاقٍ وَزِيَادَةِ الْوَاوِ وَهِيَ لِتَجْدِيدِ الْكَلَامِ كَمَا فِي الْقَسَمِ وَتَأْكِيدِ التَّعْلِيمِ

**ترجمہ** اور تشہد التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبیؐ الی آخرہ، و ہذا تشہد عبد اللہ بن مسعود کا ہے اس لئے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ پکڑے اور مجھ کو تشہد کی اس طرح تعلیم دی جس طرح قرآن کی کسی سورت کی تعلیم دیا کرتے تھے اور فرمایا کہ بر التحیات للہ الی آخرہ اور اس تشہد کا لینا اونی ہے بہ نسبت ابن عباسؓ کے تشہد کے اور وہ یہ ہے کہ التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ سلام علیک ایہا النبیؐ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سلام علیناؑ الی آخرہ کیونکہ اس تشہد کے پڑھنے میں صیغہ امر وارد ہوا ہے اور مرکب کا تدریج سبب ہے۔ اور الف اور لام وہ دونوں استغراق کے لئے ہیں اور واؤنی زیادتی اور تجدید کلام کے لئے ہے جیسے قسم میں اور تعلیم کی تاکید ہے۔

تشریح۔ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قعدہ اولیٰ میں اصح قول کی بنا پر تشہد پڑھنا واجب ہے۔ اور تشہد کی الفاظ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشہد ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تشہد ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے۔ اور ان کے مداد وہ دوسرے صحابہ سے بھی تشہد منقول ہے علماء احناف نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد یہ ہے،

التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ سَلَامٌ عَلَيْنَا  
وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد یہ ہے،

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلَىٰ  
عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

۔ مشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کرنا چند وجوہ سے اولیٰ ہے،

(۱) ابن عباس کے تشہد میں کلمہ مبارکات زیادہ ہے جو ابن مسعود کے تشہد میں نہیں ہے۔

(۲) ابن عباس کا تشہد قرآن پاک کے موافق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَحِيَّاتٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ (النور: ۲۶)

(۳) ابن عباس نے لفظ سلام بغیر لف م کے ذکر کیا اور قرآن پاک میں بھی اکثر تسمیات بغیر الف لام کے مذکور ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ، قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ، وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ اور اشرف کلام وہی شمار ہوتا ہے جو قرآن کے موافق ہو۔

(۴) ابن عباس کا تشہد ابن مسعود کی خبر سے مؤخر ہے کیوں کہ ابن عباس صغیر اسن اور ابن مسعود شیوخ میں سے تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مؤخر مقدم کے لئے مانع ہوتا ہے علماء احناف نے کہا کہ ابن مسعود کے تشہد کو اختیار کرنا بھی چند وجوہ سے اولیٰ ہے،

۱۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا قل التحیات لله اس حدیث میں حضور ﷺ کا قول قل امر کا صیغہ ہے اور امر کا کتر درجہ استجاب ہے۔

۲۔ السلام عليك الف لام کے ساتھ مفید استغراق ہے۔

۳۔ والصلوات واو کے ساتھ تجدد کلام کے لئے ہے

۴۔ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑنا ورسورت قرآن کی طرح تعلیم دینا مفید تاکید ہے

۵۔ التحیات صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ سب کو عام ہے لیکن جب ابن عباس کے تشہد میں الصلوات بغیر واؤ کے ہا تو یہ تخصیص ہوئی اور اس

التحیات سے مراد فقط صوات ہوئیں اور جب والصلوات واؤ کے ساتھ کہا جیسا کہ ابن مسعود کے تشہد میں ہے تو اول یعنی التحیات

مرہا اور چونکہ کلمہ عام سے ٹکا کرنا ایضاً ہے اس لئے یہی اولیٰ ہوگا۔

۶۔ عامۃ احمد شین نے کہا کہ ابن مسعودؓ کا تشہد اس حدیث اعتبار سے اسن ہے۔

۷۔ عام سی بڑے بھی ابن مسعودؓ کے تشہد کو اختیار کیا ہے چنانچہ مروی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ نے منبر رسول اللہ ﷺ پر ابن مسعودؓ کے تشہد کی تعلیم دی۔ سی طرح سلمان فارسیؓ جابر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے

۸۔ ابن مسعودؓ کا تشہد لفظ عبد پر مشتمل ہے کیونکہ ابن مسعودؓ کے تشہد میں ہے **و اشہد ان محمد عبده و رسولہ اور لفظ عبد مال** اس پر اہل سنت راجح ہے کیونکہ واقعہ معمران جس کے ذریعہ آپ کے اہل مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے اس میں آپ کو عبد کے ساتھ ہی ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے **سبحان الذی اسری بعدہ**

۹۔ ابن مسعودؓ کا تشہد ضبط کے اعتبار سے بھی اسن ہے چنانچہ امام محمد سے مروی ہے،

**”ابن قال اخذ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بیدی و علمنی الشہد و قال اخذ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیدی فعلمنی الشہد و قال اخذ حماد بیدی فعلمنی الشہد و قال حماد اخذ ابراہیم بیدی فعلمنی الشہد و قال ابراہیم اخذ علقمہ بیدی و علمنی الشہد و قال علقمہ اخذ ابن مسعود بیدی و علمنی الشہد قال ابن مسعود اخذ رسول اللہ بیدی و علمنی الشہد و قال رسول اللہ اخذ جبریل علیہ السلام بیدی فعلمنی الشہد۔“**

یعنی امام محمد نے کہا کہ ابو یوسف نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابو یوسف نے کہا کہ ابو حنیفہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابو حنیفہ نے کہا کہ حماد نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور حماد نے کہا کہ ابراہیم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابراہیم نے کہا کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور علقمہ نے کہا کہ ابن مسعود نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور ابن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی اور رسول اللہ نے کہا کہ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو تشہد کی تعلیم دی۔

ما مشفق کی وجوہ ولایت کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی کلمہ کی زیادتی مرتج ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تشہد اوی ہوگا کیونکہ اس میں ہم اللہ الرحمن الرحیم کی زیادتی ہے اور ابن مسعودؓ کے تشہد میں واو اور الف لام اور لفظ عبد زائد ہے منہ ابن مسعودؓ کا تشہد اوی ہوگا۔ دوسری وجہ ولایت کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے موافق ہونا مرجح نہیں ہے اس لئے کہ قعدہ میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے پس قرأت قرآن کی منافیست یہ مستحب ہوئی۔ تیسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ سلام جس طرح بغیر الف لام کے قرآن میں آیات اس طرح لفظ لام سے ساتھ جس مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **و السلام علی یوم ولدتک و السلام علی من اتبع الہدی**۔ چوتھی وجہ کا جواب یہ ہے کہ تشہد کے بارے میں حدیث ابن عباسؓ مؤخر ہے ایسا نہیں ہے بلکہ ابن مسعودؓ کی حدیث مؤخر ہے چنانچہ امام سہریؒ سے مروی ہے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ **بتداء اسلام میں السحیات الطاہرات المذکرات الراحیات** کہا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ کی خبر ابن عباسؓ کی خبر سے مؤخر ہے۔

فوائد احتیاط سے معنی مبادات قویہ صلوٰۃ مبادات بدنیہ الصیوات مبادات مایہ سہ سہیب یہ اس سلام کی حکایت ہے جو شب معراج میں حضور ﷺ کی قین چیراں کے ساتھ ثناء کرنے سے جواب میں فرمایا تھا۔ چنانچہ سہ سہیب احتیاط کے متعلق ہے اور رحمت صلوٰۃ

کے مقابلہ میں ہے اور برکت استیحات کے مقابلہ میں ہے برکت کے معنی نما اور زیادتی کے ہیں۔

شب معراج میں بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت فرمایا تھا التحیات لله والصلوات والطیبات رب العزت نے جواب میں فرمایا السلام علیک ایہا النبی ورحمة الله وبرکاتہ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا السلام علینا وعلى عباد الله الصالحین ملکہ نے سن کر فرمایا الشہدان لا اله الا الله واشہدان محمدًا عبدة ورسوله۔

### قعدہ اولیٰ میں مقدار تشہد پر اضافہ نہ کرے

وَلَا يَزِيدُ عَلَى هَذَا فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الشَّهْدَ فِي وَسْطِ الصَّلَاةِ وَآخِرِهَا فَإِذَا كَانَ وَسْطُ الصَّلَاةِ نَهَضَ إِذَا فَرَغَ مِنَ الشَّهْدِ وَإِذَا كَانَ آخِرُ الصَّلَاةِ دَعَا لِنَفْسِهِ بِمَا شَاءَ

ترجمہ اور نہ زیادہ کرے اس تشہد پر قعدہ اولیٰ میں کیونکہ ابن مسعود نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو تشہد سکھایا زمین نماز میں اور آخر نماز میں پس جب درمیان نماز ہوتی تو جوں ہی تشہد سے فارغ ہوتے تو اٹھ کھڑے ہوتے اور جب آخر نماز ہوتی تو اپنے واسطے جو چاہتے دعا مانگتے۔

تشریح فرمایا کہ قعدہ اوّل میں مقدار تشہد پر اضافہ نہ کرے اور اہل مشافعی کا قول جدید یہ ہے کہ قعدہ اوّل میں صلوٰۃ علی النبی بھی مستون ہے۔ اہل مشافعی کی دلیل ام سلمہ کی حدیث ہے فَبِئْسَ كُلُّ رُكْعَتَيْنِ شَهِدَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ یعنی ہر دو رکعت میں تشہد اور سلام علی المرسلین ہے۔ اور ہماری دلیل ابن مسعود کا قول ہے۔

عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الشَّهْدَ فِي وَسْطِ الصَّلَاةِ وَآخِرِهَا فَإِذَا كَانَ وَسْطُ الصَّلَاةِ نَهَضَ إِذَا فَرَغَ مِنَ الشَّهْدِ وَإِذَا كَانَ آخِرُ الصَّلَاةِ دَعَا لِنَفْسِهِ بِمَا شَاءَ اور ام سلمہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ سلام علی المرسلین سے مروی درود شریف نہیں بلکہ سلام تشہد مراد ہے یعنی وہ سلام مراد ہے جو تشہد میں ہے یعنی السلام علیک ایہا النبی ورحمة الله وبرکاتہ السلام علینا وعلى عباد الله الصالحین۔

### آخری دو رکعتوں کے پڑھنے کا طریقہ

وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْآخِرَتَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحَدَّثَنَا لِحَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ فِي الْآخِرَتَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهَذَا بَيَانُ الْأَفْضَلِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْقِرَاءَةَ فَرَضٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ عَلَى مَا بَأْتِيكَ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ

ترجمہ اور اخیر کی دو رکعتوں میں فقط فاتحہ کتاب پڑھے کیونکہ ابو قتادہ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام نے اخیر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھی اور یہ افضلیت کا بیان ہے یہی صحیح ہے کیونکہ قرأت کرنا تو دو ہی رکعت میں فرض ہے اس بناء پر کہ انشاء اللہ بعد میں آئے گا

تشریح مسند یہ ہے کہ منہ عصر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی آخری ایک رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی۔ اس حدیث ابی قتادہ سے اس لئے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الْآخِرَتَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (صحیح)



یعنی حضور ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور سورت پڑھتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے صاحب بدیع فرماتے ہیں کہ یہ بیان افضل ہے یعنی آخر کی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا افضل اور مستحب ہے چنانچہ اگر آخر کی دو رکعتوں میں قرأت فاتحہ اور تسبیح دونوں کو ترک کر دیا تو کوئی حرج نہیں اور اس پر مجدد سہو بھی واجب نہیں ہوگا لیکن قرأت افضل ہے یہی صحیح روایت ہے۔

حسن بن زید نے امام اعظم سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ آخرین میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے چنانچہ اگر سہو ترک کر دیا تو اس پر مجدد سہو لازم ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اخسر من میں قیام مقصود ہے لہذا اس کو ذکر اور قرأت دونوں سے خالی رکھنا مکروہ ہے جیسا کہ روئے اور جود کو ذکر سے خالی رکھنا مکروہ ہے۔ اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ قرأت صرف پہلی دو رکعتوں میں فرض ہے ان شاء اللہ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی فَالْتَعِظُوا وَاللّٰہُ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظَرِ۔

### قعدہ اخیرہ قعدہ اولیٰ کی مانند ہے

وَحَلَسَ فِیْ لِأَجِزَةٍ كَمَا حَلَسَ فِیْ الْأُولَى لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ زَائِلٍ وَغَائِشَةٍ وَلِأَنَّهَا أَشَقُّ عَلَى الْبَدَنِ فَكَانَ أَوْلَى مِنَ التَّوَرُّكِ إِلَيْهِ مَالِكٌ وَالِدِيُّ يُرْوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَعَدَ مُتَوَرِّكًا ضَعْفَهُ الضَّحَاوِیُّ أَوْ يُحْمَلُ عَلَى حَالَةِ الْكِبَرِ

ترجمہ اور قعدہ اخیرہ میں سی طرح بیٹھے جس طرح قعدہ اول میں بیٹھا تھا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے یعنی حدیث وائل بن حجر اور عائشہ اور اس لئے کہ یہ ہیئت بدن پر زیادہ شاق ہے پس یہ ہیئت اولیٰ ہوگی بہ نسبت اس تو رک کے جس کی طرف امام مالک میں آتے ہیں اور وہ حدیث جو توروک میں روایت کی جاتی ہے حضور ﷺ متورک بیٹھے اس کو امام طحاوی نے ضعیف کہا ہے یہ محمول یہاں بزرگی کی حالت پر۔

تشریح فرمایا کہ قعدہ اخیرہ میں اسی ہیئت پر بیٹھے جس ہیئت پر قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تھا اور امام مالک نے کہا دونوں قعدوں میں متورک بیٹھنا مسنون ہے اور توروک یہ ہے کہ کولے پر بیٹھ کر دونوں پاؤں دائیں طرف نکالے جیسے عورتیں بیٹھا کرتی ہیں۔ حضرت امام مالک اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَعَدَ مُتَوَرِّكًا۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم وائل بن حجر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر چکے چنانچہ اس بیٹھنے کے بعض حالات کا بیان تو حدیث وائل میں تھا اور ہیئت یعنی پایاں پاؤں بیٹھنا اور دایاں کھڑا رکھنا حدیث عائشہ میں گذرا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس ہیئت کے ساتھ بیٹھنا بدن پر زیادہ شاق ہے اور عبادت میں نفس پر جو زیادہ شاق ہو وہ افضل ہے اس لئے ہم نے کہا کہ اس ہیئت کے ساتھ بیٹھنا افضل ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں حضور ﷺ کا متورک بیٹھا مروی ہے تو اس کو امام طحاوی نے ضعیف کہا ہے کیونکہ یہ حدیث عبد الحمید ابن جعفر کے طریق سے مروی ہے اور عبد الحمید بن جعفر ناقلین حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جواب یہ ہوگا کہ اس تو رک کی بیٹھ کو بزرگی کی حالت پر محمول کیا جائے گا یعنی بن شریف جب بڑا ہو گیا تھا تو آپ نے ہیئت اختیار کی۔

## تشہد کی شرعی حیثیت، اقوال فقہاء و دلائل

وَيَشْهَدُ وَهُوَ وَاحِدٌ عِنْدَنَا صَلَّيْ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ لَيْسَ بِفَرِيضَةٍ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِجَ الصَّلَاةِ وَاجِبَةٌ أَمَّا مَرَّةٌ وَاحِدَةٌ كَمَا قَالَ الْكَرْخِيُّ أَوْ كَلَّمَا ذَكَرَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا اخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ فَكَفَيْنَا مُرَّةَ الْأَمْرِ وَالْفَرْصُ الْمَرْوِيُّ فِي التَّشْهَدِ هُوَ التَّقْدِيرُ

ترجمہ اور تشہد پڑھے اور یہ ہمارے نزدیک واجب ہے اور حضور ﷺ پر درود بھیجے اور یہ ہمارے نزدیک فرض نہیں ہے و امام شافعی نے دونوں میں اختلاف کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تو نے یہ کہا یا یہ یا تو تیری نماز پوری ہوئی۔ اگر تو کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا و اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا۔ اور حضور ﷺ پر درود بھیجنا نماز سے باہر واجب ہے یا تو ایک مرتبہ جیسا کہ امام کرخی نے کہا ہے یا بار بار واجب ہے جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے جیسا کہ امام طحاوی نے اختیار کیا ہے پس امر کا، ر عظیم ہم پر سے کفایت کیا گیا اور فرض جو تشہد کے حق میں مروی ہے وہ تقدیر کے معنی میں ہے۔

تشریح قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور درود شریف پڑھنا فرض نہیں بلکہ مستنون ہے۔ و امام شافعی نے نزدیک تشہد پڑھنا اور حضور ﷺ پر درود بھیجنا دونوں فرض ہیں۔

قرأت تشہد کے فرض ہونے پر امام شافعی نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے اِنَّهُ قَالَ كُنَّا يَقُولُ قَبْلَ أَنْ يُفْتَرَضَ التَّشْهَدُ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ بَعْدَ آخِرِ مَا إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ اس حدیث سے تین طریقوں سے استدلال کیا گیا ہے اول یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا قَبْلَ أَنْ يُفْتَرَضَ التَّشْهَدُ یعنی تشہد پر فرض کا اطلاق کیا پس اس سے ثابت ہوا کہ تشہد فرض ہے دوم یہ کہ آپ نے فرمایا قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ اور قولوا امر کا صیغہ ہے اور امر دجوب کے لئے آتا ہے پس معلوم ہوا کہ التحیات کا پڑھنا واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک واجب اور فرض دونوں ایک ہیں اس لئے جب التحیات کا پڑھنا واجب ہوا تو فرض بھی ہوگا۔ سوم کہ حضور ﷺ نے نماز کا پورا ہونا معلق کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ نماز بغیر تشہد کے پوری نہیں ہوتی اور جس کے بغیر نماز پوری نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ تشہد کا پڑھنا فرض ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ قَبْلَ أَنْ يُفْتَرَضَ التَّشْهَدُ میں فرض کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی تقدیر اللہ تعالیٰ نے فرمایا قِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یعنی قدر تم اب مطلب یہ ہوگا کہ تشہد مقدم ہونے سے پہلے ہم یہ کہا کرتے تھے وَالسَّلَامُ عَلَى اللَّهِ اِنْ اب تشہد پر فرض کا اطلاق کرنا لازم نہیں آیا۔

دوسرے طریقہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں صیغہ امر تعظیم و تحقیر کے لئے ہے لہذا اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوگی۔

تیسرے طریقہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں نماز کا پورا ہونا قرأت تشہد اور قعدہ اخیرہ ان دونوں میں سے ایک پر معلق کیا گیا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز کا پورا ہونا قعدہ اخیرہ پر معلق ہے کیونکہ اگر قعدہ اخیرہ چھوڑ دیا تو نماز نہیں ہوگی پس جب نماز کا پورا

ہونا تعدد خیرہ پر معلق ہو گیا تو قرأت تشہد پر معلق نہیں ہو کا تا کہ غیر متعلق ہو جائے۔

امام شافعی نے اردو شریف کے فرض ہونے پر باری تعالیٰ کے قول یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ سے استدلال کیا ہے۔ بارے طور کہ صلوٰۃ امر کا صیغہ ہے اور امر کا موجب وجوب ہے اور خارج صلوٰۃ درود پڑھنا واجب نہیں پس ثابت ہوا کہ نماز کے اندر درود پڑھنا واجب ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ فرمایا: "لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَیْهِ صَلَوةٌ" یعنی جس شخص نے اپنی نماز میں میرے اوپر درود نہیں بھیجا اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ نماز کا نہ ہونا ترک فرض کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ ترک سنت کی وجہ سے پس ثابت ہوا کہ درود پڑھنا فرض ہے۔

صلوٰۃ علی النبی کے فرض نہ ہونے پر بارے سے "ان مسعودی التذکرۃ عنہ حدیث سے استدلال کیا ہے اس طور پر کہ ان مسعودی تشہد کی تعلیم دینے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا "اِذَا قُلْتَ هَذَا رَفَعْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَوةُكَ" یعنی حضور ﷺ نے نماز کا پورا ہونا قرأت تشہد اور تعدد اخیرہ ان دونوں میں سے ایک پر معلق کیا ہے پس جس شخص نے صلوٰۃ علی النبی پر معلق کیا اس نے نقص یعنی حدیث بن مسعود کی مخالفت کی۔

اور امام شافعی کا یہ کہنا کہ نماز سے باہر درود بھیجنا واجب نہیں ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کیونکہ امام کرخیؒ نے ذکر کیا کہ زندگی میں ایک بار حضور ﷺ پر نماز سے باہر درود بھیجنا واجب ہے اس لئے کہ صلوٰۃ امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ اور امام طحاوی نے فرمایا کہ جب بھی حضور ﷺ کا ذکر کرے یا آپؐ کا ذکر کرے تو درود بھیجنا واجب ہے لیکن بار بار درود بھیجتا اس سے واجب نہیں کہ امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس سے کہ درود کا وجوب سبب متکرر کے ساتھ متعلق ہے اور وہ سبب متکرر گزرتی ہے پس تکرار ذکر سے درود تکرر ہو گیا۔ جیسے کہ اوقات کے تکرر سے نماز کا وجوب تکرر ہو جاتا ہے بہر حال جب نماز سے باہر درود بھیجنا واجب ہو گیا تو صلوٰۃ علیہ صیغہ امر پر عمل ہو یا اور نماز کے اندر درود واجب ہونے کو ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

امام شافعی کی پیش کردہ حدیث "لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ اِلَیْهِ" کا جواب یہ ہے کہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے یعنی بغیر درود کے نماز کامل نہیں ہوتی جیسے کہ "لَا صَلَوةَ لِحَدِّ الْمَسْجِدِ اِلَّا بِی الْمَسْجِدِ" نفی کمال پر محمول ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب اعرابی و فرس نماز کی تعلیم دی۔ تو اس وقت آپؐ نے صلوٰۃ علی النبی کا ذکر نہیں کیا اگر صلوٰۃ علی النبی فرض ہوتا تو آپؐ اس کو ضرور ذکر فرماتے۔

فوائد رہی یہ بات کہ آپؐ پر کیفیت کے ساتھ درود بھیجے تو اس بارے میں عیسیٰ بن ابان نے کتاب الحج علی اہل المدینہ میں ذکر کیا کہ امام سے صلوٰۃ نبی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ سُبَّ اللہُمَّ صَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَعَلَی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلَی اِسْرَہِیْمَ وَعَلَی اٰلِ اِسْرَہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ صواب کفایہ نے لکھا کہ یہ درود کعب بن عجرہ کی حدیث کے موافق ہے۔

نات علی ابن عباسؓ اور جابر رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے کہا کہ ہم کو آپؐ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو معلوم ہے لیکن درود کس طرح بھیجیں پس آپؐ نے فرمایا اِیُّوْا بِہِیْہِ بِہِیْہِ صَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَعَلَی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَنَارِکَ عَلَی مُحَمَّدٍ وَعَلَی اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَأَرْحَمُ مُحَمَّدًا أَوْ آلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔

### ماثورہ ومنقولہ دعاؤں کے پڑھنے کا حکم

قَالَ وَدَعَا يَمَّا يَنْشِبُهُ الْفَاطُ الْقُرْآنَ وَالْأَدْعِيَةَ الْمَأْثُورَةَ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَمَّ احْتَرَسَ مِنَ الدَّعَا أَطْيَبَهَا وَأَعْجَبَهَا إِلَيْكَ رِيْدَا بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَيَّ الْإِحَابَةِ

ترجمہ معنی ہے کہ دعا پڑھ کر ایسے الفاظ کے ساتھ جو الفاظ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے مشابہ ہوں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی یعنی حدیث ابن مسعودؓ کے حضورؐ نے فرمایا کہ پھر احتیاطاً موجودہ ماثورہ دعاؤں پر زیادہ پابندی رکھو اور حضورؐ پر درود کے ساتھ شروع کرے تاکہ قبولیت سے اقرب ہو۔

تشریح مسئلہ تعدد اخیرہ میں صلوٰۃ علی النبی کے بعد عربی زبان میں دعا کرے یونکہ نماز میں سوائے عربی زبان کے دوسری زبان میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ پھر واضح ہو کہ دعا کر کے الفاظ قرآن پاک کے الفاظ کے مشابہ یا بشارت باری تعالیٰ کا قول قُلْ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ الْآيَةُ رَبَّنَا طَلَعْنَا نَعُسَا الْآيَةُ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ الْآيَةُ يَا إِنْ دَعَاؤں کے مشابہ ہو جو دعائیں حضورؐ سے مروی ہیں مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ”نَهَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ دُعَاءٌ أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي فَقَالَ قُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي طَلَمْتُ بِفَيْسَى طَلَمًا كَثِيرًا فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ غُفِرَ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے ساتھ دعاء کرتے تھے اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ“ دلیل حدیث ابن مسعودؓ یہ ہے یعنی ”اِذَا كَانَ الْبَحْرُ الصَّلَاةَ دَعَا بِفَيْسَى بِمَا سَاءَ“ پھر اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ حضورؐ نے ابن مسعودؓ سے سنا تھا ”اخْتَرْتُمِ الدَّعَاءَ أَعْجَبَهُ وَأَطْيَبَهُ إِلَيْكَ“ اعجبه اور اطمینان میں غمیر مذکر سنن کی روایت کے موافق ہے لیکن ہدایہ کے بعض نسخوں میں اَعْجَبَهَا وَأَطْيَبَهَا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اور اگر غمیر مؤنث کے ساتھ صحیح قرار دیا جائے تو دعوات یا کلمات کے ساتھ تاویل کی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ پہلے حضورؐ پر درود بھیجے پھر دعاء کرے تاکہ قبولیت سے اقرب ہو۔ دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کے حق میں دعا ضرور قبول ہوگی اور کریم سے یہ بات بعید ہے کہ بعض دعاؤں کو قبول نہ کرے پس وہ پوری ہی دعا قبول کرے گا۔

### لوگوں کی کلام کے مشابہ ادعیہ سے اجتناب کرے

وَلَا يَدْعُو بِمَا يَنْشِبُهُ كَلَامَ النَّاسِ تَحَرُّرًا عَنِ الْفُسَادِ وَلِهَذَا يَأْتِي بِالْمَأْثُورِ الْمُحْفُوظِ وَمَا لَا يَسْتَحِيلُ سُؤَالُهُ مِنَ الْعِبَادِ كَقَوْلِهِ اللَّهُمَّ زَوِّجْنِي فَلَانَةً يَنْشِبُهُ كَلَامُهُمْ وَمَا يَسْتَحِيلُ كَقَوْلِهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي لَيْسَ مِنْ كَلَامِهِمْ وَقَوْلُهُ اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي مِنْ قَبْلِ الْأَوَّلِ لَا يَسْتَعْمَلُهَا فِيمَا بَيْنَ الْعِبَادِ يُقَالُ رَزَقَ الْأَمِيرُ الْخَبِيرُ

ترجمہ اور ایسے الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرے جو دُوں کے کلام سے مشابہ ہوں۔ فس دنہاز سے نپٹنے کی وجہ سے اور اسی وجہ سے نماز کی دعا اور جس چیز کا مانگنا بندوں سے محسوس ہو جیسے اس کا قول اللہم روحنی فلاحہ کلام الناس کے مشابہ اور جس چیز کا مانگنا محسوس ہو جیسے اس کا قول اللہم اغفر لی تو یہ کلام انسان سے نہیں ہے۔ اور مصیٰ کا کہنا اللہم اور قسی قسم اول سے ہے کیونکہ یہ کلام لوگوں میں باہم مستعمل ہے (چنانچہ) کہا جاتا ہے رزق الامیر الخیش امیر نے شکر و رزق دیا۔

تشریح مسند یہ ہے کہ صلوٰۃ حق النبی کے بعد ایسے الفاظ کے ساتھ دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوں تاکہ نماز کا وہ جز جو کلام انسان کے متصل ہے نہ ہونے سے محفوظ رہ سکے اسی وجہ سے جیسا کہ نماز کی پوجا ہے کہ وہ دعا میں پڑھے۔

کلام انسان کے مشابہ دعا مشد صلوٰۃ ہے یہ بات واضح رہے۔ تشہد کے بعد اگر ایسے الفاظ کے ساتھ دعا کی جو کلام انسان کے مشابہ ہوں تو اس سے پوری نماز فی سہ نہیں ہوگی کیونکہ تشہد کے بعد اگر حقیقتہً کلام انسان پیا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس اگر کلام انسان کے مشابہ کلام ہو تو ہر وجہ اور نماز فی سہ نہیں ہوگی۔ یہ حکم صاحبین کے نزدیک تو خطا ہے اور اسی طرح امام صاحب کے نزدیک بھی فی سہ نہیں ہوگی اس لئے کہ کلام انسان مصلیٰ کی طرف سے خروج بھینچتا ہے ہذا اس سے اس کی نماز پوری ہو جانے لگی اور وہ دعا جو تشہد کے بعد کلام انسان کے مشابہ الفاظ کے ساتھ دی گئی ہے وہ نماز سے باہر ہوگئی نہ یہ کہ نماز کو فاسد کرنے والی ہوگی۔ (مناہ)

کلام انسان کے مشابہ ہونے کا مفہوم اب رہی یہ بات کہ کون سی دعا کلام انسان سے مشابہت رکھتی ہے اور کون سی دعا کلام انسان سے مشابہت نہیں رکھتی تو اس کے بارے میں فرمایا کہ جس چیز کا بندوں سے مانگنا محسوس ہو جیسے کہا کہ اللہم روحنی فلاحہ تو یہ کلام انسان کے مشابہ ہے۔ اور جس کا بندوں سے مانگنا محال ہو جیسے کہا کہ اللہم اغفر لی تو یہ کلام انسان کے مشابہ نہیں ہے اور اگر امام مصیٰ نے کہا کہ اللہم ارزقنی (الہی رزق دے) تو یہ از قسم اول سے یعنی کلام انسان کے مشابہ ہے یہی صحیح ہے دلیل یہ ہے کہ یہ کلام دوسروں میں باہم مستعمل ہے چنانچہ کہا جاتا ہے رزق الامیر الخیش امیر نے شکر و رزق دیا۔

### دائیں بائیں سلام پھیرنا، سلام میں نیت کس کی کرے

نہ یُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلُ ذَلِكَ لِمَارُوِي ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ الْأَيْسَرِ وَبُؤَى بِالنَّبِيِّ الْأُولَى مَنْ عَلَى يَمِينِهِ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْحَفَظَةُ وَكَذَلِكَ فِي النَّاسِ، لِأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ وَلَا يَسْرِي النَّسَاءُ فِي زَمَانِنَا وَلَا مَنْ لَا شُرَكَاءَ لَهُ فِي صَلَاتِهِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْخَطَاةَ حَطُّ الْحَاصِرِ

ترجمہ پھر اپنی دائیں طرف سلام پھیرے پھر بے سلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اپنی بائیں طرف اسی سے مثل کیونکہ ابن مسعود نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں طرف سلام پھیرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔ اور بائیں جانب یہاں تک کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور پہلے سلام سے ان کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہوں خواہ مرد ہوں یا عورتیں اور نہ خطہ اور اسی طرح دوسرے سلام میں کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہمارے زمانے میں (امام) عورتوں کی نیت نہ کرے اور نہ ایسے شخص کی نیت کرے جس کو اس کی نماز میں شرکت نہیں۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ خطاب حاضرین کا حصہ ہے۔

**تشریح** اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ تشہد صلوٰۃ علی ابنی اور علی بن عبد الوہاب صرف سوام پیکھ کے سب دائیں طرف پھر بائیں طرف و رسم کے الفاظ یہ ہیں السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی تم پر سوام اور رحمت بہا جمہور علماء اور کبار صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔ اہل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُهُ عَنْ يَمِينِهِ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ صرف سامنے کی جانب ایک سوام ہے اور استدلال میں پیش کیا کہ حضرت عائشہؓ و سہل بن سعد السعدي رضی اللہ عنہما نے روایت کی اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ كَذَلِكَ عَنِ حُضُورِ اَقْدَسِ شَيْءٍ نے روایت کی اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ كَذَلِكَ عَنِ حُضُورِ اَقْدَسِ شَيْءٍ نے ایسا ہی کیا ہے یعنی نماز سے نکلنے کے ایک سوام یہ۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ کبار صحابہ کے قول کو اختیار کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت امام مالک کے قول سے۔ اور ہا حضرت عائشہؓ و سہل بن سعد السعدي کا ایک سلام روایت کرنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غورتوں کی صف میں رہتی تھیں اور سہل بچوں کی صف میں پس ممکن ہے کہ ان دونوں نے دوسرا سلام نہ سنا ہو۔ از نکاح لید مروی ہے کہ حضورؐ کا دوسرا سوام بہ نسبت اول کے پست واز سے ہوتا تھا پس اس قتال کے ہوتے ہوئے حدیث عائشہؓ اور سہلؓ قبل استدلال میں موٹی

مصنف نے کہا کہ پہلا سوام پھیرتے وقت ان دونوں کی نیت نہ رہے جو اس کے دائیں جانب میں خود ہوں خواہ غورتیں و مردانہ حفظ کی نیت کرے اور ان طرح بائیں طرف سوام پھیرتے وقت ان کی نیت نہ رہے جو اس کی بائیں طرف ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اہل حدیث پر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے صاحب بد یہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں غورتوں کی نیت نہ رہے کیونکہ اس زمانہ میں غورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا باجماع متاخرین متروک ہے۔ اور جو مسلمان نماز میں شریک نہیں ان کی بھی نیت نہ رہے۔ یہی صحیح قول ہے اور حاکم شہید نے کہا کہ تمام مردوں اور غورتوں کی نیت نہ رہے خود نماز میں شریک ہوں یا شریک نہ ہوں تاکہ سوام تشہد ثانی السَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ کے موافق ہو جائے اور قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ یہ صبیحہ خطاب ہے اور خطاب حاضرین کا حصہ ہے اس لئے جو وہ نماز میں شریک نہیں ان کو یہ سلام شامل نہیں ہوگا۔ اس سے برعکس عدم تشہد بہا تحیۃ عامہ ہے اللہ کے تمام نیک بندوں کو خواہ حاضر ہوں خواہ غائب ہوں چنانچہ حضورؐ نے فرمایا اَقْلُ الْمُصَلِّیْنَ السَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَصْحَاکُمْ کُلُّ عَبْدٍ صَالِحٍ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ یعنی نماز میں سب السلام عَلَیْکَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ ہوتا ہے تو وہ اہل سماء اور اہل ارض میں سے اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچتا ہے۔

**مقتدی سلام میں امام کی نیت بھی کرے گا یا نہیں، اقوال فقہاء**

وَلَا بُدَّ لِلْمُقْتَدِیِّ مِنْ نِیَّةِ اِمَامِهِ، فَاِنْ كَانَ الْاِمَامُ مِنَ الْحَاظِبِ لَا یَسِرُّ اَوْ الْاِیْسَرِ یُؤَدُّ فِیْهِمْ وَاِنْ كَانَ یُحَدِّثُ نَوَاحِیْ الْاَوَّلٰی عِنْدَ رَسُوْلٍ یُؤَسِّفُ تَرْجِعُ لِلْحَاظِبِ الْاِیْسَرِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ رِوَاۃٌ عَنْ اَبِی حَنِیْفَةَ نَوَاحِیْ فِیْهِمَا لِاَنَّ دَوْحًا مِنَ الْجَارِسِیْنَ.

**ترجمہ** و مقتدی کے لئے امام کی نیت نہ بھی ضروری ہے پس اگر وہ بائیں طرف ہو یا بائیں طرف تو ان میں اس کی نیت کرے اور اگر

مستندین کے منہاں سو فیوسف نے نزدیک مقتدی پہلے سلام میں امام کی نیت کرے دائیں جانب کو ترجیح دینے کی وجہ سے اور امام محمدؒ سے زیادہ یکتا رہا ہے کہ مقتدی دونوں سلام میں امام کی نیت کرے۔ کیونکہ امام دونوں جانب سے حصہ والا ہے۔

**تشریح** مسند یہ ہے کہ مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی نیت کرے، مگر دائیں طرف ہے تو دائیں طرف، بائیں طرف ہے تو بائیں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور اگر مقتدی ٹھیک امام کے پیچھے ہو یعنی محاذی ہو تو اس صورت میں امام بائیں طرف کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی دائیں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے اور امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی بائیں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے۔ یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ سے ہے امام ابو یوسفؒ نے دائیں جانب کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ نیت بائیں طرف کے مقتدی کے لئے ہے اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ محاذی (مقابل) دونوں طرف سے حصہ پانے والا ہوتا ہے اس لئے دونوں طرف کے سلام میں امام کی نیت کرے۔ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تعارض کے وقت اگر جمع کرنا ممکن ہو تو ترجیح کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا اس لئے بھی امام محمدؒ نے کہا کہ دونوں طرف کے سلام میں نیت کرے۔

### منفرد سلام میں کس کی نیت کرے

وَالْمُفْرَدُ بَيَّوَى الْحَفْظَةَ لَا غَيْرَ لِأَنَّهُ لَيْسَ مَعَهُ سِوَاهُمْ

**ترجمہ** اور منفرد ملائکہ حفظہ کی نیت کرے فقط کیونکہ منفرد کے ساتھ سوائے حفظہ کے کوئی نہیں ہے۔

**تشریح** مسند اور دلیل واضح ہے۔

### امام سلام میں ملائکہ اور مقتدیوں دونوں کی نیت کرے

وَالْإِمَامُ بَيَّوَى بِالتَّسْلِيمِ هُوَ الصَّحِيحُ وَلَا يَبْوَئِي فِي الْمَلَائِكَةِ عَدَدًا مَحْصُورًا لِأَنَّ الْأَحْبَارَ فِي عَدَدِهِمْ قَدْ اُخْتَلَفَتْ فَسَنَّهُ لَا يَمَانُ بِالْإِتِّبَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ثُمَّ إِصَابَةُ لَفْظَةِ السَّلَامِ وَاجِبَةٌ عِنْدَنَا وَلَيْسَ بِفَرْصٍ خِلَافًا لِلسَّامِعِي هُوَ يَمْنُوكُ بِعَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ وَلَنَا مَارَوْ بِمَا مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعْدٍ وَالتَّخْيِيرُ بِإِذْنِ الْفَرِيضَةِ وَالْوُجُوبُ إِلَّا نَا أَنْشَأَ الْوُجُوبَ بِمَا رَوَاهُ أَحْتِيَاظًا وَبِمَنْلِهِ لَا يَبْثُ الْفَرِيضَةُ

رحمہ اللہ

**ترجمہ** اور مقتدیوں کے سلام میں نیت کرے۔ یہی صحیح ہے اور ملائکہ میں معین عدد کی نیت نہ کرے کیونکہ اخبار و حدیث ملائکہ کی تعداد میں اختلاف ہے یہ مسند نبیؐ و پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا پھر ہمارے نزدیک لفظ السلام ادا کرنا واجب ہے اور فرض ہے کہ اس میں امام صرف ایک ہی اختلاف ہے کہ مقتدی حضورؐ کے قول "تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ" سے استدلال کرتے ہیں اور امامین و ائمہ نے حدیث ابن مسعودؓ روایت کی ہے اور اختیار دنیا فرضیت اور وجوب کے منافی ہے۔ مگر ہم نے امام شافعیؒ کی روایت رد کی حدیث کی وجہ سے احتیاطاً وجوب کو ثابت کیا اور اس جیسی حدیث سے فرضیت ثابت نہیں ہے واللہ اعلم

**تشریح** مسند امام اپنے منہاں سلام میں ملائکہ حفظہ اور قوم دونوں کی نیت کرے۔ یہی صحیح قول ہے بعض نے کہا کہ امام نیت کا محتاج

نہیں ہے ورنہ بعض نے کہا کہ ایک اسلام کے اندر نیت کرنا کافی ہے۔ صاحب ہادیہ نے کہا کہ دعا میں کسی دعا میں نیت نہ کرنا ہے۔ مطلقہ دعا کی نیت کرے کیونکہ ملائکہ حفظہ کی تعداد میں آثار و احادیث مختلف و راہبونی ہیں۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اَنَّهُ قَالَ مَعَ كُلِّ مُؤْمِنٍ خَمْسَةٌ مِنَ الْحَفَظَةِ وَاحِدٌ مِنْ بَيْتِهِ يَكْتُبُ الْحَسَنَاتِ وَآخَرُ عَنْ يَسَارِهِ يَكْتُبُ الرِّسَالَتِ وَآخَرُ اَمَّ يَلْقَاهُ الْحَيَرَاتِ وَآخَرُ وَرَأَاهُ يَدْفَعُ عَنْهُ الْمَكَارَةَ وَآخَرُ عِنْدَ نَاصِيَّتِهِ يَكْتُبُ مَا يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْلُغُهُ إِلَى الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ ملائکہ حفظہ رب سے ہیں ایک دوسری طرف جو نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا بائیں طرف جو برائیاں لکھتا ہے، تیسرا اس کے آگے رہتا ہے جو اس کو نیکیوں کی تلقین کرتا ہے، چوتھا اس کے پیچھے جو اس سے مکارتہ اور ناگوار چیزوں کو دور کرتا ہے، پانچواں اس کی پیشانی کے پاس رہتا ہے جو اس کو صحت دیتا ہے جو حضورؐ پر درود پڑھتا ہوتا ہے اور اس کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیتا ہے ایک روایت میں ہے مع کل مومن ستون دعا اور ایک میں ہے مائتہ وستون پس حسب مدغمہ حفظہ کی تعداد متعین نہیں تو بغیر متعین کئے ان کی نیت کرے۔ اور یہ مسند انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے مشابہ ہو گیا یعنی کوئی دعا میں نیت کرے بغیر تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

نماز سے لفظ سلام کے ساتھ نکلنا واجب ہے: واضح ہو کہ ہمارے نزدیک لفظ السلام ادا کرنا واجب ہے فرض نہیں اور امام ترمذی کے نزدیک لفظ اسلام کہن رکن اور فرض ہے امام شافعی کی دلیل حضورؐ کا قول تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ ہے۔ استدلال یہ ہے کہ جس طرح بغیر تکبیر کے نماز میں دخول صحیح نہیں اسی طرح بغیر سلام کے نماز سے نکلنا صحیح نہیں ہے اور سابق میں مذکور یہ کہ تکبیر تحریر فرض ہے لہذا نماز سے نکلنے کے لئے السلام کہن بھی فرض ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو شہدائی تعلیم دی تو آپؐ نے ابن مسعودؓ سے کہا تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ اَوْ فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُومَ فَقُمْ وَاِنْ سَبَّكَ اَنْ تَعْدُو فَعُدْ۔ اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ اللہ کے برحق نبیؐ نے سلام سے نماز پوری ہونے کا حکم لگایا ہے اور اس کو چھیننے اور کھڑے ہونے کے درمیان اختیار دیا ہے اور اختیار دینا کسی چیز کے فرض ہونے اور واجب ہونے کے منافی ہے پس ثابت ہوا کہ تقدیر شہد کے بعد سلام وغیرہ کوئی چیز فرض نہیں ہے بلکہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اختیار دینا تو وجوب سے منافی ہے مذاہم نامہ واجب بھی نہ ہونا چاہئے تھا حالانکہ علامہ ابن کثیر وجوب تسلیم کے قائل ہیں۔

جواب ہم نے وجوب کو احتیاطاً اس حدیث کی وجہ سے ثابت کیا ہے جس کا امام شافعی نے روایت کیا تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيرُ الْحَدِيثُ اور یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے وجوب تو ثابت ہو جاتا ہے مگر فرض نیت ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## فَصْلٌ فِي الْقِرَاءَةِ

ترجمہ... (یہ) فصل قرأت کے (احکام کے بیان) میں ہے۔

تشریح مصنف علیہ الرحمۃ جب نماز کی صفت اس کی کیفیت اس کے ارکان فرائض واجبات اور اس کی سنتوں کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب اس فصل میں قرأت کے احکام ذکر کریں گے دراصل یہ قرأت بھی نماز کے ارکان میں سے ہے۔ دوسرے ارکانوں پر نسبت



بہت سے باتیں ہیں جن کے احکام قرأت کو بعدہ فصل میں ذکر کیا گیا۔

### جہری قرأت کن نمازوں میں ہوگی، منفرد کے لئے جہر کا حکم

وَسَخِرَ بِالشَّهَادَةِ فِي الصَّحَرِ وَالْأَوَّلِيِّ مِنَ السَّعِيرِ وَالْعِشَاءِ إِنْ كَانَ إِمَامًا وَيُخْفِي فِي الْأَحْرِيِّ هَذَا  
هُوَ السَّعِيرُ وَرِنْ كَنْ مَسْفُودٌ هُوَ مُحْشَرٌ إِنْ شَاءَ خَيْرٌ وَأَسْمَعُ نَفْسَهُ لِأَنَّهُ إِمَامٌ هِيَ حَقٌّ نَفْسِهِ وَإِنْ شَاءَ حَافَتْ  
لَأَنَّهُ لَيْسَ حَمْدُهُ مِنْ نَفْسِهِ وَالْأَفْضَلُ هُوَ الْحَمْدُ لِيَكُونَ الْإِدَاءُ عَلَى كَيْفٍ الْحَمْدُ عَلَيْهِ

ترجمہ: یہ باتیں ہیں جو صرف اور صرف جہری قرأت کے ساتھ جہر کر کے امام ہو اور پاتی میں اخفاء کر کے یہی  
قرأت کرے اور تمنا کرے کہ وہ اس کو اختیار کرے جیسا کہ جہر کرے اور اپنی ذات کو سنائے کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام  
نہیں ہے بلکہ خدا کے ساتھ اس کے پیچھے والی نہیں ہے جس کو سننا ہے تاہم افضل جہر ہے کہ منفرد کا اور امام جماعت کی بیعت پر ہو۔  
تشریح: امام نے اس کی دلیل یہ ہے کہ جہر تو فجر کی دونوں رکعتوں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے ساتھ جہر کرنا  
ہوتا ہے اور پاتی میں پاتی مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی بعد والی دو رکعتوں میں اخفاء کرنا واجب ہے یہی حضور پر بھی ہے  
اور اس کے لئے اس نے دلیل دی ہے۔

اس میں امام نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر نماز میں اخفاء کرنا واجب ہے اور یوں سنت سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ سے روایت ہے کہ اُتِیَ بِکَ صَدْرَةٍ یُقْرَأُ فَمَا أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْمَعُكُمْ وَمَا أَخْفَى عَنَّا  
أَحْسَبُ عَسَاكُمْ جَنِّیْ ہ نماز میں قرأت قرآن کی باقی سے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہم کو نہ سنا ہم نے تم کو نہ دیا اور جہاں  
تم کو نہ سنا ہم نے تم کو نہ دیا۔

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ روایت میں رسول اللہ نے جہر کیا اور ہم کو نہ سنا یہاں میں ہم نے جہر کیا اور تم کو نہ سنا اور جن نمازوں میں آپ نے  
خفاء کیا یہاں میں تم نے بھی اخفاء کیا پس معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اخفاء سنت سے ثابت ہے اور امت کا  
بہان بھی نہیں ہے یہ حدیث حضور پر ہے اور مبارک ہے کہ قرآن تک جہری نمازوں میں جہر پر اور سری نمازوں میں اخفاء پر پوری امت  
کا اتفاق ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ایک رکعت ہے پس جس طرح تمام ارکان کا اظہار ضروری ہے اسی طرح  
قرأت کا اظہار بھی ضروری ہوتا ہے یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں حضور پر تمام نمازوں میں قرأت با جہر فرماتے تھے۔ اور مشرکین قرأت  
تسبیح میں سب سے پہلے یہ کہتے اور یہ دوا کہتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "وَلَا تَخْهَرُوا بَصُلُوتِکُمْ وَلَا تَتَحَافَتُوا" یعنی  
نہیں نہ تھکنا، نہ میں نہ میں نہ میں اور نہ نمازوں میں اخفاء کرنا "وَالسَّعِيرُ" دلکھ مسیلاً الحمد ان دونوں کے درمیان کی راہ  
نہیں ہے بلکہ اس میں نہ میں نہ میں نہ میں اور نہ نمازوں میں اخفاء کرنا ہے جس کے بعد سے آپ نے ظہر اور عصر کی نماز میں  
خفاء کرنا شروع کیا اس سے کہ ان دونوں وقتوں میں کفار ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔

اور چونکہ کئی مغرب کے وقت ہمارے میں مشغول رہتے اور عشاء اور فجر کے وقت خواب غفلت میں پڑے رہتے تھے۔ اس لئے ان  
وقت میں آپ نے جہر فرمایا۔ اور بعد ازاں عیدین کی نمازوں میں اس سے جہر فرمایا کہ یہ نمازیں مدینہ منورہ میں قوم یوں اور مدینہ میں

کفار و ایذا پہنچانے کی قوت نہیں تھی۔ اور یہ عذر عین کفار کا ایذا پہنچانا اور چار مسلمانوں کی شہادت کی وجہ سے زلزلہ ہو گیا لیکن اس میں اختلاف کا حکم باقی ہے کیونکہ بقاء، ظلم بقاء، سبب سے مستغنی ہوتا ہے۔ یہ خوف ہے نہ درمل کا حکم باقی ہے نہ چار سبب باقی نہیں رہا۔ مصلیٰ تنہا پڑھنے والا ہو تو اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے اور اپنی ذات و نہاں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نفی میں رہا۔ اور یہ چاہے تو اٹھا کرے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو نہ اسے اور نہ اس کا جمل شائد وہ نہ نفی اور نفی و نفی کے واسطے یہ منفرد پر نہ جم واجب ہے اور نہ اختلاف البتہ جہر کرنا افضل ہے تاکہ منفرد کی نماز جماعت کی قیمت پر نہ آتی ہو۔

سری قراءت کن نمازوں میں ہوگی، امام مالک کا نقطہ نظر

وَيُحْمِلُهَا الْإِمَامُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ كَانَ يَعْرِفُهُ لِقَوْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَوةُ النَّهَارِ عَجَمَاءَ فِي نِسْبَةِ قِرَاءَةِ قَسْمُوعَةٍ وَفِي عَرَفَةِ حَلَفٍ لِمَالِكٍ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ قَارِئًا

ترجمہ اور امام ظہر اور عصر میں اٹھا کرے اگرچہ عرفہ میں ہو اس نے حضور سے فرمایا کہ دن کی نماز میں قرائت کی نمازوں میں ایسی قراءت نہیں جو سنی جائے۔ اور مقام عرفہ میں امام مالک کا خلاف ہے۔ اور امام مالک کے خلاف استسقاء کی وجہ سے ہم نے روایت کی۔

تشریح ظہر اور عصر کی نماز میں امام پر اٹھا کرنا یعنی آہستہ قرائت نہ واجب ہے جس سبب جماعت کی حالت میں امام پڑھتا ہے۔ اٹھا کرنا واجب ہے تو منفرد پر بدرجہ اولیٰ ظہر اور عصر میں اٹھا واجب ہوگا۔ دلیل منقولہ کا قول صَلَوةُ النَّهَارِ عَجَمَاءَ یعنی دن کی نمازوں میں ایسی قراءت نہیں جو سنی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں قرأت تو ہے مگر بالسر ہے نہ کہ جہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے لَا قِرَاءَةَ فِي هَاتَيْنِ الصَّلَاَتَيْنِ یعنی دن کی دونوں نمازوں میں قرأت نہیں ہے نہ جہر و نہ ہائیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ تفسیر صحیح نہیں اور مد مصحت پر دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ خطاب بن اریضہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یَا نَبِيَّ اللَّهِ عَرَفْتُ قِرَاءَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَالَ بِاضْطِرَابٍ لِحَيْهِ" یعنی قرآن کے سطران پہنچا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے خطاب بن اریضہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صریحاً مبارک کی قرأت کرتے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِعُ الْآيَةَ وَالْآيَاتِ فِي الظُّهْرِ أَحْيَانًا فَرَمَا كَرَسُولِ اللَّهِ نَوَظِيرُ كِي نَمَازِ مِ بَکَی رَایک یَا رَایتِی سَنا دِیَا کر تے تھے پس معلوم ہوا کہ دن کی نماز میں قرأت ہوتی ہے ہمارے نزدیک ظہر اور عصر کی نماز میں علی الاطلاق اختلاف واجب ہے۔ یہ نمازیں مقام عرفہ میں پڑھیں یا میں یا اس کے واسطے۔ ابن امام مالک نے کہا کہ مقام عرفہ میں ان دونوں نمازوں میں جہر واجب ہے امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ عرفہ میں یک جمیع آیت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے لہذا جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی جہر کرے گا۔ مگر امام مالک کے خلاف وہ حدیث میں اس کو جہر نہیں پچائی صَلَاةُ النَّهَارِ عَجَمَاءُ۔



**تشریح** مسئلہ اگر کسی شخص کی عشاء یا مغرب اور فجر کی نماز فوت ہو گئی پھر اس وقت آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضا کیا تو اس کی اسسوة نہیں جیں یا تو باجماعت قضاء کرے گیا یا تنہا اگر جماعت کے ساتھ قضا کی ہے تو جہاں رہا وہاں یہ سنت کہ یلۃ القمر میں سے موقع پر سے آپ نے فجر کی نماز کو باجماعت قضاء کیا تو آپ نے جہ فرمایا تھا۔

حضور ﷺ نے قضا نماز میں قرأت بالجہر فرمائی مختصہ واقعہ یہ ہے کہ فجر جب آیت الہی میں صحابی اور غمست یہ آپ نے اشعراتے اور حضرت بلالؓ نے جاگنے کی مدداری لی مگر سو گئے اور اس وقت جاگے۔ ان پر حسب آیت میں حضور نے وہاں سے فوت ہوا حکم کیا اور آگے بڑھ کر جب آفتاب ایک نیمہ بلند ہو تو اتر کر وضو کیا ورموۃ ان کا حکم یہ ہے کہ عقیق پر بیٹھ کر قرأت فرماتا ہے۔ کی اقامت کہی گئی پھر نماز فجر پڑھی جیسے روز پڑھا کرتے تھے اور خطا ہے کہ آپ فجر کی نماز میں باجماعت قرأت کرتے ہیں تاہم کہ آپ نے ایۃ الشعر میں کے موقع پر فجر کی نماز وقرأت بالجہر کے ساتھ قضا کیا۔

تنہا جہر کی نماز کی قضا کرتے وقت اخفاء واجب ہے اور اگر مذکورہ قضاء نماز تنہا یہ تھے تو اخفاء واجب ہے اور اس کو جہر اور اخفاء کے درمیان اختیار نہیں ہے۔ یہی قول صحیح ہے جس سے الحمد للہ کسی اور فقرہ الامام وغیرہ نے کہا کہ جہر افضل ہے۔ ویسے یہ ہے کہ قضا والا اپنے وقت بہاتی ہے اور رات کی نمازوں میں ادا منفرد کے حق میں اختیار ہے کہ جہر کرے یا اخفاء کرے۔ جہر افضل ہے اس لیے کہ قضا میں وہ قول کی دلیل یہ ہے کہ جب جہر نہ ہو تو اس میں مختص ہے ایک یہ کہ نماز باجماعت ہو تو یہ نماز وقت کے اندر ہی ہوتی صورت میں جہر واجب ہے۔ دوسری صورت میں منفرد کے حق میں بطور اختیار کے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہر اور اخفاء شرعی وقیف پر موقوف ہے۔ اگر نہ شرعی صورت میں جہر طریقوں سے پایا ایک تو جہر واجب یا اس وقت ہے کہ جماعت سے جہر کی نماز پڑھتے خواہ وہاں قضا ہو اور دوم جہر خفیہ یا اس وقت جب کہ منفرد وقت کے اندر جہر نماز پڑھے۔ اور یہاں جب کہ منفرد طلوع آفتاب کے بعد جہر کی نماز پڑھتا ہے تو وہاں باتوں میں سے اول بات نہیں پائی گئی یعنی نہ جماعت ہے اور نہ وقت اس لئے اس صورت میں نہ جہر واجب ہوگا اور نہ جہر خفیہ یا اخفاء واجب ہوگا۔ جمیل احمد علی عن

عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورت ملائی فاتحہ نہیں پڑھی یا فاتحہ پڑھی اور سورت ساتھ

نہیں ملائی تو اس کے لئے کیا حکم ہے

وَمَنْ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي الْأُولَى ~~الْحَمْدُ~~ وَلَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ لَمْ يُعَدِّ فِي الْأُخْرَى وَإِنْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهَا قَرَأَ فِي الْأُخْرَى الْفَاتِحَةَ وَالسُّورَةَ وَخَمْرٌ وَهَذَا عَنِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَابْنِ ابْنِ مَوْسَى لَا يَقْضِي وَاحِدَةً مِنْهُمَا لِأَنَّ الْوَاجِبَ إِذَا قَاتَ عَنْ وَفْقِهِ لَا يَقْضِي إِلَّا بِدَلِيلٍ وَلَيْسَ وَهُوَ الْمَرْفُوعُ لَوْ خِشِيَ أَنْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ شَرَعَتْ عَلَى وَجْهِ يَتَرْتَّبُ عَلَيْهَا السُّورَةُ فَلَوْ قَضَاهَا فِي الْأُخْرَى يَتَرْتَّبُ الْفَاتِحَةُ عَلَى السُّورَةِ وَهَذَا جَلَّافٌ الْمَوْصُوعُ بِخِلَافٍ مَا إِذَا تَرَكَ السُّورَةَ لِأَنَّهُ أَمَكَّنَ قَضَاؤَهَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ ثُمَّ ذَكَرَ هَيْكَلًا يَدُلُّ عَلَى الْجُوبِ وَفِي الْأَصْلِ بِلَفْظَةِ الْإِسْحَابِ لِأَنَّهَا إِنْ كَانَتْ مُوَخَرَّةً فَغَيْرُ مَوْصُولَةٍ بِالْفَاتِحَةِ فَهِيَ مُسَكَّنَةٌ مُزَاعَدَةٌ مَوْصُوعًا مِنْ كُلِّ وَجْهِ

ترجمہ اور جس نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورت پڑھی اور فاتحہ نہیں پڑھی تو بعد میں دوسری رکعتوں میں فاتحہ پڑھنا نہ رہے اور اگر

نے فاتحہ پڑھی اور اس پر نذر یا نہیں یا تو بعد کی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور جہر کرے۔ اور یہ امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ انوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے اس سے کہ واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو گیا تو بغیر دلیل کے اس کی قضاء نہیں کی جاتی۔ اور طہ فیس کی دلیل اور وہی ۱۰۰ دنوں صورتوں میں فرقی نہیں ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ایسے طور پر شروع ہوا ہے کہ سورت اس پر مرتب ہو پس اگر فاتحہ کی دو رکعتوں میں قضا میں تو سورت پر فاتحہ مرتب ہو جائے گی اور یہ خلاف موضوع ہے اس کے برخلاف جب (اثین) میں سورت تو چھوڑا۔ کیونکہ سورت کی قضا، رننا مشروع طریقہ پر ممکن ہے پھر یہاں وہ لفظ نہ کر یا جو جو جواب پر واپس رہتا ہے اور مبسوط میں لفظ استحباب کے ساتھ اس لئے کہ صورت اگر منحرف ہے تو وہ فاتحہ کے ساتھ متصل نہ رہی پس اس کے موضوع کی رعایت میں کل وجہ ممکن نہیں ہے۔

**تشریح**۔ سورت مسند یہ ہے کہ ایک شخص نے عشاء کی پہلی دو رکعت میں سورت یزعی مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔ تو یہ شخص آخر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کی قضا نہیں کرے گا اور اگر پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھی مگر سورہ فاتحہ کے بعد کچھ اور نہیں پڑھا تو آخر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور انوں کے ساتھ جہر کرے۔ یہ مذکورہ حکم طہ فیس کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ اور سورت دونوں میں سے کسی کی قضا نہ کرے۔

وہ دلیل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور سورت ان دونوں میں سے ہر ایک واجب ہے (یہی وجہ ہے کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو ہوا ترک کرے یا نہ سجدہ ہو واجب ہوگا خواہ شفع یعنی میں اس کی قضا کرے یا قضا نہ کرے) اور واجب جب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں کی جاتی البتہ یہ کہ ولی دلیل قضا پانی جاب و دلیل قضا یہاں موجود نہیں اس لئے ان دونوں کی قضا بھی نہیں ہونی اور دلیل اس لئے موجود نہیں کہ قضا کہتے ہیں ماہ مشروعاً کو ماعدیہ کی طرف بھیج دینا۔ یعنی شریعت نے اس کے لئے جو حق مشروع یا تھا اس کو اس کی طرف بھیج دینا جو اس پر واجب ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ آخر کی دو رکعتوں میں سورت مشروع نہیں ہوئی پس جب آخر کی دو رکعتوں میں سورت اس کا حق بن کر مشروع نہیں ہوئی تو پہلی دو رکعتوں میں فوت شدہ سورت کی آخری دو رکعت میں قضا نہیں کر سکتا۔

دلیلین کی دلیل اور یہی دونوں صورتوں میں وجہ فرقی بھی ہے۔ فاتحہ کا پڑھنا ایسے طور پر مشروع ہوا ہے کہ سورت اس پر مرتب ہو یعنی فاتحہ ایسے طور پر پڑھے کہ اس کے بعد میں سورت پڑھے پس پہلی صورت میں جب سورت پڑھی اور سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اگر اخیرین میں فاتحہ کی قضا کی تو سورہ فاتحہ سورت پر مرتب ہوگی یعنی صورت پہلے پڑھی گئی اور سورہ فاتحہ بعد میں اور یہ حالت موضوع شرع کے خلاف ہے کیونکہ پہلے فاتحہ پھر سورت پڑھنا مشروع ہے۔ اور یہاں برعکس ہو گیا اس لئے کہ اس صورت میں فاتحہ قضا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

دلیل دوسری صورت یعنی جب اخیرین میں فاتحہ پڑھی اور سورت نہیں پڑھی تو اخیرین میں قضا کرے گا کیونکہ اس صورت میں مشروع طریقہ پڑھنا ممکن ہے اس لئے کہ مشروع طریقہ یہ ہے کہ فاتحہ کے بعد سورت ہو اور وہ یہاں موجود ہے۔

صاحب مانیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ اخیرین میں سورت فیہ مشروع ہے کیونکہ اخیرین میں شروع جامع صغیر میں فرمایا کہ اخیرین میں سورت کا پڑھنا مندوب ہے اسی وجہ سے اگر اخیرین میں سورت پڑھ لی تو عید ہو واجب نہیں ہوگا۔

عبارت کا اختلاف: ہم ذکرنا ہھنا سے عبارتوں کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ جامع صغیر کی عبارت میں ایسا لفظ مذکور ہے جو آخری دو رکعتوں میں سورت کی قضاء کے وجہ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جامع صغیر میں کہا قرأ فی الاخرین اور یہ منہ امر کے ہے۔ اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے پس جامع صغیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ آخرتین میں سورت کی قضاء کرنا واجب ہے۔ اور دلیل وہ ہے جو مذمتیہ طور میں گزر چکی ہے اور مبسوط میں لفظ استحباب کے ساتھ مذکور ہے اس لئے کہ مبسوط کی عبارت یہ ہے کہ **اِذَا تَرَكَ السُّورَةَ فِي الْاُولٰٓئِينَ احْبَبُ اَلَّتِي اَنْ يَقْضِيَهَا** اور ظاہر ہے کہ لفظ احب استحباب پر دلالت کرتا ہے پس مبسوط کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اگر اولتین میں سورت کو ترک کر دیا تو آخرتین میں اس کی قضاء کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے! اور دلیل استحباب یہ ہے کہ سورت بلاشبہ فاتحہ سے مؤخر ہو گئی لیکن فاتحہ اولی کے ساتھ متصل نہیں رہی اس لئے کہ فاتحہ دلی اور سورت کے درمیان فاتحہ ثانیہ (وہ فاتحہ جس کا آخرتین میں پڑھنا افضل ہے) کا فصل واقع ہو گیا ہذا من کل وجہ موضوع سورت کی رعایت کرنا ممکن نہ رہا اس لئے مبسوط میں کہا گیا کہ سورت کی قضاء کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔

### فاتحہ اور سورت جہر اچھے

**وَيَحْهَرُ بِهِمَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْحَهْرِ وَالْمَخَافَةِ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ شَيْعٌ وَتَغْيِيرُ النَّفْلِ وَهُوَ الْقَابِلَةُ اُولٰٓئِ**

ترجمہ اور سورت اور فاتحہ دونوں کا جہر کرے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ جہر اور اخفاء کا ایک رکعت میں جمع کرنا برا ہے۔ اور نفل کا متغیر کرنا اور وہ فاتحہ ہے اولی ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ جب آخرتین میں سورت کی قضاء کرے گا تو سورۃ فاتحہ و سورت دونوں کے ساتھ جہر کرے یہی صحیح قول ہے۔ ابن ساعد نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ صرف سورت کے ساتھ جہر کرے اور ہشام نے امام محمد سے روایت کی کہ بالکل جہر نہ کرے نہ فاتحہ کے ساتھ نہ سورت کے ساتھ۔ ہشام کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جہر اور اخفاء دونوں کا ایک رکعت میں جمع کرنا شعیع اور برا ہے اور سورت کا متغیر کرنا یعنی بجائے جہر کے سورت کو ہالسر پڑھنا اولی ہے کیونکہ فاتحہ اپنے محل میں بھی ہے اور سورت پر مقدم بھی ہے اس لئے فاتحہ اصل ہولی اور سورت اس کے تابع ہوئی آخرتین میں فاتحہ کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ اخفاء کیا جائے پس اس کے تابع ہو کر سورت کے ساتھ بھی اخفاء کیا جائے گا۔

روایت ابن ساعد کی وجہ یہ ہے کہ آخرتین میں فاتحہ کا پڑھنا اداء ہے اور سورت کا پڑھنا قضاء ہے اور ادا اپنے محل کے مطابق ہوتا ہے اور قضا بحسب الغوات ہوتی ہے پس چونکہ سورت صفت جہر کے ساتھ فوت ہوتی ہے اس لئے اس کی قضاء صفت جہر کے ساتھ ہوگی اور فاتحہ چونکہ اپنے محل میں ہے اس لئے فاتحہ میں اس کی صفت کی رعایت کی جائے گی اور فاتحہ کی صفت آخرتین میں اخفاء ہے اس لئے فاتحہ کے ساتھ اخفاء ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اجمہ اور اخفاء کا ایک رکعت میں جمع ہونا، زم آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضاء اپنے مقام کے ساتھ احق ہوتی ہے پس سورت اگرچہ آخرتین میں پڑھی گئی مگر محسوب اولتین میں ہوگی۔ اس وجہ سے تقدیر ایک رکعت میں جہر اور اخفاء کا جمع کرنا زمینیں آئے گا۔

اقتراح کی دلیل یہ ہے کہ ایک رکعت میں جہر اور اخفاء کو جمع کرنا تو شرعاً مذہب ہے اب دو ہی صورتیں ہیں یا دونوں میں اخفاء

کرے جیسے کہ امام محمد سے ہشام نے روایت کی ہے اور یہ دونوں نے ساتھ جہر کرے پہلی صورت میں اقویٰ کو ادنیٰ کے تابع کرنا لازم آتا ہے جو کسی طرح منہ سے نہیں ہے کیونکہ سورت کا جہر پڑھنا واجب تھا اور آخری رکعتوں میں فاتحہ کا بار خفاء پڑھنا سنت ہے بلکہ نفل کے درجہ میں ہے پس فاتحہ جو سنت ہے اس کی صفت یعنی اخفاء کی رعایت کے پیش نظر سورت جو واجب ہے اس کی صفت یعنی جہر کو متغیر کرنا اقویٰ و ادنیٰ کے تابع بنانا ہے جو کسی طرح بھی منہ سے نہیں اس لئے یہ صورت درست نہیں ہے اب دوسری صورت باقی رہی یعنی دونوں کو جہر پڑھنا سو اس میں ادنیٰ قیامت نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں واجب (سورت) کی صفت (جہر) کی وجہ سے نفل (فاتحہ) کی صفت (خفاء) کو بدن پڑتا ہے اور یہ اولیٰ ہے اس کے کہ اس صورت میں ادنیٰ اقویٰ کے تابع ہوگا۔

### جہر اور اخفاء کی تعریف

ثُمَّ الْمُخَافَةُ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ وَالْجَهْرُ أَنْ يُسْمِعَ غَيْرَهُ وَهَذَا عِنْدَ الْفَقِيهِ أَبِي حَنْفَةَ الْهِنْدَوَانِيِّ لِأَنَّ مُحَرَّزَ حَرَكَهَ اللِّسَانِ لَا يُسَمَّى قِرَاءَةً بِدُونِ الصَّوْتِ وَقَالَ الْكُوزَجِيُّ أَدْنَى الْجَهْرِ أَنْ يُسْمِعَ نَفْسَهُ وَأَدْنَى الْمُخَافَةِ نَصْجُ الْحُرُوفِ لِأَنَّ لِقِرَاءَةَ فِعْلٍ اللِّسَانِ دُونَ الصَّمَاكِ وَفِي لَفْظِ الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَى هَذَا وَعَلَى هَذَا الْأَصْلِ كُلُّ مَا يَتَعَلَّقُ بِالطُّقِ كَالطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ وَالْإِسْتِثْنَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

ترجمہ پھر خفاء کا پڑھنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنائے اور یہ فقیر ابو جعفر ہندوئی کے نزدیک ہے کیونکہ بغیر آواز کے محض زبان کی حرکت کا نام قرات نہیں کہلاتا۔ اور امام کرخی نے کہا کہ جہر کا کتر مرتبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور اخفاء کا کتر مرتبہ یہ ہے کہ حروف صحیحہ تھیں کیونکہ قرات تو زبان کا فعل ہے نہ کہ کان کا۔ اور غلط کتاب میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ اور ان اصل پر ہر وہ امر ہے جو عقل سے متعلق ہو جیسے طلاق آزاد کرنا استثناء ورنہ کے ملو۔

تشریح اس عبارت میں جہر اور اخفاء کی تعریف کی گئی ہے۔ صاحب سنائیہ کے بیان کے مطابق حاصل یہ ہے کہ کلمات کے جزاء جو زبان پر مستعمل ہیں ان کی دو قسمیں ہیں کلام اور قرات کیونکہ اس سے مخی طبع کو نسبت کافی نہ پہنچا، مقصود ہوگا یا نہیں اُوروں ہے تو یہ کلام ہوگا ورنہ قرات ہے پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں جہر اور مخفی قرات کیسے ان دونوں کے درمیان حد فاضل میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے چنانچہ فقیر ابو جعفر ہندوئی نے کہا کہ اخفاء (آستہ پڑھنا) یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور اگر اس سے کتر ہے تو اس کو گچھ اور دند نہ کہتے ہیں نہ یہ کہ کلام ہے اور نہ قرات ورنہ جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنائے یعنی اتنی آواز سے پڑھے کہ قریب کا آدمی سن لے۔ دلیل یہ ہے کہ بغیر آواز کے خالی زبان کی حرکت کا نام قرات نہیں نہ لغت اور نہ عرف۔

امام کرخی نے کہا کہ جہر کا کتر درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور اخفاء کا کتر درجہ یہ ہے کہ حروف صحیحہ تھیں کیونکہ قرات زبان کا فعل ہے نہ کان کا۔

اعتراض: اخفاء کی اس تعریف پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ کتابت کے ساتھ صحیح حروف پایا جاتا ہے مگر دانہ ہونے کی وجہ سے اس قرات نہیں کہا جاتا پس معلوم ہوا کہ قرات کے لئے فقط صحیح حروف کافی نہیں۔ بلکہ آواز کا ہونا بھی ضروری ہے۔

جواب: مصطلح صحیح حروف قرات نہیں بلکہ زبان سے صحیح حروف قرات ہے اسی وجہ سے امام کرخی نے کہا کہ قرات زبان کا فعل ہے نہ

کہ کان کا، صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدرتی کی عبارت میں بھی اہم کرشی کے قول کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ اول فصل میں مذکور ہے  
 فَهَؤُلَاءِ مَحْبُورُونَ شَاءَ جَهَرَ وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ وَإِنْ شَاءَ حَافَتُ صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہی اختلاف ہر اس چیز میں ہے جس کا تحقق قطع  
 کے ساتھ ہے جیسے طلاق، عتاق اور استثناء وغیرہ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوری سے انت طالق یا عدام سے انت حو کہا اور کہنے والے نے  
 بذات خود نہیں سنا تو اہم کرشی کے نزدیک طلاق اور عتاق واقع ہو جائے گا اور ہندوانی کے نزدیک واقع نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر  
 ان دونوں کے ساتھ جہر کیا اور استثناء کا ایسے طور پر اخذ کیا کہ خود بھی نہیں سنا تو اہم کرشی کے نزدیک طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوں  
 گے۔ اور استثناء معتبر ہوگا اور ہندوانی کے نزدیک دونوں فی الحال واقع ہو جائیں گے اور استثناء معتبر نہیں ہوگا۔ اسی خلاف پر ذبیحہ پر تسمیہ  
 اور وجوب سجدہ تلاوت ہے۔

### کم سے کم قرأت کی وہ مقدار جس سے نماز درست ہو جائے، اقوال فقہاء و دلائل

وَأَدْنَى مَا يُجْزَى مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ آيَةٌ عِنْدَ ابْنِ حَبِيبٍ وَقَالَا ثَلَاثُ آيَاتٍ قَصَارٍ أَوْ آيَةٌ طَوِيلَةٌ لِأَنَّهُ  
 لَا يُسْمَى قَرِيئًا بِدُونِهِ فَأَشْبَهَ قِرَاءَةَ مَا دُونِ الْآيَةِ قَوْلَهُ تَعَالَى فَأَقْرَأُ وَأَمَّا تَبَسُّرٌ مِنَ الْقُرْآنِ مِنْ غَيْرِ فَصَلِّ إِلَّا أَنْ  
 مَا دُونَ الْآيَةِ خَارِجٌ وَالْآيَةُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهُ

ترجمہ اور قرأت کی ادنیٰ مقدار جو نماز میں کفایت کر جاتی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک آیت ہے اور صاحبین نے کہا کہ تین  
 چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ہے کیونکہ اس سے کم قرأت کرنے والا نہیں ہلائے گا پس یہ دونوں الآیہ کی قرأت کے مشابہ ہو گیا اور  
 اہم صاحب کی دلیل باری تعالیٰ کا قول "فأقرأ" واما تبسّر من القرآن بغیر کسی تفصیل کے ہے۔ مگر یہ کہ ایک آیت سے کم خارج ہے اور  
 پوری آیت اس کے معنی میں نہیں ہے۔

تشریح نماز کے اندر قرأت حالت حضر میں ہوگی یا سفر میں پس اگر حضر میں ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں (۱) مایحجور بہ الصلوۃ  
 یعنی جس کے ساتھ جواز صلوۃ متعلق ہوتا ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ (۲) جس کے ساتھ حد مراہت سے نکل جاتا ہے۔ (۳) جس  
 کے ساتھ حد استحباب میں داخل ہو جائے گا۔ اور اگر سفر میں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں نمازی ثلث میں نہ گایا حالت امن اور قرار میں۔

اس عبارت میں مایحجور بہ الصلوۃ کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے خواہ حضر میں ہو یا سفر میں چنانچہ فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک  
 قرأت کی ادنیٰ مقدار جس سے نماز جائز ہو جائے گی ایک آیت ہے پس اگر ایت دو کلموں یا زیادہ پر مشتمل ہو تو باقی مشائخ نماز جائز  
 ہو جائے گی۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول فَبَقِلْ كَيْفَ قَدَرْتُمْ نَظَرًا، اور اگر ایک ہی کلمہ ہے جیسے مُذْهَبَانِ یا كَيْفَ ہے جیسے صَدَقَ  
 قَاتِلُ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کافی ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک کافی نہیں ہوگی۔ صاحبین نے کہا کہ  
 مایحجور بہ الصلوۃ کی مقدار چھوٹی تین آیتیں ہیں یا بڑی ایک آیت جیسے آیتہ امری اور آیت مدایت صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ چھوٹی  
 تین آیت یا بڑی ایک آیت سے کم پڑھنے والے کو عرف عام میں قرائی قرآن نہیں کہا جاتا پس اس کی قرأت دونوں الآیہ کی قرأت کے  
 مشابہ نہ ہوگی اور دونوں آیتہ نماز کے لئے کافی نہیں ہند چھوٹی تین آیت یا بڑی ایک آیت سے کم قرأت بھی کافی نہیں ہوگی۔

صاحبین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ایک آیت رُحَیْقَہ قرآن ہے مگر عرف میں چھوٹی تین آیت یا بڑی ایک آیت پر قرآن کا اطلاق



یہ جاتا ہے اس لئے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

آیت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول ”فافرء واما تيسر من القرآن“ ہے اس طور پر ایک مطلق ہے اس میں آیت اور فوق آیت کی کوئی تفصیل نہیں ہے ہذا جس طرح فوق آیت جواز صلوٰۃ کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک آیت بھی کافی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آیت واحد حقیقتاً بھی قرآن ہے اور حصہ ابھی حقیقتاً قرآن ہونا تو ظاہر ہے اور حصہ اس لئے ہے کہ ایک آیت کی قرأت واحد اور جہتی پر حرام ہے پس آیت واحد من القرآن کے اطلاق میں داخل ہوں۔ لیکن اس پر اشکال ہو گا وہ یہ کہ اگر فافرء واما تيسر من القرآن مطلق ہے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں تو جس طرح ایک آیت نماز جائز ہونے کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک آیت نماز ساتھ ہی نماز جائز ہونی چاہئے تھی اس لئے کہ اطلاق دونوں و شامل ہے مادون آیت کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی پس اسی طرح ایک آیت کے ساتھ بھی نماز جائز نہ ہونی چاہئے حالانکہ امام صاحب جواز کے قائل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مادون الآیۃ بالاجماع من قرآن کے اطلاق میں داخل نہیں ہے کیونکہ مطلق جب دل جاتا ہے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے اور قرآن کا فرد کامل وہ ہے جو حقیقت بھی قرآن ہو اور علماً بھی قرآن ہو مادون الآیۃ اگرچہ حقیقتاً قرآن ہے لیکن حصہ قرآن نہیں ہے اس لئے کہ مادون الآیۃ قرأت جہتی اور حائضہ کے لئے جائز ہے پس مادون الآیۃ بالاجماع فافرء واما تيسر من القرآن کے تحت داخل نہیں ہو گا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جب مَادُونِ الْآیَةِ مِنَ الْقُرْآنِ کے اخلاق کے تحت داخل نہیں تو آیت کو بھی اسی کے ساتھ الحق مرقوم کیا جائے۔ تو اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا کہ آیت مَادُونِ الْآیَةِ کے معنی میں نہیں ہے اس وجہ سے آیت مَادُونِ الْآیَةِ کے ساتھ حق نہیں ہوتی۔

## حالتِ سفر کی نماز میں قرأت کا حکم

وَفِي الشَّفْرِ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَآيَ سُورَةٍ شَاءَ لِمَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَرَأَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فِي سَفَرِهِ بِالسُّعُودَتَيْنِ وَلِأَنَّ لِشَفْرِ أَتْرَافِي إِسْقَاطَ شَطْرِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ يُؤْتَرَفِي تَحْفِيفَ الْقِرَاءَةِ أَوَّلَى وَهَذَا إِذَا كَانَ عَلَى عُجْلةٍ مِنَ السَّيْرِ وَإِنْ كَانَ فِي أَمْنِهِ وَقَرَّارٍ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ نَحْوَ سُورَةِ الرُّوحِ وَأَشَقَّتْ لِأَنَّهُ يُمْكِنُ مَرَاعَاةُ السُّنَّةِ مَعَ التَّحْفِيفِ

ترجمہ اور سنہ میں فتح اکتاب اور جو سورت چاہے پڑھے یونکہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے سفر میں فجر کی نماز میں معوضہ تین کی قرات کی۔ اور اس نے کہ سفر کو آدھی نماز ساقط کرنے میں دخل سے پس تخفیف قرأت میں بدرجہ اولیٰ دخل ہوگا۔ اور یہ صحرا اس وقت ہے جب کہ روانگی کی جہد کی ہو اور اگر حالت امن اور حالت قرار میں ہو تو فجر میں سورۃ بقرہ اور سورۃ واشقت کے مانند پڑھے یونکہ تخفیف کے ساتھ اس سنت کی رعایت کرنا ممکن ہے۔

تشریح اس عبارت میں صنف نے حالت سفر میں نماز میں آیت ۵۱ کی آیات چنانچہ فرمایا کہ سفر کی حالت میں قرأت مسنونہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور جو سورت چاہے اور چھوٹی سورت پڑھی تب بھی سنت ہے جو وہ کسی کیوں اور آیت ہے کہ حضور ﷺ نے سفر کی حالت میں نماز میں قُلْ اَعُوذُ بِسُورَةِ النِّسْفِ اور قُلْ اَعُوذُ بِسُورَةِ النَّاسِ پڑھیں یہ حدیث ۱۱۱۱ ورنہ سب نے عقیدہ میں ہا مرضی ہند نہ

سے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے: فَلَمَّا نَزَلَ لِبَصَاطِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا صَلَاةَ الصُّبْحِ لِبَسَائِسٍ، یعنی جب حضور ﷺ نماز صبح کے لئے اترے تو لوگوں کو انہیں دونوں سورتوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ نصف نماز ساقط کرنے میں سفر کو بہت بڑا دخل ہے پس جب سفر کو نصف نماز ساقط کرنے میں دخل ہے تو قرات کی تخفیف میں بدرجہ اولیٰ دخل ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ جب سفر کی وجہ سے اصل نماز میں چھ کمی ہوگئی تو اس کے وصف یعنی قرأت میں بدرجہ اولیٰ کمی ہوگی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اس قدر تخفیف اس وقت ہے جب یہ شخص عجلت میں ہو اور اگر امن اور قرأت کی حالت میں ہے مثلاً کسی منزل پر ٹھہرا اور روز ہے کہ اطمینان سے ٹھہر کر روانہ ہوگا تو ایسی صورت میں فجر نماز میں وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُورُجِ اور اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ پڑھے یہ نہ کہ اس صورت میں تخفیف بھی ہوگئی اور سنت کی رعایت بھی ہوگئی۔

## حالتِ حضر میں فجر کی نماز میں قرأت کی مقدار

وَيَقْرَأُ فِي الْحَضَرِ فِي الْمَحَرِّ فِي الرَّكَعَيْنِ بَارْعَيْنِ آيَةً أَوْ خَمْسِينَ آيَةً سِوَى فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيُرْوَى مِنْ أَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ وَمِنْ سِتِّينَ إِلَى مِائَةٍ وَبِكُلِّ ذَلِكَ وَرَدَ الْأَثَرُ وَوَجْهُ التَّوْفِيقِ أَنَّهُ يَقْرَأُ بِالرَّاعِيَيْنِ مِائَةً وَبِالْكُسَالِيِّ أَرْبَعِينَ وَبِالْأَرْسَاطِ مِائَتَيْنِ خَمْسِينَ إِلَى سِتِّينَ وَقِيلَ يُنْظَرُ إِلَى طُولِ اللَّيَالِي وَقُصْرِهَا وَإِلَى كَثْرَةِ الْأَشْعَالِ وَقِسْطِهَا

ترجمہ اور حالت حضر میں فجر کی دونوں رستوں میں چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے مل وہ سورۃ فاتحہ کے اور روایت کیا جاتا ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک اور ساٹھ سے سو تک اور ہر ایک پر اثر وارد ہے اور توفیق کی وجہ یہ ہے کہ رغبت کرنے والے مقتدیوں کے ساتھ سو ۱۰۰ آیت پڑھے اور کسل کرنے والوں کے ساتھ چالیس پڑھے اوسط درجہ والوں کے ساتھ پچاس سے ساٹھ تک پڑھے۔ اور کہا گیا کہ راتوں کی درازی اور کمی کو دیکھے اور اشغال کی کثرت اور قلت کو دیکھے۔

تشریح مسند یہ ہے کہ حضرت کی حالت میں فجر کی دونوں رُکعتوں میں علاوہ سورۃ فاتحہ کے چالیس آیات پڑھے یا پچاس آیتیں پڑھنے یعنی ہر رُکعت میں بیس یا پچیس آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں چالیس سے ساٹھ تک اور ایک میں ساٹھ سے سو تک ہے۔ صاحب بدایہ نے بکاں میں سے ہر ایک پر اثر وارد ہوا ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْحُمْعَةِ أَلَمْ تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ لَعْنَةُ النَّبِيِّ ﷺ" یعنی حضور ﷺ نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں اَلَمْ تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ اور هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ پڑھی ہے یہی سورت میں تیس آیتیں ہیں اور دوسری میں اکتیس آیتیں ہیں صحیح مسلم میں جابر بن سمرہؓ کی حدیث ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْحُمْعَةِ أَلَمْ تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ لَعْنَةُ النَّبِيِّ ﷺ" اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: "قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْتَارُ فِي الْفَجْرِ مِائَةَ آيَةٍ"۔

مختلف روایات میں وجہ توفیق: صاحب ہدایہ نے کہا ان تمام روایات میں وجہ توفیق یہ ہے کہ مقتدی اگر قرأت سننے کی رغبت رکھتے ہوں تو آیات تک پڑھے اور اگر کامل اور ست لوگ ہوں تو چالیس آیتیں پڑھے اور اگر اوسط درجہ کے لوگ ہوں تو پچاس ساٹھ آیتیں پڑھے۔ بعض قوی یہ ہے کہ راتوں کے دراز اور کوتاہ ہونے میں نظر رکھے یعنی سر دی کی راتوں میں زیادہ قرأت کرے اور گرمی کی راتوں میں کم قرأت کرے اور امام و

پہلے کہ وہ اپنے مستدیوں کے شغل کی زیادتی اور کمی کا بھی غور رکھے یعنی مقررہ شغل ہوں تو مقررہ قرات کرے اور اگر غرض ہوں تو زیادہ آیت پڑھے۔

### ظہر کی نماز میں قرات کی مقدار

قَالَ وَفِي الظُّهْرِ مِثْلَ ذَلِكَ لِإِسْتِوَانِهَا فِي سَعَةِ الْوَقْتِ وَقَالَ فِي الْأَصْلِ أَوْ دُونَهُ لِأَنَّهُ وَقْتُ الْإِسْتِعَانِ فَيُقْصَرُ عَنْهُ تَحْزُزًا عَنِ الْمَلَالِ

ترجمہ ظہر کی نماز میں اسی کے مثل پڑھے اس کے کہ دونوں گنجائش وقت میں برابر ہیں امام محمد نے مبسوط میں کہا ہے۔ یا فجر سے کم پڑھے کیونکہ ظہر کا وقت کاموں میں مشغول ہونے کا وقت ہے اس لئے فجر سے کم پڑھنے کی روایت ہے کتابت سے پہلے ایک پیش نظر۔

تشریح ظہر کی نماز میں اس کے مثل پڑھے جو قرات فجر میں مذکور ہوئی۔ کیونکہ وسعت وقت میں دونوں برابر ہیں اور مروی ہے کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز میں الحمد السجدة پڑھتے تھے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ تلاوت کیا پس تم نے مان لیا کہ آپ نے الحمد تنزیل السجدة پڑھی اور ہم پہلے روایت رکھ چکے کہ حضور ﷺ فجر کی پہلی رکعت میں الحمد تنزیل السجدة اور دوسری رکعت میں ہل اتنی علی الاسمان پڑھتے تھے پس ثابت ہو گیا کہ آپ نے ظہر میں وہی پڑھا جو آپ فجر کی دوسری رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے۔ امام محمد نے مبسوط میں کہا کہ او دونہ یعنی ظہر کی نماز میں فجر کی نماز کے مقابلے میں کم قرات کرے کیونکہ ظہر کا وقت مشغولیت کا وقت ہے اس لئے قرات کم کرے تاکہ لوگوں میں اکابر کا ثبوت پیدا نہ ہو جائے۔ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ اُنہ علیہ السلام كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ قَدْزَ ثَلَاثِينَ آيَةً وَهُوَ نَحْوُ سُورَةِ الْمُلْكِ یعنی حضور ﷺ ظہر کی نماز میں تیس آیات کی مقدار پڑھتے تھے اور وہ سورہ ملک کے مانند ہے۔

### عصر اور عشاء میں اوساط مفصل کی قرات مغرب میں قصار مفصل کی قرات

وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ سَوَاءُ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِأَوْسَاطِ الْمُفْصَلِ وَفِي الْمَغْرِبِ دُونَ ذَلِكَ يَقْرَأُ فِيهَا بِقِصَارِ الْمُفْصَلِ وَالْأَصْلُ فِيهِ كِتَابُ عُمَرَ إِلَى ابْنِ مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنْ قَرَأَ فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ بِطَوْلِ الْمُفْصَلِ وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ بِأَوْسَاطِ الْمُفْصَلِ وَفِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفْصَلِ وَلَا نَسِيَ الْمَغْرِبَ عَلَى الْعُجْلةِ وَالنَّخِيفِ الْبَقِيَّةِ وَالْعَصْرُ وَالْعِشَاءُ يُسْتَحَبُّ فِيهِمَا لِلتَّخِيرِ وَقَدْ يَقْعَانِ بِالطَّوِيلِ فِي وَقْتٍ عِبَرٍ مُسْتَحَبَّتٍ فَيُوقَّتُ فِيهِمَا بِالْأَوْسَاطِ

ترجمہ عصر اور عشاء دونوں برابر ہیں ان دونوں میں اوساط مفصل پڑھے اور مغرب میں اس سے کم مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھے اور اصل اس بارے میں بوموسی اشعری کی طرف حضرت عمر کا فرمان ہے کہ ظہر اور فجر میں طوال مفصل پڑھا اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل اور اس کے کہ مغرب کی ہجدی پر ہے اور جسد کے منہ سے تخفیف ہے اور عصر اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے و تطویل سے بھی یہ دونوں وقت غیر مستحب میں وقفہ ہو جائیں گی۔ پس ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ تجدید کی جائے گی۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا کہ وسعت وقت میں عصر اور عشاء دونوں برابر ہیں لہذا ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ قرات

کرے۔ دلیل چارہن سورہ کی روایت ہے اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ“ یعنی حضور ﷺ عصر کی پہلی دو رکعت میں وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ اور وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ پڑھا کرتے تھے۔ اور دوسری دلیل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اَنَّ قَوْمَهُ شَكَّوْا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَطَوُّيلَ قَوْلِهِ فِي الْعِشَاءِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَتَأْنِ أَنْتَ يَا مَعَاذُ أَيْنَ أَنْتَ مِنْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا یعنی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی قوم نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ معاذ عشاء کی نماز میں تطویل قرأت کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے معاذ! سے کہا کہ اے معاذ کی تو لوگوں کو مبتلائے فتنہ کرنا چاہتا ہے کہاں ہے تو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا سے جتنی تو ان سورتوں کو یوں نہیں پڑھتا بہر حال یہ دونوں روایتیں اس بات پر اہمیت کرتی ہیں کہ عصر اور عشاء میں اوساط مفصل میں سے قرأت کرنا مستحب اور اولیٰ ہے۔

و مغرب کی نماز میں قصار مفصل کے ساتھ قرأت کرے۔ اور دلیل یہ روایت ہے اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَرَأَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِالْمُعَوَّذَيْنِ یعنی حضور ﷺ نے مغرب کی نماز میں معوذتین کی قرأت کی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تمام نمازوں کی مستحب قرأت کے بارے میں اصل وہ فرماں ہے جو خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام بھیجا تھا۔ اِنْ اَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَالْظُّهْرِ بِطَوَالِ الْمُفْصَلِ وَفِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ بِوَسَاطِ الْمُفْصَلِ وَفِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفْصَلِ یعنی فجر اور فجر میں طویل مفصل میں سے پڑھ اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھ۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ مغرب کا مبنی عجت اور جدی پر ہے اور عجت کے مناسبت تخفیف ہے۔ اور عصر اور عشاء میں تاخیر مستحب ہے پس اُتران میں طویل قرأت شروع کر دی گئی تو یہ دونوں نمازیں غیر مستحب وقت میں واقع ہوں گی۔ اس لئے ان دونوں نمازوں میں اوساط مفصل کا تعین کیا گیا۔

فوائد طویل مفصل سورہ حجرات سے سورہ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ تک ہے اور اوساط مفصل سورہ بروج سے سورہ لہم یکن تک ہے اور لہم یکن سے آخر تک قصار مفصل ہے۔

بعض حضرات فقہاء کی رائے یہ ہے کہ سورہ حجرات سے سورہ جس تک طویل مفصل ہے اور شکر و ثناء والصحی تک و اوساط مفصل اور لہم یکن سے آخر تک قصار مفصل ہے۔ جمیل احمد عفی عنہ

فجر کی پہلی رکعت دوسری رکعت کی نسبت لمبی ہو

وَيُطِيلُ الرَّكَعَةَ الْأُولَى مِنَ الْفَجْرِ عَلَى الثَّابِتَةِ إِيَّانَةً لِلنَّاسِ عَلَى إِذْرَاكِ الْجَمَاعَاتِ

ترجمہ اور فجر کی رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ پر طویل دے تاکہ لوگ جماعت کو پا سکیں۔

تشریح۔ مسئلہ فجر کی پہلی رکعت کو دوسری پر طویل دے یعنی پہلی رکعت میں قرأت زیادہ کرے اور دوسری رکعت میں اس کی بہ نسبت کم

قرأت کرے۔ یونکہ حضورؐ نے اسے آج تک یہی طریقہ چلا رہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ پوری نماز پانے پر اونوں کی مدد بھی ہو  
جائی۔

### ظہر کی دو رکعتیں برابر ہوں یا کم زیادہ اقوال فقہاء

قَالَ وَرَكَعَتَا الظُّهْرِ سَوَاءٌ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَطِيلَ الرُّكْعَةُ الْأُولَى عَلَى الثَّانِيَةِ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا لِمَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَطِيلُ الرُّكْعَةَ الْأُولَى عَلَى غَيْرِهَا فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا وَلَهُمَا أَنَّ الرُّكْعَتَيْنِ اسْتَوِيَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْقِرَاءَةِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي الْمَقْدَارِ بِحِلَافِ الْفَجْرِ لِأَنَّهُ وَقْتُ سُبْحٍ وَغَفْلَةٍ وَالْحَدِيثُ مُحْمُولٌ عَلَى الْإِطَالَةِ مِنْ حَيْثُ النَّشَاءُ وَالنَّعْوِدُ وَالْتَّسْمِيَةُ لَا مُعْتَبَرٌ بِالزِّيَادَةِ وَالْقَصْرِ بِمَا دُونَ ثَلَاثِ آيَاتٍ لِعَدَمِ امْتِكَانِ الْإِحْتِرَازِ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ خُرُوجِ

ترجمہ اور ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہیں۔ اور یہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد نے کہا کہ مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت دوسری رکعت پر طول دے۔ یونکہ روایت یہ ہے کہ حضورؐ تمام نمازوں میں پہلی رکعت دوسری رکعت پر طول دیتے تھے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں استحقاق قرأت میں برابر ہیں ہذا مقدار میں بھی برابر ہوں گی۔ اس سے برخلاف فجر ہے کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ اور حدیث ثابۃ عوذ اور تسمیہ کے اعتبار سے طول دینے پر محمول ہوگی۔ اور تین آیات سے مقدار میں زیادتی اور کمی کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ بغیر حرج کے اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح ما قبل کے مسند میں کہا کہ فجر کی نماز میں بالاتفاق رکعت اولیٰ و رکعت ثانیہ پر طول دیا جائے گا لیکن اس کے علاوہ دوسری نمازوں میں شیخین کا مذہب یہ ہے کہ دونوں رکعت برابر ہوں گی۔ پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل نہ کرے۔ اور امام محمد نے کہا کہ تمام نمازوں میں رکعت اولیٰ و رکعت ثانیہ پر طول دینا مستحب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل ابوقرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطِيلُ الرُّكْعَةَ الْأُولَى عَلَى غَيْرِهَا فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ استحقاق قرأت میں دونوں رکعتیں برابر ہیں یونکہ دونوں رکعتوں میں قرأت رکن ہے پس جب استحقاق قرأت میں دونوں برابر ہیں تو مقدار میں بھی دونوں برابر ہوں گی برخلاف فجر کی نماز کے یونکہ فجر کا وقت غیر اختیاری ہمارے نیند اور غفلت کا ہے ہذا پر نماز میں اونوں کو ٹھیک کرنے کے لئے پہلی رکعت کو طویل کر دیا جائے گا۔

حدیث ابوقرہ کا جواب یہ ہے کہ پہلی رکعت اس کے طویل ہوتی تھی کہ اس میں سبحانک اللہم، اعوذ باللہ ورسہ اللہ پڑھا جاتا ہے جو دوسری رکعت میں نہیں پڑھا جاتا۔ اور ہا حق قرأت تو اس میں دونوں رکعتیں برابر رہتی ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتا ہے تین آیات سے مقدار میں زیادتی اور کمی معتبر نہیں ہے یعنی اگر ایک رکعت میں تین آیات سے زیادہ پڑھیں یا بہت دوسری رکعت سے تو یہ زیادتی معتبر ہوگی اور اگر ایک یا دو آیتیں ہوں تو ان کا اعتبار ساقط ہے کیونکہ اس سے احتراز کرنا بغیر تین کے ممکن نہیں ہے۔ اور حرج کوثر ایت اسلام نے ٹھیک ہے لہذا اتنی کی زیادتی کا اعتبار بھی اٹھایا گیا ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ عوذ آنحضرتؐ نے مغرب کی نماز میں قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی ہے۔ حالانکہ قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ میں

پانچ آیات اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں پچھ آیتیں ہیں۔ یعنی سورۃ والناس میں یہ نسبت سورۃ فلق کے ایک آیت زیادہ ہے۔

## قرأت کے لئے سورت معین کرنے کا حکم

وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِغَيْرِهَا لَا طَلَّاقَ مَا تَلَوْنَا وَبُكْرَهُ أَنْ يُوَقَّتَ بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ لِشَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ لِمَا فِيهِ مِنْ هَجْرِ الْبَاقِي وَإِبْهَامِ التَّفْصِيلِ

ترجمہ۔۔ کسی نماز میں سورت معینہ کا پڑھنا نہیں ہے کہ اس کے سوا جائز نہ ہو اس آیت کے مطلق ہونے کے وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی ہے اور کسی نماز کے لئے قرآن میں سے کسی چیز کا متعین کرنا جسی مردود ہے کیونکہ اس میں باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ اور تفصیل کا وہم و گمان (لازم آتا ہے)۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ کسی نماز میں کسی متعینہ سورت کے پڑھنے کا ایسے طور پر متعین کرنا کہ اس کے علاوہ کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوگی درست نہیں ہے ویسے باری تعالیٰ کا قول فَاَقْرَأْ وَامْسِسْشِرْ مِنَ الْقُرْآنِ کا مطلق ہونا ہے۔ اور اطلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی سورت متعین نہ ہو اور کسی نماز کے لئے کسی سورت یا آیت کا متعین کرنا مردود ہے۔ کیونکہ اس میں ایک تو باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آئے گا۔ دوم یہ کہ تفصیل کا وہم پیدا ہوگا کہ یہ سورت قرآن کی دوسری سورتوں سے افضل ہے حالانکہ فضیلت میں پورا قرآن برابر ہے۔

## قرأت خلف الامام کی شرعی حیثیت .. اقوال فقہاء و دلائل

وَلَا يَفْرَأُ لِمَوْتِهِمْ خَلْفَ الْإِمَامِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي الْفَاتِحَةِ أَنْ الْقِرَاءَةَ فَرُكْنٌ مِنَ الْأَرْكَانِ فَسَيَسْتَرْكَانُ فِيهِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ كَانَ لَهُ أَمَامٌ فَقَرَأَ فِي الْأَمَامِ لَهُ قِرَاءَةً وَعَلَيْهِ إِحْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَهُوَ رُكْنٌ مُشْتَرِكٌ بَيْنَهُمَا لَنْكَرَ حَظِّ الْمُتَقَدِّمِ الْإِبْطَاطُ وَالْإِسْمَاعُ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِذَا قَرَأَ قَابِضُوا وَيُسَبِّحُونَ عَلَى سَبِيلِ الْإِحْتِيَاطِ فِيمَا يَرَوْنَ عَنِ مُحَمَّدٍ وَبُكْرَهُ عِدَّهُمَا لِمَا فِيهِ مِنَ الْوَعْدِ

ترجمہ۔ اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔ امام شافعی فاتیحہ میں مخالف ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ قرأت ارکان میں سے ایک رکن ہے لہذا اس میں امام و مقتدی دونوں شریک ہوں گے۔ اور باری دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس مقتدی کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے اور اسی پر ہی ہر رکن اللہ منہم کا اجماع ہے اور یہ قرأت ایسا رکن ہے جو امام و مقتدی کے درمیان مشترک ہے لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا ہے اور کان کا کرنا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور (مقتدی کا سر ہونے پر سننا) بطور احتیاط احسن ہے اس قول میں جو امام مقتدی کے سامنے ہے اور شیخین کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ مقتدی کے پڑھنے میں امید و راہبونی ہے۔

تشریح۔ امام قدوری نے احناف کا مسلک نقل کرتے ہوئے کہا کہ مقتدی امام کے پیچھے بالکل قرأت نہ کرے۔ نہ فاتحہ کی اور نہ سورۃ کا خواہ نماز جمعہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ امام شافعی کا سورۃ فاتحہ میں احناف سے یعنی مقتدی پر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ مقتدی پر سورۃ نماز اور جن رکعات میں جہ نہیں۔ میں فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یہی امام مالک کا قول ہے

مام شافعی کا قول جدید و راسخ مذہب یہ ہے کہ مقتدی پر جو نماز میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے نماز خواہ بھری ہو یا سہری ہو۔

مام شافعی کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قرأت یک رکن ہے اور تمام ارکان میں مام اور مقتدی دونوں شریک ہیں مثلاً قیام شروع سجدہ وغیرہ میں دونوں شریک ہیں ہذا قرأت میں بھی دونوں شریک ہوں گے۔ درحقی دلیل ابو عبدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا کہ صَلَّی سَارِسُوْنُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصُّحَّ فَقُلْتُ عَلَیْہِ الْفِرَاقُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ رَاسِی لَا رَاکُمْ تَقْرَؤُوْنَ حَلْفَ اِمَامِکُمْ قُلْنَا اَحَلَّ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا ذَلِکَ الْاِیْقَابِیْحَةُ الْکِتَابِ وَانَّہُ لَا صَدُوْہُ لَہُمْ لَمْ یَقْرَ اَہَا یعنی حضور نے ہم کو آپ کی نماز پڑھانی پس آپ پڑھنا جاری ہو گیا پس جب آپ نے سلام بھیجا تو فرمایا کہ میں تم کو دیتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو ہم نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کہ یہ مت کرو مگر فاتحہ کے ساتھ کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

مامی دلیل آنحضرت کا ارشاد ”مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فِیْ قِرَآءَۃِ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَآءَۃٌ“ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ مامی قرأت حاکم مقتدی کے کافی ہوگئی پس جب مقتدی کی طرف سے حکما قرأت پائی گئی تو اب مقتدی دوبارہ قرأت نہیں کرے گا۔ ورنہ مقتدی کا دوبارہ قرأت کرنا لازم آئے گا لکن نماز میں دوبارہ قرأت کرنا مشروع نہیں ہوا ہے۔

عدم قرأت خلف الامام پر اکثر صحنہ کا اجماع ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ صحیح ہے رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع بھی اسی پر ہے کہ مقتدی مام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔ لیکن اس پر یہ شبہ ہوگا کہ بعض حضرات مامی قرأت فاتحہ خلف الامام کے وجوب سے قائل ہیں جیسے مبادہ من صامت رضی اللہ عنہ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں کثرت صحیح ہے کا اجماع مراد ہے۔ چنانچہ اسی ۸۰ باب صحابہ نے قرأت فاتحہ خلف الامام کا انکار کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ میں نے ستر بدی صحیح ہے کہ قرأت خلف الامام سے منع کرتے ہوئے پایا۔ مگر ستر یا اس کی تعداد کثرت صحیح ہے نہ تعدد نہیں ہے۔ اس نے اس کو اکثر صحیح ہے کا اجماع کہنا درست نہیں ہوگا۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مجتہدین صحیحہ اور کبار صحابہ کا اجماع مراد ہے کبار صحیحہ اور مجتہدین صحیحہ یہ ہیں (۱) ابوہریرہ انس بن مالک (۲) عمر بن الخطاب (۳) عثمان بن عفان (۴) علی بن ابی طالب (۵) عبدالرحمن بن عوف (۶) سعد بن ابی وقاص (۷) عبداللہ بن مسعود (۸) عبداللہ بن عمر (۹) عبداللہ بن عباس (۱۰) زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ایک حتم یہ بھی ہے کہ جو حضرات قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں ان کا رجوع ثابت ہو تو اس صورت میں اجماع تام ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب ان کبار صحیحہ سے یہی ثابت ہے ورنہ کے خلاف کسی صحابی کا رد ثابت نہیں جائے گا اس وقت صحیحہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی تو اجماع سکتی ہو گیا۔

رہا امام شافعی کا یہ کہن کہ قرأت امام اور مقتدی کے درمیان رکن مشترک ہے تو ہمیں یہ تسلیم ہے لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا اور کان کا رہنا ہے حضور نے فرمایا ”اِذَا قُرِءَ فَاَصْتَوْا حَتَّىٰ تَسْمَعُوْا اِلَّا جَوَازِیْرَی“ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اِذَا قُرِءَ الْغُرَّانُ فَاسْمِعُوْا اللّٰہَ وَاسْمِعُوْا النَّاسَ“ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان کان کر سنو اور خاموش رہو اور یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ان عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَرَأُوْا خَلْفَہُ فَخَلَطُوْا عَلَیْہِ لِقِرَآءَۃِ فَسَزَلَتْ یعنی رسول اللہ کے صحابہ نے حضور کے پیچھے قرأت کی پس آپ پر قراءت خلط ملط ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِمَنْتُمْ بِهِ قِيَادًا كَسَرَ فِكْبَرُ وَاِذَا قُرِئَ فَانْصِتُوا، یعنی امام تو اسی واسطے قرار دیا گیا کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر ہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

امام محمد سے ایک روایت: امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ احتیاطاً قرأت تحت خف الامام مستحسن ہے کیونکہ عہد بن اصمیت رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق میں گزر چکی ہے کہ لَا تَفْعَلُوا ذَلِكَ إِلَّا بِصَاحِبِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَدُوءَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْهَا اور شیخین کے نزدیک قرأت خف الامام مکروہ ہے کیونکہ قرأت خلف الامام کے بارے میں وعید آئی ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَصِي فِيهِ حُمُزَةٌ وَقَالَ قَدْ حَطَّ السُّنَّةُ یعنی جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی تو اس کے منہ میں نگارہ ہے اور ہا کہ اس نے خلاف سنت کیا۔ ور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ یعنی جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ لَنْتَ فِي فِعْلِ الْبِدْءِ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَبْرًا وَغَيْرَ ذَلِكَ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتا۔

### امام کی قرأت کے وقت مقتدی کے لئے حکم

وَيَسْتَمِعُ وَيَنْصِتُ وَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ آيَةَ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيْبِ لِأَنَّ السَّمْعَ وَالْإِنْصَاتَ فَرْضٌ بِالنَّصِّ وَالْقِرَاءَةُ وَسَوَالُ الْحَنَةِ وَالتَّعَوُّدُ مِنَ الْبَارِكِ كُلُّ ذَلِكَ مُجَلَّبٌ بِهِ وَكَذَلِكَ فِي الْحُطَّةِ وَكَذَلِكَ إِنْ صَلَّى عَلَى لِسَانِ عَيْنِهِ السَّلَامَ لِقَرِئَةِ الْإِسْتِمَاعِ إِلَّا أَنْ يَقْرَأَ الْحَطِيبُ قَوْلَهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ أَلَا يَفْصِلِي السَّمْعُ هِيَ نَفْسِهِ وَاحْتَفَلُوا فِي الثَّانِي عَنِ الْمُبَرِّ وَالْأَحْوُطُ هُوَ السَّكُوتُ أَقَامَةً لِفَرْضِ الْإِنْصَاتِ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ اور مقتدی کان لگا کر سننے اور خاموش رہے اگرچہ امام ترغیب کی آیت پڑھے یا ترہیب کی۔ کیونکہ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا نص قرآنی سے فرض ہے و قرأت کرنا اور جنت مانگنا و آگ سے پناہ مانگنا یہ سب محل ہیں اور یوں ہی خطبہ میں بھی وریوں ہی اگر امام (خطیب) حضور ﷺ پر درود بھیجے کیونکہ خطبہ سننا فرض ہے مگر یہ کہ خطیب باری تعالیٰ کا قول یا یا ایہا الدین امنوا صواعبہ الیہ پڑھے تو اس آیت کا سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے۔ اور جو شخص منبر سے دور ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے اور سکوت کی احوط ہے فرض انصات کو قائم کرنے کے واسطے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی کان لگا کر سننے اور خاموش رہے اگرچہ امام آیت ترغیب یا ترہیب پڑھے۔ دلیل یہ ہے کہ کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا نص قرآن اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا سے ثابت ہے۔ اور امام کے پیچھے قرأت کرنا، جنت کا سوال کرنا اور دوزخ سے پناہ مانگنا یہ سب چیزیں استماع و انصات میں داخل پیدا کرتی ہیں اس لئے ان میں سے کوئی کام نہ کرے۔

یہ بات کہ امام یا منفرد جنت کا سوال یا دوزخ سے پناہ مانگ سکتا ہے کہ نہیں تو اس بارے میں کتاب میں کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ البتہ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ امام یہ کام نہ فرض نماز میں ادا کرے اور نہ نفل نماز میں کیونکہ یہ نہ حضور ﷺ سے منقول ہے اور نہ آپ کے بعد



امہ کے منقول ہے۔ دوسری دلیل ہے کہ ہر مکہ اس طرح وہاں میں مانگن مقتدیوں پر اقویٰ صلوٰۃ کا باعث ہوگا اور یہ مکر وہ ہے اس کے بھی  
 ہا یہ ہا منہ رہے۔ ان طرح منہ بھی جب فرض نماز پڑھتا تو یہ وہاں میں درمیان نماز نہ نکلیں کیونکہ حضور ﷺ سے منقول نہیں اور نہ آپ  
 کے بعد منہ کے منقول ہے اور اگر فرض نماز پڑھتا ہے تو سوال بابت در تعوذ من النار وہاں مانگنا بہتر ہے اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ اللَّيْلِ فَمَا مَرَّ بِأَيِّهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ إِلَّا وَقَفَ  
 وَبَكَى اللَّهُ لِحَبْلِهِ فَمَا مَرَّ بِأَيِّهَا ذِكْرُ النَّارِ إِلَّا وَقَفَ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کے ساتھ راتوں  
 نماز پڑھی تو کسی آیت اور جنت پر نذر نہ ہو مگر آپ نے شہرِ جنت کو مانگا اور کسی آیت اور جہنم پر نذر نہ ہوا مگر یہ کہ آپ نے شہرِ جہنم  
 سے یاد مانگی۔

خطبہ کے دوران نبی علیہ السلام پر درود کا حکم اسی طرح اگر خطیب خطبہ میں ہو تو قوم خطبہ کان لگا کر سنے اور خاموش رہے۔  
 یہ روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ وَالْإِمَامِ يَخْطُبُ انْصُتْ فَقَدْ  
 لَعَنَ مَنْ لَعَنَ صَاحِبَهُ لَعْنًا ضَلَاةً لَهُ حُضُورُ مَنْ فَرَّ بِمَا يَكُ مِنْ شَيْءٍ فِي دَوْرَانِ خُطْبَةٍ أَيْ سَاطِحِي سَے بہا کہ خاموش رہ تو نے غویا اور جس نے لغویا  
 کی نہ نہیں ہوئی اسی طرح اگر امام اپنے خطبہ میں نبی علیہ السلام پر درود پڑھے تو بھی قوم خاموش رہے اور کان لگا کر سنے۔ دلیل یہ ہے  
 کہ صلوٰۃ علی السی فرض نہیں اور خطبہ کا سننا فرض ہے ہذا غمہ فرض کی وجہ سے فرض ترک نہیں کیا جائے گا ہاں ابتر اگر خطیب نے  
 دوران خطبہ یہ آیت پڑھی یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْلُوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا تو اس آیت کا سننے والے اپنے دل میں درود پڑھے۔

اصل یہ کہ خطبہ کے درمیان درود پڑھنا ممنوع ہے۔ مگر جب کہ خطیب یہ آیت پڑھے۔ دلیل یہ ہے کہ خطیب نے اللہ تعالیٰ سے  
 دعا کی کہ وہ صلوٰۃ علی السی کرتا ہے اور مانگہ سے حکایت کی کہ وہ بھی درود پڑھتے ہیں اور اس کی حکایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے درود  
 پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس پر یہ کہ وہ خود بھی اس کے ساتھ مشغول ہے تو قوم پر بھی واجب ہے کہ وہ درود کے ساتھ مشغول ہو جائے تاکہ وہ  
 چیز متحقق ہو جائے جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

یہ علم اس وقت ہے جب کہ یہ مسجد سے قریب ہو اور اگر کوئی شخص منبر سے دور ہو تو اس کے حق میں اختلاف ہے یعنی اگر منبر سے اس  
 قدر دور ہو کہ نہ نہیں سن پاتا تو یہ صورت میں قرأت قرآن اولیٰ ہے یا خاموش رہنا ولیٰ ہے؟ تو اس بارے میں محمد بن سلمہ سے روایت  
 ہے کہ خاموش رہنا منجہ ای کو امام مرفعی نے اختیار کیا اور یہی مصنف کا مذہب مقرر ہے دلیل یہ ہے کہ قرأت قرآن کے وقت سنا اور  
 نہ سنا رہنا فرض تھے پس اگر دور کی وجہ سے سنا ممکن نہیں رہا تو دوسرا فرض خاموش رہنا ممکن ہے ہذا اسی کو قیوم رکھے اور امام فضلی نے  
 کہا کہ قرأت قرآن اولیٰ ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ خاموش رہنے کا حکم اس لئے تھا تاکہ قرآن سن کر تدبر کرے پس سنا فوت ہو گیا تو  
 قرأت قرآن رہے تاکہ قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل ہو جائے۔ جمیل احمد علی

## بَابُ الْإِمَامَةِ

(یہ) باب امامت کے (احکام کے بیان میں) ہے

## جماعت کی شرعی حیثیت

الْحَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْحَمَاعَةُ مَنْ سَنَّ الْهَدْيَ لَا يَتَحَلَفُ عَلَيْهَا إِلَّا مُفَاقٌ

ترجمہ جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سنس ہرئی میں سے سے سنس نہیں بچنے کے کاکرم من فتن۔

**تشریح** مصنف علیہ الرحمۃ نے سابق میں امام کے افعال کا ذکر کیا ہے یعنی وجوب حج اور وجوب اخذ اور تہ یہ قرات اور تقدی کے افعال کو ذکر کیا یعنی وجوب استماع اور انصات کو اب یہاں سے شریعت مامت کی صفت کا بیان ہے پھر انچہ سے پہلے قی مامت کا ذکر کیا اس کے بعد مامت کے خواص کا بیان ہے۔

جماعت سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جماعت سنن بدی میں سے ہے اس سے منافق ہی چھپے رہتا ہے۔ سنت کی ۱۰ قسمیں ہیں ایک سنت بدی، دوم سنت زائد سنت بدی وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بطریق عبودت مواظبت فرمائی مگر بھی تبھار ترک کے ساتھ اس کا ترک کرنا صلاحت ہے اور یہ شعرا و اسدھام میں سے ہے۔ اور سنت زائد وہ ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے بطریق عادت یا ہوا اس کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے تہجد کی نماز بہر حال جماعت سنت مؤکدہ ہے بغیر ہذا کے اس کا ترک نہ جائز نہیں حتیٰ کہ اگر اہل شہر نے جماعت کو ترک کر دیا تو ان کو اقامت جماعت کا حکم دیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اس پر عمل کیا تو جہاد ان سے قتال کرنا حلال ہوگا۔

جماعت کے سنت مؤکدہ ہونے کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو جماعت کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضور کا ارشاد: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَاحِدَةً بِخَمْسَةِ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً یعنی جماعت سے نماز پڑھنا پانچ سو درجے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ۱۲ درجہ افضل ہے۔

ما ابو داؤد، ترمذی و راہن مجہد نے ابی بن عبس کی حدیث روایت کی کہ صَلَوةُ الرَّحْلِ مَعَ الرَّحْلِ اَرْكَى مِنْ صَلَوتِهِ وَاحِدَةً  
وَصَلَوةُ الرَّحْلِ مَعَ الرَّحْلَيْنِ اَرْكَى مِنْ صَلَوتِهِمَا مَعَ رَحْلٍ وَاحِدٍ وَهَذَا حَقٌّ لِي اللهُ تَعَالَى جَنَّتِي دَوْمًا وَكَجَمَاعَتِ سَ نَمَاز  
پَر حَتَّ اَفْتَقَلَ ہے اور تین کی جماعت دو کی جماعت سے بہتر ہے اور دو امامت و امامت پر ایک جماعت سے خیر روایت اصول  
میں فرمایا کہ جماعت واجب ہے اختلاف میں سے امامت امت میں اسی کے قائل ہیں۔ دلیل حضور کا یہ قول ہے لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَمُرَّ  
بِالنُّوَذِيِّ فَيُؤَدِّيَ فُرْدًا ثُمَّ اُفْصَلِيَّ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُطْلِقُ مَرَحِلًا مَعَهُمْ حَرَمَ الْحَطَبِ اِلَى قَوْمٍ يَتَحَلَّفُونَ عَنِ الصَّلَاةِ  
فَاحْرَقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ رواہ الشیخان جن حضور اقدس نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ وہ لوگوں کو قتل کروں کہ وہ ان  
پاتے پھر ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھانے پھر پھوٹوں کو اے مرجن کے ساتھ کھڑوں کے کھڑوں میں ایسی قومیں طرف  
چوں جو نماز سے پیچھے رہ جاتی ہے پھر آگ سے ان کے گھر اور کھجاندوں اس حدیث میں بالکلیہ نماز کا تاکہ نہ ہو کہ جماعت

ترک کرنا مردود ہے۔

امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ جماعت فرض میں ہے یہ حضرات لَا صَلَوةَ لِخَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ سے استدلال کرتے ہیں یعنی مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز سوائے مسجد کے ادا نہیں ہوتی ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صلوٰۃ کا مد کی نئی کی ہے جیسے لَا صَلَوةَ لِلْعَبْدِ الْاِیْنِ وَلَا لِلْمَرْأَةِ النَّاشِرَةِ میں نماز کاملہ کی نئی کی ہے امام کرخی امام مٹھی وی اور اکثر اصحاب شافعی کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مقصود فرض شعرا اسلام کا ظہار ہے اور یہ مقصود بعض کے فعل سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ استدلال تجہلی منور ہے کیونکہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد میں جماعت ہوتی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ نے تاریکین جماعت کے لئے سخت وعید فرمائی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب جمیل حمد

### منصب امامت کا سب سے زیادہ کون حقدار ہے؟

وَأُولَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَفَرُّهُمْ لِأَنَّ الْفِرَاءَ فَلَا يَدُّ مِنْهَا وَالْحَاحَةُ إِلَى الْعِلْمِ إِذَا نَأَتْ نَائِبَةً وَنَحْنُ نَقُولُ الْفِرَاءَ مُفْتَقِرٌ إِلَيْهَا لِرُكْنٍ وَاحِدٍ وَالْعِلْمُ لِسَانٍ الْأَرْكَانِ

ترجمہ اور جو شخص جماعت والوں میں سے سنت کا زیادہ علم ہو وہ امامت کے لئے اولی ہے اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ ان میں جو اقرء ہو وہ اولی ہے کیونکہ قرأت نماز کے لئے ضروری ہے اور علم کی حاجت اس وقت ہے جب کوئی واقعہ پیش آئے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ قرأت کی جانب احتیاج ایک رکن کے لئے ہے اور علم کی احتیاج تمام ارکان کے لئے ہے۔

تشریح امامت کا سب سے زیادہ حق وہ شخص ہے جو سنت کا زیادہ جاننے والا ہو یعنی ان حکام شرعیہ کا جاننے والا ہو جو نماز کے ساتھ متعلق ہیں مثلاً نماز کی شرطیں، نماز کے ارکان، نماز کی سنتیں اور اس کے آداب بشرطیکہ مایہ جوز بہ ال صلوٰۃ قرأت پر قدرت رکھتا ہو۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ امامت کا زیادہ حق وہ ہوگا جو قرأت قرآن میں سب سے اچھا ہوگا بشرطیکہ یہ قدرت علم رکھتا ہو امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرأت نماز کا ایک ایسا رکن ہے جس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور علم کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب کہ دینی علم مفسد پیش آئے تاکہ علم کے ذریعہ نماز کو درست کر سکے اور نماز کے اندر کبھی پیش آتا ہے اور کبھی پیش نہیں آتا۔ پس معلوم ہوا کہ قرأت کا علم زیادہ ضروری ہے بہ نسبت علم بالسنت کے اس لئے اقرء کو اعم بالان پر مقدم کیا گیا۔ لیکن ہم طرفین کی طرف سے جواب یہ دیں گے کہ قرأت کی جانب احتیاج فقط ایک رکن کے لئے ہے اور علم کی طرف احتیاج تمام ارکان کے لئے ہے کیونکہ نماز کو فی سدر نے والی چیز میں معرفت بھی علم کے ذریعہ ہونی اور نماز کو درست کرنے والی چیزوں کی معرفت بھی علم کے ذریعہ ہوگی پیش ثابت ہوا کہ علم کی ضرورت بہ نسبت قرأت کے زیادہ ہے اس لئے اعم بالسنت وافرتر ترجیح دی گئی۔ طرفین کے قول کی تائید امام کی روایت سے بھی ہوتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا یَوْمَ الْقِسْمِ أَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهَجْرَةِ سَوَاءً فَافْقَهُهُمْ فِي الدِّينِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْفَقْهِ سَوَاءً فَافْقَرُوهُمْ لِلْفُرْقِ (شرح تفسیر) یعنی قوم کی امامت وہ کرے جو ہجرت میں مقدم ہو پس اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو افتقار فی الدین امامت کرے اور اگر افتقار میں سب برابر ہوں تو اقرء، مقرر آن امامت کرے۔ اس حدیث میں افتقار فی الدین یعنی اعم وافرتر پر مقدم بیان کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے إِنْ الدِّينَ جَمَعُوا الْفُرَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَةٌ

كُلُّهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ اَبِيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمَعَاذُ بْنُ حَبَلٍ وَرَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ فَهَؤُلَاءِ اَكْثَرُ قُرَاءٍ، فَ مِنْ اَسَى نَكْرُوصَى 'اللَّهُ  
تَعَالَى عَنْهُ حَتَّى قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَأَ كُمْ اَسَى بِنَى عَبْدٍ رَسَاتٍ مِثْلٍ بِرَشْنِصٍ جَامِعِ قُرْآنٍ تَحْتِى اَوْرَ چاروں کا تعلق انصار  
سے تھا ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید رضوان اللہ علیہم اجمعین پس یہ چاروں بہ نسبت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرأت  
قرآن کے زیادہ جاننے والے ہیں مگر اس کے باوجود حضور نے اہمیت سے صدیق اکبرؐ کو بڑھایا پس معلوم ہوا کہ جب اقرء اور  
اعلم میں تعارض ہو جائے تو اعلم کو مقدم کیا جائے گا نہ کہ اقرء کو۔

اعلم بالنسۃ میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فَإِنْ تَسَاوَوْا هَاقِرُوهُمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَوْمَ الْقَوْمِ أَقْرَأَ هُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ كَانُوا سَوَاءً فَأَعْلَمَهُمُ بِالْحَسَنَةِ وَأَقْرَبَهُمْ كَانَ أَعْلَمَهُمْ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتْلَقُونَهُ بِأَحْكَامِهِ فَقَدِمَ فِي الْحَدِيثِ وَلَا كَذَلِكَ فِي رِوَايَا فَقَدِمَا الْأَعْلَمَ

ترجمہ: کچھ اگر سب علم میں برابر ہوں تو ان میں جو بہتر قاری ہے وہ اس سے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ قوم میں امامت وہ ہے جو کتاب اللہ کا بہتر قاری ہو کچھ اگر یہ سب برابر ہوں تو ان میں سے سنت کا زیادہ جاننے والا امامت رکھے اور صحابہ میں جو اقر و تہا وہ اہم تہی تھا کیونکہ وہ حضرات قرآن کو مع احکام کے سیکھتے تھے اس سے حدیث میں اقرار و مقدمہ کر دیا گیا اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے اس سے ہم نے اہم و مقدمہ کیا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے اگر اہم باتوں میں تمام اہل جماعت برابر ہوں تو اب ان میں سے جو بہت قاری ہو وہ اولی ہوگا۔ اہل حضورؐ کا قول  
نَوْمُ الْقَوْمِ أَقْرَاهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ كَانُوا سَوَاءً فَعَدَمُهُمْ بِالنِّسْبَةِ اس حدیث سے مجاہد اہل قاریہ کے تین دہے ہیں۔ ائمہ اثنی  
عشر ہوگا۔ اوس یہ کہ نَوْمُ الْقَوْمِ اہم کے معنی میں ہے اور مرد و عورت کے لئے آتا ہے جس جو ترتیب حدیث میں مذکور ہے وہ واجب الہدایت  
ہوئی یعنی اگر کو اہم پر مقدم کرنا چاہے تو اس لئے کہ ترتیب مذکور بیان انصافیت کے لئے ہے نہ کہ بیان جواز کے لئے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال مدعی کے خلاف ہے حالانکہ مدعی اعلم بالنسب کی تقدیم ہے اور حدیث دلالت کرتی ہے اقرار الکتاب اللہ کی تقدیم پر ہذا اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا کیسے درست ہوگا۔

احتراس اول کا جواب یہ ہے کہ یہ سوڈم القوم امر کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صیغہ اخبار ہے بیان شریعت کے لئے۔ اور یہ حقیقت ہے اور قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو حجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا اس لئے یہاں حجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور یہ صیغہ امر کے معنی میں نہیں ہوگا۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ میں جو اقرء تھا وہ اعلم بھی تھا کیونکہ اس زمانے میں لوگ قرآن کو اس کے احکام کے ساتھ سیکھتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے بارہ سال میں سورۃ بقرہ پڑھ لی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس قدر طویل مدت میں سورۃ بقرہ کا یاد کرنا اس کے احکام کے ساتھ ہو کا پس چونکہ عبد صحابہؓ میں جو اقرء ہوتا تھا وہ اعلم بھی ہوتا تھا اس لئے حدیث میں اقرء کو اعلم پر مقدم کیا گیا ہے اور ہمارے زمانے میں چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے ہم نے اعلم و اقرء پر مقدم کیا ہے۔

علم اور قرأت میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فَإِنْ تَسَاوَوْا فَارْزُعُهُمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ صَلَّى خَلْفَ عَالِمٍ تَقِيٍّ فَكَأَنَّمَا صَلَّى خَلْفَ نَبِيِّ

ترجمہ پھر اگر علم اور قرأت میں برابر ہوں تو ان میں اور ع اولی سے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عالم تقی کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

تشریح ورع اور تقویٰ میں فرق یہ ہے کہ ورع کہتے ہیں شہادت سے پرہیز کرنا اور تقویٰ کہتے ہیں محرمات سے بچنا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر تمام اہل جماعت علم و قرأت میں برابر ہوں تو ان میں اور ع اولی ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مَنْ صَلَّى خَلْفَ عَالِمٍ تَقِيٍّ فَكَأَنَّمَا صَلَّى خَلْفَ نَبِيِّ اس حدیث کے بارے میں ملائی قاری نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

نم، قرأت، تقویٰ میں سب برابر ہوں تو کون مستحق امامت ہے؟

فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاسْتَهْمُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ وَلَبِئْسَ مَكْرًا أَكْبَرُكُمْ بَيْنًا وَلَآنَ هِيَ تَقْدِيمُهُ تَكْتِيؤُا الْخَمَاعَةِ

ترجمہ پھر اگر امور مذکورہ میں سب برابر ہوں تو جو ان میں سے ازراہ عمر بڑا ہو وہ اولی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ابو ملیکہ کے دونوں صاحبزادوں سے فرمایا کہ تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے ورنہ اس سے کہ بزرگ کو مقدم کرنے میں جماعت کی زیادتی ہوگی۔

تشریح مسئلہ اگر مذکورہ چیزوں میں اہل جماعت سب برابر ہیں تو ان میں ازراہ عمر جو بڑا ہو وہ امامت کے لئے زیادہ مناسب ہوگا۔ دلیل سنو ﷺ کا ابو ملیکہ کے دونوں بیٹوں سے وَلَبِئْسَ مَكْرًا أَكْبَرُكُمْ بَيْنًا فرماتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بزرگ کو مقدم کرنے میں جماعت کی زیادتی ہے اور سابق میں گذریکا کہ جماعت کی زیادتی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اور حدیث میں فرمایا هِيَ تَقْدِيمُهُ تَكْتِيؤُا الْخَمَاعَةِ اور جب اس واپس آیا مہربانی تو یہ اس کی توفیق کی بناء پر نہیں رہی۔

مصنف بدینے نہیں کہا کہ اگر سب علم میں برابر ہوں تو کد ان کے ملوئے فرمایا کہ اگر سب عمر میں برابر ہوں تو ان میں چھنے خدق وار ہوں ہے کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا کہ جِيَارُكُمْ اَحْسَنُكُمْ خَلَاقًا وَاَكْرَمُ خَلَقًا میں سب برابر ہوں تو ان میں جو زیادہ خوبصورت ہو اولی ہل امامت ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو قرأت، علم، سدید، نسب، اخلاق، خوبصورتی سب چیزوں کے اندر قوم میں افضل ہو کیونکہ اس میں

نقص نہ ہوتا ہے۔ آپ نے تمام حیات امامت فرمائی کیونکہ مذکورہ اوصاف کے ساتھ حضور ﷺ تمام انسانوں میں بہت سے تھے لَافِصْلٌ لَافِصْلٌ بِمِثْلِ تَمَّ۔

## غلام، دیہاتی، فاسق اور نابینے کی امامت کا حکم

وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ لَا يَنْفَرُغُ لِلتَّعْلُمِ وَالْأَعْرَابِيُّ لِأَنَّ الْعَالِيَةَ فِيهِمُ الْجَهْلُ وَالْفَاسِقُ لِأَنَّهُ لَا يَهْتَمُّ لِأَمْرِ دِينِهِ وَالْأَعْمَى لِأَنَّهُ لَا يَتَوَقَّى السَّجَاةَ وَوَلَدُ الرِّثَاءِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ابٌّ يَشْفُقُهُ فَعَلِبُ عَلَيْهِ الْجَهْلُ وَلِأَنَّ تَقْدِيمَهُ هُوَ لَا يَفِي السَّجَاةَ فَيُكْرَهُ وَإِنْ تَقَدَّمَ رَجَاؤُهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلُّوا حَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاحِرٍ

ترجمہ اور غلام کو آگے کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ سیکھنے کے لئے فراغت نہیں پاتا ہے اور اعرابی کا کیونکہ اعراب میں جہالت غالب ہے اور فاسق کا کیونکہ فاسق اپنے امر دین کے لئے اہتمام نہیں کرتا۔ اور اندھے کا کیونکہ وہ تجاست سے بچاؤ نہیں رکھتا اور والد الرثا کا کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس پر شفقت کرے پس اس پر جہل غالب ہوگا اور اس لئے کہ ان لوگوں کو آگے کرنے میں جماعت و نفرت دانا ہے اس لئے مکروہ ہے اور اگر یہ لوگ آگے بڑھ گئے تو جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیوکار اور بدکار کے پیچھے تم نہ پڑھ لیں۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ غلام کو امامت کے لئے آگے بڑھانا مکروہ ہے اگرچہ وہ آزاد کر دیا گیا ہو یعنی اگر آزاد کردہ غلام اور اصلی آزاد جمع ہو گئے تو اصلی آزاد مستحق امامت ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ غلام نماز کے احکام سیکھنے کے لئے فراغت نہیں پاتا اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ اگر آزاد اور غلام دونوں قرأت علم و ورع میں برابر ہوں تو آزاد کو غلام پر ترجیح نہیں دی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَلَوْ أَمَرَ عَنِكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ أَجْدَعُ سِنًا وَأَوْسَعُ عَيْنًا سِنًا وَأَوْسَعُ عَيْنًا سِنًا وَأَوْسَعُ عَيْنًا سِنًا

دوسری دلیل یہ ہے کہ ابوسعید خدری سے روایت ہے أَنَّهُ قَالَ دَعَا دَعَا رَهْطًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ أَبُو ذَرٍّ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَدْ مَوْبِي وَأَنَا يَوْمَئِذٍ عَبْدٌ یعنی ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب نبی ﷺ میں سے ایک جماعت کی دعوت کی ان میں ابو ذر بھی تھے پس نماز کا وقت آ گیا تو امامت کے لئے مجھے آگے بڑھایا اور میں اس زمانے میں غلام تھا۔ یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ غلام کو آگے بڑھانا مکروہ نہیں ہے۔

ہماری طرف سے پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ غلام کو آگے بڑھانا تفصیل جماعت کا سبب بنے گا کیونکہ لوگ اس کی متابعت کرنے سے ناک منہ چڑھائیں گے ورنہ جو چیز تفصیل جماعت کا سبب ہو وہ مکروہ ہے اور حدیث میں امرت مراد ہے نہ کہ امامت اور ابوسعید کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحابہ نے ابوسعید کو صاحب خانہ ہونے کی وجہ سے آگے بڑھایا کیونکہ صاحب خانہ اہل امامت ہوتا ہے۔ اعرابی (گنوار) کو بھی امامت کے لئے آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ ان میں جہالت کا غلبہ ہوتا ہے نیز حضور ﷺ کا قول لَا لَا يَزُومُ امْرَأَةً رَجُلًا وَلَا أَعْرَابِيٌّ خَيْرٌ دَارَ عَمْرٍاءَ مُرَدِّهِمْ لِمَا مَاتَ كَرِهَ اور نہ اعرابی۔

اور فاسق کو بھی آگے بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ وہ دین کے معاملے میں اہتمام نہیں کرتا۔ امام مالک نے فرمایا کہ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس کی طرف سے امور دینیہ میں خیانت ظاہر ہوگئی تو وہ نماز جیسے اہم امور میں بھی امین نہیں ہوگا لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ بن مالک اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ اور تابعین نے حج بن یوسفؓ رئیس انفساق کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

امامت کے لئے نابینا کو آگے بڑھانا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اندھا ہونے کی وجہ سے نجات سے بچاؤ نہیں رکھتا اور وہ ازنا کو بھی

آگے بڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس کا کوئی باپ نہیں جو اس پر شفقت کرے، اس کو ادب سکھائے اور اس کو تعلیم دے۔

صاحب ہدایہ نے مشترکہ دلیل کے طور پر کہا کہ ان لوگوں کو آگے بڑھانے میں اہل جماعت کو نفرت دلاتا ہے اس لئے ان کو آگے بڑھنا مکروہ ہے ہاں اگر یہ لوگ خود آگے بڑھ گئے تو نماز جائز ہو جائے گی کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بِرٍّ وَفَاجِرٍ وَجِبَ اسْتِدْالِ یہ ہے کہ مذکورہ لوگوں میں سے ہر ایک نیک ہو گا یا فاجر پس اس کے پیچھے ہر حال میں نماز جائز ہے۔

**امامت کے لئے کن امور کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے**

وَلَا يَطْوُلُ الْإِمَامُ بِهِمْ الصَّلَاةُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أُمَّ قَوْمًا فَلْيُصَلِّ بِهِمْ صَلَاةُ أَضْعَفِهِمْ فَإِنْ فِيهِمْ الْمَرِيضُ وَالْكَبِيرُ وَذَا النِّحَاحَةِ

ترجمہ اور امام مقتدی کے ساتھ نماز کو طول نہ دے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی قوم کا امام بنا تو ان کو نماز پڑھائے ان میں سے سب سے ضعیف کی اس لئے کہ ان میں بیمار بھی ہیں بوڑھے بھی، ضرورت مند بھی۔

**تشریح** مسئلہ امام لوگوں کو لمبی نماز نہ پڑھائے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قوم کی امامت کی وہ ان کو ان میں سے اضعف کی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں اور ضرورت مند بھی ہیں اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی مستدل ہے جبکہ معاذ نے اپنی قوم کو لمبی نماز پڑھائی تو قوم کے لوگوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ افسان انت یا معاذ یہ حدیث سابق میں گزر چکی ہے ورنہ بات بطریق صحت ثابت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں معوذتین کی قرأت کی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول اللہ آج آپ نے بڑا اختصار کیا تو فرمایا کہ بچہ کے رونے کی وجہ سے مجھے خوف ہوا کہ اس کی ماں فتنہ میں نہ پڑ جائے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے لئے اپنی قوم کے حال کی رعایت کرنا مناسب ہے۔

**عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم**

وَبُكْرُهُ لِلنِّسَاءِ أَنْ يُصَلِّيْنَ وَحَدَّثُنَّ الْحَمَاعَةَ لِأَنَّهُمَا لَا تَحِلُّوْا عَنْ ارْتِكَابِ مُحَرَّمٍ وَهُوَ قِيَامُ الْإِمَامِ وَسَطَ الصَّفِّ فَبُكْرُهُ كَالْعُرَاةِ وَإِنْ فَعَلْنَ قَامَتِ الْإِمَامُ وَسَطُهُنَّ لِأَنَّ عَائِشَةَ فَعَلَتْ كَذَلِكَ وَحُمِلَ فِعْلُهَا الْحَمَاعَةَ عَلَى ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ وَلَآئِنْ فِي التَّقْدِيمِ زِيَادَةُ الْكُشْفِ

ترجمہ اور عورتوں کے لئے تنہا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت ارتکاب حرام سے خالی نہیں ہے اور وہ امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا ہے پس یہ فعل مکروہ ہو گا جیسے بچے مردوں کا حکم ہے اور اگر عورتوں نے جماعت کی تو امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو کیونکہ ام المؤمنین ؓ، نشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا اور ام المؤمنین کا فعل جماعت ابتداء اسلام پر معمول کیا گیا اور اس وجہ سے کہ آگے بڑھنے میں کشف عورت زیادہ ہے۔

**تشریح** مسئلہ عورتوں کے لئے تنہا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت فعل حرام (مکروہ) کے

رتکاب سے خالی نہیں اس لئے کہ ان کی امام اقتداء کرنے والی عورتوں سے آگے کھڑی ہوگی یا ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ پہلی صورت میں کشف عورت زیادہ ہے ورا محالیکہ یہ مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کا اپنے مقام کو چھوڑنا لازم آتا ہے حالانکہ یہ بھی مکروہ ہے اور جماعت سنت ہے اور قاعدہ ہے کہ بہ نسبت ارتکاب مکروہ کے سنت کو ترک کرتا ہوں ہے اس لئے عورتوں کے حق میں جماعت کی سنت کو ترک کر دیا گیا اور عورتوں کا حال عٹوں کے حال کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح عٹوں کی جماعت مکروہ ہے اسی طرح عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔

صاحب قدرتی نے کہا کہ اگر کراہت تحریمی کے باوجود عورتوں نے جماعت کی تو عورتوں کی امام ان کے بچ میں کھڑی ہوں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسا ہی کیا لیکن اب اشکاں یہ ہوگا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو پھر مکروہ تحریمی کیوں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام المؤمنین کا یہ فعل ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا مگر اس جواب پر اشکاں ہے کہ یہ کہ نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ نے تیرہ سال مکہ المکرمہ میں قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ سے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا پھر جب نو برس کی ہوئیں تو ان کو زفاف میں لیا یعنی عائشہ کی رخصتی ہوئی اور آپ کی حیات میں ۹ برس رہیں پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا امامت کرنا باطل ہوئے کے بعد ہوا ہوگا تو اس صورت میں یہ ابتداء اسلام کا فعل کہاں سے ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام پر محمول کرنے سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت کا حکم منسوخ ہے۔

### ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو

مَنْ صَلَّى مَعَ رَاحِدٍ أَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ لِحَدِيثِ أَبِي عَبَّاسٍ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى بِهِ وَأَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ وَلَا يَتَأَخَّرُ عَنِ الْإِمَامِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَضَعُ أَصَابِعَهُ عِنْدَ عَقِبِ الْإِمَامِ وَالْأَوَّلُ هُوَ الظَّاهِرُ وَإِنْ صَلَّى خَلْفَهُ أَوْ لَفِي يَسَارِهِ حَازَ وَهُوَ مُسِيءٌ لِأَنَّهُ خَالَفَ السُّنَّةَ

ترجمہ اور جو شخص ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کو اپنے دائیں کھڑا کرے۔ دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی اور ان کو اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور مقتدی امام سے پیچھے نہ رہے اور امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے برابر رکھے اور اول علی ظاہر ہے اور اگر اس ایک مقتدی نے امام کے پیچھے یا بائیں طرف نماز پڑھی تو بھی جائز ہے اور وہ گنہگار ہے کیونکہ اس نے سنت کے خلاف کیا۔

تشریح مسند یہ ہے کہ اگر ایک مرد ایک مرد مقتدی کے ساتھ نماز پڑھے تو اس مقتدی کو اپنے دائیں کھڑا کرے۔ دلیل حدیث ابن عباس ہے۔ پوری حدیث یہ ہے عَنْ أَبِي عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَإِنَّهُ قَالَ نَامَتِ الْعَيْنُونَ وَغَابَتِ النُّجُومُ وَبَقِيَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ثُمَّ قَرَأَ آيَةَ سُورَةِ الْاَنْشُورِ اِنْ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلٰى اٰخِرِهَا ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَيْءٍ مُعَلَّنٍ فَنَوَّصًا وَافْتَحَ لِقُفَّتْ وَرَفَعَتْ عَلَى يَسَارِهِ وَاحَدًا بِأُذُنِي وَأَذَانِي خَلْفَهُ حَتَّى أَقْبَسِي عَنْ يَمِينِهِ (متفق علیہ) یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میں اپنی خالہ میمونہ کے یہاں رات سویا کرتا تھا نبی ﷺ کی رات کی نماز کو دیکھوں پس آنحضرت ﷺ نے نہر ہوا آنکھیں سونٹیں و مستارے ڈوب گئے اور وحی تو



باقی ہے پھر آپ نے سورۃ آل عمران کی آخری آیتیں ان فی خلق السموات والارض و اختلاف الليل والنهار سے آخر تک پڑھا چھ آپ نے ایک صفحے ہوئے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کیا اور نماز شروع کی پس میں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور میں آپ کی بات میں طرف ہڑ ابو یوسف پس آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنے پیچھے سے گھمادیا یہاں تک کہ مجھ کو اپنی دائیں طرف ہڑا کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراہم کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں طرف کھڑا کرنا مختار ہے۔ ظاہر الروایہ میں ہے کہ مقتدی واحد امام کے پیچھے نہ کھڑا ہو۔ اور امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے برابر رکھے۔ اور اول ظاہر ہے۔ اور اگر ایک مقتدی نے امام کے پیچھے یا بائیں نماز پڑھی تب بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی ابتہا نہ ہکا ہوگا کیونکہ اس نے سنت کے خلاف عمل کیا۔

### دو مقتدی ہوں تو امام مقدم ہو جائے

وَأَنَّ أَمَّا إِبْنُ تَقْدَمَ عَلَيْهِمَا وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَتَوَسَّطُهُمَا وَيَقُلْ ذَلِكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَلَا أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَقْدَمَ عَلَى ابْنِ وَابْنِهِمَا جِئْنِ صَلَّيْ بِهِنَّ فَهَذَا لِلْأَفْصِيَّةِ وَالْأَثَرُ دَلِيلُ الْإِبَاحَةِ

ترجمہ اور اگر دو مردوں کی امامت کی تو امام دونوں پر مقدم ہو۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام دونوں کے بیچ میں کھڑا ہو۔ اور یہ ابن مسعود سے منقول ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ انس اور عتیمہ سے آگے کھڑے ہوئے جب کہ دونوں کے ساتھ نماز پڑھی تھی پس یہ افضلیت کے لئے ہے اور اثر مباح ہونے کی دلیل ہے۔

تشریح اور اگر امام کے مدوہ دو مقتدی ہوں تو امام ان دونوں سے آگے کھڑا ہو اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہو اور درمیان میں کھڑا ہونا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے چنانچہ روایت کیا گیا کہ اس مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عتیمہ اور اسود کو نماز پڑھائی اور ابن مسعود دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے انس اور عتیمہ کو نماز پڑھائی تو آپ ﷺ ان دونوں سے آگے کھڑے ہوئے پس آنحضرت ﷺ کا آگے کھڑا ہونا افضلیت کی دلیل ہے اور ابن مسعود کا اثر مباح ہونے کی دلیل ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ابن مسعود سے روایت کی گئی کہ جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا گیا پس اب ابن مسعود کے اثر سے بابت بھی ثابت نہیں ہوگی۔

### مردوں کے لئے عورت اور بچے کی اقتداء کا حکم

وَلَا يَحْزُرُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَتَّقِدُوا بِأَمْرٍ أَوْ صَبِيٍّ أَمَّا الْمَرْأَةُ فَيَقُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ احْزُرُونِ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللَّهُ فَلَا يَحْزُرُ تَقْدِيمُهَا وَمَا الصَّبِيُّ فَلِأَنَّهُ مُسْفِلٌ فَلَا يَحْزُرُ قِتْدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِهِ وَفِي التَّرَاوُحِ وَالسَّنَنِ الْمُطْلَقَةِ جَوْرُهُ مَشَانِحٌ مَلَحٌ وَلَهُ جَوْرُهُ مَشَانِحًا وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّقَ الْخِلَافَ فِي الْفِيلِ الْمُطْلَقِ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يَحْزُرُ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا لِأَنَّ بَقْلَ الصَّبِيِّ دُونَ بَقْلِ الْبَالِغِ حَيْثُ لَا يَلْزُمُهُ الْقَضَاءُ بِالْإِسَادِ بِالْإِحْمَادِ وَلَا يَسِي الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ بِحِلَافِ الْمَظْهُورِ لِأَنَّهُ مُحْتَدٌّ فِيهِ فَاعْتَرِ الْعَارِضَ عَدَمًا بِحِلَافِ اقْتِدَاءِ الصَّبِيِّ بِالصَّبِيِّ لِأَنَّ الصَّلَاةَ مَتَّحِدَةً

ترجمہ مردوں کو جائز نہیں کہ وہ عورت یا بچہ کی اقتداء کریں بہر حال عورت تو اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو مؤخر کرنا جب ان کو اللہ نے مؤخر کیا پس عورت کا مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور بہر حال بچہ تو اس لئے کہ وہ نفل پڑھنے والا ہے ہند منقرض و اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور تراویح اور سنن مطلقہ میں مشائخ نے اس کو جائز رکھا اور ہمارے مشائخ نے اس کو جائز نہیں دیا۔

اور ہمارے مشائخ میں سے بعض نے ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان نفل مطلق کی صورت میں اختلاف تحقیق کیا۔ اور محتار یہ ہے کہ یہ تمام نمازوں میں جائز نہیں ہے کیونکہ بچہ کا نفل بالغ سے کمتر ہے اس لئے کہ نفل فی سدر دینے سے ہا جماع بچہ پر قضاء لازم نہیں آتی اور نہیں بنائی جاتی ہے قوی کی ضعیف پر یا خد ف نماز مضمون کے یہاں وہ مجتہد فیہ ہے پس اعتبار کیا گیا عارض و عدم بر خلاف بچہ کا اقتداء کرنا بچہ کے ساتھ کیونکہ نماز متحد ہے۔

تشریح .. مسند مردوں کے لئے نہ عورت کی اقتداء جائز ہے اور نہ بچہ کی عورت کی اقتداء جائز نہ ہونا تو اس سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **خَيْرُ وَهْنٍ مِنْ حَيْثُ اخْرَجْتُمُ اللَّهَ وَجْهَ اسْتِدْالٍ** یہ ہے کہ لفظ حیث سے مراد مکان ہے اور جس مکان میں عورتوں کی تاخیر واجب ہو ملاوہ مکان صلوة کے کوئی مکان نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مکان صدد قہ میں مؤخر کیا ہے یعنی اس و مہ اس کے لئے امام بننے کا حق نہیں دیا ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حیث تعین کے لئے ہے بترجمہ یہ ہوگا کہ عورتوں کو مؤخر کرواں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت وراثت و سلطنت اور تمام ولایات میں مؤخر کیا ہے پس جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو مؤخر کیا تو اس کو مقدم کرنا یعنی امام بنانا بھی جائز نہیں ہوگا۔

رہا بچہ کی امامت کا بیان تو اس کی امامت اس لئے جائز نہیں کہ وہ نفل ادا کرے والا ہے لہذا فرض ادا کرنے کے لئے اس کی اقتداء جائز نہیں ہوگی یعنی بالغ کی فرض نماز اس کے پیچھے جائز نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ تراویح اور سنن مطلقہ میں اختلاف ہے۔ مشائخ نے قول کے مطابق تراویح و سنن مطلقہ میں نابالغ بچہ کی اقتداء کرنا جائز ہے و رہا بچہ کے مشائخ یعنی مشائخ صوراء الہر نے اس کو جائز کیا ہے۔ سنن مطلقہ سے مراد وہ سنن و تہ ہیں جو فرائض سے پہلے و فرائض کے بعد شروع ہوئیں ہیں۔ یک روایت کے مطابق میدان نماز بھی سنت ہے۔ اور تراویح، خسوف، خسوف اور استسقاء کی نماز بھی صاحبین کے نزدیک سنت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سنت نمازوں میں اگر نابالغ بچہ نے امامت تو مشائخ کے نزدیک بالغ مردوں کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز ہے اور ماوراء النہر یعنی نجد اور سمرقند کے علماء و مشائخ نے اس کو جائز کہا ہے۔ مشائخ نے منظور نماز پر قیاس کیا ہے۔ مضمون نماز یہ ہے کہ ایک شخص نے یہ نہیں کیا کہ اس کے ذمہ نماز واجب ہے پس اس نے اس مکان کے ساتھ نماز کر لی شروع کر دی پھر درمیان میں کوئی مفسد پیش آگیا اور نماز ٹوٹ گئی پھر معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ واجب نہ تھی تو ب شروع کرنے کی وجہ سے اس کا قضاء کرنا واجب ہے یا نہیں تو اس کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ قضاء واجب نہیں ہے اہل تہام و مہاجر کے نزدیک قضاء واجب ہے۔ پھر اگر نفل ادا کرنے والا بالغ آدمی منظور نماز ادا کرنے والے کی اقتداء کرے تو جائز ہے۔

ب مشائخ کے قیاس کا حاصل یہ ہوگا کہ نفل نماز شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اور منظور نماز واجب نہیں ہوتی ہے پس

بہ نفل پڑھنے اور مضمون نماز اور نماز کے وقت ہر سنت ہے تو یہ بھی نفل اور نماز کی اچھائی اور اہمیت ہے۔

اور ہر سنت میں سے بعض کے نفل مطلق کی صورت میں ہمارے ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان اختلاف بیان کیا ہے چنانچہ امام ابو یوسف نے کہا کہ نفل مطلق میں بھی بالغ مرد کا بچہ کی قضا کرنا واجب نہیں ہے اور امام محمد نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ بالغ مرد کا بچہ کی قضا کرنا کسی بھی نماز میں جائز نہیں ہے خواہ نفل مطلق ہو یا موقت ہو۔ یہی ماہر ائمہ کے مشائخ کا مذہب ہے اس مذہب میں اگر کسی نفل نماز یا نفل نفل نماز سے تمتہ اور وائی ہے یونکہ ہاں اتفاقاً اگر بچہ نفل نماز شروع کر کے فاسد کر دے تو اس پر اس کی قضا واجب نہیں ہوتی اور اگر بالغ نفل نماز فاسد کر دے تو اس کے قضا واجب کرنا واجب ہے اور قاعدہ ہے کہ قوی کی بنا ضعیف پر نہیں کی جاتی اس لئے بالغ نفل نماز کی بنا بچے کے نفل پر نہیں کی جائے گی۔

بحلاف المصنوع سے مشائخ کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا اصل یہ ہے کہ بالغ کا بچہ کی قضا کرنا کوٹن کی قضا پر پیس کرنا فاسد ہے یونکہ نماز مضمون مختلف فیہ ہے، چنانچہ ہر نماز کے نزدیک فاسد کرنے کی صورت میں خان پر قضا کرنا واجب ہے اور بچہ کی نماز کے نفل کی قضا ہونا واجب نہیں ہے۔ نیز حقویت (چند) یہ مرے جو بالغ ہونے تک بہر حال باقی رہے گا۔ پس بالغ کی نماز اس کی نماز سے متحد نہ ہوگی۔ یونکہ فاسد کر دینے کی صورت میں بالغ پر قضا واجب ہوتی ہے اور نابالغ پر قضا واجب نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف مضمون کھن ایک ماضی چیز ہے۔ لہذا اس کو معدوم معتبر کیا گیا پس بے نفل پڑھنے والے نے مضمون نماز پڑھنے والے ہمارے پیچھے اقتداء کی تو دونوں کی نماز متحد ہو سکتی ہے بالخصوص امام زفرؒ کے نزدیک یونکہ فاسد کی صورت میں دونوں پر قضا واجب ہو جاتی ہے۔

اصل یہ کہ بالغ و نابالغ کی نماز غیر متحد ہے اور بالغ اور کھن کی نماز متحد ہے بالخصوص امام زفرؒ کے نزدیک پس اس فرق کے ہوتے ہوئے اقتداء بالغ یا صغیر کو اقتداء بالاطن پر قیاس کرنا قیاس مع اطلاق ہے۔ اس کے برخلاف نابالغ کا نابالغ کی قضا کرنا جائز ہے کیونکہ دونوں کی نماز متحد ہے اس لئے کہ دونوں میں سے کسی پر قضا واجب نہیں ہے پس یہ ضعیف کی بنا ضعیف پر ہوگی۔

### صفوں کی ترتیب کیسے ہوگی؟

وَيُصِفُ الرَّحَالَ ثُمَّ الصِّبْيَانَ ثُمَّ النِّسَاءَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَلْسَنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنِّهْيُ وَالْإِنِّ الْمُحَادَاةُ مَفْسِدَةٌ فَيُؤَخِّرُونَ

ترجمہ اور صف باندھیں مرد پھر بچے پھر عورتیں، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہیں مجھ سے تم میں سے بالغ مرد، اور اس لئے کہ عورت کی محاذات مفسدہ نماز ہے اس لئے عورتیں مؤخر کی جائیں۔

تشریح اس عبارت میں ہمارے پیچھے کھڑے ہونے کی ترتیب کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا کہ امام کے پیچھے سب سے پہلے مرد کھڑے ہوں پھر ان کے پیچھے بچے کھڑے ہوں اور ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے لِيَلْسَنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنِّهْيُ، بل امر کا صیغہ ہولسی سے، خواہ جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں۔ حلام حکم یا ضم کی جمع ہے صم و چیز جو سونے والی دیکھتا ہے لیکن اس کا غالب استعمال خواب کی حالت بلوغ کی چیز میں ہے اور نہ ہی نہیہ کی جمع ہے، معنی عقل نہیں، بحدیث کا مطلب یہ

ہوگا کہ تم میں سے مجھ سے قریب وہ لوگ رہیں جو عاقل بالغ ہوں۔

یہاں گر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث مردوں کو بچوں پر مقدم کرنا تو ثابت کرتی ہے مگر عورتوں پر بچوں کی تقدیم ثابت نہیں کرتی، تو اس کا جواب یہ ہے احتمال رجوعیت کی وجہ سے بچے مردوں کے تابع ہیں اور تابع متبوع کے بعد ہوتا ہے ہذا بچے مردوں کے بعد ہوں گے اور عورتوں سے مقدم ہوں گے اور جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عورتوں پر بچوں کی تقدیم حضور بھی کے فعل سے ثابت ہے کیونکہ حضور نے ایک بڑھی عورت کو یتیم نامی باغ کے پیچھے کھڑا کیا تھا۔ زیادہ بہتر استدلال اس حدیث سے ہوسکتا ہے جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں ابو مالک اشعری سے تخریج کیا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں اِنَّهُ قَالَ بَمَا مَنَعَنَّا اَلْاَشْعَرِيْنَ اِحْتِمِعُوا وَاِحْتَمِعُوا اَيَّامًا كُنتُمْ اَبَاءَ كُمْ حَتَّى اُرِيَكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاجْتَمِعُوا وَاجْمَعُوا اَكْنَاءَهُمْ وَلِسَاءَهُمْ ثُمَّ لَوْ طَاوَرَاَهُمْ كَيْفَ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ تَقْدَمُ فَصَفَ الرَّحَالَ فِيْ اَدْنَى الصِّفِّ وَصَفَ الْوُلْدَانَ خَلْفَهُمْ وَصَفَ النِّسَاءَ حَلْفَ الصِّبْيَانِ، یعنی ابو مالک اشعری نے کہا کہ اے اشعری قبیلہ کے ادگو! تم خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں و راواں کو بھی جمع کرو یہاں تک کہ میں تم کو .... رسول اللہ ﷺ کی نماز دکھاؤں پس وہ خود بھی جمع ہو گئے اور اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی جمع کیا پھر وضو کیا وراں کو دکھلایا کہ آپ اس طرح وضو کرتے تھے۔ پھر ابو مالک آگے بڑھے پھر مردوں کی صف بندی کی، اور بڑکوں کی ان کے پیچھے اور عورتوں کی صف بندی کے پیچھے بنائی۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ عورت کی محاذات مرد سے مفید نماز ہے۔ اس لئے عورتیں مؤخر کی جا رہی ہیں۔

### مسئلہ محاذات

وَ اِنْ حَادَتْهُ امْرَاَةٌ وَ هُمَا مُسْتَرِكَانِ فِي صَلَوةٍ وَاحِدَةٍ، فَسَدَتْ صَلَاتُهُ اِنْ نَوَى الْاِمَامُ اِمَامَتَهَا وَ الْقِيَاسُ اَنْ لَا نَفْسُ وَ هُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ اِعْتَابًا اِيْضًا لَّنْهَا حَتَّى لَا تَفْسُدَ وَ حُجَّةُ الْاِسْتِحْسَانِ عَارِ وَ يَأْهُ وَ اَنَّهُ مِنَ الْمَشَاهِيْرِ وَ هُوَ الْمُحَاطَبُ بِهٖ دُونَهَا فَيَكُوْنُ هُوَ النَّارِكُ لِفَرَضِ الْمَقَامِ فَتَفْسُدُ صَلَاتُهُ دُوْنَ صَلَاتِهَا كَالْمَأْمُوْمِ اِذَا تَقَدَّمَ عَلَي الْاِمَامِ

ترجمہ اور اگر کوئی عورت مرد سے محاذی ہوگی اور ضابطہ یہ ہے کہ دونوں ایک نماز میں شریک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ امام نے اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو اور قیاس یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو اور یہی امام شافعی کا قول ہے عورت کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور وجہ استحسان وہ حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے۔ اور حدیث احمدی مشہورہ میں سے ہے و مرد ہی اس حکم کا مخاطب ہے نہ کہ عورت پس مرد ہی مقام مفروض کا ترک کرنے والا ہوگا ہذا اسی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی نماز۔ جیسے مقتدی جب وہ امام سے آگے ہو جائے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد سے محاذی ہوگئی درانحالیہ مرد اور عورت دونوں ایک نماز میں مشترک ہیں اور امام نے اس عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہے تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی نے مرد کی نماز و عورت کی نماز پر قیاس کیا ہے یعنی محاذات کی وجہ سے عورت کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوئی ہذا مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ محاذات ایسا فعل ہے کہ جائزین سے متحقق ہوتا ہے پس

اس بات پر عورت کی نماز سے منہ نہیں ہے تو مرد کی نماز سے بھی منہ نہیں ہوگا۔ وجہ اتنا مان وہ حدیث ہے جو ہم سبق میں دیتے رہے۔ عہدِ مدینہؐ کی حدیث ان رسول اللہ ﷺ قَالَ اخْرُجْهُنَّ مِنْ حَيْثُ خَرَجْنَ اللہ، اس حدیث میں مردوں کو علم دینا یہ کہ عورتوں کو نماز میں پیچھے رکھیں پس جب عورت اس کے محاذی ہوگئی تو گویا مرد نے اپنا فرض ترک کر دیا کیونکہ اس کی نماز میں جس کے اندر وہ فرض شریک ہوں عورت کو مؤخر کرنا مرد پر فرض ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ جس نے فرض ترک کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی نہ مرد کی، نہ عورت کی، اس لئے ہم نے کہا کہ محاذات کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی نہ عورت کی۔

وراً مر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی تو اس کا جواب صاحبِ ہدایہ نے من المسافر میں دے دیا ہے یعنی یہ حدیث احادیثِ مشہورہ میں ہے جو قطعی مدارات ہوتی ہے اور حدیث مشہورہ سے فرضیت ثابت ہو جاتی ہے بذاتِ ابائی قطعاً نہیں ہوگا

وہوالمحاطب سے قیاس کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عورت کی نماز فاسد نہ ہونے سے مرد کی نماز فاسد نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ اندھنہ حضور ﷺ سے قیاس احروہیں کا محض جواب ہے نہ کہ عورت پس ترک فرض مرد ہو جائے کہ عورت اس لئے صرف مرد کی نماز فاسد ہوئی عورت کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ جیسے مقتدی جب وہ ہمارے آگے سو جائے اور اپنا فرض مت چھوڑے تو قیاس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح جب عورت کے ساتھ اپنا فرض مت چھوڑے گا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

فوائد محاذات مفیدہ یہ ہے کہ نماز کے اندر عورت کا قدم مرد کے کسی عضو کے محاذی اور مقابل ہو جائے۔

### امام نے محاذی عورت کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو اس کا حکم

وَأَنَّ لَهُ نَدِيرَ مَا مَيَّهَا لَهُ نَصْرُهُ وَلَا تَجُورُ صَلَاتُهَا لِأَنَّ الْأَشْرَكَ دُونَهَا لَا يَثْبُتُ عِنْدَنَا جَلَا فَا لِرَفْعِ الْأُتْرَى إِيَّاهُ كَلَرْمَةِ التَّرْتِيبِ فِي الْمَقَامِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى التَّزَامِ كَالْإِقْدَاءِ وَإِنَّمَا يَشْرُطُ بَيَّةُ الْإِمَامَةِ إِذَا أَيْمَنَ مُحَذَّبَةً وَإِنْ لَهُ يَكُنْ يُحِبُّهَا رَحْسٌ فَهِيَ رَوَّائِيْنِ وَالْفَرْقُ عَلَى أَحَدُهُمَا أَنَّ الْفَسَادَ فِي الْأَوَّلِ لَازِمٌ وَفِي الثَّانِي مُحْتَمَلٌ

ترجمہ اور امام نے عورت کا امام ہونے کی نیت نہیں کی تو عورت کی محاذات مرد کے لئے مضر نہ ہوگی اور عورت کی نماز چار نہ ہوں گی۔ چونکہ امامت کی بغیر امامت کی نیت کے ہمارے نزدیک ثابت نہ ہوگا، برخلاف قیاس کے یہاں تم نہیں دیکھتے کہ امام پر لازم ہے ترتیب نہ کرے یہ ہمارے ہونے سے متاثر نہ ہوگا تا یہ بات امام سے امام نے پر موقوف رہے گی۔ جیسے اقلیدہ کا ہے اور امامت کی نیت کی وقت شروع ہے جب کہ عورت نے محاذی ہو کر اقلیدہ کی ہو اور نہ عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دورا ایتیں ہیں۔ ورنہ قیاس و اقوال روایتوں میں سے ایک پر یہ ہے کہ فساد نماز اس میں لازم ہے اور دوسری صورت میں فساد کا احتمال ہے۔

تشریح امامت میں ایک صورت بیان کیا گیا ہے جب کہ امام نے محاذی عورت کا امام ہونے کی نیت نہ کی ہو یعنی یہ نیت نہیں کی کہ میں اس عورت کا امام ہوں تو اس صورت میں عورت کی محاذات مرد کے لئے مضر نہ ہوگی اور اس عورت کی نماز بھی چار نہ ہوگی۔ یہاں یہ ہے کہ امام نے ایک بغیر نیت کے اشتهار کے فی الصلوة ثابت نہیں ہوتا اگرچہ امام زفر کے نزدیک بغیر نیت بھی اشتهار کے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک ایک عورت جب مرد کی نماز میں داخل ہوگی تو مرد کی نماز کے فاسد ہونے کے لئے عورت کا امام ہونے کی نیت نہ

شرط نہیں ہے اس لئے کہ مرد مردوں اور عورتوں دونوں کی امامت کر سکتے ہیں۔

پھر واضح ہو کہ مرد کا اس امام مرد کی اقتداء کرنا بغیر نیت امامت کے صحیح ہے یعنی اگر امام نے یہ نیت نہیں کی کہ میں اس کا امام ہوں تب بھی مرد اس امام کی اقتداء کر سکتا ہے پس اسی طرح بغیر نیت امامت کے عورت کا اقتداء کرنا بھی صحیح ہوگا پس ثابت ہوا کہ مرد کی نماز کے فساد کے لئے عورت کے امام ہونے کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک بغیر امام کے اشتراک ثابت نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث 'احروہن' کی وجہ سے مقتدیوں کو با ترتیب کھڑا کرنے کی ذمہ داری امام پر ہے یعنی ترتیب مقام امام پر لازم ہے اور جس شخص پر کوئی چیز لازم ہو وہ اس کے لازم کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔ حتیٰ اگر لازم کرے گا تو لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ جیسے مقتدیہ کا حال ہے کہ مقتدی کا قتل کرے کی نیت کرنا شرط ہے اس لئے کہ اسی نیت اقتداء سے وہ اپنی نماز کو امام کی ضمانت میں دے گا تا کہ امام کی کسی حرمت سے نماز میں نقص و ضرر پیدا ہو تو مقتدی کے قبول کرنے اور اس کی رضامندی سے اس پر لازم آئے۔ اسی طرح امام کا عورتوں کی امامت کی نیت کرنا شرط ہے تاکہ عورتوں کی جانب سے اگر کوئی ضرر ہو تو وہ امام کا قبول کیا ہوا ہو۔

شمس امام اسرخسی نے بغیر نیت امامت کے امام کی نماز کج فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر بغیر نیت امامت کے عورت کی اقتداء صحیح قرار پائی جائے تو ہر عورت من چاہے طریقہ پر مرد کی نماز فاسد کر دینے پر قادر ہوگی اس طرح پر کہ مرد کی اقتداء کرے اس کے پیلو میں کھڑی ہو جائے اور ظاہر ہے کہ اس میں مرد کا ضرر ہے اس وجہ سے مرد کے نیت امامت کو شرط قرار دیا گیا تاکہ یہ ضرر مرد کی رضامندی سے اس پر لازم آئے۔

والنمایش شرط لایۃ الامامۃ، یہاں سے صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام کا امامت کی نیت کرنا اسی وقت شرط ہے جب کہ عورت امام کی میذابیہ ہو اس کی مقتدی بنے، یعنی میذابیہ کی وجہ سے امام کی نماز جب می فاسد ہوگی جبکہ عورت نے اس کے میذابیہ ہو کر اقتداء کی ہو اور امام نے اس کی امامت کی بھی نیت کی ہو اور اگر عورت امام کے پیچھے کھڑی ہوئی تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یہ عورت کسی مرد مقتدی سے میذابیہ بن کر کھڑی ہوئی۔ دوم یہ کہ کسی مرد مقتدی کے میذابیہ بن کر کھڑی نہیں ہوئی۔ یعنی اس کے پیلو میں کوئی مرد نہیں ہے۔ اگر یہ عورت مرد مقتدی کے میذابیہ ہو کر کھڑی ہوئی تو صحیح یہ ہے کہ بغیر امامت کی نیت یہ عورت مقتدیہ نہیں ہوگی

اور اگر عورت کے پیلو میں کوئی مرد نہ ہو یعنی اس کا میذابیہ کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں امامت کی نیت کرنا امام نے شرط ہے اور ایک روایت میں شرط نہیں ہے۔ دونوں روایتوں کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بالفصل تو عورت میذابیہ نہیں ہے مگر اس کی ذات سے کوئی فساد بھی نہیں ہے لہذا اس بات کا احتمال ہے کہ وہ آگے بڑھ کر میذابیہ ہو جائے پس اگر اس احتمال کا اعتبار کیا جائے تو نیت امامت شرط ہوگی تاکہ فساد نماز اس کے تمام کرنے سے ہو اور اگر یہ احتمال ملحوظ نہ ہو تو نیت شرط نہیں ہوگی۔

دینی یہ بات کہ ان دونوں روایتوں میں سے نیت شرط ہونے کی روایت اور دوسری صورت میں یہ فرق ہے تو اس کا جواب دیا کہ اس صورت میں یعنی جب کہ عورت کسی مرد کے میذابیہ ہوئی ہو فساد بالفعل واقع ہے و دوسری صورت میں فساد کا امکان ہے یعنی جب کہ عورت امام کے پیچھے کھڑی ہوئی اور اس کے پیلو میں کوئی مرد نہ ہو۔ تو اس صورت میں فساد کا احتمال ہے کہ وہ آگے بڑھ کر مرد کے میذابیہ ہو جائے پس اس احتمال کو واقع پر قیاس کر کے نیت شرط کی گئی حتیٰ کہ اگر اعتبار نہ کریں تو نیت شرط نہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت ہے۔ (منہ)

علامہ بدرالدین عینی شارح ہدایہ نے لکھا ہے کہ فاضل مصنف کے پیش کردہ صورت اول اور دوسری روایت (عدم اشتہا نیت) کے درمیان فرق برتا ہے اس اب فرق یہ ہوگا کہ صورت اول میں چونکہ قصد نماز لازم ہے اس لئے نیت شرط ہے تاکہ قصد نماز کے التزام سے ہو اور دوسری صورت میں فساد چونکہ محتمل ہے اس لئے نیت کی شرط نہیں لگائی گئی۔

### محاذات کی شرائط

مِنْ شَرَائِطِ الْمُحَاذَاةِ أَنْ تَكُونَ الصَّلَاةُ مُشْتَرَكَةً وَأَنْ تَكُونَ مُطْلَقَةً وَأَنْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ الشَّهْوَةِ وَأَنْ لَا يَكُونَنَّ بَيْنَهُمَا حَائِلٌ لِأَنَّهَا عُرِفَتْ مُفْسِدَةً بِالنَّصِّ بِخِلَافِ ابْتِغَائِ قِيَاسِ فِيمَا عَنِ جَمِيعِ مَا وَرَدَ فِيهِ النَّصُّ

ترجمہ اور محاذات مفسدوں کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ نماز مشترکہ ہو اور یہ کہ نماز مطلقہ ہو، اور یہ کہ عورت اہل شہوت سے ہو اور یہ کہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو کیونکہ محاذات کا مفسد ہونا خلاف قیاس نص سے معصوم ہوا ہے پس ان تمام امور کی رعایت میں جانے کی جن کے ساتھ نص وارد ہوئی ہے۔

تشریح اس عبارت میں محاذات مفسدہ کی چند شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ دونوں کی نماز تحریمہ اور اداء کے اندر مشترک ہو۔ تحریمہ میں مشترک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر ہو یا ان دونوں میں ایک نے دوسرے کے تحریمہ پر بناء کی ہو یا اس طور کہ عورت اور مرد میں سے ایک امام اور دوسرا مقتدی ہو۔ اور اداء میں اشتراک کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز وہ دونوں ادا کریں گے اس میں ان دونوں کے لئے کوئی امام ہو حقیقہ یا حکماً مثلاً ایک مرد اور عورت نے تیسری رکعت میں امام کی اقتداء کی پھر ان دونوں کو حدیث ہوا تو وہ دونوں گئے چہرہ آ کر پڑھنے لگے اور عورت اس کی محاذی ہوئی۔ پس اگر عورت امام کی تیسری اور چوتھی رکعات میں محاذی ہوئی جو ان دونوں کی پہلی اور دوسری ہے تو مرد کی نماز اس محاذات کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی کیونکہ تیسری اور چوتھی رکعات میں تحریمہ اور اداء دونوں اعتبار سے اشتراک ہے اشتراک فی التحریمہ تو اس لئے ہے کہ دونوں کے تحریمہ کی بناء امام کے تحریمہ پر ہے اور اشتراک فی الاداء اس لئے ہے کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں دونوں کے لئے ایک امام سے اگرچہ حکماً ہے صلاً ان سے ہے کہ جب یہ دونوں وضو کے لئے گئے تھے تو امام اپنی نماز پوری کر چکا تھا پس تیسری اور چوتھی رکعت میں یہ دونوں لاحق ہوں گے ورنہ لاحق کے لئے اگرچہ حقیقتاً امام نہیں ہوگا مگر صلاً امام ہوتا ہے۔

اور اگر بعد کی دونوں رکعتیں پڑھ کر اپنی تیسری اور چوتھی (جو درحقیقت ان کی پہلی اور دوسری ہے) میں جائز محاذی نبی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ پہلی اور دوسری رکعت میں یہ دونوں مسبوق ہیں اور مسبوق جب اپنی فوت شدہ رکعتوں کو پڑھتا ہے تو اس کے لئے نہ حقیقتاً امام ہوتا ہے اور نہ حکماً امام ہوتا ہے پس ان دونوں رکعتوں میں شرکت فی التحریمہ اگرچہ موجود ہے مگر شرکت فی الاداء موجود نہیں۔ اس لئے اس صورت میں محاذات مفسدہ نماز نہیں ہوگی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نماز مطلقہ (رکوع سجدہ والی) ہو اگرچہ کسی عذر سے اس کو اشارہ سے داکر تے ہوں چنانچہ نماز جنازہ میں محاذات مفسدہ نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورت شہتات (قابل شہوت) سوخواہ یہ عورت پانڈی ہو یا آزاد خواہ بیوی ہو یا بھتیجی وغیرہ محرمہ ہو۔

چونکہ شرط یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو مثلاً استون یا کوئی در چیز یا اتنی جگہ خالی ہو کہ اس میں ایک مرد کھڑا ہو جائے۔  
ان مذکورہ شرطوں کی دلیل یہ ہے کہ محض ذات کا مفسد نماز ہونا خلاف قیاس ہے یعنی اَخْشَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اخْتَرَهُنَّ اللہ سے معلوم ہوا ہے لہذا ان تمام امور کی رعایت رکھی جائے گی جن کے ساتھ نص وارد ہوئی۔

صاحب عنایہ نے اس استدلال کو مسترد کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ اس حدیث میں نماز ہی کا ذکر نہیں چاہئے کہ ان قیود کا ذکر ہو یا نہ ہو بعض حضرات نے ان قیود کو ثابت کرنے کے لئے بڑے بڑے تفکرات سے کام لیا ہے اس کے لئے علامہ الہند مولانا عبدالحقؒ کا حاشیہ بہرہ یہ ملاحظہ کیجئے۔<sup>۱</sup>

## عورتوں کے لئے جماعت کی نماز میں شرکت کا حکم

وَبُكْرَهُ لَهِنَّ حُضُورُ الْحَمَاعَاتِ، بَعْضِي السَّوَاتِ مِنْهُنَّ لِمَا فِيهِ مِنْ خَوْفِ الْفِتْنَةِ

ترجمہ۔ اور عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے مراد جو ان عورتیں ہیں کیونکہ ان کی ضروری میں فتنہ کا خوف ہے۔

تشریح۔۔۔ جو ان عورتوں کو جماعتوں میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ ما شافعی نے کہا کہ عورتوں کا مسجد کی طرف ٹھکانا مباح ہے امام شافعی کی دلیل حضور ﷺ کا قول لَا تَمْعُرُوا آفَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ ہے یعنی اللہ کی عبادتوں میں مسجد سے مت روو اور ایک روایت میں ہے إِذَا اسْتَأْذَنْتُمْ أَحَدَكُمْ أَمْرًا تَهْتَدُ إِلَيْهِ لِمَسْجِدٍ فَلَا يَمْنَعُهَا یعنی جب تم میں سے کسی سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع نہ کرے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جو ان عورتوں کی ضروری میں فتنہ کا خوف ہے اس لئے ان کو مسجد میں حاضر ہونے سے روکا جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد کی طرف نکلنے سے منع کیا تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کا علم ہو جاتا جس کا امر کو ہے تو آپ بالکل اجازت نہ دیتے ایک روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حضور ﷺ جب مسجد کی حالت ایسی دیکھیں جو عورتیں ممنوع ہو میں تم بھی منع کی جاتیں۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ اپنے اندر سے اتنی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے أَنَّهَا النَّاسُ اِهْوَا بِسَاءِ كُمْ عَنْ لُبْسِ الرِّبَاسِ وَالسَّخْرِ فِي الْمَسَاجِدِ فَإِنَّ نِسَاءَ إِسْرَائِيلَ لَمْ يَلْعَمُوا حَتَّى لَسَتْ نِسَاءُ هُمْ اِزْيَنَسَةُ وَتَخْتَرُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی اب وہ اپنی عورتوں کو مسجدوں میں زینت اور تہیر کا لباس پہننے سے منع کرو کیونکہ بنو اسرائیل ملعون نہیں ہوئے یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے مسجد میں زینت اور فخر و غرور کا لباس پہنا کیونکہ ہمارے اس زمانے میں فساد کا غلبہ ہے اس لئے غیر مزین عورتوں کو بھی منع کیا گیا ہے۔

## بوزھی عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت کا حکم اقوال فقہاء

وَلَا نَأْسُ لِلْفَجُورِ أَنْ تَخْرُجَ فِي الْمَحْجَرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَخْرُجْنَ فِي الصَّلَواتِ كُنْهَآ



لَا تِلْكَ لَا فِتْنَةٌ لِقَدِّ الرَّغْبَةِ فَلَا يُكْرَهُ كَمَا فِي الْعِيدِ وَلَهُ أَنْ فَرَطَ الشَّبَقِ حَامِلٌ فَتَنَعَ الْفِتْنَةَ غَيْرَ أَنْ الْفَسَاقَ إِسْشَارُهُمْ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ أَمَّا فِي الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ هُمْ نَائِمُونَ وَفِي الْمَغْرِبِ بِالطَّعَامِ مَشْغُولُونَ وَالْحَبَانَةُ مُتَسِعَةٌ فَيُؤْمَرُ بِهَا الْإِعْتِرَالُ عَنِ الرَّجَالِ فَلَا يُكْرَهُ

ترجمہ اور بڑھتی عورت کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ فجر، مغرب اور عشاء میں نکلے اور یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے کہا کہ بڑھی عورتیں تمام نمازوں میں نکلیں کیونکہ (بڑھی عورتوں میں) رغبت کی کمی کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں ہے پس مکروہ نہیں ہے کہ عید میں اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے پس فتنہ واقع ہوگا۔ مگر یہ کہ فساق ظہر، عصر اور جمعہ میں چھپے رہتے ہیں اور فجر و عشاء میں سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں گئے رہتے ہیں جنگل وسیع ہوتا ہے پس وسیع میدان میں عورتوں کے سے مردوں سے لگ رہنا ممکن ہے اس لئے (عید میں) نکلنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح حضرت امام ابوحنیفہ نے بڑھی عورتوں کو ظہر اور عصر کے وقت میں نکلنے سے منع کیا ہے البتہ فجر عشاء اور مغرب کے وقت نکلنے کی اجازت دی ہے اور صاحبین نے بڑھی عورتوں کو تمام نمازوں میں نکلنے کی اجازت دی ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بڑھی عورتوں کی طرف میاں طبع کم ہونے کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں ہے اس لئے ان کا نکلنا بھی مکروہ نہیں ہے جیسا کہ عید میں نکلنا بالاتفاق جائز ہے رہی یہ بات کہ عید میں نکلنا عید کی نماز کے لئے یا بغیر نماز کے سو اس بارے میں امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت جس کو حسن نے روایت کیا یہ ہے کہ بڑھی عورتیں نماز عید کے لئے نکلیں اور آخری صف میں کھڑی ہو کر مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہو سرائل جماعت میں سے ہیں۔

دوسری روایت جس کو معنی نے ابو یوسف سے اور ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا یہ ہے کہ عید میں بڑھی عورتوں کا نکلنا تکثیر جماعت کے لئے ہے یعنی ایک طرف کھڑی ہو جائیں اور مردوں کے ساتھ نماز نہ پڑھیں کیونکہ بطریق صحت یہ بات ثابت ہے کہ حضور نے حبشہ والی عورتوں کو عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا حالانکہ وہ اہل نماز میں سے نہیں تھیں پس معلوم ہوا کہ عید میں نکلنا نماز عید کے لئے نہیں ہے بلکہ مجمع کو زیادہ کرنے کے لئے ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے ہذا بڑھی عورتوں کے نکلنے میں بھی فتنہ واقع ہوگا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ فسق لوگ ظہر اور عصر اور جمعہ کے اوقات میں پھرتے رہتے ہیں اس لئے ان اوقات میں بڑھی عورتیں نہ نکلیں رہا فجر و عشاء کے وقت میں تو وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ان تینوں اوقات میں فاسقوں سے امن ہے اس لئے ان تینوں اوقات میں بڑھی عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صاحبین کا عید میں نکلنے پر قیاس درست نہیں کیونکہ عید کی نماز بالعموم جنگل میں ہوتی ہے اور جنگل وسیع ہوتا ہے پس وسیع میدان میں بڑھی عورتوں کا مردوں سے ایک طرف ہونا ممکن ہے اس لئے اس کا عید میں نکلنا مکروہ نہیں ہے۔

فوائد آج کل چونکہ فساد عام ہے اس لئے تمام نمازوں میں بڑھی عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے۔ (عنایہ)

### طاہرہ کے لئے مستحاضہ کی اقتداء کا حکم

قَالَ وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُسْتَحَاضَةِ وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَقْوَى حَالًا مِنَ الْمَعْدُورِ وَالشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مَا هُوَ فَوْقَهُ وَالْإِمَامُ ضَامِنٌ بِمَعْنَى تَضَمَّنَ صَلَاتُهُ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي

ترجمہ اور پاک مرد اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جو مستحاضہ کے حکم میں ہے اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے نماز پڑھے کیونکہ تندرست کا حال بہ نسبت معذور کے اقویٰ ہے اور شے اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی حالانکہ اہل مضامن ہے ابابن معنی کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے۔

تشریح مستحاضہ اور جو مستحاضہ کے حکم میں ہے فقہاء کی اصطلاح میں اس کو معذور کہتے ہیں پس اب صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ پاک مرد معذور مرد کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور نہ پاک عورت مستحاضہ عورت کے پیچھے پڑھے۔

دلیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس طرح تمام مسائل کی اصل حضور ﷺ کا قول لام مضمین ہے اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے یہ معنی نہیں کہ امام مقتدی کی نماز کا ذمہ دار یعنی مکلف ہے دوسری بات کہ شے اپنے سے کمتر کو متضمن ہوتی ہے یا اپنے ہم مثل کو لیکن اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی۔

اب دلیل کا حاصل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں مقتدی چونکہ پاک اور غیر معذور ہے وراہم معذور کے حکم میں ہے اس لئے مقتدی کی نماز کا حال امام کی نماز سے اقویٰ اور ارفع ہے اور امام کی نماز کا حال کمتر اور ادنیٰ ہے اور چونکہ کمتر و راضع اقویٰ کو متضمن نہیں ہوتا اس لئے امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں ہوگی حالانکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے اس لئے پاک اور غیر معذور مرد کا معذور کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

اس طرح پاک عورت کی نماز مستحاضہ کے پیچھے درست نہیں ہوگی کیونکہ مستحاضہ کی نماز کا حال مقتدی عورت کی نماز کے حال سے ناقص ہے۔

قاری کے لئے امی اور کپڑے پہننے والے کے لئے ننگے کی اقتداء کا حکم  
وَلَا يُصَلِّي الْقَارِي خَلْفَ الْأُمِّيِّ وَلَا الْمُكْتَسِي خَلْفَ الْعَارِي لِقُوَّةِ حَالِهِمَا

ترجمہ اور قاری امی کے پیچھے نہ پڑھے اور نہ کپڑا پہننے والا ننگے کے پیچھے پڑھے کیونکہ قاری اور مکتسی کا حال بہ نسبت امی اور ننگے کے اقویٰ ہے۔

تشریح۔ مسئلہ اور اس کی دلیل واضح ہے۔

متوضمین کے لئے متیم کی اقتداء کا حکم۔۔۔ اقوال فقہاء

وَيُجُوزُ أَنْ يَتَوَكَّلَ الْمُتَوَضِّئِينَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيقَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَحُورُ لِأَنَّهُ طَهَّارَةٌ

ضَرُورَتُهُ وَالطَّهَارَةُ بِالْمَاءِ أَصَبِيَّةٌ وَلَهُمَا أَنَّهُ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ وَلِهَذَا لَا يَتَقَدَّرُ بِمَقْدَرِ الْحَاحَةِ

ترجمہ اور تیمم کرنے والے کے لئے وضو والوں کی امامت کرنا جائز ہے اور یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے وراہ محمدؐ نے کہا کہ جائز نہیں کیونکہ تیمم تو طہارت ضروریہ ہے اور پانی کے ساتھ طہارت کرنا اصلی ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے اسی وجہ سے وہ قدر حاجت تک مقدر نہیں۔

تشریح اس بارے میں اختلاف ہے کہ متوحی تیمم کی اقتدا کر سکتا ہے یا نہیں شیخین نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور امام محمدؐ عدم جواز کے قائل ہیں۔

امام محمدؐ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور طہارت بالماء طہارت اصلیہ ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص طہارت اصلیہ پر مشتمل ہے اس کا حال اقویٰ ہے بانسبت اس کے حال کے جو طہارت ضروریہ پر مشتمل ہو پس معلوم ہوا کہ مقتدی کا حال امام کے حال سے اقویٰ ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ ادنیٰ حال والا شخص اقویٰ و رافع حال والے کی امامت نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم نے کہا کہ تیمم کے لئے متوضیین کی امامت کرنا جائز نہیں ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ غیر موقتہ ہے یعنی تیمم مطلق طہارت ہے مستحضہ کی طہارت کی طرح موقت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تیمم قدر حاجت کے ساتھ مقدر نہیں ہے بلکہ دس سال تک بھی گری پانی دستیاب نہ ہو یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم مشروع رہے گا پس جب تیمم طہارت مطلقہ ہوا تو تیمم اور متوضی دونوں کا حال یکساں ہو اور جب دونوں کا حال یکساں ہے تو ایک دوسرے کی امامت کر سکتا ہے۔

### غاسلین کے لئے مسح کی اقتداء کا حکم

وَيَوْمَ الْمَسَاحِ الْغَاسِلِينَ لِأَنَّ الْحُفَّ مَاعٍ سَرَايَةِ الْخُذْبِ إِلَى الْقَدِيمِ وَمَا حَلَّ بِالْخُفِّ بِزَيْلِهِ الْمَسْحُ بِخِلَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ لِأَنَّ الْحَدَثَ لَمْ يُعْتَبَرْ ذَوَالَهُ شَرْعًا مَعَ قِيَامِهِ حَقِيقَةً

ترجمہ اور مسح کرنے والا دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے کیونکہ موزہ حدث کو قدم تک سرایت کرنے سے روکنے والا ہے اور جو کچھ موزہ میں حلول کر گیا اس کو موزہ دور کر دے گا برخلاف مستحضہ کے کیونکہ حدث ایسی چیز ہے جس کا زوال شرعاً معتبر نہیں ہے باوجود یہ کہ حدث حقیقیہ موجود ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے دلیل یہ ہے کہ صاحب خف نے اپنے پاؤں دھو کر موزے پہنے ہیں اور موزہ قدم تک حدث کو سرایت کرنے سے منع کرتا ہے تو یہ شخص پیروں کا دھونے والا باقی رہا۔ یہ کہ حدث موزہ میں حوال کر گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ موزہ میں حلول کر گیا اس کو مسح دور کر دیتا ہے اس لئے موزہ والے کی طہارت دھونے کے مثل باقی ہے۔

اس کے برخلاف مستحاضہ عورت ہے یعنی جس کے پیچھے معذور ہونے کی وجہ سے اقتداء جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معذور کا حدیث درحقیقت قائم ہے پس حدیث موجود ہونے کے باوجود شریعت نے اس کو معذور رکھا ہے ایسا نہیں کہ حدیث کو اکل قرار دیا ہو پس چونکہ معذور کے ساتھ حقیقت حدیث قائم ہے اس لئے غیر معذور کے واسطے معذور کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

### قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کا حکم

وَيُضَلِّي الْقَائِمُ حَلْفَ الْقَاعِدِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَحُورُ وَهُوَ الْقِيَاسُ لِقُوَّةِ حَالِ الْقَائِمِ وَنَحْنُ تَرْكَاةُ بِالنَّصِّ وَهُوَ مَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى أَحْرَمَ صَلَاتِهِ قَاعِدًا وَالْقَوْمُ حَلْفَهُ قَامًا

ترجمہ اور بھڑا ہونے والے پیچھے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور امام محمد نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے کیونکہ قائم کا حال قوی ہے اور ہم نے قیاس کو نص کی وجہ سے چھوڑ دیا اور نص وہ حدیث ہے جو روایت کی گئی کہ حضور ﷺ نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور قوم آپ کے پیچھے کھڑی تھی۔

تشریح مسند قائم قاعد کی اقتداء درست ہے۔ امام محمد نے کہا کہ قائم کے لئے قاعد کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ یہی مقتضائے قیاس ہے کیونکہ قائم کا حال قاعد سے قوی ہے پس جس طرح تندرست کے لئے اس مریض کی اقتداء جائز نہیں جو اشارے سے نماز پڑھتا ہے کیونکہ تندرست کا حال اس مریض سے قوی ہے اسی طرح قائم کے لئے قاعد کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن ہم نے اس قیاس کو نص کی وجہ سے ترک کر دیا۔ نص سے مراد یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ جب مرض وفات میں مبتلا ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر سے ہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا ئیں یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ ابو بکر رقیق القلب آدمی ہیں جب آپ کی جگہ مصی پر کھڑے ہوں گے تو اپنے اوپر قابو نہیں پائیں گے اس لئے کہی اور نماز پڑھانے کے لئے فرمادیں۔ ما شہدے یہ بات دوبارہ کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسن صواحبات یوسف ابو بکر سے ہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پس جب صدیق اکبر نے نماز شروع کی تو آپ ﷺ نے مرض میں افتادہ محسوس کیا پھر حضرت عباسؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ مہارالے کر مسجد تشریف لائے پس جو ہی ابو بکر نے آپ ﷺ کی آمد کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹ گئے اور حضور ﷺ آگے بڑھے اور بیٹھ کر نماز پڑھی اور ابو بکر آپ ﷺ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے اور لوگ ابو بکر کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے۔ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور ابو بکر آپ ﷺ کی تکبیر کی آواز سن کر تکبیر کہتے اور لوگ ابو بکر کی تکبیر سن کر تکبیر کہتے تھے یہ حضور ﷺ کی آخری نماز ہے جس میں آپ ﷺ نے امامت فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہو کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے۔

### مومی کے لئے مومی کی اقتداء کا حکم

وَيُضَلِّي الْمُؤَمِّي حَلْفَ مِثْلِهِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْحَالِ إِلَّا أَنْ يُؤَمِّي الْمُرْتَمِعَ قَاعِدًا أَوْ الْإِمَامَ مُضْطَجِعًا لِأَنَّ الْقُعُودَ مُعْتَبَرٌ فَيَنْتَبِهُ بِهِ الْقُوَّةُ

ترجمہ : اور نماز پڑھے اشارہ کرنے والے اپنے مثل اشارہ کرنے والے کے پیچھے کیونکہ حالت میں دونوں برابر ہیں مگر یہ کہ مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرے اور امامت لیٹ کر کیونکہ قعود تو معتبر ہے پس اس کے ساتھ قوت ثابت ہوگی۔

**تشریح** مسئلہ : اشارے سے نماز پڑھنے والا اپنے ہم مثل اشارے سے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے اگرچہ امام بیٹھ کر اشارہ کرتا ہو اور مقتدی کھڑا ہو کر اشارہ کرے۔ کیونکہ کھڑے ہو کر اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں قیام رکن نہیں رہتا بلکہ نہ ترک کرنا ولی ہوتا ہے پس یہ قیام عدم قیام کے حکم میں ہے۔

حاصل دلیل یہ ہے کہ امام اور مقتدی حالت میں دونوں مساوی ہیں ہذا ایک کا دوسرے کی اقتداء کرنا جائز ہوگا۔  
ہاں اگر مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرتا ہو اور امام لیٹ کر تو اس صورت میں اقتداء جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قعود تو معتبر رکن ہے۔ اور معتبر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کو بیٹھ کر اشارہ کرنے کی قدرت ہو تو لیٹ کر اشارہ کرے ساتھ نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قعود معتبر رکن ہے اور جب قعود معتبر رکن ہے تو اس کے ساتھ مقتدی کے حال سے قوت ثابت ہوگی جو امام کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اور چونکہ اقلہ کی حال والے کے لئے غیر اقویٰ حال والے کی اقتداء جائز نہیں ہے اس لئے بیٹھ کر اشارہ کرنے والے کے لئے لیٹ کر اشارہ کرنے والے کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

### راکع اور ساجد کے لئے مومنی کی اقتداء کا حکم

وَلَا بُصَلِّيَ الَّذِي يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ الْمُؤْمِنِي لِأَنَّ حَالَ الْمُفْتَدِي أَقْوَى وَفِيهِ خِلَافٌ وَفَرَقٌ

ترجمہ : اور رکوع اور سجدہ کرنے والا مقتداء نہ کرے اشارہ کرنے والے کے پیچھے کیونکہ مقتدی کی حالت اقویٰ ہے اور اس میں امام زکریٰ کا اختلاف ہے۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ امام زکریٰ نے کہا کہ اشارہ کرے وہ رکوع و سجدہ کرے کی امامت کر سکتا ہے۔ امام زکریٰ کی دلیل یہ ہے کہ اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے والے سے رکوع اور سجدہ کا بدلہ ساقط ہوئے جتنی رکوع و سجدہ اگرچہ ساقط ہو گئے لیکن ان کا بدلہ جتنی اشارہ موجود ہے اور بدلے کے ساتھ دامن ایسا ہے جیسے اصل کے ساتھ ادا کرنا ایسی وجہ ہے کہ متمم متوضیئین کی امامت کر سکتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مقتدی کا حال اقویٰ ہے اور امام کا اضعف اور سابق میں یہ صوبہ گذر چکا ہے کہ اضعف اقلہ کی حالت والے کی امامت نہیں کر سکتا۔ رہا یہ اشارہ رکوع اور سجدہ کا بدلہ ہے سو ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کیونکہ اشارہ رکوع اور سجدہ کا بعض ہے اور بعض شکی شکی کا بدلہ نہیں ہوتا۔

### مفترض کے لئے متفعل کی اقتداء کا حکم

وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَفَعِّلِ لِأَنَّ الْإِقْتِدَاءَ بِنَاءٌ وَوَصْفُ الْفَرِصَةِ مَعْدُومٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ فَلَا يَتَحَقَّقُ لِبِنَاءٍ عَلَى الْمَعْدُومِ

ترجمہ اور فرض ادا کرنے والے شخص ادا کرنے والے کے پیچھے نہ پڑھے کیونکہ اقتداء کرنا بناء ہے حالانکہ امام کے حق میں فرضیت کا وصف محدود ہے پس بناء کرنا محدود پر متعلق نہ ہوگا۔

تشریح مفترض کے لئے متغفل کے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اقتداء نام ہے بنا کرنے کا اور بناء امر و جودی ہے نہ کہ امر عدلی اور بناء امر و جودی اس لئے ہے کہ بناء نام ہے ایک شخص کا دوسرے شخص کی متابعت کرنا اس کے افعال میں مع ان کی صفات کے اور یہ بات ظاہر ہے کہ متابعت مفہوم و جودی ہے نہ کہ مفہوم سہمی اور امر و جودی کی بناء امر عدلی پر صحیح نہیں ہے پس چونکہ مسئلہ مذکورہ میں وصف فرضیت امام کے حق میں محدود ہے اس لئے بناء کرنا متعلق نہیں ہوگا اگر جب بناء کرنا متعلق نہیں ہو تو اقتداء کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

### ایک فرض والے کے لئے دوسرے فرض والے کے پیچھے نماز کا حکم

قَالَ وَ لَمْ يَنْصَحْنِي فَرَضًا خَلْفَ مَنْ يُصَلِّي فَرَضًا آخِرًا لِأَنَّ الْإِقْدَاءَ شُرُكَةٌ وَمُؤَافَقَةٌ فَلَا يَدَّ مِنَ الْإِتِّحَادِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِصَحْحٍ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْإِقْدَاءَ عِنْدَهُ آدَاءٌ عَلَى سَبِيلِ الْمُؤَافَقَةِ وَعِنْدَ مَا مَعَى التَّضَمُّنِ مُرَاعَاةٌ

ترجمہ اور نہ اقتداء کرے وہ شخص جو فرض پڑھتا ہے پیچھے اس شخص کے جو دوسرا فرض پڑھتا ہے کیونکہ اقتداء تو شرکت اور موافقت کا نام ہے اس لئے تنہا ضروری ہے اور امام شافعی کے نزدیک ان سب صورتوں میں اقتداء صحیح ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک اقتداء علی سبیل الموافقت ادا کرنے کا نام ہے اور ہمارے نزدیک تضمن کے معنی ملحوظ ہیں۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء نہ کرے مثلاً ظہر کی نماز پڑھنے والے کی اقتداء عصر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقتداء نام ہے تحریم کے اندر شرکت اور افعال بدینہ کے اندر موافقت کا۔ اور شرکت میں موافقت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ دونوں کے تحریم اور افعال میں اتحد ہو اور چونکہ مذکورہ صورت میں اتحد نہیں اس لئے اقتداء بھی درست نہیں ہوگی۔

امام شافعی کے نزدیک مذکورہ تمام صورتوں میں اقتداء درست نہیں ہے یعنی رکوع سجدہ کرنے والے اشارہ کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے اسی طرح مفترض متغفل کی اور ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اِقْدَاءٌ عَلَى سَبِيلِ الْمُؤَافَقَةِ ارکان کے ادا کرنے کا نام ہے یعنی صرف افعال میں موافقت ہو پس گویا ان کے نزدیک ہر شخص اپنی نماز میں منفرد ہے اور جماعت صرف کسی قدر ہے کہ افعال جو ہر ایک دوسرے سے جدا ہے وہ ایک ساتھ ادا کریں پس اس دلیل سے معلوم ہوا کہ شوافع نے نزدیک صرف افعال کے اندر موافقت ضروری ہے شرکت فی تحریم ضروری نہیں ہے اور جب شرکت فی اتحد یہ ضروری نہیں تو ایک فرض ادا کرنے والا دوسرا فرض ادا کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے اور ہمارے نزدیک موافقت کے ساتھ تضمن کے معنی بھی ملحوظ ہیں یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے حتیٰ کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور امام کی نماز کے صحیح ہونے سے مقتدی کی نماز درست ہو جائے گی۔ ضمانت امام کی دلیل حدیث ابو ہریرہؓ اَلْإِمَامُ ضَامِنٌ ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا یہ ہے جیسے کہ ایک شخص آچھ اگوں کی دعوت کرے اور اگلے کا نظم بھی خواہ وہ نماز کی بدعت نہ ہو۔ اور امام شافعی کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا یہ ہے جیسے چھواک

پنے گھ سے کھانا لاکر کسی ایک آدمی کے دسترخوان پر جمع ہو کر تناول کر میں۔ تو ویسے صرف کھانا کھانے میں موافقت پائی گئی  
وہی کی کاغذ دار اور ضامن نہیں ہوا۔

ماہ شہری کا استدلال اس مسئلہ میں کہ مفتقرض کی نماز متفصل کے پیچھے جائز ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ اَنْ  
مَعَادًا كَانَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّيُهَا بِفَرَمِهِ فَيُؤْتِي بَنِي سَلَمَةَ فَكَانَ صَلَاةَ قَوْمِهِ  
فَرَضًا وَصَلَاتُهُمْ صَلَاتُ بَنِي سَلَمَةَ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے پھر واپس جا کر بنو سلمہ میں اپنی قوم کو پڑھاتے  
پس معاذ کی قوم کی نماز فرض ہوتی اور معاذ کی نماز نفل ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مفتقرض کی نماز متفصل کے پیچھے جائز ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ہوتا ہے کہ معاذ بنیت نفل حضور کے ساتھ نماز پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کو فرض پڑھاتے  
ہوں۔ پس اس احتمال کے ساتھ امام شافعی کا استدلال درست نہیں ہوگا۔ ہماری طرف سے یہ بھی جواب ہے کہ مفتقرض کا متفصل کی  
اقتداء نہ جائز ہوتا تو صلوة خوف میں یہ طریقہ مشروع نہ ہوتا کہ آدمی نماز ایک صاف کو پڑھ لے اور آدھی دوسرے طائفہ کو بلکہ سرورہ کو  
پوری پوری نماز پڑھا دی جاتی چنانچہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ایک زمانہ بعد دوسروں کو ایک  
نماز آدھی پڑھائی و درمیان میں سرورہ کو نماز کے منافی اعلان کر کے پڑے پس اگر مفتقرض کے لئے متفصل کی اقتداء کرنا جائز ہوتا  
تو آپ سرورہ کو پوری نماز پڑھا دیتے آدھی نہ پڑھاتے۔

### متفصل کے لئے مفتقرض کی اقتداء کا حکم

وَيُصَلِّي الْمُسْتَفِلُّ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ لِأَنَّ الْحَاجَةَ فِي حِفْظِهِ إِلَى أَصْلِ الصَّلَاةِ وَهُوَ مَوْحُوذٌ فِي حَقِّ الْإِمَامِ فَيَحَقِّقُ  
الْبَاءُ

ترجمہ اور نماز پڑھنے متفصل مفتقرض کے پیچھے چونکہ متفصل اصل نماز کی حاجت ہے اور وہ امام کے حق میں موجود ہے پس بنا کر  
متحقق ہو جائے گا۔

تشریح نفل د کرنے والے فرض دائرے والے اقتداء درست ہے۔ دلیل یہ ہے کہ متفصل کے حق میں صرف اصل نماز کی ضرورت  
ہے اور اصل نماز امام کے حق میں بھی موجود ہے اس لئے متفصل کا مفتقرض کے پیچھے بنا کر متحقق ہو جائے گا وجہ یہ ہے کہ نفل نماز سے  
ست سونے کے لئے مطلق نیت کافی ہے و مطلق نیت پر فرض بھی مشتمل ہے اس لئے اقتداء صحیح ہے۔

ایک شخص نے امام کی اقتداء کی پھر معلوم ہوا امام محدث ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے

وَمِنْ أَقْدَى بِإِمَامِهِمْ ثُمَّ عَمَهُ أَنَّ إِمَامَهُ مُحَدِّثٌ أَعَادَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَمَّ قَوْمًا ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهُ كَانَ مُحَدِّثًا أَوْ حَا  
أَعَادَ صَلَاتَهُ وَأَعَادُوا وَافَقَهُ حِلَافُ الشَّافِعِيِّ بَاءً عَلَى مَا تَقَدَّمَ وَنَحْنُ نَعْتَرُ مَعْنَى التَّصَمُّنِ وَدَبِغٍ فِي الْحَوَارِ  
وَالْفَسَادِ

ترجمہ اور جس نے کسی امام کی اقتداء کی پھر معلوم ہوا کہ اس کا امام محدث ہے تو نماز کا اعادہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے





الْمَوْحُوْدَ فِي حَقِّ الْاِمَامِ لَا يَكُوْنُ مَوْحُوْدًا فِي حَقِّ الْمُقْتَدِي

ترجمہ اور اُمرائی نے قاریوں کی ایک قوم ورامیوں کی ایک قوم کو نماز پڑھائی تو بوضیفہ کے نزدیک ان سب کی نماز فاسد ہے اور صاحبین نے کہا کہ امام کی نماز اور جو شخص قاری نہیں ہے ان کی نماز پوری ہے کیونکہ ایک معذور آدمی نے ایک معذور قوم کی امامت کی ہے ایسا ہو گیا جیسے امامت کی ننگے نے نگوں اور ستر ڈھکے ہوؤں کی۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ امام نے قدرت علی القرائت کے باوجود فرض قرائت ترک کر دیا (ہذا) امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور یہ بات اس لئے ہے کہ اُمرائی مذکور کسی قاری مقتدی کی اقتداء کریتا تو قاری کی قرائت اس کی قرائت ہو جاتی۔ بخلاف اس مسئلے کے اور اس کے مثل مسائل کے کیونکہ جو بات امام کے حق میں موجود ہے وہ مقتدی کے حق میں موجود نہ ہوگی۔

تشریح اُمی ان پڑھ منسوب ان اُمی یعنی جیسا اس کوس کی ماں نے جنا تھا ویسا ہی ہے اور کتاب اللہ حدیث اور زبان عرب میں بہاں بھی یہ غلط آیت ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو لکھنے اور پڑھنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ جو شخص قرآن کی ایک آیت پڑھ سکتا ہو امام بوضیفہ کے نزدیک وہ اُمی ہونے سے خارج ہوگا اور صاحبین کے نزدیک جو تین آیات یا ایک بڑی آیت پڑھنے پر قادر ہو وہ اُمی ہونے سے خارج ہوگا۔ (عناہ)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اُمرائی نے امیوں اور قاریوں کو نماز پڑھائی تو امام بوضیفہ کے نزدیک ان سب کو نماز فاسد ہوگی۔

صاحبین کا قول یہ ہے کہ امام اور غیر قاریوں کی نماز پوری ہو جائے گی اور جو مقتدی قرائت پر قادر ہیں ان کی نماز نہیں ہوگی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ایک معذور آدمی نے ایک معذور قوم کی امامت کی ہے اور یہ بالاتفاق صحیح ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے ایک ننگے آدمی نے نگوں اور ستر ڈھکے ہوؤں کی امامت کی ہو اس صورت میں بالاتفاق ننگے امام اور ننگے مقتدیوں کی نماز جائز ہے اور ستر ڈھکے ہوؤں کی فاسد ہے اسی طرح یہاں بھی اُمی امام اور اُمی مقتدیوں کی نماز جائز اور قاریوں کی فاسد ہوگی۔

امام بوضیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اُمرائی شخص قدرت علی القرائت کے باوجود فرض قرائت ترک کر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور چونکہ اس مسئلہ میں بھی اُمی امام یعنی اُمی نے قرائت پر قدرت ہونے کے باوجود فرض قرائت ترک کر دی ہے۔ اس لئے امام کی نماز فاسد ہو گئی اور جب امام کی نماز فاسد ہو گئی تو سب کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو صحت و فساد کے اعتبار سے متضمن ہوتی ہے یہ بات کہ امامی نے قدرت علی القرائت کے باوجود فرض قرائت اس طرح ترک کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُمرائی امام کسی قاری مقتدی کی اقتداء کر لیتا تو قاری کی قرائت اس کی قرائت ہو جاتی۔ کیونکہ حضور کا ارشاد ہے "مَنْ كَانَتْ لَهُ اِمَامٌ فَقَرَأَ الْاِمَامُ فَقَرَأَ" لہٰذا یہ اقتداء کرینا اس کے اختیار میں تھا تو اپنے اختیار سے چھوڑ دی ورنہ قاری کی قرائت اُمی کی قرائت ہو جاتی۔

اس کے برخلاف ننگے ہوؤں کا مسئلہ ہے اور اس کے مثل مسائل ہیں مثلاً گونگے آدمی نے گونگوں اور قاریوں کی امامت کی یا شاردہ کرنے والے نے پند اشارہ کرنے والوں اور پچھ قدرت علی السجود کی امامت کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مسائل میں جو بات امام کے واسطے حاصل ہے وہ مقتدی کے لئے موجود نہ ہو سکے گی یعنی ستر ڈھکے ہوئے شخص نے امامت کی تو مقتدی کے حق میں شریعت نے یہ حکم نہیں دیا کہ مقتدی کا ستر ڈھک گیا یا امام کے رکوع و رجدہ دائرے سے مقتدی کا رکوع اور رجدہ دوا ہو گیا پس اس فرق کے ساتھ

ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

### قاری اور امی کے لئے الگ الگ نماز پڑھنے کا حکم

وَلَوْ كَانَ يُصَلِّي الْأُمِّيُّ وَحْدَهُ وَالْقَارِئُ وَحْدَهُ حَارَ هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَطْهَرَا رُعْبَةً فِي الْحَمَاعَةِ

ترجمہ اور امی تنہا نماز پڑھتا ہے اور قاری تنہا پڑھتا ہے تو جائز ہے یہی صحیح ہے کیونکہ ان دونوں سے جماعت کرنے کی رغبت ظاہر نہیں ہوتی۔

تشریح مسئلہ امی اور قاری علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں تو یہ جائز ہے اور یہی صحیح ہے اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں امی کی نماز جائز نہ ہوگی امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی امی قرأت پر قادر ہے اس طور پر کہ امی قاری کے پیچھے اقامت کرتا تو امی کے لئے بھی قرأت حاصل ہو جاتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امی و قاری دونوں کی طرف سے جماعت کرنے کی رغبت ظاہر نہیں ہوئی جب جماعت کی رغبت نہیں پائی گئی تو اب امی کا قدر بھی ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کو ناجائز خیال کیا جائے گا۔

امام نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر آخری دو میں امی کو مقدم کر دیا تو کیا حکم ہے

فَإِنَّ قَرَأَ الْإِمَامُ فِي الْأَوَّلَيْنِ ثُمَّ قَدَّمَ فِي الْآخَرَيْنِ أَمَّا قَسَدَتْ صَلَاتُهُمْ وَكَانَ زُفْرًا لَا تَقْدُرُ لِنَادِي قَرِئِ الْفِرَاءِ وَكَانَ كُلُّ رَكْعَةٍ صَلَوةً فَلَا تَخْلِي عَنِ الْفِرَاءِ فَإِمَّا تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا وَلَا تَقْدِيرًا فِي حَقِّ الْأُمِّيِّ لَا نَعْدَاهُ لِأَهْلِيَّةٍ وَكَذَلِكَ هَذَا لَوْ قَدَّمَ فِي التَّهْلُكَةِ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ جس اگر امام نے اول کی دونوں رکعتوں میں قرأت کر دی پھر خیر میں کیونکہ ایک کی نو آگے بڑھ دیا (خليفة مردیہ) تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام زفر نے کہا کہ فاسد نہیں ہوگی کیونکہ فرض قرأت د ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقتہً نماز ہے پس قرأت سے خالی نہ ہوگی۔ (خواہ قرأت) تحقیقاً ہو یا تقدیر ہو اور امی کے حق میں قرأت کا مقدم کرنا بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں اہلیت ہی نہیں ہے اور یوں ہی امی پر ہے اگر امام نے امی کو تشہد میں خليفة کر دیا۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نے اول کی دونوں رکعتوں میں قرأت کر دی پھر امام واحد ہو گیا اور اس نے بعد ازاں دو رکعتوں یا مغرب میں ایک رکعت کے واسطے کسی امی کو خليفة کر دیا تو سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ امام نہیں ہوگی۔ یہی ایک روایت امام ابو یوسف سے ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ فرض قرأت تو ادا ہو گیا اور آخرین میں قرأت فرض نہیں ہے بلکہ مسنون ہے اس وجہ سے آخرین کے واسطے خليفة بنانے میں قاری اور امی دونوں برابر ہیں ہذا آخر کی دو رکعتوں میں امی کو خليفة کرنے میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقتہً نماز ہے اس لئے کوئی رکعت قرأت سے خالی نہ ہوگی خواہ قرأت تحقیق ہو یا تقدیر ہو چنانچہ قرأت اولین میں تحقیقاً ہے اور آخرین میں تقدیر کیونکہ حدیث رسالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولین کی قرأت ہی آخرین کی قرأت ہے اور

اس کے حق میں ان دونوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے اسی کے حق میں تحقیق قرأت کا نہ سنا قاطع ہے اور مقتدی اس نے نہ ہوا نہیں اس میں اہلیت ہی نہیں ہے اور مقتدر نے اور اسی جگہ معتبر ہوتا ہے جہاں اس کی تحقیق ممکن ہو چکی ہو مقتدی کے حق میں تحقیق قرأت نہ ہو نہیں ہے اس لئے اس کے حق میں مقتدر نہ ہونا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

دی طرح اگر تشہد میں مقتدر تشہد بیٹھنے سے پہلے اسی وقت نہ ہوا یا تو ماسزؤ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی اور ہر سے نزدیک فی بد ہو جائے گی۔ اور اگر مقتدر تشہد بیٹھنے کے بعد خلیفہ یا تو امام صاحب سے نزدیک نماز فی بد ہو جائے گی اور صاحبین سے نزدیک فی بد نہیں ہوں اور بعض فقہاء کے یہ کہ تینوں حضرات کے نزدیک فی بد نہیں ہوں۔ والد قلی امام صاحب

## بَابُ الْحَدِيثِ فِي الصَّلَاةِ

ترجمہ: (یہ) باب نماز کے اندر حدیث پیش آنے کے (احکام کے بیان) میں ہے۔

تشریح: مصنف نے سابق میں مسند اسلوٰۃ عوارض سے عادت کے احکام کا ذکر کیا ہے اب اس باب میں ان عوارض و کثرت میں سے جو نماز و عوارض جو نماز کو فاسد دیتے ہیں چونکہ احکام سلامت حاصل ہیں اور اصل اور بالاعتقاد یہ ہوتا ہے اس لئے احکام سلامت و مقدم نہ دیا ہے۔

امام کو نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو کیا کرے بناء کا حکم

وَمَنْ سَلَّهُ الْحَدِيثُ فِي الصَّلَاةِ ابْصَرَفَ فَإِنْ كَانَ إِمَامًا اسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنَى وَالْقِيَاسُ أَنْ يَسْتَفِيلَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ الْحَدِيثَ يُبَايِعُهَا وَالْمَشْيُ وَالْإِنْجِرَافُ يُعِيدُ أَبْنَاءَ الْحَدِيثِ الْعُمْدَ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ فَاءَ أَوْ رَعَفَ أَوْ أَمْدَى فِي صَلَاتِهِ فَلْيُصْرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلَيْسَ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَهُ يَكْتَلُهُ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَقَاءَ أَوْ رَعَفَ فَلْيَصْ بَدَّةً عَلَى فَمِهِ وَلْيَقْدُدْ مَنْ لَهُ يَسْتَقِي بِسَيِّءٍ وَاللَّوْلَى فِيمَا يُسْقَى دُونَ مَا تَعَمَّدُهُ فَلَا يُلْحِقُ بِهِ

ترجمہ: جس شخص کو نماز میں حدیث پیش آگیا وہ چہرہ پر نہ کرے۔ یہ شخص امام ہو تو اپنا خلیفہ رکھے اور خود وضو کرے اور بنا کرے۔ اور قیاس یہ تھا کہ وہ نہ نوپڑے جسے دیکھی امام شافعی ہاتھوں سے یہ حدیث تو نماز کے منافی ہے اور چنانہ و رقبہ سے خرف مہا۔ اس نماز و قیاس سے ہیں پس یہ حدیث مشابہ ہو گیا حدیث حدیث۔ اور ہائی اصل آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے کہ جس کو بے سنی یا یہ چھوٹی یا بڑی نکل یا نماز میں تو وہ چہرہ پر نہ کرے اپنی نماز پر نہ کرے جب تک کہ مہا نہ ہو اور مشہور ہے کہ فرما دیا کہ بدت تم میں سے وہ نماز پڑھتے چہرے پر نہ کرے یہ غیر بچوت ہے تو پڑھنے سے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور غیر مسبوق کو خلیفہ مہا کرے اور بقا اہل حدیث میں نے جب اختیار پیش آئے نہ اس میں جس وقت کہ حدیث اختیار کی ہے اس حدیث لاحق نہ ہوگا۔

تشریح: صورت مسند یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز کے اندر حدیث پیش آگئی یعنی غیر اختیار کی حدیث پیش آیا بسو حدیث سمجھو کی کہا جاتا ہے تو یہی صورت میں فی الفور ہا کی وقف سے پھر جائے فی الفور نماز سے پھر جائے ہا حکم اس لئے ہے کہ حدیث کے بعد اگر ایک حدیث

خبر رہا تو یہ شخص نماز کا ایک جزء حدیث کے ساتھ ادا کرنے والا ہوگا۔ اور حدیث کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ پس نماز کا جو جزء حدیث کے ساتھ مقارن ہو کر ادا ہوا وہ فاسد ہوگا۔ اور چونکہ فسد جزء مستلزم ہے فسادِ کل کو اس لئے پوری نماز فاسد ہو جائے گی اور فسادِ جزء فسادِ کل کو اس لئے مستلزم ہے کہ فسد جزء متجزی نہیں ہوتا۔

یہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب نماز کا ایک جزء سرد ہو گیا تو باقی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ صلاۃ و احدۃ کی صحت اور فساد پوری نہیں ہوتی۔

اب یہ شخص جس کو حدت ہوا، مرہو تو مقتدیوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ مردے اور خلیفہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ اس کا پٹا پکڑ کر مہراب تک کھینچ کرے۔ اور خود وضو کر کے بناء کرے یعنی اس نماز کو وضو کے بعد پورا کرے۔

اور قیاس یہ ہے کہ از سر نو نماز پڑھے یہی امام شافعی کا قول ہے اور امام مالک بھی یہی کہتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حدیث نماز کے منافی ہے کیونکہ نماز طہارت کو مستلزم ہے۔ اور حدیث طہارت کے منافی ہے اور از سر نو نماز کے منافی ہے۔ امام شافعی کا منافی ہوتا ہے جس ثابت ہوا کہ حدیث طہارت کے واسطے نماز کے منافی ہے اور قاعدہ ہے کہ شے اپنے منافی کے ساتھ باقی نہیں رہتی ہذا نماز حدیث کے ساتھ باقی نہیں رہے گی اور جب حدیث کے ساتھ نماز باقی نہیں رہی تو از سر نو پڑھنا واجب اور لازم ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بناء کرنے کی صورت میں نماز کے دوران وضو کے لئے چٹا اور قبضہ سے منحرف ہونا، زمر آتا ہے اور یہ دونوں فعل نماز کو فسد کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز نماز کو فسد کر دے نماز اس کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ حدیث عہد کے ساتھ نماز باقی نہیں رہتی پس ثابت ہوا کہ مَسَّیٰ اور اِنْحِرَافِ عَنِ الْقِبْلَةِ کے ساتھ نماز باقی نہیں رہے گی۔ اور جب نماز باقی نہ رہی تو اس کا ادا نہ کرتے ضروری ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ غیر فطیہ کی حدیث حدیث عمد کے مشابہ ہے اور حدیث عمد میں ہر تعلق بناء جائز نہیں ہے۔ مگر اس حدیث میں بھی بناء جائز نہیں ہوگا۔ (اسر نو پڑھن) ضروری اور اپدی ہوگا۔

ہماری نیک یہ حدیث سے مَن قَاءَ اُزْرَعَفَ اَوْ اَمْدَىٰ فِی صَلَاتِهِ فَيُصْرَفُ وَلَيَتَوَضَّأُوْلَيْنِ عَلٰی صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَشْكَلْهُ  
عبارت کے ترجمہ کے عنوان کے تحت اس حدیث کا ترجمہ مذکور ہے۔

۱۰۔ سری دلیل حضورؐ کا یہ تو ہے اِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِقَاءَ أَوْ رَعَفَ فَلْيَصُحُّ نَدَاهُ عَلَى فِيمَا وَتَقَدَّمَ مَنْ لَمْ يُسَوِّ بِشَيْءٍ  
یعنی جب تم میں کوئی نماز پڑھے جس اس نے قے نہ نکلیں پھوٹی تو اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھے اور غیر مسبوق یعنی مدرک و آگے برآمد  
یعنی خفیہ نہ کرے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرک کو خفیہ مقرر کرے نہ کہ مسبوق کیونکہ اگر مسبوق کو خفیہ مقرر کیا گیا تو سلام  
پچھلے سے پہلے وہ کسی مدرک کو اپنا خفیہ مقرر کرے گا تا کہ مدرک سلام کے ساتھ دووں کی نماز پوری کر دے اور یہ مسبوق اپنی نماز  
پوری کرے جس مسبوق کو خفیہ مقرر کرنے میں تکرار استخفاف لازم آتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابتداء ہی سے غیر مسبوق یعنی مدرک کو  
خفیہ مقرر کیا جائے تاکہ تکرار استخفاف کی قباحت سے نجات حاصل ہو جائے۔

بہ حال حدیث مذکور سے جواز بناء کا ثبوت اس طور پر ہوگا کہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **وَلَسَنَ عَلٰی صَلَوتِهِ اَمَامٌ** کا

اولی مرتبہ درست ہے اس کے بناء کا موجب ہونا ثابت ہوگا یلین یہاں تک نکال ہوگا۔ وہ یہ کہ حدیث میں اَلَيْسَ صَاحِبِ امْرٍءٍ مَّوَدَّ بَنِيَّہِ۔ ہذا اولین علی صلاتہ بھی مفید و خوب کے ہے ہونا چاہیے۔ حالانکہ فقہاء حنفیہ و شافعیہ کے قائل ہیں ہیں۔ جو یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن فی الطہ قرآن فی الحکمہ و واجب نہیں کرتا اس کے یہ متنازعہ لغو ہے۔

مادہ زیر بحث، ارشدین اور فقہاء صیہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم) نے ان بات پر اجماع کیا ہے جس کے ہم قائل ہیں یعنی جواز ہوا پر نہ کہ وجوب بنا ہوا پر اور اجماع ان مجاہد سے قیاس متروک ہوا چاہتا ہے ہذا اولین علی صلاتہ کو، ولتوصلا پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

دوسری حدیث میں صرف اختلاف کا بیان ہے اور حضور کا قول مَنْ لَمْ يُسَلِّ بِسُنِّيٍّ اَفْضَلِیَّتِہِ کا بیان ہے یونکہ مد رک (غیر مسبق) بہ نسبت مسبق کے نماز پوری کرنے پر زیادہ قدر ہے ہذا مسبق کو خیفہ بتا نا خیانت ہوگا۔

وَاللَّوْی فَمَا يُسَوُّ اِنْ سَاہُ مَثَلُیَّ کے قیاس کا موجب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث سابق یعنی غیر اختیاری حدیث، حدیث محمد پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق موجود ہے۔ اس سے کہ غیر اختیاری حدیث میں ابتدا ہے یونکہ وہ بغیر اس کے فعل کے حاصل ہوتا ہے لہذا اس کو معذور قرار دینا جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف حدیث عمد کہ اس میں یہ بات نہیں ہے پس اس فرق کے مواتے ہوئے قیاس کرنا کس طرح درست ہوگا۔

### استیناف افضل ہے

وَالْاِسْتِیْنَاْفُ اَفْضَلُ تَحْوِزًا عَنْ شُبْہَةِ الْخِلَافِ وَفِي الْمُنْفَرِدِ يَسْقِلُ وَالْاِمَامُ وَالْمُقْتَدِي يَنْبِيْ صِيَامَةً بِقِصْدَةِ الْحَمَاعَةِ

ترجمہ اور زمر نو پر صہ افضل ہے تاکہ اختلاف کے شبہ سے حذر نہ ہو جائے۔ ور کہا گیا کہ منفرد استیناف کرے اور امام اور مقتدی بنا میں تاکہ جماعت کی فضیلت محفوظ رہے۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا کہ مسئلہ مذکور میں اگرچہ بناء کرنا جائز ہے لیکن از سر نو پڑھنا افضل ہے تاکہ شبہ خلاف سے حذر نہ ہو جائے۔ وراہرونی یہ ہے کہ استیناف کے اندر بھل بھلا ہو تو ہم جو تب دیں گے کہ ہا شبہ ابدال مثل ہے ہر نماز کے لیے وریہ بظاہر مثل محمود ہے نہ کہ مذموم بعض مشائخ نے کہا کہ منفرد کو سہ سے پڑھنا افضل ہے اور امام اور مقتدی کو بناء کرنا افضل ہے تاکہ جماعت کی فضیلت محفوظ رہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اگر امام اور مقتدی کو امام کی جماعت مل سکتی ہو تو استیناف افضل ہے اور اگر نہ مل سکتی ہو تو بناء افضل ہے۔

### منفرد کو نماز میں حدیث لاحق ہو جائے تو کیسے مکمل کرے

وَالْمُقْتَدِي اِنْ سَاءَ اَتَمَّ فِي مَسْرِيْہِ، وَاِنْ سَاءَ عَادَ اِلٰی مَكَاِہِ، وَالْمُقْتَدِي نَعُوْذُ اِلٰی مَكَاِہِ، اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ اِمَامُہُ فَدَفِرَ عَ، اَوْ لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُمَا حَاجِلٌ

ترجمہ اور منفرد اگرچہ ہے تو اسی جگہ نماز پوری کر دے ورنہ اگرچہ ہے تو اپنی جگہ لوٹ آئے ورنہ مقتدی اپنی جگہ لوٹ آئے مگر یہ کہ اس کا افسوس ہو چکا ہو یا نہ دونوں کے درمیان کوئی حل نہ ہو۔

تشریح فرمایا کہ منفرد کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو بناء کر کے وہیں نماز پوری کرے جہاں وضو کیا ہے یونکہ اس میں تھکاوٹ کم ہے اور اگرچہ ہے اپنی جگہ لوٹ آئے پوری نماز ایک جگہ ادا کرنے والا ہو جائے قول اول بہارے بعض مشائخ کا ہے اور قول ثانی شمس الائمہ السرخسی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ کا ہے۔

اور مقتدی اپنی جگہ لوٹ کر نماز پوری کرے گا اگرچہ یہ مقتدی امام محدث ہو جس نے خیفہ و یا مقتدی نے لئے یہ حکم واجب اور اگر یہ ہیں دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) یہ کہ اس کا افسوس ہو چکا ہو۔ (۲) یہ کہ اس نے اور امام نے درمیان کوئی مانع اقتداء چیز حاصل نہ ہو یعنی مقتدی نے جہاں وضو کیا وہاں سے امام کے ساتھ اقتداء کرتے ہیں کوئی چیز درمیان میں حاصل نہ ہو جو مانع اقتداء ہے جیسے چوڑا رستہ بڑا دریا بغیر ہڑکیوں کی بلند دیواران دونوں صورتوں میں مقتدی اگر مقدم وضو ہی میں نماز پوری کرنا چاہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ شخص جس نے بحالت نماز گمان کیا کہ وہ محدث ہو گیا ہے وہ اپنی جگہ سے پھر گیا

پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ محدث نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے

وَمَنْ طَلَّ أَنَّهُ أَحَدٌ فَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يُحْدِثْ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ يُصَلِّي مَا قَبْلَ الْقِيَّاسِ فِيهِمَا الْإِسْتِقْبَالُ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ ابْنِ حُوْدٍ الْإِسْرَافِ مِنْ غَيْرِ عُدْرٍ وَنَحْوِ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ انْصَرَفَ عَلَى قَصْدِ الْإِصْلَاحِ الْأَثَرِ أَنَّهُ لَوْ تَحَقَّقَ مَا تَوَهَّمَهُ بَنِي عَلَى صَلَاحِهِ فَالْحَقُّ قَصْدُ الْإِصْلَاحِ بِحَقِيقَتِهِ مَا لَمْ يَحْتَلِفِ الْمَكَانُ بِالْخُرُوجِ

ترجمہ اور جس نے گمان کیا کہ اس وقت محدث ہو گیا ہے وہ مسجد سے خارج ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ محدث نہیں ہوا تو وہ زمرہ نماز پڑھے ورنہ اگر وہ مسجد سے باہر نہ ہوا ہو تو باقی نماز پڑھے اور قیاس دونوں صورتوں میں یہی ہے کہ زمرہ نماز پڑھے ورنہ یہی امام محمد سے مروی ہے یونکہ قبلہ سے منہ پھیرنا بغیر عذر کے پایا گیا۔ اور وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ شخص صحت کے رد سے پھر اٹھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہ متحقق ہوتا جس نے دیکھا تھا تو وہ اپنی نماز پر بناء کرتا پس اصلاح کے قصد و حقیقی اصلاح کے ساتھ اہل حق کیا یہاں تک کہ مسجد سے نکل جانے کی وجہ سے جگہ نہ بدلے۔

تشریح مسند ایک شخص کو بحالت نماز یہ گمان ہوا کہ اس کو محدث ہو گیا ہے وہ اپنی نماز کی جگہ سے پھر گیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ محدث نہیں ہوا تھا تو سب دیکھا جائے کہ اس کا قبلہ کی طرف سے پھر نماز کی اصلاح کے رد سے تھا یا نماز کو چھوڑنے کے رد سے تھا۔ اگر ثانی صورتوں کو بنا کر ناجائز نہیں ہوگا خواہ مسجد سے نکلا ہو۔ یہ نہ نکلا ہو ورنہ اول ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یونکہ مسجد سے خروج پایا ہوگا یا نہیں۔ اگر مسجد سے نکلنا پایا گیا تو اس وقت میں از سر نو نماز پڑھے بناء کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر مسجد سے نہیں نکلا تو وہ اپنی باقی نماز پوری کرے زمرہ نماز پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔



صاحب ہدایہ یہ کہتے ہیں کہ اصلاح نماز کے ارادے سے پھرنا اس کے برخلاف ہے کہ اس نے گمان کیا کہ اس نے بغیر وضو نماز شروع کر دی ہے پھر وضو کے ارادے سے اس نے رخ پھیر پھر معلوم ہوا کہ وہ با وضو ہے اور گمان غلط تھا تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوئی۔

نہ چہ مسجد سے باہر نہ نکلا ہو کیونکہ یہ پھرنا بطور رخصت ہے یعنی نماز کو چھوڑنے کے طور پر پھرنا نہ کہ اصلاح نماز کے طور پر چنانچہ اس کا وضو سوا متعلق ہو جائے تو یہ زمرہ نماز پڑھتا ہے جس ضابطہ اور اصل یہی ہے کہ اگر انصراف بقصد اصلاح ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی بشرطیکہ روح من المسجد اور اختلاف نہ پایا گیا ہو اور اگر انصراف احرام و رخصت کے ارادے سے ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

و ممکن الصوف الخ سے یہ تلاءنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات مسجد میں پیش نہ آئی ہو بلکہ نماز صبح اور میدان میں پڑھی اور پھر گمان  
حدث پیش آیا تو صفوں کی جگہ کے واسطے مسجد کا حکم ہے یعنی حدیث کا گمان کرنے والا اگر پیچھے کی جانب گیا اور صفوں سے تجاوز کر لیا پھر  
علوم ہوا کہ حدیث نہیں ہوا تھا تو اس کو بناء کرنا جائز نہیں ہوگا و اسی طرح اگر وہ ان میں جانب یا بائیں جانب صفوں سے تجاوز کر گیا تو بنا  
رہا جائز نہیں ہوگا اور اگر صفوں سے تجاوز نہیں کیا تو بناء کر سکتا ہے۔

اور گروہ آگ کی طرف بڑھ رہا ہو اور آگ سترہ بھی بہا تو حد مت ہے جتنی کہ اُس سمت سے تجاوز کر گیا تو نماز فاسد ہو گئی اور اگر آگ سمت ہے  
ہو تو پیچھے کی صفوں کی مقدمہ رہے ہوں مثلاً اگر پیچھے صفیں پانچ ترتیب ہوں تو آگ کی حد بھی پانچ نہ ہے کہ اس سے تجاوز میں نماز فاسد ہو  
سکتی۔

اور گر گمانِ حدت کرنے و امنفرد ہو تو اس کی حد متجاوز نہ ہوگی اور یہ حد ہر طرف سے شمار ہوگی حتیٰ کہ دائیں یا بائیں پیچھے منفر۔  
ے کی قدر حد ہے۔

مصلیٰ دوران نماز مجنون یا مختلم یا مدہوش ہو گیا، نماز کا حکم

إِنْ حُنَّ أَوْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ اسْتَقْبَلَ لِأَنَّهُ يَنْدَرُ وَجُودُ هَذِهِ الْعَوَارِضِ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى مَا رَدَّ بِهِ  
بَصُّ وَكَذَلِكَ إِذَا قَهَقَهُ لِأَنَّهُ بِمُزَلَّةِ الْكَلَامِ وَهُوَ قَاطِعٌ

اور اگر مصلیٰ مجنون ہو گیا سو کراس کو اقلہ ہو گیا۔ یا اس پر بھوشی طاری ہوئی تو تمہارے سر سے سے پڑے کیونکہ اپنے  
ورش کا دجوانا درہوتا ہے تو یہ عوارض وارد ہوں گے۔ مریں ہی کراس نے قہقہہ مار دیا کیونکہ قہقہہ بمنزلہ کلہ  
کے ہے، کلہ منہ زکا قطع ہے۔

شریک مسند یہ ہے کہ رُخصتی جتنوں ہوگی خود اہل مہر ہو یہ مقتدی یہ مضمون۔ یا بحالت نماز ہو گیا اور اختتام ہو گیا یا اس پر سب دہشتی رہی ہو تو وہ زہر و نماز پڑھے۔

دلیل یہ ہے کہ نماز میں نعوارض کا پایا جانا اور ہے ہذا یہ عوارض نعوارض کے معنی میں نہیں ہوں گے جن کے ساتھ نفس و رد ہوتی یعنی حضور ﷺ کا قول مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ... الحاصل یہ کہ حدث غیر ناوہ الوجود (رتق، قے، نکسیر) میں بناء جائز ہے اور حدث ناوہ الوجود میں بناء جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اس نے قبضہ، رد یا تو بھی بناء جائز نہیں بلکہ نماز اسے نوپڑھے کیونکہ فعل قبضہ بمنزلہ کلام ہے اور کلام قطع نماز ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ یعنی جب تک کلام نہیں کیا تو بنا کر سکتا ہے اور اگر کلام کر لیا تو بنا کر نہیں سکتا۔



چاہتے ہیں۔

مام قرأت سے عاجز ہو گیا اس حالت میں دوسرے کو اس نے آگے بڑھا دیا

خليفة بنائے کا حکم، اقوال فقہاء

وَأَنَّ حَصْرَ الْإِمَامِ عَنِ الْقِرَاءَةِ فَقَدْ دَمَّ غَنَوُهُ أَخْرَأَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يُجْزِيهِمْ لِأَنَّهُ بَدُرَ وَجُودُهُ فَاسْتَأْخَرَهُ وَلَهُ أَنْ يَسْتَحْلِفَ بَعْدَ الْعَجْرِ وَهُوَ هَذَا الْوَمُ وَالْعَجْرُ عَنِ الْقِرَاءَةِ غَيْرُ نَادِرٍ فَلَا يُلْحَقُ بِالْحَاكِ

ترجمہ اور امام قرأت سے بند ہو گیا پس اس نے دوسرے کو آگے کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک لوگوں کو کافی ہے اور صاحبین۔

یہاں ان کو یہ کافی نہیں ہے کیونکہ ایسا واقعہ نادر الوجود ہے پس جنابت سے ساتھ مشہد ہو گیا۔ اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ خلیفہ بنا بخیر و بد سے ہوتا ہے اور وہ یہاں خوب لازم ہے و بخیر عن القراءة غیر نادر الوجود ہے بند جنابت کے ساتھ اس کو لاحق نہیں کیا جائے گا۔

تشریح حصہ (حد و حصہ کے ساتھ) سینہ کا ٹک مونا، عاجز عن الکلام ہونا، صاحب عن یہ نہ لکھا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے اس طور پر

ممنوع ہو گیا کہ اب اس پر قہر نہیں رہا تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ حصہ عنہ چنانچہ امام جو جس قدر قرآن پڑھا اکرار

بارے و فراموش کر دینے کی وجہ سے قرأت کرنے سے عاجز ہو گیا تو کہا جائے گا کہ وہ قرأت سے رک گیا پس اگر اس نے مقتدیوں میں

سے ہی بخلیفہ ہو دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہوگا۔ درہقی امام محمد کا قول ہے اور صاحبین نے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ صاحبین نے

اس میں یہ ہے کہ حصہ عن القراءۃ نادر الوجود ہے جیسے کہ نماز کے اندر بخیر ہونا نادر الوجود ہے پس جنابت کی طرح یہ بھی ماوردیہ الص

(من فاء اور عطف) کے معنی میں نہیں ہوگا اور جب ماوردیہ الص کے معنی میں نہیں ہے تو جس طرح جنابت کی صورت میں ازسرا

پہلے نہ ماری ہے اسی طرح حصہ عن القراءۃ کی صورت میں بھی ازسرا نہ ماری جائے گی اور خلیفہ بنا نا درست نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حد ث پیش آئے کی صورت میں خلیفہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں امام نماز پوری کرنے سے

عاجز ہو گیا اور یہاں یعنی حصہ عن القراءۃ کی صورت میں بخیر و بد لازم ہے کیونکہ محدث کے لئے تو یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد میں پانی مہج

ہو اور وہ غیر خلیفہ بنائے اپنی نماز پوری کرے لیکن جو شخص پورے محفوظ قرآن کو بھول گیا وہ نماز پوری کرنے پر قادر ہی نہیں رہا الا یہ کہ وہ

دوبارہ پڑھے۔ پس جب حد ث کی صورت میں خلیفہ کرنا جائز ہے۔ درانحالیکہ اس صورت میں بخیر کم ہے تو حصہ عن القراءۃ

کی صورت میں بدرجہ اولیٰ خلیفہ کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں بخیر زیادہ لازم ہے۔ (عنایہ)

والعجز عن القراءۃ سے صاحبین کے قول کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ بخیر عن القراءۃ نادر الوجود نہیں بلکہ غیر نادر

ہوگا۔ اور جنابت نادر وجود ہے پس ایک غیر نادر وجود چیز کو نادر وجود چیز کے ساتھ لاحق کرنا کیسے درست ہوگا۔

امام فرض قرأت کرنے کے بعد عاجز آجائے تو خلیفہ بنانے کا حکم

وَلَوْ قَرَأَ مِقْدَارَ مَا تَحُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ لَا يَحُورُ بِالْأَحْمَارِ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إِلَى الْإِسْتِحْلَافِ

ترجمہ اور اگر اس نے اس قدر قرأت کر دی جس سے نماز جا رہی ہو جاتی ہے تو خلیفہ کرنا بالاحتمال جائز نہیں ہے کیونکہ خلیفہ کرنے کی

ماہست نہیں ہے۔

**تشریح** مسند یہ ہے کہ اگر امام مایجوز بہ الصلوۃ قرأت کر چکا یعنی امام صاحب کے نزدیک ایک ایک آیت اور ساتھیوں کے نزدیک تین آیتیں قرأت کر چکا پھر قرأت کرنے سے عاجز ہو گیا تو اس کو خفیہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے کسی کو خفیہ کر دیا تو نماز ناجائز ہو جائے گی۔ یہ حکم ہاجماٹ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب مایجوز بہ الصلوۃ قرآن کی قرأت کر لی تو اب خفیہ بنانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی اور یہ بات ظاہر ہے کہ باضرورت شرعی خفیہ کرنا درست نہیں ہے۔

### تشہد کے بعد حدث لاحق ہو تو نماز مکمل کیسے کرے

اِنْ سَقَطَ الْحَدَّثُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ وَاحِدٌ فَلَا يُدْرِي التَّوَضُّعُ لِبَاقِيهِ

جمہ ... اور اگر مصلیٰ کو تشہد کے بعد حدث ہو گیا تو وضو کرے سلام پھیرے کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے پس وضو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سلام پھیرے۔

**شرح** ... مسند یہ ہے کہ کسی نمازی کو تشہد کے بعد حدث ہوا تو حکم یہ ہے کہ وہ وضو کرے اور پھر سلام پھیرے کیونکہ تسبیح واجب ہے پس واجب سے وضو کرنا ضروری ہوتا ہے وجوب سلام ادا کرے۔

### تشہد کے بعد عدم حدث لاحق کیا یا کلام کی یا منافی صلوۃ عمل کر لیا، کیا نماز مکمل ہو جائے گی؟

اِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَّثُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ اَوْ تَكَلَّمَ اَوْ عَمَلَ عَمَلًا يُمْنِي الصَّلَاةَ، تَمَّتْ صَلَاتُهُ لِأَنَّهُ تَعَدَّرَ الْمَاءَ لَوْ حُوِّدَ فَاطْلَعَ لَكِنْ لَا رِعَادَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْأَرْكَانِ

جمہ ... اور اگر اس نے اس حالت میں عدم حدث کر دیا یا کلام کیا یا منافی صلوۃ ہے تو اس کی نماز پوری ہوئی کیونکہ قطع پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا معتذر ہے لیکن اس پر نماز کا کلام نہیں ہے کیونکہ اس پر رکان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

**شرح** ... مسند یہ ہے کہ اگر تشہد کے بعد مصلیٰ نے عدم حدث کر دیا یا کلام کیا یا کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہوئی۔ دلیل یہ ہے کہ قاطع نماز کے پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا معتذر ہو گیا لیکن اس پر نماز کا کلام بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے اس پر کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اور یہی تحصیل یعنی خرواج بعد از عمل سے وہ بھی پائی گئی اگرچہ لفظ سلام کے ساتھ تحصیل واجب لیکن اس سے اوپر کے رکان میں پچھلے نہیں ہوتا اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ظاہر حدیث (جس میں تشہد تمام کر کے ادا کیا گیا) اگر کھڑا ہونے کو جی چاہے تو تو کھڑا ہو جا) بھی اسی کی مقتضی ہے۔

### متنیم نماز میں پانی دیکھ لے تو نماز باطل ہے

فَاِنْ رَأَى الْمُتَنِيمُ الْمَاءَ فِي صَلَاتِهِ بَطُلَتْ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ

جمہ ... پس اگر متنیم نے اپنی نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہوئی۔ اور یہ مسند پہلے مذکور چکا ہے۔

## مسائل اشنا عشرہ

فَإِنْ رَأَاهُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدَرَ الشَّهَادَ أَوْ كَانَ مَاسِحًا فَقَصَّتْ مُدَّةُ مَسْحِهِمْ أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بَعْدَ بَسْبَرٍ أَوْ كَانَ أَمَدًا فَتَعَلَّمَ سُورَةً أَوْ عَرَبِيًّا فَوَجَدَ ثَوْبًا أَوْ مُؤَمِّبًا فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ أَوْ تَذَكَّرَ فَاثْنَةً عَلَيْهِ قَبْلَ هِدَاةٍ أَخَذَتْ الْإِمَامُ الْفَارِغِي فَاِسْتَحْلَفَ أُمِّيًّا أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ أَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ وَهُوَ فِي الْحُجَّةِ أَوْ كَانَ مَاسِحًا عَلَى الْحَبِيرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرٍّ أَوْ كَانَ صَاحِبَ عُدٍ فَأَقْطَعَ عُدَّهُ كَالْمُسْتَحَاضَةِ وَمَنْ بَمَعَاهُ بَطَلَتِ الصَّلَاةُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَمْ تَمُتْ صَلَوَتُهُ، وَقِيلَ الْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْخُرُوجَ عَنِ الصَّلَاةِ بِصَبِّ الْمَصْلِيِّ فَرَضٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَيْسَ بِفَرَضٍ عِنْدَهُمَا فَأَعْيَاضُ هَذِهِ الْعَوَارِضُ عِنْدَهُ فِي هَذِهِ الْحَالِ كَمَا عَيَّرَاضُهَا فِي جِلَالِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَهُمَا كَمَا عَيَّرَاضُهَا بَعْدَ التَّسْلِيمِ لِهَمَّا مَا رَوَيْنَا مِنْ حَدِيثِ أَبِي مَسْعُودٍ وَلَهُ أَنْ لَا يُمَكِّنَهُ أَدَاءُ صَلَاةٍ أُخْرَى إِلَّا بِالْخُرُوجِ مِنْ هِدَاةٍ وَمَا لَا يُتَوَصَّلُ إِلَى الْفَرَضِ إِلَّا بِهِ يَكُونُ فَرَضٌ وَمَعْنَى قَوْلِ لَمْ تَمُتْ قَارِبَتِ التَّمَامَ وَالْإِسْتِخْلَافُ لَيْسَ بِمُفْسِدٍ حَتَّى يَحُوزَ فِي حَقِّ الْفَارِغِي وَإِنَّمَا الْفَسَادُ ضَرُورَةً حُكْمٍ شَرْعِي وَهُوَ عَدَمُ صَلَاحِيَةِ الْإِمَامَةِ

ترجمہ اور تہم نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا یہ موزہ پر مسح کرنے والا تھا پس اس کے مسح کی مدت گزر گئی یا اپنے ہاتھ موزے کا - خفیف لمس کے ساتھ یا نہ تھا پس اس نے کوئی سورت پڑھ لی یا نہ لگا تھا پس اس نے کپڑا پیا یا - شارب سے رکوع اور سجدہ کرے۔  
و تھا پھر رکعت درجہ سے پر قادر ہو یا یہ دیکھا کہ جو اس پر اس نماز سے پہلے واجب القضاء ہے یا امام قاری کو حدث ہوا پس اس -  
کی بوضیفہ بنا یا یہ فجر میں آفتاب طلوع ہو گیا۔ یا داخل ہو یا مصر کا وقت در نہ آیا وہ نماز جمعہ میں ہے یا وہ جمیرہ پر مسح کرنے والا تھا یا  
اچھ موڑ پر پڑا یہ وہ مقدار تھی اس کا عذر منقطع ہو گیا جیسے متخاصہ نوبت اور جو شخص اس کے معنی میں ہو تو ابوضیفہ کے قول کے مطابق اس -  
نماز باطل ہو گئی۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کی نماز پوری ہو گئی۔ کہا گیا ہے کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ نماز سے باہر ہونا مصلی کے  
تختیاری فعل سے ابوضیفہ کے نزدیک فرض ہے اور صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ پس امام ابوضیفہ کے نزدیک اس حدت میں اس  
عوارض کا پیش آنا ایسا ہے جیسا کہ درمیان صلوٰۃ میں عوارض کا پیش آنا۔ اور صاحبین کے نزدیک جیسا کہ سلام کے بعد ان عوارض کا پیش آنا  
ہے۔ کہ نمازی کے لئے دوہری نماز ادا کرنا ممکن نہیں ہے اس نماز سے نکل کر اور جو چیز ایسی ہو کہ اس کے بغیر فرض تک نہ پہنچ سکتا ہو تو وہ بھی  
فرض ہوگی۔ اور حضور ﷺ کے قول و تمت کے معنی قارب التمام کے ہیں اور خیفہ بنا نامفسد نہیں ہے یہاں تک کہ قاری کے حق میں جا  
ہوگا اور نماز کے فساد کا حکم فقط حکم شرعی کی وجہ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ امام میں امامت کی مدت نہیں ہے۔

تشریح اس عبارت میں مسائل شان عشرہ کا نام ہے یعنی ان بارہ مسائل کا بیان ہے جو تشہد کی مقدار رہ بیٹھنے کے بعد پیش آتے ہیں۔

(۱) تیمم کرنے والے مصلی نے مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا۔

(۲) یہ موزوں پر مسح کرنے والا تھا پس مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد مدت مسح پوری ہو گئی۔

(۳) یہ مقدار تشہد کے بعد عمل قیاس کے ساتھ دونوں موزے کا ہے یا دونوں موزوں میں سے کوئی موزہ نکالا اور عمل قیاس یہ ہے کہ نماز -

اس طرح ڈھیلے تھے کہ ہاتھوں کی ضرورت نہ پڑی صرف پاؤں کے اشارے سے کوئی موزہ نکل گیا۔

(۴) یا مصلیٰ نہی تھا پھر تشہد کی مقدار جینھنے کے بعد اس نے کوئی قرآن کی سورت سیکھ لی۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ قرآن بھول گیا تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد یاد آ گیا یہ مطلب نہیں کہ اس نے سیکھا کیونکہ قلم کے لئے تعیم ضروری ہے اور تعیم منافی صلاۃ فعل ہے اور عمل کثیر ہے۔ اس لئے بالاتفاق نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ تعیم سورت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بغیر اختیار کے سنا اور بغیر کوشش کے اس کو یاد ہو گیا۔

(۵) یا مصلیٰ بنگا نماز پڑھتا تھا پس اس نے مقدار تشہد کے بعد کپڑا پایا۔

(۶) یا مصلیٰ اشارے سے رکوع اور سجدہ کرنے والا تھا پھر وہ مقدار تشہد کے بعد رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا۔

(۷) یا مصلیٰ کو مقدار تشہد کے بعد قضا نماز یاد آ گئی جو اس پر اس نماز سے پہلے واجب القضاء ہے مثلاً نماز ظہر میں قعدہ اخیرہ کے بعد یاد آیا کہ فجر کی نماز قضاء ہو گئی تھی حالانکہ ترتیب کی فرضیت سے وہ ذل پڑھنی چاہئے تھی۔

(۸) یا مقدار تشہد کے بعد امام قاری کو حدیث ہو اپس اس نے انہی کو ضیفہ کر دیا۔

(۹) یا مقدار تشہد کے بعد فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہو گیا۔

(۱۰) یا مقدار تشہد کے بعد عصر کا وقت داخل ہو گیا حالانکہ یہ شخص نماز جمعہ میں ہے۔

(۱۱) یا مصلیٰ جبیرہ پر مسح کئے ہوئے تھا پس مقدار تشہد کے بعد اچھا ہونے سے گر پڑا۔

(۱۲) یا معذور تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد اس کا عذر منقطع ہو گیا یعنی وہ عذری یا تارہا جیسے مستحضرہ عورت یا جو اس کے مفتی میں ہو جیسے جس آدمی کو پیشاب جاری ہونے یا نکسیر جاری ہونے کا عذر ہو۔

ان بارہ مسائل میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہو گئی اور صاحبین نے کہا ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہو گئی۔ بعض مشائخ نے کہا کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز سے باہر ہونا مصلیٰ کے اختیار کی فعل سے فرض ہے۔ صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ پس اس اصل کے پیش نظر امام ابو حنیفہ کے نزدیک قعدہ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا جو ہر مسئلہ میں الگ الگ مذکور ہوئے ہیں ایسا ہے جیسے درمیان نماز میں پیش آنا اور چونکہ درمیان نماز ان عوارض کا پیش آنا مفسد نماز ہے اس لئے قعدہ اخیرہ کے بعد بھی اگر یہ عوارض پیش آ گئے تو نماز باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک قعدہ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہے جیسے سلام پھیرنے کے بعد پیش آنا اور یہ ظاہر ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد کوئی عارض نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اس لئے قعدہ اخیرہ کے بعد ان عوارض کے پیش آنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صاحبین کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا۔ ادا قست هذا أو فعلت هذا فقد ثمت صلاتك إن شئت أن تقوم فقم یعنی جب تو نے یہ کہا یا یہ کیا تو تیرے نماز پوری ہو گئی اگر تیرا جی اٹھنے کو چاہئے تو تو اٹھ کھڑا ہو۔ اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہو گا کہ حضور ﷺ نے نماز پوری ہونے و تشہد پڑھنے یا تشہد کی مقدار جینھنے پر متعلق کیا ہے پس جس شخص نے تمام کو نماز کو تیسری چیز پر متعلق یا اس سے نص کی مخالفت کی۔ حاصل یہ کہ ان مسائل میں قعدہ اخیرہ کے بعد ان

عوارض کا ذکر ہے اور تعدہ اخیرہ پر نماز پوری ہوگئی پس جب تعدہ اخیرہ پر نماز پوری ہوگئی تو اس کے بعد نماز باطل ہونے کا کیا سوال ہے۔  
 امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسری نماز کا اس کے وقت میں ادا کرنا فرض ہے اور یہ ممکن نہیں ہوگا کہ جب تک اس موجودہ نماز سے باہر نہ ہو۔ پس اس موجودہ نماز سے ٹکنا دوسری فرض نماز ادا کرنے کا ذریعہ ہے یعنی دوسری فرض نماز ادا کرنا اس موجودہ نماز سے نکلنے پر موقوف ہے۔ اور چونکہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے اس لئے اس موجودہ نماز سے ٹکنا بھی فرض ہوگا یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک خروج بھنڈہ فرض ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص پر نفقہ واجب ہے اور وہ بغیر کمائی کے حاصل نہیں ہو سکتا تو اس پر کمائی کرنا بھی فرض ہوگا۔ یا مثلاً سجدہ فرض ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ رکوع سے منتقل نہ ہو پس یہ منتقل ہونا بھی فرض ہوگا۔ کیونکہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے۔

و معنی قولہ تمت الخ سے حدیث ابن مسعود کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں تمت صلوٰۃ تک کے معنی قاربست التمام کے ہیں یعنی جب تو نے یہ کہہ لیا یا یہ کر لیا تو تیری نماز تمام ہونے کے قریب ہوگئی یہ ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا قول ”مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَدْ لَتَمَ حُجَّةً“ یعنی جس نے وقوف عرفہ کیا اس کا حج تام ہو گیا حالانکہ وقوف عرفہ کے بعد ابھی طواف زیارت کا فرض باقی رہتا ہے پس یہاں بھی یہی معنی ہوں گے کہ اس کا حج تمام ہونے کے قریب ہو گیا۔

وَالَا سْتَخْلَافَ لِمَنْ يُمْفَسِدُ سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب امام قاری کو حدیث ہو اور اس نے امی کو خلیفہ کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہونی چاہئے کیونکہ خلیفہ کرنا مقصد نماز نہیں ہے چنانچہ اگر قاری محدث کسی قاری کو خلیفہ کر دیتا تو نماز فاسد نہ ہوتی پس اسی طرح یہاں بھی فاسد نہ ہونی چاہئے تھی۔

جواب بلاشبہ خلیفہ کرنا مقصد نماز نہیں ہے اسی وجہ سے قاری کا قاری کو خلیفہ کرنا جائز ہے مگر مذکورہ صورت میں فساد اختلاف کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ امر آخر کی وجہ سے ہے اور وہ امر آخر حکم شرعی کی ضرورت ہے اور امر شرعی کی ضرورت یہ ہے کہ امی جس کو خلیفہ مقرر کیا ہے اس میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے پس امام میں صلاحیت امامت نہ ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہوئی ہے نہ کہ اس کو خلیفہ کرنے کی وجہ سے۔

### امام کو حالت نماز میں حدیث لاحق ہوا تو مسبوق کو خلیفہ بنانا جائز البتہ مدرک کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہے

وَمَنْ اقْتَدَىٰ بِالْإِمَامِ بَعْدَ مَا صَلَّى رَكْعَةً فَاحْذَرِ الْإِمَامَ، فَقَدْ مَنَ اجْزَاؤُهُ لَوْ جُودَ الْمُشَارَكَةُ فِي التَّحْرِيمَةِ وَالْأُولَىٰ لِلْإِمَامِ أَنْ يُقَدِّمَ مُدْرِكًا لِأَنَّهُ أَقْدَرُ عَلَىٰ اِتِّمَامِ صَلَاتِهِ وَيَنْتَعِي لِهَذَا الْمُسْبُوقِ أَنْ لَا يَتَقَدَّمَ لِعَجْزِهِ عَنِ التَّسْلِيمِ

ترجمہ اور جس شخص نے امام کے ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کی اقتداء کی پھر امام کو حدیث ہو گیا پس امام نے اسی مسبوق کو خلیفہ کر دیا تو کافی ہے۔ کیونکہ تحریمہ میں مشارکت پائی جاتی ہے اور امام کے لئے اولیٰ یہ تھا کہ کسی مدرک کو آگے کرتا (خلیفہ کرتا) کیونکہ مدرک کو امام کی نماز پوری کرنے پر زیادہ قدرت ہے اور اس مسبوق کے لئے مناسب ہے کہ وہ آگے نہ بڑھے (یعنی خلافت قبول نہ کرے) اس لئے کہ وہ سلام پھیرنے سے عاجز ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایسے امام کی اقتداء کی جو ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر اس امام کو حدیث ہو گیا اور اس نے اس

مُسْبُوق کو پنا خلیفہ ماریا تو یہ جائز ہے کیونکہ استخفاف کے تحت ہونے کی شرط صحیحہ کے اندر مشرکت ہے اور مشرکت فی حق یہ پائی گئی اس لئے خلیفہ ماریا درست ہوگا۔

یعنی اولیٰ یہ ہے کہ امام کسی مدرک کو خلیفہ مقرر کرے کیونکہ مدرک امام کی نماز پوری کرانے پر زیادہ قادر ہے اس لئے کہ اگر مسبوق و خلیفہ ماریا تو وہ سلام پھیرنے کے لئے کسی دوسرے کو خلیفہ کرنے کا محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں دوسرے خلیفہ بنانا لازم آئے گا اور ایک بار خلیفہ بنانا بہتر ہے یہ نسبت بار بار خلیفہ بنانے کے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مسبوق کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ آگے نہ بڑھے یعنی خلیفہ ہونا قبول نہ کرے اس کے کہ وہ سلام پھیرنے سے عاجز ہے ہاں اگر آگے بڑھ گیا تو جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

### مُسْبُوق خلیفہ بن جائے تو نماز مکمل کہاں سے کرے

فَلَوْ تَقَدَّمَ يَتْلُو مِنْ حَيْثُ انْتَهَى إِلَيْهِ الْإِمَامُ يَقِيَامُهُ مَقْدَمُهُ وَإِذَا انْتَهَى إِلَى السَّلَامِ يُقَدِّمُ مُدْرِكًا يُسَلِّمُ بِهِمْ فَلَوْ أَنَّهُ حِينَئِذٍ صَلَوَةُ الْإِمَامِ فَهَقَّةً أَوْ أَخَذَتْ مُبَعِّدًا أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَسَدَتْ صَلَوَتُهُ وَ صَلَوَةُ الْقَوْمِ تَامَتْ لِأَنَّ الْمُفْسِدَ فِي حَقِّهِ وَحْدَهُ فِي جِلَالِ الصَّلَاةِ وَفِي حَقِّهِمْ بَعْدَ تَمَامِ أَوْ كَامِلِهَا وَالْإِمَامُ الْأَوَّلُ إِن كَانَ فَرَّغَ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ وَإِنْ لَمْ يَفْرغْ تَفْسُدْ وَهُوَ الْأَصَحُّ

ترجمہ پس اگر مسبوق آگے بڑھ گیا تو وہاں سے ابتدا کرے جہاں تک امام پہنچا ہے کیونکہ یہ مسبوق امام کے قائم مقام ہے اور جب یہ مسبوق سلام تک پہنچ گیا تو کسی مدرک کو آگے بڑھا دے جو قوم کے ساتھ سلام پھیرے، پھر اگر مسبوق خلیفہ نے اپنی وقت نامہ کی نماز پوری کی تو قبضہ ماریا یہ عدم حدث کیا یا کام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہوئی کیونکہ مفسد مسبوق خلیفہ کے حق میں نماز کے درمیان پایا گیا اور مقتدیوں نے رکوں کے حق میں تمام ارکان پورے ہو جانے کے بعد اور امام اول اگر فارغ ہو گیا ہو تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر فارغ نہ ہو ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی یہی صحیح ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام محدث نے مسبوق کو خلیفہ بنایا اور یہ مسبوق آگے بڑھ گیا تو اسی حالت سے شروع کرے جس حالت تک امام پہنچا ہے کیونکہ یہ امام کے قائم مقام ہے اور جب یہ مسبوق امام کی نماز پوری کر کے سلام پھیرنے کے وقت تک پہنچ گیا تو خود پیچھے ہٹ جائے اور کسی مدرک کو آگے بڑھا دے تاکہ وہ مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیر کر ان کی نماز پوری کر دے اور مسبوق (خلیفہ) مدرک کو اس لئے آگے بڑھاے گا کہ مسبوق بذات خود سلام پھیرنے سے عاجز ہے کیونکہ ابھی اس پر ایک رکعت باقی ہے ہذا وہایت شخص سے مدد طلب کرے جو اس پر قادر ہو۔

اور اگر یہ صورت ہوئی کہ مسبوق خلیفہ نے جب امام کی نماز پوری کی تو قبضہ ماریا یا عدم حدث کیا یا مسجد سے نکل گیا تو ان صورتوں میں مسبوق خلیفہ کی نماز بذات خود فاسد ہوگئی اسی طرح اگر مقتدیوں میں سے کوئی مسبوق ہو تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہوگئی بشرطیکہ یہ مقتدی اس سے آخر تک امام کے ساتھ شریک رہے ہوں۔

۱۰۔ میں یہ ہے کہ مسند نماز مسبوق کے حق میں نماز کے درمیان میں پایا گیا اور مقتدیوں کے حق میں تمام ارکان پورے ہونے کے بعد

پیدا کر یہ مرسوم ہے کہ درمیان نماز مفسد کا پایا جانا نماز کو فاسد کرتا ہے۔ ارکان پورے ہونے کے بعد نماز نہیں فاسد کرتا۔

رہا امام اول تو اس کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ وہ چھوٹی ہوئی مقدار خفیہ کے پیچھے پوری کر کے فارغ ہو گیا ہو۔ دوم یہ کہ ابھی فارغ نہیں ہوا۔ پہلی حالت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی مد رکوں کے مثل ہو گیا اور چہ درمیان میں لاحق ہو تھا اور دوسری حالت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ مسبوق کی نماز فاسد ہو جاتی ہے یہی روایت صحیح ہے۔

امام کو حد ث لاحق نہیں ہوا اور قدر تشہد بیٹھنے کے بعد قہقہہ لگایا یا عمد اُحد ث لاحق کیا تو نماز کا حکم

فَإِنْ لَّمْ يُحْدِثِ الْإِمَامُ الْأَوَّلُ وَقَعَدَ قَدَرَ الشَّهَدِ ثُمَّ قَهَقَهُ أَوْ أَخَذَتْ مُنْعِمَةً فَسَدَتْ صَلَوةُ الْإِمَامِ لَمْ يُدْرِكْ أَوَّلَ صَلَاتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا تَفْسُدُ وَإِنْ تَكَلَّمَ أَوْ حَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ لَمْ تَفْسُدْ فِي قَوْلِهِمْ حَمِيمًا لُهُمَا أَنْ صَلَوةَ الْمُفْتَدِي بَاءً عَلَى صَلَوةِ الْإِمَامِ جَوَّازًا أَوْ فَسَادًا وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَوةُ الْإِمَامِ فَكَذَا صَلَوةُ رَاصِرٍ كَالسَّلَامِ وَالْكَلَامِ وَلَهُ أَنْ الْقَهَقَهُ مُفْسِدَةً لِلْجُرْءِ الَّذِي يُلَاقِيهِ مِنْ صَلَوةِ الْإِمَامِ فَيَفْسُدُ مِثْلُهُ مِنْ صَلَوةِ الْمُفْتَدِي عِزٌّ أَنَّ الْإِمَامَ لَا يَتَحْتَاحُ إِلَى الْبِنَاءِ وَالْمُسْبُوقُ مُحْتَاحٌ إِلَى الْبِنَاءِ عَلَى الْفَاسِدِ فَاسِدٌ بِحِلَافِ السَّلَامِ لِأَنَّهُ مِنْهُ وَالْكَلَامُ فِي مَعْنَاهُ وَتَسْقُطُ صَلَوةُ الْإِمَامِ لَوْ جُودَ الْقَهَقَهُ فِي حُرْمَةِ الصَّلَوةِ

ترجمہ پس اگر امام اول کو حد ث نہیں ہو اور مقدار تشہد بیٹھ گیا پھر اس نے قہقہہ مار دیا یا عمد اُحد ث کر دیا تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی جس نے امام کی نماز نہیں پائی ہے ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر امام نے کلام کر دیا یا مسجد سے نکل گیا تو بال اتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے جو ز بھی ورفسد بھی اور امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی پس یوں ہی مقتدی کی نماز بھی (فاسد نہ ہوگی) اور یہ سلام و کلام کے مانند ہو گیا، اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ اس جز کو فاسد کرنے والا ہے جو امام کی نماز کے ملحق ہے پس کسی کے مثل مقتدی کی نماز سے بھی فاسد ہوگا مگر یہ امام بنا کا محتاج نہیں اور مسبوق اس کا محتاج ہے اور فاسد جزء پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے برخلاف سلام کے کیونکہ نماز کو پورا کرنے والا ہے و کلام سلام کے معنی میں ہے اور امام کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ قہقہہ حرمت صلوٰۃ میں پیدا کیا۔

تشریح عبارت میں امام کو دو کے ساتھ مقید کرنا تاہل ہے کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے امام ثانی نہیں ہے۔ اب صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ امام کو حد ث نہیں ہوا بلکہ اس نے تمام رعتیں پڑھیں اور تشہد کی مقدار بھی بیٹھ لیا پھر اس نے قہقہہ مار دیا یا عمد اُحد ث کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایسے مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی جس نے امام کی اول نماز نہیں پائی ہے یعنی مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

مسنف نے مسبوق کی نماز کے فساد کی قید اس لئے لگائی کہ مد رک کی نماز ہا اتفاق فاسد نہیں ہوتی اور رہی لاحق کی نماز تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک فساد کی، دوسرے فساد کی۔ اور صاحبین نے کہا کہ مسبوق کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی اور اگر مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد امام نے کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا۔ تو بال اتفاق کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام نے مسبوقین اور مد رکین کی امامت کی پس جب امام مکمل سلام تک پہنچ گیا تو اس نے قہقہہ مار دیا یا عمد

حدیث یہ کہ امام صاحب کے نزدیک مسبوقین کی نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور اگر محلِ سلام تک پہنچ کر امام نے کلام کیا یا مسجد سے نکل گیا تو بالاتفاق مسبوقین کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جواز و فساد کے اعتبار سے مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے جیسا کہ الْأَمَامُ صَاحِبُ (الحدیث) میں بیان ہو چکا ہے۔ اور امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہذا مقتدی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔ مقتدی خواہ مسبوق ہو یا مد رک یا لاحق و رعمدا حدیث و فقہیہ سلام اور کلام کے مانند ہو گیا یعنی جس طرح مقتدی ارشید کے بعد امام کے سلام و رکلام سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح قہقہہ اور عمدہ احدث سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ امام کی نماز میں سے جس جزء سے متصل قہقہہ واقع ہوا اس جزء کو اس نے فاسد کر دیا ہذا اس جزء سے مثل مقتدی کی نماز میں سے بھی فاسد ہوگا کیونکہ مقتدی کی نماز امام کے نماز پر مبنی ہوتی ہے۔ اور جب مقتدی (مسبوق) کی نماز کا ایک جزء فاسد ہو گیا تو اب باقی نماز اس پر بناء نہیں کر سکتا کیونکہ فاسد جزء پر بنا کرنا بھی فاسد ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ مسبوق کی نماز کی بناء ممکن نہ ہوئی اس لئے نماز بھی تمام نہ ہو سکے گی بلکہ مسبوق کی نماز فاسد ہوگی۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ امام کو بناء کرنے کی احتیاج نہیں ہے کیونکہ اس کے ارکان سب پورے ہو چکے اب تو ختم کا وقت ہے اس لئے امام کی نماز پوری ہو چکی۔ اور اسی طرح مد رک مقتدیوں کی بھی پوری ہو چکی۔ ورنہ مسبوق تو وہ بناء کرنے کا محتاج ہے کیونکہ اس کی پہلے نماز اول کی باقی ہے اور سبق میں گزر چکا کہ جس جزء پر بناء کرے گا وہ جزء قہقہہ کی وجہ سے فاسد ہے اور فاسد جزء پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے۔ اس لئے مسبوق کے واسطے بناء کرنا ممکن نہ ہو۔ اور جب بناء کرنا ممکن نہ ہوا تو نماز فاسد ہو گئی۔

برخلاف سلام کے کیونکہ سلام نماز کو پورا کرنے والا ہے نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے اور کلام سلام کے ہم معنی ہے بایں طور پر سلام در حقیقت قوم کے ساتھ دُعا میں اور باقیوں میں جانب منہ کر کے کلام کرنا ہے کیونکہ سلام (السلام علیکم) میں کاف خطاب موجود ہے جو کلام ہونے پر دالالت کرتا ہے بہر حال جب کلام بھی سلام کے ہم معنی ہے تو کلام بھی نماز کو پورا کرنے والا ہوگا نہ کہ فاسد کرنے والا۔ پس جس طرح سلام کے بعد مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کر سکتا ہے اسی طرح کلام کے بعد بھی پوری کر سکتا ہے۔

صاحب نہایہ نے امام ابو حنیفہ کی دلیل کو اس طرح قلمبند فرمایا ہے کہ حدیث اور فقہیہ دونوں موجب تحریمہ میں سے نہیں ہیں بلکہ ممنوعہ تحریمہ میں سے ہیں اس لئے یہ دونوں امام کی نماز کا وہ جزء فاسد کر دیں گے جس کے ساتھ متصل ہو کر ہو کر واقع ہوئے ہیں اور چونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو جواز اور فساداً متضمن ہوتی ہے اس لئے مقتدی کی نماز سے بھی یہ جزء فاسد ہو جائے گا اور مسبوق چونکہ باقی نماز پوری کرنے کے لئے بناء کا محتاج ہے اور فاسد پر بناء کرنا فاسد ہوتا ہے اس لئے ان دونوں صورتوں میں مسبوقین کی نماز فاسد ہو جائے گی اور سلام اور خروج عن مسجد دونوں موجب تحریمہ میں ہیں۔ سلام تو اس لئے موجب تحریمہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا انا حللہا النبی و خروج اس نے کہ پاری تعالیٰ شہد نے فرمایا فَاذَا قُضِيَ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ پس جب یہ دونوں موجب تحریمہ ہیں تو مفسد نماز نہیں ہوں گے بلکہ نماز کو پورا کرنے والے ہوں گے اور جب امام کی نماز پوری ہوئی کوئی جزء فاسد نہیں ہوا تو مسبوق بھی اپنی نماز کی بناء کر سکتا ہے۔



صحابہ پر ایسے ہوا کہ مقتدر شہید کے بعد امام کا قیام نہ ہو بلکہ یہ کہ نماز میں قیام نہ ہو۔ امام زکریاؑ نے کہا کہ اس صورت میں قیام نہیں ہے۔ امام زکریاؑ نے یہ قیام دیکھا ہے کہ قیام کا یہ صلوٰۃ واجب رکن ہے وہ قیام قیام و وضو ہے اور جو عادیہ صلوٰۃ و وضو نہیں وہ قیام قیام نہیں ہے۔ پس چونکہ اس صورت میں امام کا قیام عادیہ نماز کا موجب نہیں ہے اس لیے قیام قیام و وضو بھی نہیں ہوگا۔ ائمہ شیعہ کی دلیل یہ ہے کہ قیام حرمت نماز میں پیدا نہیں ہے چنانچہ اگر اس حالت میں کوئی سہو ہو جاتا ہے تو اس پر تجدید سہو واجب ہوتا ہے اور قیام حرمت نماز میں پیدا نہیں ہوتا قیام و وضو ہوتا ہے اس لیے یہ قیام قیام و وضو ہوگا۔

### رکوع اور سجدے میں حدیث لاحق ہو جائے نماز کا حکم

وَمَنْ أَحْدَثَ فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ نَوَاحٍ وَبَنَى وَلَا يَفْعَلُ بِأَلَيِّ أَحْدَثَ فِيهَا لِأَنَّ اِتِّمَامَ الرُّكُوعِ بِالِاتِّبَاعِ وَمَعَ الْحَدَثِ لَا يَحَقُّ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِعَادَةِ

ترجمہ اور اس میں حدیث لاحق ہو اس کے رکوع میں یہ جہد میں قیام و وضو ہے اور بناء کر کے اور نہ شمار کر کے اس رکن کو جس میں اس حدیث ہو ایونکہ رکن کا تمام اس رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے سے ہے۔ اور حدیث کے ساتھ نقل متعلق نہیں ہوتا اس لیے اس رکن کا قیام و وضو نہیں ہے۔

تشریح مسد یہ ہے کہ کسی رکوع یا جہد کی حالت میں حدیث ہو خواہ وہ منفرد ہو یا یہ قیام قیام و وضو کے ساتھ ہو۔ اور جس رکن میں حدیث پیش آئے اس کو شمار نہ کرے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک رکن اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ اس سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہو جائے اور یہ انتقال فرض ہے اور حدیث کے ساتھ انتقال متعلق نہیں ہوتا کیونکہ منتقل الیہ (جس کی طرف منتقل ہوگا) نماز کا ایک جزء ہے اور حدیث پیش آنے کے بعد نماز کا ایک جزء ماضی بھی منسہ ہے اس لیے اس رکن کا عادیہ ضروری ہوگا۔ مثلاً اگر رکوع میں حدیث ہو تو قیام و وضو کے بعد اگر رکوع ہی کرے۔

صحابہ نے یہ لکھا ہے کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جس قدر نماز ادا کی ہے وہ سب فاسد ہو جائے لیکن ہم نے قیاس کو اس حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا جو بناء نماز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ پس مقتضی قیاس اس رکن کا ٹوٹنا اور فاسد ہونا باقی رہا جس میں حدیث لاحق ہوئی ہے۔

امام کو رکوع سجدے میں حدیث لاحق ہوا تو اس نے خلیفہ بنایا، خلیفہ نے سرے سے رکوع سجدہ کر کے

وَلَوْ كَانَ اِمَامًا فَقَدَّمَ عِيْرَهُ دَامَ الْمُقَدِّمُ مَحَلِّي الرُّكُوعِ لِأَنَّهُ بِمَكِّهِ اِتِّمَامُ بِالِاسْتِدَامَةِ

ترجمہ اور اگر یہ محدث امام تھا پس اس نے دوسرے خلیفہ بنایا تو خلیفہ رکوع کی حیثیت پر برابر رہے کیونکہ خلیفہ کو رکوع پورا کرنا بھی ملتا رہنے سے ممکن ہے۔

تشریح مسد یہ ہے کہ اگر یہ محدث امام تھا جس رکوع میں حدیث ہو اتنا پھر امام نے جھٹکے پھر کر دوسرے خلیفہ بنایا تو اس خلیفہ کو رکوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ رکوع کی مقدار میں بھر دے۔ دلیل یہ ہے کہ جس فعل پر اوستا جاتا ہے اس میں استدامت (ٹھہرے رہنا) کو از سر نو شروع کرنے کا حکم ہو جاتا ہے پس یہاں بھی خلیفہ کے لیے استدامت سے رکوع پورا کرنا ممکن ہے اس لیے کہا گیا کہ وہ رکوع میں بقدر رکوع ٹھہر رہا ہے۔ از سر نو رکوع کرنے کی پند اس ضرورت نہیں ہے۔

نمازی کو رکوع یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر رکوع یا سجدہ باقی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے

وَلَوْ تَذَكَّرَ وَهُوَ رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ أَنْ عَلَيْهِ سَجْدَةٌ فَانْحَطَّ مِنْ رُكُوعِهِ لَهَا أَوْ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ سُجُودِهِ فَسَجَدَهَا يُعِيدُ  
الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ وَهَذَا بَيَانُ الْأَوَّلَى لِقَعِ الْأَفْعَالِ مَرَّتَهُ بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَحْزَاهُ لِأَنَّ التَّرْتِيبَ فِي  
أَفْعَالِ الصَّلَاةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَلِأَنَّ الْإِسْقَالَ مَعَ الطَّهَارَةِ شَرْطٌ وَقَدْ وَحَّدَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُلْزِمُهُ إِعَادَةَ  
الرُّكُوعِ لِأَنَّ الْقَوْمَةَ فَرَضٌ عِنْدَهُ

ترجمہ اور اگر مصلی نے یاد کیا اس حالت میں کہ وہ رکوع کرنے والا یا سجدہ کرنے والا ہے اس بات کو کہ اس پر سجدہ باقی ہے پس وہ  
رکوع سے سجدہ قضاء کے واسطے جھکنا یا اپنے سر سجدہ سے اٹھ کر قضاء کا سجدہ یا تو رکوع اور سجود کا اعادہ کرے گا۔ اور یہ بیان وہ ہے تاکہ حتی  
الامکان افعال ترتیب و ردیوں۔ اور اگر اس نے رکوع یا سجود کا اعادہ نہ کیا تو بھی اس کو کافی ہے کیونکہ ترتیب نماز کے افعال میں شرط نہیں  
ہے اور اس لئے کہ طہارت کے ساتھ منتقل ہونا شرط ہے اور وہ پیا گیا اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ مصلی مذکور پر رکوع کا اعادہ لازم ہے  
کیونکہ ابو یوسف کے نزدیک قومه فرض ہے۔

تشریح صورت مسد یہ ہے۔ مصلی نے رکوع کی حالت میں یاد کیا کہ اس پر سجدہ باقی ہے یا سجدہ کی حالت میں یاد کیا کہ اس پر  
سجدہ باقی ہے خواہ سجدہ تفاوت ہو یا سجدہ نماز ہو۔ پس اگر اس نے رکوع میں یاد کیا اور رکوع ہی سے اس کی قضاء کے واسطے جھک گیا اور سجدہ  
قضاء کیا۔ اور اگر سجدہ کی حالت میں اس کو سجدہ قضاء یاد آیا اور اس نے سجدہ موجودہ سے سر اٹھا کر سجدہ قضاء کیا تو جس رکوع یا سجدہ میں یہ  
کر کے قضاء کا سجدہ کیا ہے اس رکوع اور سجود کا اعادہ کرے۔ اور یہ اعادہ کرنا اولیٰ اور مستحب ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہوں افعال ترتیب  
کے ساتھ رہیں۔ یعنی موجودہ رکوع سے سجدہ قضاء مقدم کرنا ممکن ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے اور اگر اس نے رکوع اور سجود کا  
اعادہ نہیں کیا تب بھی درست ہے کیونکہ جس رکوع اور سجود میں سجدہ قضاء یاد آتا تھا وہ حقیقت میں تو ہو گیا اب وہ صرف ترتیب کے پیش نظر تھا  
مگر چونکہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط ہے اس لئے ترتیب فعل نہ پانے جانے کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ افعال  
میں ترتیب شرط نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسبوق اپنی نماز اس جگہ سے شروع کرتا ہے جہاں سے امام کو پاتا ہے پھر امام کے سلام پھر نے  
کے بعد اس نماز جو چھوٹی ہوئی ہے اس کو دکر کرتا ہے گویا مسبوق نے آخر نماز کو پہلے ادا کیا اور اول نماز کو بعد میں ادا کیا پس اگر ترتیب شرط  
ہوتی تو مسبوق کے لئے مذرجماعت کی وجہ سے اس کا ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ رکوع یا سجود جس میں سجدہ قضاء یاد کیا ہے اس سے دوسرے رکن کی صرف طہارت کے ساتھ منتقل ہونا شرط ہے  
جب یہ شخص رکوع سے سیدھا سجدہ میں چلا گیا یا سجدہ سے سر اٹھا کر قضاء کے لئے سجدہ کیا تو طہارت کے ساتھ منتقل ہونا پیا گیا ہذا وہ رکوع یا  
سجدہ جس میں قضاء کا سجدہ یاد آیا تھا وہ ہو گیا اس کے علاوہ کی چند اس ضورت نہیں رہی۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر رکوع سے سر اٹھائے بغیر سیدھا سجدہ میں چلا گیا تو اس پر رکوع کا اعادہ لازم ہے۔ دلیل یہ  
ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک قومه یعنی رکوع سے سر اٹھنا فرض ہے پس جب اس نے رکوع سے سر نہیں اٹھا یا بلکہ رکوع سے سیدھا  
سجدہ میں چلا گیا تو اس نے فرض چھوڑ دیا اور جب فرض یعنی قہر ترک کر دیا تو رکوع بھی ادا نہیں ہوا۔ اور جب رکوع ادا نہیں ہوا تو

س کا اور لازم ہوگا۔

ایک ہی شخص کی امامت کر رہا تھا اور اسے حدیث لاحق ہو گیا اور مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے خلیفہ بنانے کی نیت کی ہو یا نہیں

وَمَنْ أَمَّ رَحُلًا وَاحِدًا فَأَخَذَتْ وَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَمَّا مُؤَمِّمُ إِمَامٍ نَوَىٰ أَوْ لَمْ يَنْوِ لِمَا فِيهِ مِنْ حِسَابَةِ الصَّلَاةِ وَ تَعَيَّنَ الْأَوَّلُ لِقَطْعِ الْمَزَاحِمَةِ وَيَتِمُّ الْأَوَّلُ صَلَاتُهُ مُقْتَدِبًا بِالثَّانِي كَمَا إِذَا اسْتَحْبَفَهُ حَفِيفَةً وَلَوْ لَمْ يَكُنْ خَلْفَهُ إِلَّا صِغِيرٌ أَوْ امْرَأَةٌ قَبْلَ تَفْسُدِ صَلَاتِهِ لَا سِتِحْلَافٍ مِّنْ لَا يَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ وَقَبْلَ لَا يَفْسُدُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوَحِّدِ إِلَّا سِتِحْلَافٌ قَصْدًا وَهُوَ لَا يَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ اور جس مرد نے امامت کی کسی ایک مرد کی پھر امام وحدت ہوا اور وہ مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہے خواہ امام اول نے اس کی خلافت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو یونکہ اس میں نماز کی حفاظت ہے اور امام اول کا (کسی نو) متعین کرنا مزاحمت قطع کرنے سے ہے نہ تھا اور یہاں کوئی مزاحمت نہیں ہے اور امام اول اپنی نماز کو پورا کرے دوسرے کی اقتداء کرے جیسا کہ جب اس کے حقیقتہ خلیفہ کرتا۔ اور اگر امام محدث کے پیچھے کوئی نہ ہو سوائے بچے کے یا عورت کے تو کہا گیا کہ امام کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس شخص کو خلیفہ بنا دیا گیا جو امامت کے حق نہیں ہے اور کہا گیا کہ امام محدث کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ قصد خلیفہ کرنا نہیں پڑا اور وہ امامت کے لائق نہیں ہے۔ واللہ اعلم، تشریح صورت مسند یہ ہے کہ ایک مرد کی امامت کی پھر امام کو وحدت ہو گیا اور وہ مسجد سے نکل گیا تو مقتدی امام ہو گا خود امام اول نے اس کی خلافت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو بشرطیکہ وہ امامت کا اہل ہو۔ عبارت میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس مقتدی نے خلیفہ ہونے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں جتنی مقتدی کے امام متعین ہونے میں مقتدی کی نماز میں غلطی ہے اس لئے کہ اگر امام متعین نہ ہو تو امامت کی جگہ امام سے خالی رہے گی اور امامت کی جگہ امام سے خالی ہونا مقتدی کی نماز کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے کہ امامت مذکورہ میں مقتدی خود بخود امام مقرر ہو جائے گا۔

وتعین الاول سے اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے۔ تعین (متعین ہونا) بغیر تعین (متعین کئے بغیر) متحقق نہیں ہوتا اور یہاں حال یہ ہے کہ امام محدث نے مقتدی کو امامت کے لئے متعین نہیں کیا ہے ہذا مقتدی امامت کی اس طرح ہو سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ امام محدث کسی کو خلیفہ کرنا مزاحمت قطع کرنے کے لئے ہوتا ہے اور چونکہ یہاں کوئی مزاحمت نہیں ہے اس لئے تعین خاص ہو ہوا ہوگی۔ اور جب حکماً تعین موجود ہے تو ایسا ہو گیا ہو یا امام محدث نے اس کو خلیفہ مقرر کیا ہے اب یہ امام محدث اپنی نماز دوسرے کی اقتداء کرے پوری کرے جیسے کہ اگر یہ اس کو حقیقتہ خلیفہ کرتا تو اس کی اقتداء کر کے پوری کرتا۔

اور امام محدث کے پیچھے نابالغ بچہ یا عورت کے علاوہ کوئی نہ ہو تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے اس شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے جو امامت کا اہل نہیں ہے پس جب بچہ یا عورت امامت کے لئے متعین ہوئی اور چھٹا ہے امام محدث اس کی اقتداء کرنے والا ہوگا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص اسے آدمی کی اقتداء کرے جو امامت کا اہل نہ ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور جس مشائخ نے کہا کہ امام محدث کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز کافی مدہ ہونا تو مقتدی کے خلیفہ ہونے کے

پر موقوف ہے اور وہ یہاں پایہ نہیں گیا کیونکہ اختلاف (خفیہ کرنا) حقیقت ہو گیا یا حتم ہوگا۔ اور یہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہیں، حقیقت تو اس لئے نہیں کہ امام محدث کی طرف سے قصد اخفیہ کرنا نہیں پایا گیا۔ اور حتم اس لئے نہیں کہ بچہ یا عورت امامت کی صداقت نہیں رکھتے۔

پس جب ان دونوں میں امامت کی صلاحیت نہیں تو حتماً خفیہ بھی نہیں ہو سکتے۔ پس جب نہ حقیقت کرنا پایا گیا اور نہ حتم تو امام محدث کی نماز بھی فی سہ نہ ہوگی کیونکہ امام کی نماز کافی سہ ہونا مقتدی کے خفیہ ہو جانے پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ تمیل احمد

### بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا

ترجمہ (یہ) باب ان چیزوں کے بیان میں جو نماز کو فاسد کرتی ہیں اور جو نماز میں مکروہ ہیں

تشریح گزشتہ باب میں ان عوارض کا ذکر کیا گیا جو نماز میں غیر اختیاری طور پر پیش آتے ہیں اور اس باب میں ان عوارض کا بیان ہے جو نماز میں نمازی کے اختیار سے عارض ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ گزشتہ باب میں غیر اختیاری عوارض کا بیان تھا اور اس باب میں اختیاری عوارض کا بیان ہے۔

نماز میں کلام کرنے سے خواہ عمدہ ہو یا نسیاناً نماز باطل ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء و دلائل

وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ عَمْدًا أَوْ سَاهِيًا بَطَلَتْ صَلَاتُهُ حِلَافًا لِدُشَائِعِي فِي الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ وَمَنْزَعَةُ الْحَدِيثِ الْمَعْرُوفِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ صَلَاتَنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ وَرِسْمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَمَا رَوَاهُ مُحْمُولٌ عَلَى رَفْعِ الْإِثْمِ بِحِلَافِ السَّلَامِ سَاهِيًا لِأَنَّهُ مِنَ الْأَذْكَارِ فَيُعْصَرُ ذِكْرُهُ فِي حَالَةِ النِّسْيَانِ وَكَلَامًا فِي حَالَةِ التَّعَمُّدِ لِمَا فِيهِ مِنْ كَفِّ الْخَطَايَا

ترجمہ۔ اور جس شخص نے اپنی نماز میں کلام کیا خواہ عمدہ خواہ سہواً تو اس کی نماز باطل ہوگئی خطا اور نسیان کے اندر امام شافعی کا اختلاف ہے اور امام شافعی کا حجت حدیث معروف ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہماری یہ نماز اس میں دونوں کے کلام سے بچے، اس میں نہیں ہے اور یہ تو فقط تسبیح، تہلیل اور قرأت قرآن ہے۔ اور حدیث جس نواسہ شافعی نے روایت کیا ہے وہ گنہ دور ہونے پر محمول ہے، خلاف ہو اس میں کہ کیونکہ وہاں نماز میں سے ہے۔ پس علماء کون امت نسیان میں ذکر اعتبار کیا جانے کا اور حالت عمدہ میں کلام کیونکہ اس میں کاف خطاب ہے۔

تشریح سب کہتے ہیں قوت مذکرہ سے صورت کا زائل ہو جانا اور نسیان قوت حافظہ سے صورت کا زائل ہو جانا ہے۔ یہاں تک کہ سب جہد کا محتاج ہو اور خطا، یہ ہے کہ صورت تو باقی ہے لیکن جب ایک چیز کے تکلم کا ارادہ کیا تو بغیر ارادے کے دوسری چیز زبان سے نکل گئی اس جگہ سہو سے عام معنی مراد ہیں جو تینوں قسموں کو شامل ہوں گے اور چونکہ سہو اور نسیان کے درمیان حکم شرعی میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔

مسئلہ اگر کسی شخص نے اپنی نماز میں عمدہ یا سہواً کلام کیا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ کلام مفید معنی حرفی آواز کو کہتے ہیں تبھی ایک حرف کافی

ہوتا ہے جسے قیچی بنی اور ایک حرف ب معنی ہو تو کلمہ نہیں۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک خطاء اور نسیان کی صورت میں کلام مفسد نہیں ہے بشرطیکہ طویل نہ ہو۔ یونکہ طویل کلمہ خطاء و نسیان کے منافی ہے۔ امام شافعی کا مستند حدیث معروف رُفِعَ عَنْ أُمِّیَ الْحَضَاءِ وَالنَّسِیَانِ یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان کو دور کر دیا گیا۔ وجہ تہلیل یہ ہے کہ حکم کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی (مفسد نماز ہونا) اور خروی (کنہ کار ہونا) تو گو یہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت سے خطاء اور نسیان کا حکم دنیوی اور خروی دونوں کو مل گیا یہ یعنی ان دونوں سے نہ کوئی چیز فاسد ہوگی اور نہ ہی آخرت میں گنہگار ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیے کہ جب امتداد ہے کہ وجہ استدلال یہ ہے کہ ان دونوں کی حقیقت تو غیر مرفوع ہے یونکہ یہ دونوں بین الناس موجود ہیں بندہ ان کا حکم یعنی مفسد ہونا مرفوع ہوگا۔

ہماری دلیل معاویہ بن الحکم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے پوری حدیث اس طرح ہے کہ،

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَعَطَشَ بَعْضُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ بِرَحْمَةِ اللَّهِ هَرَمَابِي الْقَوْمُ بِأَصْدِرِهِمْ فَقُلْتُ وَأَنْتُمْ أَكَلُ أَقَادَ مَا لِي أَرَاكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ شَرًّا فَصَرَبُوا بِأَيْدِيهِمْ عَلَى إِحْفَادِهِمْ فَعَلِمْتُ أَنَّهُمْ يُسَكِّنُونَنِي فَلَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ ﷺ دَعَانِي فَوَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ مَا كَهَرَنِي وَلَا رَحِمَنِي وَلَكِنْ قَالَ إِنْ صَلَّاتُنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ وَإِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ

ترجمہ معاویہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس کسی نے چھینکا تو میں نے برحمتک اللہ کہا پس لوگ مجھ کو پٹی تیز نظروں دیکھنے لگے پس میں نے کہا اس کی اس کو کلمہ کرے مجھے کیا ہو گیا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم مجھ کو پٹی تیزی نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ پس نبیوں نے اپنی زبان پر اپنا ہاتھ دیا پس میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھ کو کلمہ موش کرنا چاہتے ہیں پس جب حضور ﷺ فارغ ہو گئے تو مجھ کو بدایا بخدا میں نے آپ سے اچھا معلم نہیں دیکھا نہ مجھ کو آپ نے بھڑکا اور نہ مجھ کو نہ بد کہا کہ ہماری اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کوئی چیز راقب نہیں ہے یہ تو فقط تسبیح تہلیل اور قرآن و قرآن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کا نہ ہونا نماز کا حق ہے جس طرح کہ طہارت کا پورا جانا نماز کا حق ہے پس جس طرح حدیث طہارت کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی اسی طرح وجود کلام کے ساتھ بھی جائز نہیں ہوتا۔ امام شافعی کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدیث رُفِعَ عَنْ أُمِّیَ الْحَضَاءِ وَالنَّسِیَانِ رفع تم پر محمول ہے اصل یہ ہے کہ حدیث میں حکم آخرت یعنی نہ ہونا مرد ہے ب کلمہ دنیوی یعنی مفسد ہونا بھی مراد لیا جائے تو عموم مشترک لازم ہے گا۔ ائمہ عموم مشترک جائز نہیں ہے "بخلاف اسلام" سے امام شافعی نے قیاس کا جواب ہے۔

قیاس کا حاصل یہ ہے کہ سلام کلمہ کا مانند ہے یونکہ ان دونوں میں سے ایک قطع نماز ہے اور سلام کے حق میں عمدہ و نسیان کے درمیان تفصیل ہے یعنی سلام مفسد نہیں اور عمدہ مفسد ہے پس یہی تفصیل کلام میں بھی ہونی چاہیے یعنی سلام کلام مفسد نہ ہوتا اور عمدہ کلام مفسد ہوتا۔

حاصل جواب یہ ہے کہ سلام من کل وجہ کلام کے مانند نہیں ہے کیونکہ سلام متواذکار نماز سے ہے حتیٰ کہ تحت میں پڑھا جاتا ہے اَلسَّلَامُ

عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّسِيُّ اِنْجُ اور سلام باری تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ہے بسمہ سلام نے کاف خطاب کی وجہ سے کلام کا کلمہ ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ مَنْ وَجہاً کر ہے اور مَنْ وَجہاً کلام ہے پس ہم نے دونوں وجہوں پر عمل کیا اور کہا اگر سلام ٹاسیا ہے تو وہ ذکر کے ساتھ لائق ہوگا۔ اور نماز فاسد نہیں ہوگی ورنہ اگر عدا ہے تو کلام کے ساتھ لائق ہو گیا۔ اور نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں کراہنا اور رونا خواہ خشیت سے ہو یا تکلیف اور درد سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں

فَإِنْ أَنْ فِيهَا أَوْ تَأْوَهُ أَوْ بَكَى فَأَرْتَفَعَ بُكَؤُهُ فَإِنْ كَانَ مِنْ ذِكْرِ الْحَيَّةِ أَوْ اسْتَرْكَمَ لَمْ يَقْطَعْهَا لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْخُشُوعِ وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا لِأَنَّ فَيْدًا طَهَارًا اخْزَعُ وَالْثَّابِتُ فَكَانَ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنْ قَوْلَهُ إِذَا لَمْ يُفْسِدْ فِي الْحَالَيْنِ وَأَوْدُ يُفْسِدُ زَيْدٌ الْأَهْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْكَلِمَةَ إِذَا اسْتَمَكْتُ عَلَى حَرْفَيْنِ وَهُمَا زَائِدَتَانِ أَوْ أَحَدَاهُمَا لَا تُفْسِدُ وَإِنْ كَانَا أَصْلِيَّتَيْنِ تُفْسِدُ وَحُرُوفُ الزَّوَائِدِ حَمْعُهُمَا فِي قَوْلِهِمْ "الْيَوْمَ نَسَاهُ" وَهَذَا لَا يَقْوَى لِأَنَّ كَلَامَ النَّاسِ فِي مُتَفَاهِمِ الْعُرْفِ يَتَّبِعُ وَجُودَ حُرُوفِ الْهَجَاءِ وَفَهَامِ الْمَعْنَى وَتَحَقُّقُ ذَلِكَ فِي حُرُوفِ كُلِّهَا زَوَائِدُ

ترجمہ اور اگر نماز میں کوئی کراہیا آہ یا یہ رو دیا پس اس کا رونا بند ہو پس اگر یہ جنت یا دوزخ کے ار سے ہے تو نماز قطع نہیں کرے گا کیونکہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے اور اگر درد یا مصیبت کی وجہ سے ہے تو نماز قطع کر دینا کیونکہ سن میں جزع اور استقامت کا فتنہ ہے تو کلام الناس میں سے ہو گیا۔ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ آہ کہنا دونوں حالتوں میں مفسد نہیں ہے ورنہ مفسد ہے۔ اور ہا یہ ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک اصل یہ ہے کہ کلمہ جب دو حرفوں پر مشتمل ہو اور وہ دونوں زائد ہوں۔ یا ان دونوں میں ایک زائد ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر دونوں اصلی ہوں تو فاسد ہو جائے گی اور حروف زائد کو اہل لغت نے اپنے قول لیسوہ تسمیہ میں جمع کیا ہے ورنہ اصل قوی نہیں کیونکہ کلام الناس ہونا عرف کی اصطلاح میں تابع ہوتا ہے حروف ہا۔ پ۔ ج۔ ت۔ ج۔ و۔ معنی سمجھانے کے ورنہ متحقق ہو جاتا ہے ایسے حروف میں کہ وہ سب کے سب زائد ہوں۔

تشریح زمین چلنے والے درد کی آواز جسکو اردو میں کراہنا کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ انہیں آہ کہنا اور تاء و او کہنا اور ارتعاش ہا یہ ہے کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں حاصل مسئلہ یہ کہ نماز میں کراہنا یا آہ کہنا یا رونا اس طور پر ہو کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں ان میں سے ہر ایک جنت یا دوزخ کرے ذکر کی وجہ سے ہو گا یا درد یا سن اور مصیبت کی وجہ سے پس اگر اس سے یعنی جنت یا دوزخ کے ار سے وجہ سے روایا وہ کہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلیل ہے اور چونکہ نماز میں خشوع ہی مصلوب ہے اس لئے خشوع کی زیادتی مفسد نماز کیسے ہو سکتی ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ اگر یہ شخص صراحۃً اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْحَيَّةَ وَاعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ کہتا تو نماز فاسد نہ ہوتی پس کٹائی کی صورت میں بدرجہ اولیٰ نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ٹائی ہے یعنی یہ باتیں درد یا سن مصیبت کی وجہ سے پیدا ہوئیں تو نماز فاسد ہو جائے گی یہی قول امام مالک اور امام احمد کا ہے کیونکہ اس میں جزع اور تاسف کا اظہار ہے اس وجہ سے یہ کلام الناس میں سے ہو گیا اور کلام الناس مفسد نماز ہے ہذا یہ بھی مفسد نماز ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ یہ شخص اگر درد اور مصیبت کا اظہار بہت کرتا مثلاً بہت رنجی مُصَابٌ خَدِیْ

میر کی مدد میں مصیبت زدہ ہوں تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی۔ پس اسی طرح دلائل اور کنایہ جزیع اور تاسف کے اظہار سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۱۔ صورتوں پر یہ اثر بھی مستند ہوگا سُنِیْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا عَنِ الْأَرِبِيِّ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَتْ إِنْ كَانَ مِنْ حُسْبَةِ اللَّهِ تَعَالَى لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْآلِیَةِ تَفْسُدُ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ طُوْنِي لِلْبُكَائِیْنَ فِي الصَّلَاةِ عَنِ النَّبِیِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے نماز کے اندر کراہت اور آہ و بکا کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خشیت خداوندی کی وجہ سے ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی ورنہ درود الہی کی وجہ سے ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے اندر روتے، اہوں سے، خوشخبری ہو۔ مام ابو یوسف سے مروی ہے کہ آہ (ہمزہ کے فتح و ہاء کے جزم سے ساتھ) کہنے والوں حالتوں میں مفسد نہیں ہے خواہ عزت و رفعت کے مرتبے ہو یہ روایت اور مصیبت کی وجہ سے ورنہ کہن مفسد ہے۔

۱۲۔ بعض حضرات نے کہا کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جب کلمہ دو حرفوں پر مشتمل ہو اور وہ دونوں حرف زوائد میں سے ہوں یا ان میں سے پہلے حرف زائد میں سے ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دونوں حرف اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی وجہ اس کی یہ ہے کہ مام بن ہشام نے یہ روایتیں حرفوں پر مبنی ہیں۔ یہ نکتہ ایک حرف کی ضرورت تو اس کے پیش آئے گی کہ اس سے ابتدا ہوتی جائے گی۔ اور ایک حرف کے لئے کہ اس پر وقف کیا جائے اور ایک حرف ان دونوں کے درمیان فیصل کرنے کے لئے ہوگا پس حرف واحد تو اقل جملہ ہے۔ یہ نکتہ یہ کام کا طلاق نہیں ہوگا اور دو حرف اگر ان میں سے ایک زائد ہو تو حرف اصلی کی طرف نظر کرتے ہوئے اس کی بناء بھی ایک ہی حرف پر رہے گی اور اگر دو حرف اصلی ہیں تو تین حرف میں سے کثر پائے گئے اور اکثر کل کے قائل مقتدم ہوتا ہے لہذا دو اصلی حرفوں پر مشتمل کلمہ جائز ہوگا نہ کہ فاسد ہوگا۔

۱۳۔ اس ضابطہ سے متعلق آہ و نوحہ مفسدہ نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ دو حرفوں (ہمزہ ہاء) پر مشتمل ہے اور دونوں حرف زوائد میں سے ہیں اور دونوں نمازوں میں اس کا یونکہ اس میں دو حرفوں سے زائد حرف ہیں اور دو حرفوں سے زائد میں ان کے اصلی اور زوائد میں سے ہونے کی طرف تفریق نہیں کی جاتی بلکہ دو حرفوں سے زائد حرفوں پر مشتمل کلمہ مطلقاً نماز کو فاسد کر دے گا خواہ وہ سب کے سب حرف زوائد میں سے ہوں نہ ہوں۔

فاضل مصنف نے کہا کہ حرف زوائد کو اہل سنت نے اپنے قول الْیَوْمَ نَسْأَلُہِمْ جمع رد کیا ہو۔

پچھلے نسخے کے حرف زوائد پر ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شاگرد نے اپنے استاد سے حرف زوائد کے متعلق پوچھا تھا۔ استاد صاحب نے جواب دیا مسئلہ یہاں شاگرد یہ کہتا ہے کہ استاد نے سبق میں بتائے ہوئے کلام کی طرف اشارہ کیا ہے لکن مام بن ہشام نے سوال کیا تھا ورنہ استاد نے کچھ جواب دیا تھا اس لئے فوراً اس نے کہا مَسْأَلْتُ نَقَطُ کہ حضرت میں نے آپ سے کچھ پوچھا بھی نہیں۔ پھر استاد نے جواب دیا۔ الْیَوْمَ نَسْأَلُہِمْ کہ یہ سمجھ کر اغظیوں کہ صرف اس کے معنی مراد لے رہے ہیں۔ یعنی شاگرد یہ سمجھ رہا تھا کہ استاد صاحب میرے قصور حفظ و تدبیر پر تائید کرتے ہیں کہ اگر میں تم و ہتھکڑی تو آج بھول جاؤ گے اس لئے پھر اس نے فرمایا کہ ہَاؤَ اللَّهُ لَا اِنْسَاءَ، جب استاد صاحب نے دیکھا کہ شاگرد کے لئے اشارہ ناگفتنی ہے تو پھر تنبیہ فرمائی اور کہا اِحْمَقُ جب تک مرتب نہیں۔

[illegible]

دریہ بات مسلم ہے کہ کلام ہونا اس وقت بھی متعلق ہو جاتا ہے جب کہ اس کے تمام حروف زوائد میں سے ہوں مثلاً کسی نے کہا کہ  
 انتہ الیوم سالتمو نیہاء اس جملہ میں مبتداء و خبر کی ترکیب ہے اور اس کا مکمل تمام حروف زوائد میں سے ہیں اس کے باوجود مفسد نماز  
 ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مطلقاً کلام مفسد نماز ہے حروف زوائد پر مشتمل ہو یا حروف اصلی پر۔ مگر صلاب نہایت جواب میں فرمایا کہ امام ابو  
 یوسف کا کلام دو حرفوں میں ہے یعنی اگر کلام دو حرف زائد پر مشتمل ہو تو وہ مفسد نماز نہیں ہوگا ورنہ دو حرف سے زائد حروف پر مشتمل ہو  
 اگرچہ وہ سب حروف زوائد میں سے ہوں تو امام ابو یوسف کا قول بھی طریفین کے قول کے مانند ہے یعنی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز میں کھانا سنا عذر سے ہو یا بغیر عذر کے اسی طرح چھینکنے و روکار لینے کا کیا حکم ہے

وَإِنْ تَسَحَّحَ بِغَيْرِ عِلْمٍ بِأَنْ لَمْ يَكُنْ مَدْفُوعًا إِلَيْهِ وَحَصَلَ بِدِرَ الحُرُوفِ يَسْغِي أَنْ يَفْسَدَ عِنْدَهُمَا وَإِنْ كَانَ بِعِلْمٍ فَهُوَ عَفْوٌ كَالْعَطَاسِ وَالْجُشَاءِ إِذَا حَصَلَ بِهِ حُرُوفٌ

ترجمہ اور اُرمصلیٰ نے تَحْصِیح کیا بغیر عذر کے بائیں طور کو مد فوعاً یہ نہ ہوا، اس سے حروف پیدا ہو چاہیں تو مناسبت یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز ناسد ہو جائے اور صحیح عذر کی وجہ سے ہو تو یہ معاف ہے جیسے چھینٹ اور کار کا رجب کہ اس سے حروف پیدا ہو چاہیں۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ اُرمصلیٰ نے تَحْصِیح کیا یعنی کھٹکھارا اور اس کی وجہ سے حروف بھی پیدا ہوئے مثلاً ا ح ر با شتخ یا یا ضم (کہا تو اس کی دو صورتیں ہیں عذر کی وجہ سے ہو گا یا بغیر عذر کے۔ اگر بغیر عذر کے ہو یعنی غلط رہی نہ ہو بلکہ احتیاط کی ہو تو طرفین کے نزدیک نماز ناسد نہ جانی چاہئے اور اگر عذر کی وجہ سے ہے تو یہ معاف ہے یعنی نماز ناسد نہ ہوگی جیسے چھینٹ اور کار سے نماز ناسد نہیں ہوتی اگرچہ اس سے حروف بجا طر ہو چاہیں۔

نماز میں چھینک کا جواب دینا مفید صلوٰۃ ہے

وَمَنْ عَطَسَ فَقَالَ لَهُ أَحَرُّ بَرٍّ حَمَمِكَ اللَّهُ وَهُوَ فِي الصُّوقِ فَسَدَتْ صَلَوَتُهُ لِأَنَّهُ يَحْرِى هِيَ مُحَاطَبَاتِ النَّاسِ  
فَكَانَ مِنْ كَلَامِهِمْ بِحِلَافٍ مَا إِذَا قَالَ الْعَاطِسُ أَوْ السَّامِعُ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى مَا قَالُوا لِأَنَّهُ لَمْ يُعَارَفْ حَوَالَا

ترجمہ اور گڑسی کو چھینک آئی چہرہ سے ہاتھ لے کر جہنم پر ہتھ ہے ہاں سر حسمک اللہ تو اس کی مہر فاسد ہوئی۔ یہ ہند یہ لوگوں کے مخاطبات میں جاری ہوتا ہے ہذا یہ لوگوں کے کلام سے ہو کر۔ بر حد فہ اس۔ جب چھینکے اسے مٹھنی یا سننے والے مٹھنی نے ہاں الحمد للہ اس بناء پر جو مشن کے ہاں یونہی الحمد للہ ہن جواب مٹھنی فہ نہیں ہے۔

تشریح مسند یہ ہے کہ ایک شخص کو چھینٹ آئی پس دوسرے آدمی نے جو نماز پڑھتا ہے یَرْحَمُكَ اللہ کہہ تو اس قاضی کی مزارفہ مدعو  
نہی کیونکہ یَرْحَمُكَ اللہ میں کاف خطاب ہے اور دونوں میں یہ یوں چاں جاری بھی ہے۔ اس لئے یہ کلام اللہ کے قبیل سے ہوگا اور



کہ میں نے منسہ نماز سے مذا یہ بھی مفسد نماز ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر چھینکنے والے مصلی نے اپنے منہ سے الحمد للہ کبرۃ  
میں سے قوس کے منہ سے منسہ نماز نہ ہوگا کیونکہ الحمد للہ بن حرف میں جو ب شریعتیں ہوتا ہوا یہ مراۃ ہے اور مراۃ نماز فی سجد نہیں  
مر جا س وجہ سے کہا گیا کہ الحمد للہ بنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے بھیجے کے جواب میں کہ امام بخاری نے یہ روایت یہ کہ چھینکنے والے اپنے دل میں الحمد للہ کہے اور  
اپنی زبان حرکت نہ کرے اس نے اپنی زبان کو حرکت دی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

### نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے کا حکم

وَرَدِ اسْتَفْحاحٌ عَلَيْهِ فِي صَلَاتِهِ تَمَسُّدٌ وَمَعَادُ أَنْ يَفْتَحَ الْمُصَلِّي عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ، لِأَنَّهُ تَعْلِيمٌ وَتَعْلَمُ، فَكَانَ مِنْ  
كَلَامِ النَّاسِ ثُمَّ شَرَطُ التَّكْرَارِ فِي الْأَصْلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ فَيُعْقَى الْقِلْبُ مِنْهُ وَلَمْ يُشْرَطْ فِي  
الْحَامِيعِ الصَّغِيرِ لِأَنَّ الْكَلَامَ بِفِيهِ قَطْعٌ وَإِنْ قَلَّ

ترجمہ اور اگر کسی نے لقمہ پیا یا پس مٹائی سے اپنی نماز میں تمہ و یا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس قوس کے معنی یہ ہے کہ مصلی نے  
اپنے امام کے علاوہ دوسرے کو لقمہ دیا۔ کیونکہ یہ سبھلانا اور سیکھنا ہے اس لئے یہ کلام اناس سے شمار ہوتا ہے پھر امام محمد نے مبسوط میں تکرار کی  
شرط رکھی ہے کیونکہ یہ فعل عمل صلوۃ میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا قبیل محاف ہوگا۔ اور جامع صغیر میں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ کلام تو  
بہت سے منسہ نماز ہے اور چھینکنا ہو۔

تشریح تثنیۃ قمریہ ربنا وورد صاحب ربنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مستصحون ای مستفروں متعلی اعتبار سے استباح کی چار  
قسمیں ہیں۔ اس لئے کہ قمریہ بننے والے کو لقمہ دینے والے دونوں نماز میں نہیں ہوں گے اور یہ دونوں نماز میں ہوں گے یہ مستفتح (قمریہ  
یہ دونوں نماز میں ہوگا کہ فاتح (قمریہ دینے والے) یا اس سے برعس ہوگا یعنی فاتح (قمریہ دینے والے) نماز میں ہو اور مستفتح (قمریہ لینے  
والے) نماز میں نہ ہو۔ پہلی صورت ثنی جب دونوں نماز میں نہ ہوں تو ہماری بحث سے خارج ہے اور دوسری قسم یعنی جب دونوں نماز میں  
ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں یہ دونوں کی نماز متحدہ ہوئی ہوں کہ مستفتح یعنی قمریہ دینے والے امام ہو اور فاتح یعنی قمریہ دینے والے مقتدی  
ہو۔ یہ دونوں کی نماز متحدہ نہ ہوئی پہلی صورت ہوگی کہ دونوں میں تکراریں گے۔ اور دوسری صورت میں یعنی جب دونوں کی نماز متحدہ نہ ہو تو  
دونوں میں سے ایک نماز فاسد ہو جائے گی مستفتح کی بھی اور فاتح کی بھی کیونکہ یہ تعلیم اور تعلم ہے یعنی فاتح نے تعلیم دی اور  
مستفتح نے تعلم کیا یعنی تعلیم و تعلم کی وجہ سے یہ کلام اناس سے ہو گیا اور کلام اناس منسہ نماز ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں نماز  
سے منسہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر لقمہ دینے میں تکرار پایا گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر تکرار نہ ہو تو  
وعدہ میں۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ایک قسم سے جو عمل صلوۃ میں سے نہیں ہے اور منہ سے صلوۃ مثل تکرار ہو تو مفسد نماز ہوتا ہے  
اور قبیل ہو تو مفسد نماز نہیں ہوتا پس ایک بار لقمہ دینا عمل قبیل ہے اور اس سے زائد عمل بیش ہے اس وجہ سے امام محمد نے کہا کہ لقمہ دینے  
میں تکرار پایا گیا تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔

یعنی جامع صغیر میں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ تمہ دینا کا مکرر ہے اور کلام سزا بذات خود منہ نماز ہے۔ چنانچہ یہاں نہ اس میں یہ کہ لقمہ دینے کو مبسوط میں فعل شمار کیا ہے اور جامع صغیر میں قول اور کلام شمار کیا ہے اور فعل شے منہ ہوتا ہے قلیل منہ نہیں ہوتا اور کلام نہیں بھی منہ ہوتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اگرچہ کسی کو ترجیح نہیں دی لیکن بعض مشائخ نے جامع صغیر کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

### مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینے کا حکم

وَرَأَى فَتَحَ عَلَى إِمَامِهِ كَمَا يَكُنْ كَلَامًا أَسِيحًا نَابِلًا لَّأَنَّهُ مُصْطَوِّرٌ إِلَى إِصْلَاحِ صَلَاتِهِ فَكَانَ هَذَا مِنْ أَعْمَالِ صَالِحِيهِ  
مَعْنَى وَبَنَوِي الْفَتْحِ عَلَى إِمَامِهِ دُونَ الْقِرَاءَةِ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ مُوَحَّضٌ فِيهِ وَقِرَاءَةُ لَهُ مُنْصَوِّغٌ عَلَيْهَا

ترجمہ۔ اور اگر مقتدی نے اپنے امام کو لقمہ دیا تو یہ کلام نہ ہوگا (اور یہ حکم) احتسابی ہے کیونکہ مقتدی اپنی نماز درست کرنے کی طرف متوجہ ہوگا۔  
یہاں سے یہ تمہ دینا یعنی اس کی نماز کے اعمال میں سے ہو یا ورتتہ کی اپنے امام کو تمہ دینے کی نیت نہ کرے۔ تا آنکہ یہی  
نیت ہے کیونکہ تمہ دینا ایسا ہے جس کی اجازت دینی سے اور مقتدی کا قرائن برصہ ایسا ہے کہ اس سے نیت نہ کرے۔

تشریح۔ اس عبارت میں سبک صورت جس کا کہ شیعہ مسدس مدہ یا یہاں قرائن بیان ہے قرائن مستفتح ورفاق دونوں کی نماز  
متحد ہو یا اس طور کو مستفتح امام فاتح اور مقتدی ہو تو یہ احتسابی کلام نہ ہوگا۔ اصل قرائن وہ ہے جس کی روایت یہاں رسول اللہ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصَّلَاةِ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ فَزَكَ مِنْهَا كَيْسَةً فَلَمَّا قَرَعَ مِنْهَا قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَلَمْ يَكُنْ فِيكُمْ أَبِي نُسْ كَعَبٍ فَقَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا فَتَحْتَ فَقَالَ طَبَّ إِلَهِكَ سَبَحْتَ  
فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ نَسِحتُ لَأَسَأْتُكُمْ یعنی رسول اللہ نے نماز میں سورۃ مؤمنون پڑھی اور ایک کلمہ پڑھا یا پس سب آپ  
فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم نے تمہ کیوں نہیں دیا۔ ابی بن کعب نے کہا میں نے نہیں دیا کہ یہ کلمہ منسوخ ہو گیا ہے حضور نے فرمایا اور  
منسوخ ہونے سے تم ہنس رہے ہو۔ (غنیہ) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے امام کو تمہ دینا منہ نماز نہیں ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اِذَا اسْتَطَعْتَكَ الْإِمَامُ فَاطْعِمْنِي بِإِذْنِهِ تَجِبُ لِقَمَةٍ تَقْوِي وَتَمْدِدُ (فتح  
القہیر) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ رسول اللہ میں ماموں کو لقمہ دیتے تھے۔ (حدیث)

دلیل عقلی یہ ہے کہ مقتدی اپنی نماز درست کرنے کی طرف مجبور ہے لہذا یہ تمہ دینا یعنی اس کی نماز کے اعمال میں سے ہوگا۔ اور نماز کا  
ہی منہ نہیں ہے اس لئے لقمہ دینا منہ نہیں ہوگا۔

مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مقتدی اپنے امام کو تمہ دینے کی نیت کرے یا قرائت قرآن کی نیت کرے بعض نے کہا کہ  
قرآن اور قرائت کی نیت کرے نہ کہ تمہ دینے کی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ لقمہ دینے کی نیت کرے نہ کہ قرائت قرآن کی  
کیونکہ مقتدی کو تمہ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور قرائت کرنے سے روکا گیا ہے اس لئے جس چیز کی اجازت اس کوئی گئی ہے اس کو  
مجبور کرنا روکا نہ کرے جس سے اس کو روکا گیا ہے یعنی قرائت کی نیت نہ کرے۔

مقدمہ دینے میں جلد بازی سے کام لیا اور امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا

تو لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم

وَلَوْ كَانَ الْإِمَامُ أَثْقَلَ إِلَى آيَةِ أُخْرَى تَفْسُدُ صَوْدُهُ الْفَارِجَ، وَتَفْسُدُ صَلَوةُ الْإِمَامِ لَوْ أَحَدَ بِقَوْلِهِ لَوْ حُودِ اسْتَقِينَ  
وَأَسْتَقِينَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ وَبَسْبَعِي لِلْمُفْتَدِي أَنْ لَا يَفْعَلَ بِالْفُجْجِ وَلِلْإِمَامِ أَنْ لَا يُلْحِثَهُمْ إِلَيْهِ نَلْ بَوَكَعْ إِذَا جَاءَ  
أَوَانُهُ، أَوْ يَنْتَقِلُ إِلَى آيَةِ أُخْرَى

ترجمہ اور اگر وہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فی سہ ہو جائے گی اور اگر اس نے اس کے قول کو لے لیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی کیونکہ مقتدی کا تمکین کرنا وہ اس کا لینا ہی ضرورت کے پیا گیا۔ اور مقتدی کے لئے منسب یہ ہے کہ وہ لقمہ دینے میں جمدی نہ کرے اور امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے بلکہ رکوع کر دے جبکہ اس کا وقت آگیا ہو یا دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام جس آیت پر اٹکا تھا وہ تکلی نہیں بلکہ وہ دوسری آیت پڑھنے لگا۔ پھر مقتدی نے مقدمہ دیا تو مقدمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ امام نے اس کے مقدمہ کو یہ تو مام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ مقتدی کی طرف سے تلقین اور امام کی طرف سے تلقین یا ضرورت پیدا کی اس نے تحسان تورہ نہیں البتہ بمقتضائے قیاس یہ کل مفسد ہو جائے گا۔

یہ نہیں رہے کہ یہ بعض مشائخ کا قول ہے جس کو مصنف ہدایہ نے اختیار کیا ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ نہ امام کی نماز فاسد ہوگی اور نہ مقتدی کی جتنی نہ قہر دینے والے کی فاسد ہوگی اور نہ لقمہ لینے والے امام کی فاسد ہوگی کیونکہ سابق میں جو اثر اَنِّ رَسُوْلَ اللہ ﷺ قَسَاکُمُی الصَّلٰوۃِ سُورَةُ الْمُؤْمِنِیْنَ گذارا ہے وہ مطلق ہے اور اس کے حلاق کا قصہ یہ ہے کہ قہر دینے والے اور امام کی نماز کسی حال میں فاسد نہ ہو۔

صاحب بدیع نے اہام اور مقتہ کی دونوں کو ہدایت فرمائی ہے چنانچہ فرمایا کہ مقتہ کی قلمہ دینے میں جلدی نہ کرے وراہ مقتہ یوں ہوتا ہے کہ یہ ایک بار دہرے میں آیت کو دہراتا رہے یا خاموش کھڑا ہو جائے یہ نہ کرے بلکہ جب مقتہ اور مفروض یعنی اہام صاحب کے نزدیک آیت و رسالہ میں سے نزدیک میں آیت پڑھ چکا تو رُوعاً مردے اور بعض حضرات نے قرأت مستحب کا اکتہ رکھا ہے یعنی ہر آیت مستحب پر چھ رُوعاً مردے یا اہم دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے یعنی جس آیت پر اٹکا ہے اس کو چھوڑ کر دوسری آیت شروع کرے۔

نماز میں کسی کو ”لا الہ الا اللہ“ کے ساتھ جواب دینے کا حکم

فَلَوْ أَحْبَبَ فِي الصَّدُوقِ رَجُلًا بِإِلَهِهِ إِلَّا لَهَذَا كَلَامٌ مُفْسِدٌ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يَكُونُ مُفْسِدًا وَ هَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا أَرَادَ بِهِ حَوَالَهُ لَهُ أَنَّهُ ثَاءٌ بِصِفَتِهِ فَلَا يَنْعِيهِ بِعَزِيمَتِهِ وَلَهُمَا أَنَّهُ أَخْرَجَ الْكَلَامَ مَخْرَجَ الْحَرْابِ وَ هُوَ بِحُكْمِهِ فَيُحْمَلُ حَرَابًا كَالْتَّشْمِيتِ وَالْإِسْرَاحِ عَنِ الْخِلَافِ فِي الصَّحِيحِ

ترجمہ پس اگر مصلیٰ نے نماز کے اندر کسی آدمی کو لا الہ الا اللہ کے ساتھ جو بیدار یا تو یہ کلام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک منسہہ ہوگا اور ابو یوسف نے کہا کہ مفسد نہیں ہوگا اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ مصلیٰ نے اس کلام سے کہنے والے کے جواب کا رد کیا ہو یا نہ ہو امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ کلام پختی وضع کے اعتبار سے ثناء لہی ہے پس وہ مصلیٰ کے عزم سے متغیر نہ ہوگا اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ (لا الہ الا اللہ) جواب کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یہ جواب کا احتمال بھی رکھتا ہے اس لئے اس کو جواب قرار دیا جائے گا جیسے چھینک کا جواب اور استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) بھی صحیح روایت میں اتنی اختلاف پر ہے۔

تشریح مسند یہ ہے کہ اگر مصلیٰ کے سامنے کسی نے کہا الہ مع اللہ (یعنی یا اللہ کے ساتھ ورنہ کوئی معبود ہے؟ تو اس مصلیٰ نے سن کر کہا لا الہ الا اللہ تو اب یہ کلام دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو اس سے جواب کا قصد کیا ہوگا اور یا اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع کا ارادہ کیا ہوگا۔ اگر ثانی ہے تو اس کا حکم اگلی سطروں میں آئے گا اور اگر اول ہے تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اپنے معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ثناء باری و حمد باری ہے اور جو کلام معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ثناء باری ہو وہ متکلم کے عزم اور رد سے متغیر نہیں ہوتا جیسا کہ جب مصلیٰ نے اپنے اس کلام سے اپنے نماز میں ہونے کی خبر دینے کا ارادہ کیا ہو تو اس سے معنی موضوع لہ متغیر نہیں ہوتے اسی طرح جواب کا ارادہ کرنے کی صورت میں بھی معنی موضوع لہ متغیر نہیں ہوں گے اور معنی موضوع لہ چونکہ ثناء اور حمد کے ہیں اور ثناء و حمد باری سے نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے لا الہ الا اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کہن یا کلام ہے جو ثناء باری اور جواب دونوں کا احتمال رکھتا ہے ہند یہ کا مشترک کے مانند ہو گیا اور مشترک کے معنی میں سے قصد اور ارادے سے ایک معنی متعین کرنا جائز ہے پس جب مصلیٰ نے لا الہ الا اللہ سے جواب کا ارادہ کیا تو اس کو جواب قرار دیا جائے گا جیسے چھینک کا جواب یعنی یسرحمک اللہ چونکہ جواب ہے اس لئے کلام اس سے بوجہ رد نہیں اس لئے چونکہ مفسد صلوٰۃ ہوتا ہے اس لئے لا الہ الا اللہ بھی جواب مراد لینے کی صورت میں منسہہ نماز ہوگا۔

صاحب عنایہ نے اس موقع پر ایک اعتراض اور جواب ذکر کیا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔

اعتراض یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ حالانکہ اس وقت اللہ کا نبی ﷺ نماز پڑھ رہا تھا آپ نے جواب میں فرمایا "اذْخُلُوْہَا بِسَلَامٍ اَمِیْنٌ" اور اس سے آپ نے جواب کا رد فرمایا حالانکہ آپ کی نماز فاسد نہیں ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی آیت یا کلمہ تو حید سے جواب کا ارادہ کیا ہو تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ شمس المائتہ سرخسی نے جواب میں کہا کہ حضور ﷺ پیچھے سے تلاوت کرتے کرتے بن مسعود کے اجازت چاہنے کے وقت اس آیت پر پہنچ گئے تھے پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کو بقصد تلاوت پڑھانا کہ بقصد جواب ہند اس کو کہ اعتراض کرنا درست نہیں ہوگا صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر مصلیٰ کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں مر گیا پس مصلیٰ نے ہر اس لفظ کو "اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ سَآئِلُکَ بِہِیْ" تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے چنانچہ بعض مشائخ نے کہا کہ یہ صورت بھی مختلف فیہ ہے یعنی طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ یہ صورت متفق علیہ ہے یعنی امام ابو یوسف نے استرجاع کے مفسد صلوٰۃ ہونے میں طرفین کی موافقت کی ہے یہی بات کہ امام ابو یوسف کے نزدیک فرق کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ مفسد نہیں اور استرجاع منسہہ ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ ستر جامع اظہار مصیبت کے لئے ہوتا ہے اور نماز اس کے لئے مشروع نہیں کی گئی ہی و لا الا الا بتعظیم اور توحید کے لئے ہے۔ اور نماز کی مشروعیت بھی اسی لئے ہوئی ہے۔

حاصل یہ کہ راستہ جامع منافی صلوۃ ہونے کی وجہ سے منفسد ہے اور لا الہ الا اللہ چونکہ منافی صلوۃ نہیں اس لئے یہ کلمہ منفسد نہیں ہوگا صاحب ہدایہ نے کہا کہ مختلف فیہ ہونے کا توں صحیح ہے۔

اگر دوسرے کو نماز میں ہونے پر خبردار کرنے کے لئے کلمہ یا آیت پڑھی تو بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی  
وَ اِنْ اَرَادَ بِهٖ اِعْلَامَهٗ اَنَّهُ فِی الصَّلٰوَةِ لَمْ تَفْسُدْ بِالْاِحْمَارِ لِقَوْلِهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَا نَاكَتْ اَحَدُكُمْ نَائِمًا فِی الصَّلٰوَةِ فَلْيُسَبِّحْ

ترجمہ اور اگر کلمہ یا آیت پڑھنے سے روکا یا دوسرے کو آگاہ کرنے کا کہ میں نماز میں ہوں تو بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کسی کو نماز میں رونے یا قہقہہ لگانے کا توں پڑھ دے۔

تشریح ماقبل کے مسند میں دوسرے احتمال کا وعدہ کیا گیا تھا اس عبارت میں اس کا بیان ہے یعنی کسی مصیبت کے کلمہ توحید یا قرآن کی کوئی آیت اس ارادے سے پڑھی کہ دوسرے کو اس کا نماز مونا معلوم ہو جائے تو اس سے بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی۔ دلیل حضور ﷺ کا قول "اِذَا نَاكَتْ اَحَدُكُمْ رَائِبًا فِی الصَّلٰوَةِ فَلْيُسَبِّحْ لِلرَّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلْسَّاءِ" یعنی جب نماز میں تم میں کسی کو کوئی، اقعہ پیش آنے کا توں پڑھنی چاہئے کیونکہ تسبیح مردوں کے لئے ہے و تصفیق عورتوں کے لئے ہے کہ عورت اپنے دائر میں ہاتھ کو تھیل کے رخ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر مار دے۔

ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد عصر یا نفل میں شروع ہوا تو ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی  
وَمَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِنَ الظُّهْرِ ثُمَّ افْتَتَحَ الْعَصْرَ وَالتَّطَوُّعَ فَقَدْ نَقَضَ الظُّهْرَ لِأَنَّهُ صَحَّ شُرُوعُهُ فِي غَيْرِهِ فَيَخْرُجُ عَنْهُ  
ترجمہ اور اگر کسی نے (مثلاً) ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر کی نماز یا نفل نماز شروع کی تو اس نے ظہر کو توڑ دیا کیونکہ اس کے غیر کو نہ شروع کرنا صحیح نہ تو ظہر سے نکل جائے گا۔

تشریح اگر کسی شخص نے کسی نماز مثلاً ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر کی نماز یا نفل نماز کی نیت کی اور یہ نیت اس سے کہ زبان سے اور کانوں تک ہاتھ بھی نہیں اٹھائے تو اس صورت میں پہلی نماز جتنی ظہر باطل ہو گئی۔ دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا دوسری نماز شروع کرنا صحیح ہے و دوسری نماز شروع کرنے کے لئے پہلی سے ٹکنا ضروری ہے اس لئے پہلی نماز باطل ہو جائے گی۔

ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ ظہر میں شروع ہوا تو پہلی پڑھی رکعت محسوب ہوگی  
وَلَوْ افْتَتَحَ الظُّهْرَ بَعْدَ مَا صَلَّى مِنْهَا رَكْعَةً فَهِيَ هِيَ وَبِحَتْرَى بِتِلْكَ الرَّكْعَةِ لِأَنَّهُ نَوَى الشُّرُوعَ فِي عَيْنِ مَا هُوَ فِيهِ فَصَعَتْ بِنَيْهِ وَبِنَيْ الْمَوِي عَلَى خَالِصِهِ

ترجمہ اور اگر ظہر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر ظہر کی نماز شروع کی تو یہ دوسری نماز وہی پہلی نماز ہے اور وہ رکعت محسوب ہوگی۔  
یونکہ مصلیٰ نے شروع کرنے کی نیت کی ایسے فرض میں کہ وہ عینہ رہی ہے جس میں موجود ہے تو اس کی نیت لغو ہوگئی اور جس کی نیت نہ ہو وہ اپنی حالت پر ہوتی رہا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ پہلے ظہر شروع کرے اس میں سے ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر دوبارہ اس ظہر کی نیت سے تکبیر تحریمہ ہے غیر زبان سے نیت کئے ہوئے تو یہ دوسری نماز پہلی نماز ہے یعنی پہلی نماز سے خارج نہ ہوگا اور جو رکعت پڑھ چکا وہ بھی شمار ہوگئی تھی کہ اگر اس کے بعد تین رکعتیں پڑھیں تو فریضہ ظہر ادا ہو جائے گا اور اگر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اس گمان کے ساتھ کہ پہلی رکعت باطل ہوگئی اور تیسری رکعت پر بیٹھ بھی نہیں تو قعدہ اخیرہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

دلیل یہ ہے کہ مصلیٰ نے بعینہ اس چیز کو شروع کرنے کی نیت کی ہے جس میں وہ پہلے سے موجود ہے اس لئے اس کی نیت لغو ہوگئی اور جس کی نیت نہ ہو وہ اپنی حالت پر ہوتی رہا۔

### نماز میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں... اقوال فقہاء

وَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ مِنَ الْمُصْحَفِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا هِيَ تَامَةٌ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ انْصَلَفَتْ إِلَى عِبَادَةِ إِلَّا أَنَّهُ يَكْتَرُهُ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ بِصَنْعِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا يَسِيءُ حَقًّا الْمُصْحَفِ وَالنَّظَرُ فِيهِ وَتَقْلِيْبُ الْأَوْرَاقِ عَمَلٌ كَثِيرٌ وَلِأَنَّهُ تَلَفُّ مِنَ الْمُصْحَفِ فَصَارَ كَمَا ذَاتِلَقْنِ مِنْ غَيْرِهِ وَعَلَى هَذَا لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمُحْمُولِ وَالْمَوْصُوعِ وَعَلَى الْأَوَّلِ بَقَرَةٌ

ترجمہ اور اگر امام نے مصحف میں سے قرأت کی تو امام بو حنیفہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگئی اور صاحبین نے کہا کہ دیکھ کر پڑھنے والے کی نماز پوری ہے کیونکہ ایک عبادت ہے جو دوسری عبادت سے مل گئی مگر یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ صورت اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے۔ اور امام بو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مصحف کا اٹھانے رہنا اور اس میں دیکھنا اور ورق لٹکانا عمل کثیر ہے اور اس لئے کہ مصحف سے دیکھنا ایسا ہے جیسا کہ دوسرے آدمی سے دیکھنا۔ اور اس وجہ کے موافق (رغل پر) رکھے ہوئے (قرآن سے) پڑھنے اور اٹھائے ہوئے سے پڑھنے میں کچھ فرق نہیں اور مجاہد کے موافق دونوں میں فرق ہے۔

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام یا منفرد نے مصحف میں سے دیکھ کر قرأت کی تھوڑی یا زیادہ تو امام بو حنیفہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگئی اور صاحبین نے فرمایا کہ مع انکہ بہت جائز ہے یعنی نماز پوری ہوگئی بہت مکروہ ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تو جائز ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قرأت ایک عبادت ہے اور مصحف میں نظر کرنا بھی عبادت ہے یونکہ حضور نے فرمایا "اعطوا أعینکم من العبادۃ حظاً فیل و ما حظہا من العبادۃ قال الطوفی المصحف" یعنی اپنی آنکھوں کو عبادت میں سے حصہ دو یہاں یہاں۔ عبادت میں سے انکا حصہ یہاں ہے تو آپ نے فرمایا کہ مصحف میں نظر کرنا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصحف میں نظر کرنا آنکھوں کی عبادت ہے یہاں ایک عبادت دوسری عبادت کے ساتھ مل گئی اور نہ ایک عبادت مفسد نماز ہے جب دو عبادتیں مل گئیں تو بدرجہ اولیٰ مفسد نماز نہیں ہوں گی۔ دوسری دلیل حدیث ذکوان "أَنَّكَ كَأَنَّكَ مَوْمٌ عَائِشَةٌ فِي رَمَضَانَ وَكَأَنَّكَ بَقَرَةٌ أَمِنْ الْمُصْحَفِ" ہے یعنی حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آزدیا ہونا امام: توان نامی رمضان میں حضرت مہمو مین کی امامت کرتا اور وہ مصحف سے پڑھا کرتا تھا اور گراہت  
نہ ہے کہ یہ صورت اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے یونکہ اہل کتاب اذکار وغیرہ حفظ نہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح ہاتھ میں  
تیر پڑھتے ہیں اور اہل کتاب کی حدیث میں منع پایا ہے جس صورت میں بغیر مشابہت کے شریعت پر عمل کرنا ممکن  
ہو اس صورت میں اہل کتاب کے ساتھ تشابہ مکرہ ہوگا۔

ماہر و ضیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک ٹھکے رہنا در اس میں نظر کرنا و ورقوں و پلٹن یہ مجموعہ عمل شیعہ ہے اور عمل شیعہ مفسد نماز  
ہوتا ہے اس لئے یہ صورت مفسد نماز ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مصحف سے پڑھنا اس سے سیکھ لینا ہے جس یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی دوسرے  
آئی سے نماز میں سیکھتے ہیں اور نماز میں کسی دوسرے سے تعلم اور تلقین کرنا مفسد نماز ہے ہذا اس صورت میں بھی نماز فاسد ہوگی۔ صاحب  
ہد یہ کہتے ہیں کہ دوسری دلیل کی بنا پر کسی چیز پر ٹھکے ہو کر قرآن سے پڑھنے اور ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے سے پڑھنے میں ولی فرق  
نہیں ہے یونکہ تلقین دونوں صورتوں میں پایا گیا اور یہی باعث فساد ہے اور دلیل اس کی بنا پر دونوں میں فرق ہے یونکہ قرآن کی چیز  
پڑھا ہوا ہے اور متصلی اس سے دیکھ کر پڑھتا ہے اس میں عمل شیعہ نہیں ہے ورنہ ہاتھوں میں سے پڑھتا ہے تو یہ عمل کثیر ہے شمس الاممہ  
سرخس نے دوسری دلیل کو اصح قرار دیا ہے۔

### نماز میں مکتوب چیز کی طرف دیکھ کر اسے سمجھ لیا تو یہ بالاجماع مفسد صلوٰۃ نہیں

وَلَوْ طَرَفَ إِلَى مَكْتُوبٍ وَفِيهِ صَلَاحٌ أَلَّا لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِالْإِجْمَاعِ بِجَلَابِ مَا إِذَا خَلَفَ لَا يَقْرَأُ بَكْتَاتٍ فَلَا  
حَبُّ بِحَبِّ بِالْفَهْمِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هَذَا لَكَ أَلْفَهُ أَمَّا فَسَادُ الصَّلَاةِ فَبِالْعَمَلِ الْكَثِيرِ وَلَمْ يُؤْخَذْ

ترجمہ اور زمیں نے (قرآن سے علاوہ) کسی بھی سونی چیز کی طرف دیکھ کر اس کو سمجھ بھی لیا تو صحیح قول یہ ہے کہ بالاجماع اس کی  
نماز فاسد نہیں ہوگی اس کے برخلاف جب اس نے قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھے گا تو امام محمد کے نزدیک فقط سمجھنے سے حادث  
ہو جائیگا یونکہ یہاں مقصود سمجھنا ہے نہ نماز کا فاسد ہونا تو وہ عمل شیعہ سے ہوتا ہے اور وہ پایا نہیں گیا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ مصلیٰ نے قرآن کے علاوہ کسی دوسری چیز کو دیکھا ہو اور اس کو سمجھ بھی لیا مگر زبان سے تلفظ نہیں کیا تو  
اس بارے میں جنس مشائخ کے قول کے مطابق ماہر ابو یوسف نے زنا یک نماز فاسد نہیں ہوگی اور امام محمد کے نزدیک فاسد ہو جائے گی  
جیسے قرآن نے قسم کھائی کہ فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا پھر اس پر نظر ان حتیٰ کہ اس کو سمجھ بھی لیا مگر زبان سے کلمہ نہیں کیا تو امام ابو یوسف  
نے زنا یک حادث نہیں ہوگا اور امام محمد کے نزدیک حادث ہو جائے گا امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ زبان سے قرأت کا مقصد فہم اور مراد کا سمجھنا  
ہے پس سمجھنا قرأت کے مانند ہوگا یعنی جس طرح قرأت اور کلمہ سے حادث ہو جاتا ہے اسی طرح فہم معانی سے بھی حادث ہو جائے گا۔  
امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قرأت زبان سے ہوتی ہے یونکہ قرأت کا م کے قبل سے ہے ورنہ زبان سے ہوتا ہے پس معنوم ہوا کہ  
قرأت بھی زبان سے ہوتی ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ حالف نے زبان سے کچھ نہیں پڑھا بلکہ کلمہ ہوا دیکھ کر صرف سمجھا ہے اس لئے وہ حادث نہ  
ہوگا ورنہ مصلیٰ نے قرآن کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مسئلہ مذکورہ میں بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی۔ مسئلہ مذکورہ میں صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق امام محمد بھی  
مفسد نماز کے حکم میں ابو یوسف کے ساتھ ہیں اب حاصل یہ ہوا کہ قرآن کے علاوہ دیکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر اگر سمجھ لیا اور زبان سے نہیں





ہتی۔ اور جب آپؐ کھڑے ہوتے تو پاؤں پھیرا دیتی تھی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرات ام المؤمنینؓ ما ائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث ابو ذر کا بڑی سختی سے انکار کیا اور مصلیٰ کے سامنے سے عورت کے گزرنے سے نماز فاسد بننے کی سخت لب وجہ میں تردید نہ مائی۔ زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کام مصلیٰ کے سامنے سے گزرنے میں ہے نہ کہ پاؤں پھیرا کر لینے میں۔ اور حضرات ما ائشہ کے بیان سے پاؤں پھیرا کر لینا تو ثابت ہوتا ہے مگر مرور بین المصلیٰ ثابت نہیں ہوتا۔ جو ب جب پاؤں پھیرا کرتے رہنا مفسد نہ کہ مکمل طور پر بد رجبہ اولیٰ منسہ نہیں ہوگا۔

جمہور علماء کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول لَا یَقْطَعُ الصَّلَاةَ مُرُورُ شَيْءٍ فَأَذْرَعُوا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ہے یعنی کسی چیز کا مرنا نماز کو قطع نہیں کرتا جس قدر ممکن ہو دفع کرو کیونکہ وہ شیطان ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مصلیٰ کے سامنے سے گزرنے والا بکرا ہوگا۔ یونہی حضورؐ نے فرمایا لَوْ عَلِمَ الْمَازِئِينَ يَدِي الْمُصَلِّيِّ مَا ذَعَبَهُ مِنَ الْوَرْدِ لَوَقَفَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا مَصْلً كَسَامَةِ السَّيِّئِ سے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کس قدر گناہ بڑھتا ہے تو وہ پالیس تک ہڑارتا۔ روئی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ چالیس سال میں یا چالیس ماہ میں یا چالیس یوم میں۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بطریق صحت ثابت ہے کہ چالیس سال مرے ہیں۔

وَأَسْمَاءُ ثَمَامٌ إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ مِنْ قَدَمَيْهِ أَوْ مَقَامِهِ يَنْحَنِي وَهُوَ مَقَامُ جَسَدِهِ أَوْ مَقَامُ جَسَدِهِ أَوْ مَقَامُ جَسَدِهِ أَوْ مَقَامُ جَسَدِهِ

بعض مشائخ کی رائے: بعض مشائخ نے کہا کہ حد یہ ہے کہ جب مصلیٰ اپنی نظر اپنے سجدہ کی جگہ والے پر پڑھتا ہو تو گزرنے والے پر اس کی ٹکاؤ نہ پڑے یعنی حد موضع سجود سے بھی آگے وہاں تک ہے کہ موضع سجود پر نظر رکھنے کی حالت میں جہاں تک آگے جی نظر پڑتی ہے پھر جہاں نہ پڑے وہاں سے گزرتا مرد نہیں ہے بعض نے صنف یا تین صنف کی مقدار کے ساتھ مقداریا ہے اور بعض نے تین ذراں کے ساتھ اور بعض نے پانچ ذراں کے ساتھ مقداریا ہے اور بعض نے پالیس ذراں کے ساتھ مقداریا ہے یہ تمام اسی وقت ہے جب کہ صحرا یا میدان میں نماز پڑھتا ہو اور اگر مسجد میں پڑھتا ہے تو بعض کی رائے یہ ہے کہ پچاس ذراں چھوڑ کر گزرنے والا ہے اور بعض کا تو یہ ہے کہ مصلیٰ اور کعبہ کی دیوار کے درمیان سے گزرتا مناسبت نہیں ہے بلکہ دیوار کی اس طرف سے ہو کر گزرے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مرور بین المصلیٰ کی کرہت اس وقت ہے جبکہ مصلیٰ اور گزرنے والے کے درمیان کوئی چیز حال نہ ہو جیسے ستون یا دیوار یا کھڑکی یا پیچھا وغیرہ اگر کوئی چیز حال ہو تو گزرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص چبوترے پر نماز پڑھتا ہو تو اس کے سامنے سے گزرنے والا اس وقت گنہگار ہوگا۔ جبکہ گزرنے والے کے عضو مصلیٰ کے اعضاء کے محاذی در مقابل ہو جائیں اور اگر آدمی کے قدم کے برابر اونچی جگہ پر نماز پڑھتا ہو تو اس کے آگے سے گزرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔

صحرا (میدان) میں نماز پڑھنے والے کے لئے سترہ قائم کرنا مستحب ہے

وَيَسْعَى لِمَنْ يُصَلِّي فِي الصَّحَرَاءِ أَنْ يَتَّخِذَ أَمَامَهُ سُرَّةً لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي الصَّحَرَاءِ فَلْيُحِمْ بَيْنَ يَدَيْهِ سُرَّةً وَمَقْدَارُهَا ذِرَاعٌ فَصَاعِدًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيْحِمْ أَحَدُكُمْ إِذَا صَلَّى فِي الصَّحَرَاءِ أَنْ تَكُونَ أَمَامَهُ مِنْ مَوْحَرَّةِ الرَّحْلِ وَقِيلَ بَسْعَى أَنْ يَكُونَ فِي غِلْطِ الْأَصْبَعِ لِأَنَّ مَا دُونَهُ لَا يُبْدُو لِلسَّاطِرِينَ مِنْ بَعْدِهِ

## فَلَا یَحْصُلُ الْمَقْصُودُ

ترجمہ۔ اور جو شخص میدان میں نماز پڑھتا ہے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے آگے ستر دہناے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے میدان میں نماز پڑھے تو اپنے سامنے سترہ کر لے۔ اور سترہ کی مقدار ایک ذراع یا زیادہ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ عاجز ہوتا ہے تم میں کوئی جب میدان میں نماز پڑھے یہ کہ اس کے سامنے مثل مؤخرہ کجاوہ کے ہو۔ اور کہا گیا کہ مناسب ہے کہ موٹائی میں انگلی کی مقدار ہو۔ کیونکہ اس سے کم موٹائی تو دور سے دیکھنے والوں کو ظاہر نہ ہوگی پس مقصد حاصل نہ ہوگا۔

تشریح۔ مسند یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میدان میں نماز پڑھتا ہو تو وہ اپنے آگے سترہ قائم کر لے اور یہ امر مستحب ہے۔ دلیل حضور ﷺ کا تو رِاذاً صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي الصَّحْرَاءِ فَلْيَجْعَلْ بَيْنَ يَدَيْهِ سِتْرَةً ہے یہ بات کہ سترہ کی مقدار یا ہوگی تو اس بارے میں فرمایا کہ سترہ لمبائی میں کم از کم ایک ذراع ہونا چاہئے۔ اور زیادہ جس قدر ہووئی حرج نہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا تو رِاذاً صَلَّى أَحَدُكُمْ إِذَا صَلَّى فِي الصَّحْرَاءِ أَنْ يَكُونَ أَمَامَهُ مِثْلُ مَوْحَرَةِ الرَّحْلِ، مَوْحَرَةُ مِمْكَ ضَمًّا وَرَخَا كَأَنَّهُ ذَا سِتْرِي وَكَتَبَتْ بَيْنَ جُودَيْهِ سِتْرٌ جِيبٌ مِثْلُ ذَاكَ كَرَكَةٍ بَرَابَرٍ ہوتی ہے۔ خواہ مشدہ پڑھنا خط ہے اصل جودہ کے معنی میں ہے۔ حساب قدوری نے کہا کہ موٹائی ایک انگلی کے برابر ہونی چاہئے۔ دلیل یہ ہے کہ اس سے کم موٹائی دور سے دیکھنے والوں کو ظاہر نہ ہوگی پس اس سے کم موٹائی والے سترہ سے شکیوہ حاصل نہ ہوگا اس لئے کہا گیا کہ کم از کم ایک انگلی کی مقدار موٹائی ہونی چاہئے۔

## نمازی سترہ اپنے قریب گاڑھے، سترہ لگانے کا طریقہ

وَقُرِّبَ مِنَ السُّتْرَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ صَلَّى إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا وَيَحْصِلْ اسْتِرَافَةً عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوْ عَلَى الْأَيْسَرِ وَرَدَ الْأَثَرُ وَلَا بَأْسَ بِتَوَكُّبِ السُّتْرَةِ إِذَا أَمِنَ الْمُؤَوَّرَ وَلَمْ يُوَاجِهْ الطَّرِيقَ

ترجمہ۔ اور سترہ سے قریب رہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس سے نزدیک رہے اور سترہ کو اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے باقاعدہ رکھے یعنی دونوں آنکھوں کے چاند میں یہاں سے قریب رہے چنانچہ امام ابو داؤد نے ضابطہ بتا دیا متناد بن الماسود سے وراثتوں نے اپنے والد مقداد بن اسود سے روایت کیا ہے قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى عُرُوْدٍ وَلَا عَمُودٍ وَلَا شَحْرَةٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوْ الْأَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُّ لَهُ صَمْدًا مَقْدَرًا فَرَمَا كَيْفَ دِيكْھَا میں نے اللہ کے برحق نبی کو کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا کہ اس کو اپنے دائیں یا بائیں بھوؤں کے مقابل کر دیا اور اس کا ارادہ نہیں فرماتے تھے۔ (فتح القدیر) صاحب منیہ نے اس اثر کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے إِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلَّى إِلَى شَحْرَةٍ وَلَا إِلَى عُرُوْدٍ وَلَا عَمُودٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ وَلَمْ يَصْمُدْ صَمْدًا أَيْ لَمْ يَقْصِدْهُ قَصْدًا إِلَى الْمُوَاجَهَةِ۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ سترہ تکڑنے میں اس وقت تک ہلی مضر نہیں جب کہ لوگوں کے گزرنے سے امن ہو اور ماضی راستہ نہ ہو۔ اس عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ سترہ ہلی علت مسامحہ اور ہے جس جہاں کسی کے گزرنے کا غائب گمان نہ ہو وہاں سترہ ترک کرنے میں ماضی عقد نہیں ہے البتہ امن کے ہر وجود پر رکھنا صحیح ہے۔

### امام کا سترہ مقتدی کے لئے کافی ہے

وَسُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةٌ لِلْقَوْمِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى سَطَحَاءُ مَكَّةَ إِلَى عَنَرَةٍ وَلَمْ يَكُنْ لِلْقَوْمِ سُتْرَةٌ

ترجمہ۔ امام کا سترہ ہی قوم کا سترہ ہے کیونکہ حضور نے بھی مکہ میں پوری دار عصبہ کی طرف نماز پڑھی اور قوم کے لئے سترہ نہ تھا۔  
تشریح۔ نماز باجماعت کی صورت میں امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا۔ دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن ہمام کے بیان کے مطابق متن حدیث یہ ہے اِنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ بِالْطَّحَاءِ وَتَنَنَ يَدِيهِ عَنَرَةً وَالْمَرَادُ بِالْحِمَارِ يَمُرُّونَ مِنْ وَرَائِهَا يَعْنِي حُضُورِ يَحْتَمِلُ فِي مَقَامِطِهِ، میں لوگوں کو نماز پڑھائی اور آپ نے آگے پوری دار عصبہ تھا اور عمت اور گدھا عصبہ سے باہر سے گزر رہے تھے۔ منعنف ہدایہ کہتے ہیں کہ مقتدیوں کے لئے سترہ نہیں تھا اس سے معلوم ہوا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہو جائے گی۔

### سترہ گاڑنے کا اعتبار ہے ڈال دینا اور خط کھینچنا کافی نہیں

وَيُغْنِي الْعِزْرُ دُونَ الْإِنْقِصَاءِ وَاسْحَاطٍ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُرُ بِهِ

ترجمہ۔ اور سترہ کو گاڑ دینا معتبر ہے نہ کہ اس کا ڈال دینا اور نہ خط کھینچنا کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔  
تشریح۔ ماتن نے کہا کہ سترہ کا گاڑنا معتبر ہے اس کا زمین پر گاڑنا یا خط کھینچنا معتبر نہیں ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب زمین نرم ہو سترہ کا گڑھ نہ ممکن ہو اور اگر زمین سخت ہو سترہ کا گڑھ ممکن نہ ہو تو سترہ کو خطوں زمین پر رکھ دے نہ کہ مٹا اور طوں اس لئے رکھے تاکہ وہ گاڑنے کی ہمت پر ہو جائے۔ اور اگر سترہ دھنا کے لئے سڑی و نیمہ ہوئی چیز نہ ہو تو یہ زمین پر خط کھینچنا معتبر ہو گیا یا نہیں تو صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق حرفین سے مراد یہ ہے کہ خط کھینچنا معتبر نہیں ہوگا اور یہ وہی چیز نہیں ہے۔

بہت اہم مشفق نے کہا کہ ایک طویل خط کھینچ دے اور اسی کے قائل بعض متاخرین ہیں۔ صاحب ہدایہ نے حرفین کی دلیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ سترہ سے مقصود مصلی اور گزرنے والے کے درمیان حیوات ہے اور یہ مقصود اس سے حاصل نہیں ہوگا مگر خط کا ہونا اور نہ ہونا دونوں پر برکتیں۔

### نمازی سترہ کی عدم موجودگی میں گزرنے والے کو دفع کرے

وَنَارًا الْمَارَّةَ إِذَا لَمْ يَكُنْ تَحْتَهُ سُتْرَةٌ أَوْ مَرَّتْ بِهِ وَتَنَنَ السُّتْرَةَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَادْرُؤُوا مَا اسْتَطَعْتُمْ وَبَدْرًا بِالْإِسَارَةِ كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِوَلَدَيْ أُمِّ سَلَمَةَ وَيُدْفَعُ بِالسَّبِيحِ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَيُكْرَهُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ بَاحِدَهُمَا كَفَايَةٌ

ترجمہ اور مصلیٰ گزرنے والے کو دفع کرے جب کہ اس نے سات ستر نہ ہو یہ مصلیٰ اور ستر ہونے درمیان سے گزرے۔ یونہی حضورؐ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے تم اس کو دفع کرو اور دفع کرے اشارے سے جیسا کہ حضورؐ نے اس مسئلہ کے دو بیچوں کے ساتھ کیا تھا یہ اس کو دفع کرے تسبیح پڑھنے کے ساتھ۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے اس سے پیشتر دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے یونہی اس میں کفایت ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلیٰ کے سامنے ستر نہ ہو یا ستر ہو تو ہے مگر ستر اور مصلیٰ کے درمیان سے کوئی گزرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو مصلیٰ اس گزرنے والے کو دفع کرے یونہی حضورؐ نے فرمایا کہ قَادِرٌ وَاَمَّا اسْتَطَاعَ مَعْنٰی جس قدر ممکن ہو اس کو دفع کرو۔

یہ بات کہ مصلیٰ گزرنے والے کو کس طرح دفع کرے اس پر اے میں فرمایا کہ اشارے سے دفع کرے جیسا کہ حضورؐ نے اس مسئلہ کے دو بیچوں کو دفع کیا تھا۔ تفصیل صاحب کفایہ اور عن یہ ہے اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي نَسَبٍ أَمْ سَلَمَةَ فَقَامَ وَلَدُهُ عُمَرُ لِمَرْبِئٍ يَدِيهِ فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ قِفْ فَوَقَفَ ثُمَّ قَامَتْ سَتَهَا زَيْنَبُ لِمَرْبِئٍ يَدِيهِ فَأَشَارَ إِلَيْهَا أَنْ قِفِي فَأَبَتْ فَمَرَّتْ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ نَاقِصَاتُ الدِّينِ صَوَاحِبُ يُوسُفَ صَوَاحِبُ كُرْسِفٍ يُعَلِّسُ الْكِرَامَ وَيُعَلِّبُهُنَّ الْإِلَامَ، مَعْنٰی حضور اقدسؐ فرمودے مائیں اظہر بہ حضرت اس مسئلہ کے مکان میں نماز پڑھ رہے ہیں اس مسئلہ کا فائدہ نیک اور خیر نہ ہو تا کہ کائنات کے آقا۔ اے آپ سے ہو کر گزرے آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ یہ صاحب کُرسف ہے۔ پھر اس مسئلہ کی سادہ لوح صاحبزادی نہیب بھڑی ہوئی تاکہ آپ سے گزرے آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ نمبر جابریکین وہ نہ مانی اور گزر گئی پس جب یہ صاحب شریعت اپنی نماز سے فراغت پر چکا تو یوں گویا ہوا کہ (یہ آدمی بیہوش ناقصات العقل ناقصات دین اصواحب یوسف اور صواحب کرسف ہیں۔ یہ کریم اور بھٹے لوگوں پر غالب آجاتی ہیں اور کہیں لوگ ان پر چڑھ بیٹھتے ہیں۔ بہر حال اس حدیث سے اشارہ سے دفع کرنا ثابت ہوا۔

یا اس تسبیح پڑھ کر دفع کرے۔ دلیل سابق میں مذکور چکی ہے یعنی حضورؐ کا قول اِذَا سَأَلَتْ أَحَدُكُمْ بَلَاءَةً فِي الصَّلَاةِ فَلْيُسَبِّحْ اَللّٰہَ وَتَسَبِّحْ دُونُوں جمع کرنا مکروہ ہے یونہی ان دونوں میں سے ایک کافی ہے۔

## مکروہات نماز

### فصل

نماز میں کپڑے، بدن سے کھیلنا اور عبث کام مکروہ ہے

وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي أَنْ يَتَعَبَّ بِثَوْبِهِ أَوْ بِحَسَدِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا وَدَكَّرَ مِنْهَا الْعَبَثَ فِي الصَّلَاةِ وَلَإِنَّ الْعَبَثَ خَارِجُ الصَّلَاةِ حَرَامٌ لَمَّا ظَنَنْتُكَ فِي الصَّلَاةِ

ترجمہ (یہ) فصل (مکروہات نماز کے بیان میں ہے)۔ اور مصلیٰ کے لئے مکروہ ہے یہ کہ کھیت اپنے کپڑے یا بدن کے ساتھ یونہی حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو مکروہ کیا ہے اور ان تین چیزوں میں سے ایک نماز میں عبث کرنا ہے اور اس لئے کہ عبث خارج صلوٰۃ حرام ہے پس نماز میں تیرا کیا ممکن ہے۔



پر ہاتھ رکھنا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے نماز میں تخصیر کرنے سے منع کیا ہے اور اس لئے کہ اس میں مسنون ہر ایک کا چھوڑنا ہے۔

**تشریح** نماز کے اندر انگلیوں کا جھٹی نا بھی مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھانسی اُحِثْ لَكَ مَا احِثْ لِنَفْسِي لَا تَفْرِغْ اصَابِعَكَ وَانْتَ تُصَلِّي یعنی میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تو بحالت نماز اپنی انگلیوں سے جھٹی نہ نکالنا۔ ایک خارجی نماز بھی مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ یہ قوم لوط کا فعل ہے۔

نماز میں حالت میں تخصیر بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نماز میں حالت میں تخصیر کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے چنانچہ ابو ہریرہ نے روایت کیا اِنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْاِحْصَارِ فِي الصَّلَاةِ۔ نقل دلیل یہ ہے کہ تخصیر کرنے کی صورت میں مسنون ہر ایک چھوڑنا، زمر آتا ہے خارجی صلوۃ مرد اور عورت دونوں کے لئے مکروہ تنزیہی ہے۔

تخصیر کی ایک تفسیر تو صاحب ہدایہ نے کی ہے یعنی کوٹھ پر ہاتھ رکھنا۔ یہی تفسیر ولی اور انساب بن جنس نے کہا کہ تخصیر عصا پر ٹیک لگانا ہے۔ اور جنس نے کہا کہ تخصیر یہ ہے کہ آیت مجیدہ کو حذف کر دے اور باقی کو پڑھتے۔

### گردن موڑ کر دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے

وَلَا تَبْسُتْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّيُ مَنْ يُبَاحِي مَا التَفَتَ وَلَوْ نَظَرَ بِمَوْحٍ بَيْنَهُ يُمْنَةً وَ يُسْرَةً مِنْ غَيْرِ  
أَنْ يَلْوِي عُنُقَهُ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُلَاحِظُ أَضْعَابَهُ فِي صَلَاتِهِ بِمُزِقِ عُنُقِهِ

**ترجمہ** اور نماز میں التفات نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مصلی جانتا کہ کس کے ساتھ مناجات کرتا ہے تو التفات نہ کرتا۔ اور اگر مصلی نے گوشہ چشم سے دائیں بائیں نظر نہ کیا تو مکر وہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نماز میں اپنے اسباب و اپنی آنکھوں کے گوشہ سے ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔

**تشریح** مسئلہ گردن موڑ کر التفات نہ کرے کیونکہ اس میں کراہت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مصلی جانتا کہ کس سے مناجات کرتا ہے تو (ابو داؤد) التفات نہ کرتا۔ نیز حضور ﷺ سے مروی ہے کہ إِنْ الرُّحْمَةَ نَوَّاحَهُ الْعَدَا مَا دَامَ فِي صَلَاتِهِ فَإِذَا التَفَتَ اُغْرَضَ عَنْهُ یعنی اللہ تعالیٰ برابر بندہ پر نماز میں اقبال فرماتا ہے جس جب اس نے التفات کیا تو وہ وجہ کریمہ اس سے پیہم لیتا ہے۔

نقل دلیل یہ ہے کہ گردن موڑ کر التفات کرنے میں بعض مردن کے ساتھ انحراف عن القبۃ ہے مگر پورے بدن کے ساتھ انحراف عن القبۃ ہوتا تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی۔ پس جب بعض بدن کے ساتھ انحراف عن القبۃ ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔ جیسے نماز کے اندر منہ قیام مکروہ ہے کیونکہ عمل کثیر مفسد صدقہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبِقَابِ لِلرَّحْلِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَحْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَدُوِّ یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے مراد نماز میں تنفات کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اختلاس (فریب دے کر چھین مارتا) ہے کہ اس کو بندہ نماز میں سے شیطان چھین لیتا ہے۔ (بخاری)

اس میں روایات اور نقلی دلیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ التفات مفسد نماز نہیں اگرچہ دائیں بائیں جانب انحراف عن القبۃ ہو









وَحَالَةُ الصَّلَاةِ مُدَّجِرَةٌ سے ایک سواں کا جواب ہے سواں یہ ہے کہ نماز کی حالت میں ہوں چوتھے سے کھانا پینا انی طرح معاف نہ پڑے جیسا کہ روزوں کی حالت میں معاف ہے۔

جواب نماز کی حالت روزے کے مانند نہیں ہے کیونکہ نماز کی حالت یاد دہانی سے یعنی بیداری اور ہوشیاری کی ہے نہ نماز کی حالت میں کھانا پینا ٹیپنا اور سہو نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف روزہ کی حالت مدردہ نہیں ہے۔ اس میں روزوں کی حالت میں نسیان اور بھولنے کو معاف کر دیا گیا۔

امام کا مسجد میں کھڑا ہونا اور سجدہ محراب میں کرنا مکروہ نہیں ہے، مکمل محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

وَلَا نَسَ يَأَنَّ يَكُونُ مَقَامُ الْإِمَامِ فِي الْمَسْجِدِ وَسُجُودُهُ فِي الطَّاقِ وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُومَ فِي الطَّاقِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ صَبِيحَ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ حَتَّى تَحْصُصَ الْإِمَامَ بِالْمَكَانِ بِحِلَافٍ مَا ذَا كَانَ سُجُودُهُ فِي الطَّاقِ وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَخَذَهُ عَلَى الدُّكَّانِ لَمْ قُلْنَا وَكَذَا عَلَى الْقَلْبِ فِي ظَاهِرِ الْوُجْهِ لِأَنَّهُ أُرِدَ أَنَّ بِالْإِمَامِ

ترجمہ اور وہی مضائقہ نہیں ہے۔ امام مسجد میں کھڑے ہوں اور سجدہ محراب میں ہو اور مروہ ہے۔ امام محراب میں کھڑا ہو۔ یہ نکتہ یہ اہل کتاب کے عمل کے مشابہ ہے اس کیفیت سے کہ امام کی جگہ مخصوص کرتے ہیں برخلاف اس کہ جب امام کا سجدہ رہا محراب میں ہو۔ اور مروہ ہے کہ امام تہہ چہرہ پر ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ وریں ہی میں بھی نماز مروہ ہے اس سے کہ یہ صورت امام کے حق میں اختیار ہے۔

تشریح مسئلہ اگر امام کے قدم مسجد میں ہوں اور سجدہ کرنا محراب میں ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یونہی تہہ قدم کا سوجہ ہی پس جب قدم مسجد میں ہیں تو مقتدیوں کے برابر ہے اگرچہ سجدہ محراب کے اندر واقع ہوگا وراگر امام کے قدم بھی محراب میں ہوں تو یہ مروہ ہے۔ یونہی اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت پائی گئی اس طور پر کہ اہل کتاب امام کی جگہ مخصوص کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر امام کے قدم محراب سے باہر ہوں اور سجدہ کرنا محراب میں ہو تو مشابہت نہیں ہے وراں میں کراہت کی وجہ مشابہت ہی ہے پس جس صورت میں مشابہت پائی جائے گی کراہت ہوگی اور جس صورت میں مشابہت نہ ہو اس میں کراہت نہ ہوگی۔

بعض حضرات نے کراہت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ امام اگر تہہ محراب میں کھڑے ہو یعنی اس کے قدم محراب کے اندر ہوں تو امام کے دائیں بائیں کھڑے ہونے والے مقتدیوں پر اس کا حال مخفی ہوگا چنانچہ اگر محراب کے باہر کھڑے ہوگا حال مخفی نہ ہوگا امام کا تہہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے یہی قول امام ابو جعفر طحطاوی کا ہے۔ (۱۵۷)

اور یہ بھی مروہ ہے کہ امام کی بلند جگہ پر کھڑا ہو ورتہ مقتدی پیچھے ہوں۔ یہاں میں بھی یہاں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے وراگر امام کے ساتھ کچھ لوگ بھی کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں ہے۔ مسند بدیہ نے بلندی کی مقدار میں نہیں کی ہے اس سلسلہ میں چند قول ہیں۔ مطلقاً ہی کے کہا کہ متوسط آدمی کے قدم کے برابر بلندی بہت مکروہ ہے اور اگر اس سے کم سجدہ مکروہ نہیں ہے۔ یہی امام ابو یوسف سے مروی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس قدر بلند جگہ ہو کہ اس سے امتیاز واقع ہو سکے۔ اور بعض نے کہا کہ ایک ذراع کی بلندی ہو۔ اس قیاس کے قول مروی ہے۔ یہ قیاس کیا کیا ہے اور اس پر اعتماد ہے۔ یہ خیال رہے کہ کراہت کی وقت تک ہے جب تک کہ کوئی عذر نہ ہو۔ پس اگر





میں تصویروں کی تحقیر اور تذلیل کرنا ہے اور ہم کو اس بات کا حکم کیا گیا ہے کہ اگر کوئی نادان چاند رکن تصویر بنا کر حماقت ظاہر کرے تو ہم اس تصویر کو ذلیل و خوار سمجھیں اور اس کے ساتھ ذلت اور توہین کا برتاؤ کریں۔

منتفہ کتبے ہیں کہ سجدہ تصویر پر نہ کرے کیونکہ یہ تصویر کی پرستش کے مشابہ ہے جامع صغیر کی س عبادت کا حاصل یہ ہے کہ تصویر پر بچھونے پر نماز تو پڑھے لیکن سجدہ تصویر پر نہ کرے۔

مبسوط میں لکھ ہی کہ تصویر دار بچھونے پر نماز پڑھنا مطلق مکروہ ہے خو و تصویر پر سجدہ کرے یا نہ کرے اور دلیل یہ ذکر کی کہ وہ بچھوتا جو نماز کے لئے تیار کیا گیا ہے یعنی مصی فی نفسہ معظم اور مکرم ہے۔ پس اگر اس میں تصویریں ہوں گی تو ان تصویروں کی ایک گونہ تقظیم لازم آئے گی حالانکہ ہم کو ان کی ہانت کا حکم کیا گیا ہے اس لئے جائے نماز پر تصویروں کا جو نامطلق من سب نہیں خواہ اس تصویر پر سجدہ کرے یا سجدہ نہ کرے۔

قائدہ... تصویر وہ ہوتی ہے جو مخلوق خدا کے مشابہ بنائی گئی ہو خواہ ذی روح کی سویا غیر ذی روح کی۔ و تمثال ذی روح کی تصویر کے ساتھ حاصل ہے لیکن یہاں ذی روح کی تصویر مراد ہے یونکہ غیر ذی روح کی تصویر میں کوئی کراہت نہیں ہے یونکہ ابن عباس کا اثر ہے کہ ابن عباس نے ایک مصور سے کہا تھران کُنْتَ لَا بُدَّ فَاَعْلَا فَعَلَبْکَ بِتَمْتَالِ عَمْرِ ذِی الرُّوحِ یعنی کرتجھ و تصویر بنا ہی ضروری ہے تو غیر ذی روح کی تصویر بنا لیا کر۔ (فتح القدیر)

نمازی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا دائیں بائیں تصویر ہوں تو مکروہ ہے

و یُکْرَهُ أَنْ يَكُونَ فَرْقٌ رَأْسِهِ فِي السَّقْفِ أَوْ تَحْتَهُ أَوْ بِحِذَائِهِ تَصَاوِيرُ أَوْ صُورَةٌ مُعَلَّقَةٌ لِحَدِيثِ جَبْرِئِيلَ رَأً لَا تَدْخُلُ بَيْتَهُ كُنْتُ أَوْ صُورَةٌ وَلَوْ كَانَتِ الصُّورَةُ صَعِيرَةً بِحَيْثُ لَا تُسَدُّ لِسَاطِرَ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّ الصَّعَارَ حِدًا لَا تَعْدُ

ترجمہ اور مکروہ ہے یہ کہ مصی کے سر کے اوپر چھت میں یا اس کے سامنے یا دائیں بائیں تصویریں ہوں یا کوئی صورت ٹہلی ہو۔ یونکہ حدیث جبریل ہے کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں سویا تصویر ہو اور کہ تصویر اس قدر چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو ظاہر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ یونکہ بہت ہی چھوٹی تصویریں چوکی نہیں جاتیں۔

تشریح فرمایا کہ مصی کے سر کے اوپر چھت میں یا سامنے یا دائیں بائیں تصویریں ہوں تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ تصویر لگی ہو تو بھی نماز مکروہ ہے دلیل حدیث جبریل ہے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ إِنْ كَانَ رَجُلٌ رَجُلًا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَخَلَ فَقَالَ كَيْفَ أَذْخَلَ وَفِي بَيْتِكَ شَرَفُهُ تَصَاوِيرُ أَمْ أَنْ تُقْلِعَ رَأْسَهَا أَوْ تَحْفَلَ بِسَاطِطٍ مُوَطَّأَةٍ مَعْدِسٍ أَسْلَانِيكَ لَا تَدْخُلُ بَيْتَهُ تَصَوِّرُ (شرح تہذیب) یعنی حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ جبریل امین نے مجھ سے نبی سے اجازت مانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داخل ہو جو جبریل نے کہا اس طرح داخل ہوں حالانکہ آپ کے گھر میں یہ چیز ہے جس میں تصویریں ہیں یا تو ان کا سر کاٹ دیا جائے یا بچھونے پر دیے جائیں جو جا ہی بچھائے جائیں۔ یونکہ ہم بد مذہب ہیں۔ حدیث ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتی جس میں تصویریں ہوں۔

اس حدیث سے اس طور پر استدلال ہوگا کہ جس مکان میں مکروہ داخل نہیں ہوتے وہ مکان شہابوت ہوتا ہے۔ و نماز شہابوت

میں ٹروہ ہے اس لئے یہ مکان میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا یہ بات پیش نظر رہے کہ حدیث میں مذکور تہ مراودا نگہ رحمت ہیں در رب  
مذکر حفظہ تو وہ دو اوقات کے علاوہ کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتے۔ وہ دو وقت یہ ہیں ایک قضا، حاجت کے وقت دوم بیوی کے  
ساتھ ہمبستر ہونے کے وقت۔ (شرح نقایہ)

اور ٹروہ تصویر اس قدر چھوٹی ہے کہ دیکھنے والے وہ نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت ہی چھوٹی تصویر پوجی نہیں جاتی پس وہ بات  
کے حکم میں نہ ہوگی۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ایسی انگوٹھی تھی جس پر دو تصویریں  
سوئی تھیں۔

حضرت دانیالؑ کی انگوٹھی کا واقعہ: ایک واقعہ صاحب فتح القدیر، صاحب کنز یہ اور مدعی قاری سب ہی نے ذکر کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ  
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت دانیال علیہ السلام (جو نبیؑ گزرے ہیں) کی انگوٹھی دستیاب ہوئی۔ اس انگوٹھی کے  
تک پر ایک شیر اور ایک شیرنی دو دونوں کے درمیان ایک بچہ کی تصویر تھی۔ تصویر میں دکھایا گیا تھا کہ شیر اور شیرنی دونوں اس بچہ کو چاٹ رہے  
ہیں فاروق اعظم نے جب اس کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈب ڈب گئیں۔ اور وہ انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کے حوالہ کر دی۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ بخت نصر مجوسی جس وقت تخت نشین ہوا تو اس کو کسی نجومی نے خبر دی کہ ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو تجھ کو  
بدست کرے گا یہ سن کر بخت نصر نے پیدا ہونے والے ہر بچہ کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پس جب حضرت دانیال کی والدہ نے دانیال کو جنم دیا  
کی امید رکھنے والے ان کو ایک بیہوش جنگل میں ڈال آئیں۔ اس لقمہ ووق بیابان میں مرنے لگی تھی کہ سوائے کوئی آدمی نہ آد مزارا خدا نے بزرگ و برتر  
نے اس معصوم بچہ اور مستقبل کے چشمہ رشد و ہدایت کی تربیت اور حفاظت کا انتظام اس طرح فرمایا کہ ایک شیر کو بھیجا تا کہ وہ اس کو نہاں کی  
موزی چنوروں سے حفاظت کرے اور ایک شیرنی کو دودھ پلانے کے لئے مامور کیا یہ دونوں اس فرزند نیک ارجمند کو چاٹتے رہتے تھے۔ بڑے  
ہو کر حضرت دانیال علیہ السلام نے انگوٹھی کے ایک ٹک پر یہ نقش بنوایا کہ اس کو دیکھ کر ہمہ وقت اللہ کی نعمتیں یاد رہیں۔

اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوا کہ بہت چھوٹی تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ نہیں ہے ورنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت دانیالؑ کی یہ  
انگوٹھی حضرت ابو موسیٰ اشعری کے حوالہ کیونکر کرتے، جلیل احمد غفرلہ عنہ

### سرکئی یا سرکٹی تصویر کے حکم میں نہیں

وَإِذَا كَانَ التَّمْثَالُ مَقْطُوعَ الرَّأْسِ أَوْ مَمْحُوعَ الرَّأْسِ فَلَيْسَ بِتَمَثَالٍ لِأَنَّهُ لَا تُعْبَدُ بِدُونِ الرَّأْسِ وَصَاحِبُ كَمَا إِذَا  
صَلَّى إِلَى شَمْعٍ أَوْ سِرَاحٍ عَلَى مَا قَالُوا

ترجمہ: اور جب تصویر سرکئی ہو یعنی سر منہ ہو تو وہ تصویر ہی نہیں ہے کیونکہ تصویر بغیر سر کے نہیں پوجی جاتی۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی  
نے سوہتی یا چراغ کی طرف نماز پڑھی ہو اس بناء پر کہ بعض مشائخ نے کہا۔

تشریح: اگر تصویر سرکئی ہو یعنی سر کا سر بالکل مٹا دیا گیا ہو تو چونکہ یہ تصویر ہی نہیں ہے بلکہ عبادت سے ماند ہے اس لئے اس کی  
نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ بغیر سر کی تصویر کی پرستش نہیں کی جاتی پس یہ یہ ہو گیا جیسے کوئی شخص نماز  
پڑھتے وقت اس سوہتی یا چراغ رکھ رہا ہو تو جس طرح ان کی عبادت نہیں کی جاتی اسی طرح سرکئی ہوئی تصویر کو بھی نہیں پوجا جاتا۔ ورنہ ہی

کے ساتھ ہیں۔ راستہ میں جب تک کہ اس کی پرستش نہ جاتی ہو۔ جس سبب یہ وجہ نہیں پائی گئی تو راستہ جہی نہیں ہوئی۔ شش گاہ کی بات ہے۔

نفس نہایت ہنس رہی ہے کہ ہاتھ موم بتی یا چراغ رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ اگر مصلیٰ کے ہاتھ ابھی بھی موم ہوں میں ہاتھ نہ لگاتا ہوں یا شمع نہ لگاتا ہوں تو یہ مکروہ ہے لیکن صحیح قول مدرسہ راستہ کا ہے۔

### تصویر پڑے تکیے یا پچھونے پر ہو تو نماز مکروہ نہیں

وَلَوْ كَانَتِ الصُّورَةُ عَلَى سَادَةٍ مُلْفَاةٍ أَوْ عَلَى سَاحِطٍ مَعْرُوفٍ لَا يُكْرَهُ لِأَنَّهَا تَدَاوُسُ وَتَوَطَّأُ تَجَلَّافٍ مَا إِذَا كَانَتِ السَّادَةُ مَنْصُوبَةً أَوْ كَانَتْ عَلَى الْحَسْرِ لِأَنَّهُ تَعْطِیْہُ لَهَا وَأَسَدُهَا كَرَاهَةٌ أَنْ تَكُونَ أَمَامَ الْمُصَلِّي ثُمَّ مِنْ فَوْقِ رَأْسِهِ ثُمَّ عَلَى رِجْلَيْهِ ثُمَّ عَلَى شِمَالِهِ ثُمَّ خَلْفَهُ

ترجمہ۔ اگر تصویر پڑے ہوئے تکیے پر ہو یا پچھونے پر تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ تکیے اور پچھونے اندر چھو جاتا ہے۔ ہر طرف سے لے کر سب کے تکیے اور پچھونے پر ہو رہے ہوں۔ کیونکہ یہ تصویر کی تعظیم ہے۔ اور سب سے زیادہ راستہ یہ ہے کہ تصویر مصلیٰ کے ہاتھ ہو پھر یہ کہ مصلیٰ کے سر کے اوپر ہو۔ پھر یہ کہ مصلیٰ کے دامن میں ہو پھر اس کے پاؤں میں ہو پھر اس کے پیچھے ہو۔

تشریح۔ مدرسہ بر تصویر پڑے ہوئے تکیے یا پچھونے پر ہو تو یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ تکیے کی حالت میں روند جاتا ہے و پچھونے چھو جاتا ہے اور نہ اسے اس صورت میں تصویر کی تعظیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس وقت یہ ایک حکایت سے بھی ثابت ہے کہ حکایت یہ ہے کہ ایک شخص نے بھری اور حاکم ایک یہ مکان میں داخل ہوئے اس میں ایک پچھونے پر تصویریں تھیں جس کا نام تھا موم کے دامن بھری اس پر ٹیٹھ گئے۔ حضرت حسن بصری نے کہا کہ تصویر کی تعظیم اس پر نہ ٹیٹھ میں ہے۔ ہاں موم کے اندر ہو تو تصویر پر وہ یہ ہو تو مکروہ ہے کیونکہ یہ تصویر کی تعظیم ہے جس کی وجہ سے تعظیم میں اس سے ہاتھ نہیں ہے۔

وَأَسَدُهَا كَرَاهَةٌ۔ الح سے اس بات کا بیان ہے کہ راستہ کے مدرسہ امام احمد و شافعی کے اعتبار سے مختلف ہیں چنانچہ سب سے زیادہ راستہ اس میں ہے کہ تصویر مصلیٰ کے آگے پچھوں کے دامن میں ہے کہ تصویر مصلیٰ کے سر کے اوپر ہو پھر اس سے مصلیٰ کے دامن میں ہو پھر یہ کہ دامن میں ہو پھر یہ کہ مصلیٰ کے پیچھے ہو۔ نفس علماء نے کہا ہے کہ اگر تصویر مصلیٰ کے پیچھے ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے لیکن اس کا تھ میں ہونا مکروہ ہے کیونکہ نماز کی جگہ دیکھ چکے ہیں اس سے پتا چلتا ہے جو قول امام احمد سے مانع ہوں مستحب ہے۔

### تصویر والے لباس میں نماز مکروہ ہے

وَلَوْ لَبَسَ ثَوْبَ فِيهِ تَصَاوِيرٌ يُكْرَهُ لِأَنَّهُ يَسُدُّ حَامِلُ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّ تَجَلَّافَ تَسْرِاطِطِهَا وَتُعَادُ عَلَى وَحْدِهِ غَيْرُ مَكْرُوفٍ وَهُوَ الْحُكْمُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ أُدِيتْ مَعَ الْكَرَاهَةِ

ترجمہ۔ اگر کسی نے ایسا لباس پہنا جس میں تصویریں ہوں تو مکروہ ہے کیونکہ یہ صوم کے لئے مانع ہے۔ شش گاہ کی بات ہے۔ یہی نماز تو اس سب مکروہ صورتوں میں پڑا ہے۔ کیونکہ شش گاہ سب جمع ہیں۔ اور یہ مکروہ صورت پر نماز کا حاکم دیکھا جائے اور یہی حکم اس نماز میں ہے جو راستہ

کے ساتھ ادائی گئی ہو۔

**تشریح** ایسا کپڑا پہننا جس میں تصویریں ہوں مکروہ ہے کیونکہ یہ شخص بت ٹھانے والے کے مشابہ ہے۔ شبہ اس لئے کہا گیا کہ کپڑے میں واقعہ بہت نہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ان سب مکروہ صورتوں میں نماز جائز ہے۔ کیونکہ نماز کی تمام شرطیں جمع ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ نماز اگر مکروہ طریقہ پر ادا کی گئی ہو تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو غیر مکروہ طریقہ پر لوٹا جائے۔ شیخ تواتر مدینہ کا فی نے شرح منار میں واجب کے لفظ کی تصریح فرمائی ہے یعنی نماز اگر مع انکر بہت ادا ہوئی تو اس کا عادہ واجب ہے۔ لیکن چلی بات یہ ہے کہ نماز اگر کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اس کا عادہ واجب ہے کیونکہ مکروہ تحریمی واجب سے مرتبہ میں ہوتا ہے اور اگر کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اس کا عادہ مستحب ہے۔ کیونکہ مکروہ تنزیہی مستحب کے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ (الحق ائدی)

### غیر ذی روح کی تصاویر مکروہ نہیں

وَلَا بِكَرَّةٍ مِّثَالُ غَيْرِ ذِي الرُّوحِ لِأَنَّهُ لَا يُعْبَدُ

ترجمہ... اور غیر ذی روح کی تصویر مکروہ نہیں کیونکہ اس کی پرستش نہیں کی جاتی۔

**تشریح**... واضح ہے۔

### دوران نماز موذی جانوروں کے مارنے کا حکم

وَلَا بَأْسَ بِقَتْلِ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ فِي الصَّلَاةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ وَلَوْ كُنتُم فِي الصَّلَاةِ وَلَآنَ فِيهِ رِازِلَةُ الشُّغْلِ فَاشْبَهَ دُرَّةَ الْمَاءِ وَيَسْتَوِي حَمِيعُ أَنْوَاعِ الْحَبَّاتِ هُوَ الصَّحِيحُ لَا طَلَاوٍ مَارَوِيًا

ترجمہ اور سانپ اور بچھو کو نماز کے اندر مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قتل کرو تم دونوں کا دوس کو (سانپ اور بچھو) اگرچہ تم نماز میں ہو۔ اور اس لئے کہ اس میں دس کو مشغولیت کا دور کرنا ہے پس گزرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ اور حکم میں سانپ کی تمام قسمیں داخل ہیں۔ یہی صحیح ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔

**تشریح** نماز کی حالت میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنا بد کر بہت مباح ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشادِ رامی ہے (أَقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ وَلَوْ كُنتُم فِي الصَّلَاةِ) حدیث میں اسودین سے مراد سانپ اور بچھو ہیں۔ ترجمہ ہوا کہ سانپ اور بچھو کو مار ڈالو اگرچہ تم نماز میں ہو۔ اور عقل دلیل یہ ہے کہ سانپ اور بچھو کو مارنا اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں دس کا مشغولیت ہوتا دور ہوتا ہے یعنی نماز کی نشہ جب تک اس پر پڑی رہے گی تو اس کا دل ای طرف متوجہ رہے گا اور نماز کی روح حضور قلب اس کو حاصل نہ ہو سکے گا۔ اس لئے کہا گیا کہ اس کو مار دو تا کہ دس کی مشغولیت ختم ہو جائے اور حضور قلب نصیب ہو جائے۔ پس یہ سانپ اور بچھو کو مارنا نماز کی آگے سے گزرنے والے کو دفع کرنے کے مشابہ ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ مصنف ہدایہ نے اس کی کوئی تفصیل نہیں کی کہ ایک بار بار اس کو قتل کرے یا چند بار مارنے کی



ضرورت پیش آئے تو چند مرتبہ مار کر قتل کر دے یہی قوس شمس المائہ السرخسی کا ہے یعنی اگر ضرب واحد سے قتل کرنا ممکن ہو تو ایک ہی ضرب کو عمل میں لائے اور اگر چند ضربوں کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ حاصل یہ کہ مقصود اس کو قتل کرنا ہے ایک ہار کی ضرب سے ہو یا متعدد ضربوں سے ہو۔ دلیل یہ ہے کہ حضور نے اَفْسَدُوا الْأَسْوَدَیْنِ فرمایا ہے وراس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

مفسر فقہاء خیال یہ ہے کہ اگر ایک ضرب سے قتل کرنا ممکن ہو تو مار ڈالے اور نماز نہ لوٹائے۔ اور اگر متعدد ضربیں عمل میں لانی پڑیں تو نماز کا اعادہ کرے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بار بار متعدد بار مار ڈالنے میں عمل کثیر ہے لیکن یہ عمل کثیر ایسا ہے جس کی منجانب شرع رخصت اور اجازت ہے۔ جیسے نماز میں حدیث پیش آئے۔ بعد مصلی کا چہنہ، نوین سے پانی کا نکانہ و دھو کرنا یہ مجموعہ عمل کثیر ہے مگر شریعت کے رخصت دینے کی وجہ سے مفسد نماز نہیں ہے، ایسے ہی یہاں بھی چونکہ شریعت نہ صرف سے رخصت ہے۔ اس لئے بار بار مارنا مفسد نماز نہیں ہوگا۔

فی فضل مسند نے کہا کہ اس حکم میں سانپ کی تمام قسمیں داخل ہیں خواہ وہ سفید ہو یا گیسو دار ہو یا کالا، نمک ہو۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ جو حدیث ہم نے روایت کی ہے وہ مطلق ہے سب کوشاں ہے فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے کہا بعض سانپ سفید رنگ کے گھروں میں رہتے اور سیدھے چلتے ہیں وہ جنہوں سے بڑے ہیں ان کو قتل کرنا مباح نہیں۔ کیونکہ اللہ کے پیچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ يَتَاكُمُ وَالْحَيَّةُ الْبَيْضَاءُ فَلْيَأْتِهَا مِنَ الْيَحْيَى، یعنی سفید رنگت کے سانپ کو قتل کرنے سے بچو اس لئے کہ وہ جنہوں سے بڑے ہیں نماز اور غیر نماز کی کوئی تفصیل نہیں ہے ہذا اس قسم کے سانپ وغیرہ نماز میں بھی مارنے کی اجازت نہیں ہے ہاں اگر پہلے یہ کہہ دیا کہ تم چلے جاؤ مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دو ورنہ ہم مار ڈالیں گے اس کے باوجود بھی اگر وہ نہ جائے تو اس کو قتل کرنا مباح ہے۔

امام ابو جعفر طحطاوی نے کہا کہ سانپوں کے درمیان فرق کرنا غلط ہے کیونکہ حضور نے جنات سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ امت سے سامنے سانپ کی صورت میں ظاہر نہ ہوں اور نہ ان کے گھروں میں کہیں پس جب انہوں نے نقص عہد کیا تو ان کا قتل مباح ہو گیا۔ اسی قول و شمس المائہ سرخسی نے اختیار کیا ہے اور حدیث میں اسودین سے مراد سیاہ سانپ نہیں بلکہ یہ لفظ عرب کے عرف میں مطلق سانپ کے لئے بولا جاتا ہے خواہ کسی رنگ کا ہو۔

### نماز میں آیات اور تسبیحات کا شمار کرنا مکروہ ہے

وَيُكْرَهُ عَدُّ الْآيِ وَالْتِسْبِيحَاتِ بِالْيَدِ فِي الصَّلَاةِ وَكَذَلِكَ عَدُّ السُّورِ لِأَنَّ ذَلِكَ كَيْسٌ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ وَعَنْ أَبِي يُونُسَ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ فِي الْفَرَائِضِ وَالْوَأَاقِلِ جَمِيعًا مَرَاغَةً لِسُنَّةِ الْفَرَائِضِ وَالْعَمَلِ بِمَحَاضِرِ بِي السُّنَّةِ فَلَمَّا يُمْكِنُهُ أَنْ يَعُدَّ ذَلِكَ قَبْلَ الشُّرُوعِ فَيُسَعِّفِي عَنِ الْعَدِّ بَعْدَهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ اور نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات اور آیات کو شمار کرنا مکروہ ہے اور یہی حکم سورتوں کے شمار کرنے کا ہے کیونکہ یہ نماز کے اتمال میں سے نہیں ہے اور صاحبین سے مروی ہے کہ اس کا کوئی مضائقہ نہیں فافعل اور نو قتل میں سبقت قرأت کی رعایت کرتے ہوئے اور ان چیز پر عمل کرنے کی وجہ سے جو سنت میں آئی ہے ہم جواب دیتے ہیں مصلی کے لئے ممکن ہے کہ اس کو شروع نماز سے پہلے شمار کرے تو اس کے بعد شمار کرنے سے مستثنی ہوگا۔ واللہ اعلم

تشریح ... مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے اندر ہاتھ کے ذریعہ تسبیحات اور آیات کو شمار کرنا مکروہ ہے نماز خواہ فرض ہو خواہ نفل، اسی طرح سورتوں



کے وقت اپنی شرمگاہ (۱۰) کے ساتھ قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں ہے خواہ کھلے میدان میں ہو یا آبادی میں، سامنے کی طرف آڑ ہو یا نہ ہو بہر صورت مکروہ تحریمی ہے۔ ایک یہ ہے کہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ آقا کا ارشاد ہے عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيلَ لَهُ لَقَدْ عَلَّمَكُمْ بَيْتَكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْحِرَاءَةَ قَالَ أَعْلَمَ لَقَدْ بَيَّنَّا نَحْنُ أُنْ كَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِعَانِطٍ أَوْ بَزُولٍ الْحَدِيثُ۔ (ابو داؤد) (۱۰) سلمان فرماتے ہیں کہ تم کو تمہارے ہی سے ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ بول و برز کرنے کی بھی (قول کی یہ بات ازراہ تواتر نقلی)۔ مسلمان سلمان فرماتے ہیں کہ ہاں، ہم کو ہمارے ہی سے بول و برز کی حالت میں استقبال قبلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ابو داؤد میں ۱۰۱۱ کی روایت ہے إِذَا أَتَيْتُمُ الْعَانِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِعَانِطٍ وَلَا بَزُولٍ وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا، یعنی جب تم قضاء حاجت کے لئے جاؤ تو استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ مت روئیں تم شرقاً یا غرباً کر لیا کرو۔

یہ ابن نشین رہے کہ وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا کا حکم خاص طور پر اہل مدینہ کے لئے ہے کیونکہ عہد المکرمہ مدینہ منورہ سے نہ جانب شرق میں ہے اور نہ جانب غرب میں بلکہ جنوب میں ہے ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ حکم نہیں ہوگا بلکہ ہمارے لئے لَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا ہوگا یعنی قضاء حاجت کے وقت شمال یا جنوب رخ کر کے بیٹھو۔

استدبار قبلہ یعنی عہد ہجرہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق استدبار قبلہ میں بھی ترک تعظیم ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ استدبار قبلہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ جو شخص قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے بیٹھے گا۔ اس کی شرمگاہ قبلہ کی طرف نہیں ہوگی اور جو پتھر شرمگاہ سے گرتا ہے وہ زمین کی طرف گرتا ہے۔ یعنی پیشاب کی وجہ سے اس کی طرف جاتی ہے بہر حال قبلہ رخ نہیں ہے۔ برخلاف استقبال قبلہ کرنے والے کے کہ جب وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھے گا تو اس کی شرمگاہ قبلہ کے متوازی اور سامنے ہوگی۔ اور جو پتھر پیشاب کرنے میں شرمگاہ سے گرتا ہے وہ قبلہ رخ ہو کر گرے گا۔ اس لئے استقبال قبلہ کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اس مسئلہ میں بہت تفصیل اس کامیدان سفین کی کتاب میں ہیں اس دن کا ارتقا فرمائیے جب آپ دور حدیث کے مسائل اس اہم مسئلہ پر بحثیں سماعت فرمائیں گے۔ جمیل احمد

### مسجد کی چھت پر وٹی، پیشاب پاخانہ مکروہ تحریمی ہے

وَبُكْرُهُ الْمُحَامَعَةُ فَوْقَ الْمَسْجِدِ وَالنَّوْبُ وَالنَّحْلِيُّ لِأَنَّ سَطْحَ الْمَسْجِدِ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَصِغَ الْإِفْتِدَاءُ مِنْهُ يَسَّرُ نَحْتَهُ وَلَا يَطْلُ الْأَعْتِكَافُ بِالصُّغُودِ إِلَيْهِ وَلَا يَجِلُّ لِلْجُبِّ الْوُقُوفُ عَلَيْهِ

ترجمہ مسجد کی چھت پر ہمارا کرنا اور پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد کی چھت کے لئے مسجد ہی کا حکم ہے حتیٰ کہ چھت پر سے اقتداء کرنا اس شخص کی جو مسجد کے نیچے ہے صحیح ہے اور چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور جنبی کے لئے مسجد کی چھت پر نہ اعتکاف باطل نہیں ہے۔

تشریح مسجد، مسجد کی چھت پر ہمارا کرنا، پیشاب، پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ مسجد کی چھت کا وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے۔ چنانچہ مسجد کی چھت پر نہ ہمارا کرنا اور نہ جنبی اس کامی اقتداء کرے جو نیچے ہے تو شرعاً درست ہے۔ اور مسجد کی چھت پر چڑھنے کی وجہ سے مختلف کامعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ اور جنبی کے لئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔ جس طرح کہ مسجد کے اندر کھڑا ہونا جائز نہیں ہے

ہیں ثابت ہوا کہ مسجد کی چھت کے سے مسجد ہی کا حکم ہے اور چونکہ مسجد کے اندر یہ سب کام کرنا جو مستثنیٰ میں مذکور ہیں حرام ہیں تو مسجد کی چھت کے اوپر بھی حرام (مکروہ تحریمی) ہوں گے۔

### گھر کی مسجد کی چھت پر پیشاب کرنا مکروہ نہیں

وَلَا بَأْسَ بِالْبَوْلِ فَوْقَ نَيْبٍ فِيهِ مَسْجِدٌ وَالْمُرَادُ مَا أُعِدَّ لِلصَّلَاةِ فِي النَّيْبِ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْخُذْ حُكْمُ الْمَسْجِدِ وَإِنْ مَدَّنَا إِلَيْهِ

ترجمہ اورایت گھر کی چھت پر پیشاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جس گھر میں مسجد ہو اور مرد و عورتوں کے جو گھر میں نماز کے لئے مقرر ہوئی ہو یوں کہ اس کے مسجد کا حکم نہیں لیا اگرچہ تم کو گھر والوں میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر گھر میں نماز کی کوئی جگہ مقرر ہوئی جائے تو اس گھر کی چھت پر پیشاب یا خنہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ہے کہ اس جگہ جو تین مسجد کا حکم نہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کو بیچا بھی جاسکتا ہے اور اس میں ارشاد بھی باری ہوئے لیکن ہم وہ گھر والوں میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ ہر انسان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کرے تاکہ اس میں امن اور نوافل ادا کرے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے قصہ میں فرمایا ہے۔ وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُنُودًا وَأَرَابًا گھر والوں کو قبیلہ بناؤ، قنود یعنی اپنے گھروں میں نماز کی جگہ مقرر کرو اور حضور ﷺ نے فرمایا لَا تَسْجُدُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ مراد یہ ہے کہ گھر والوں میں نماز ترک نہ کرے ان کو قبرستان جیسا جگہ نہ بناو، بلکہ گھر والوں میں نماز پڑھو اور اللہ کی عبادت کرو۔

### مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے

وَيُكْرَهُ أَنْ يُغْفَقَ بَابُ الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ يُشَبَّهُ الْمَنْعَ مِنَ الصَّلَاةِ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا حُفِّ عَلَى مَتَارِعِ الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ أَوَانِ الصَّلَاةِ

ترجمہ اور مسجد کا دروازہ مقفل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے اور کہا گیا کہ کچھ مضائقہ نہیں جب کہ مسجد کے سامان پر خوف ہو سوائے اوقات نماز کے۔

تشریح مسئلہ مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو مسجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے منع کرے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اگر مسجد کے سامان کے ضائع ہونے اور چوری وغیرہ کا اندیشہ ہو تو پھر دروازہ بند کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ زمانے کے اختلاف سے لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ آپ غور کیجئے کہ ایک زمانہ میں عورتوں و مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن فتنہ کا خوف ہوا تو ان کو روک دیا گیا۔ بعد ازاں زمانہ میں ان کو مسجد میں آنے سے روکا درست ہے اسی طرح اس فتنہ کے دور میں مساجد کے دروازوں کو بند رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہوگی بلکہ حیکم ہوگا۔

## مسجد کو چونے، لکڑی، سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے کا حکم

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْقُشَ الْمَسْجِدَ بِالْجَصْرِ وَالسَّارِحِ وَمَاءِ الذَّهَبِ وَقَوْلُهُ لَا بَأْسَ يُشِيرُ إِلَى أَنَّهُ لَا يُوجِبُ جُزْءٌ عَلَيْهِ لِكُنْ لَا يَأْتِيهِ بِهِ وَقِيلَ هُوَ قُرْبَةٌ وَهَذَا إِذَا فَعَلَ مِنْ مَالٍ نَفْسِهِ أَمَّا انْتَوَلَى يَفْعَلُ مِنْ مَالٍ الْوَقْفِ مَا يَرْجِعُ إِلَى احْتِكَامِ الْبَاءِ دُونَ مَا يَرْجِعُ إِلَى النَّفْسِ حَتَّى لَوْ فَعَلَ يَصْصِمُنْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصُّوَابِ

ترجمہ اور مسجد کو جص، سال کی لکڑی اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مصنف کا قول لَا بَأْسَ اس طرف مشیر ہے کہ نقش کرنے والے کو نقش کرنے پر کوئی اجر نہیں دیا جائے گا لیکن اس کی وجہ سے گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا کہ مسجد کا نقش و نگار کرنا عبادت اور یہ لَا بَأْسَ اس وقت ہے جبکہ اپنے ذاتی مال سے کیا ہو۔ رہا متولی تو وہ مال وقف میں سے وہی کام کرے گا جس سے عمارت مضبوط ہو نہ کہ وہ کام جس کا مرجع نقش و نگار ہو۔ چنانچہ اگر متولے ایسا یہ تو خدا من ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

تشریح اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے مسجد و منقش اور مزین کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وجہ یک مزین (منقش اور مزین) مسجد سے قریب سے ہو کر گزرے تو آپ نے فرمایا لِمَنْ هَذِهِ الْبَيْعَةُ یعنی یہ کس کا ہے۔ خاتم ہے کہ حضرت علی کا فرمانا مسجد میں اس مثل کے مردہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ نیز حضور ﷺ نے علامات قیامت میں سے تزئین مساجد و جہنم شمار کیا ہے۔ ولید بن عبد الملک نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کی آرائش کے لئے مال بھیجا تو عمر بن عبد العزیز نے اس کو محتج جوں میں خیرات کیا یہ سب دلائل تزئین مسجد کی کراہت پر شاہد ہیں۔

لیکن فقہاء احناف کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں دلیل یہ ہے کہ فرقہ اعظم نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مسجد نبوی ﷺ کو کشادہ بھی کیا اور آراستہ بھی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مسجد کو آراستہ کرنے کی وجہ سے دگ اعتکاف کی طرف بھی رغبت کریں گے اور نماز کے انتظام میں وہاں بیٹھیں گے بھی۔ اور خطا ہر ہے کہ یہ بات حسن ہے لہذا مسجد کو آراستہ کرنا بھی حسن ہوگا۔ اور اگر حسن نہ ہو تو کم از کم ہرگز بھی نہ ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔

شخص الامر سرخسی نے کہا کہ ماتن کے قول لَا بَأْسَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد و منقش اور مزین کرنے پر نہ اجر و ثواب کا ترتیب ہوگا اور نہ گناہ اور معصیت کا۔ بعض حضرات نے کہا کہ مسجد کو آراستہ کرنا عبادت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسجد کی عمارت یعنی ان کو آباد کرنے اور آراستہ کرنے پر ابھارا اور راضی کیا ہے چنانچہ رشاد باری ہے "أَمَّا يَغْفُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ أَسْفَلِ السَّمَاءِ وَالْيَوْمَ الْآخِرُ" نیز کعبہ اللہ کو سونے اور چاندی کے پانی سے مزین اور مزین کیا گیا ہے۔ و بیان یعنی راشی کیسے اس سے اس کو چھپایا گیا ہے۔ پس معلوم ہو کہ خدا کو آراستہ کرنا عبادت اور باعث ثواب ہے۔ علامہ ابن الجہم نے کہا کہ مسجد کی راشی اس کے عبادت ہے کہ اس میں مسجد کی تعظیم و توقیر ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ تزئین مسجد کا عبادت ہونا یا اس میں مضائقہ نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ متولی اپنے ذاتی مال خرچ کرے بشرطہ کہ وہ بدل ہو۔ وہ مال خرچ نہ کرے جو مسجد بنوانے والے نے اس کے مصارف پر وقف کیا ہے۔ چنانچہ متولی مال وقف میں سے وہی کام کرے گا جس سے عمارت مضبوط ہو نہ کہ وہ کام جس کا مرجع نقش و نگار ہو تو متولی اس مال کا ضامن ہوگا۔ یعنی متولی کو اپنے مال سے تاوان دینا پڑے گا۔ ابو جبر رازی سے مروی ہے کہ ہمارے زمانہ میں ظالموں کے خوف سے بچ ہو مال عمارت کے استحکام کے بعد زینت

پر خرچ کرنا جائز ہے یعنی متولی ضامن نہ ہوگا۔ جمیل غفری عنہ

## بَابُ صَلَوةِ الْوُتْرِ

ترجمہ ... (یہ) باب نماز وتر کے (بیان میں) ہے۔

تشریح جب مصنف علیہ الرحمہ مفروضات اور ان کے متعلقات یعنی اوقات، کیفیت اور ادا کا مل اور قاصر کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اس باب کے تحت اس نماز کا بیان ہے جو فرض سے تمتہ اور نفل سے برتر ہے یعنی صلوٰۃ وتر۔ اس مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ آگے نوافل کا بیان ہے۔ پس واجب یعنی وتر کو فرض اور نفل کے درمیان میں ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے۔

### وتر کی شرعی حیثیت اقوال فقہاء و دلائل

الْوُتْرُ وَاجِبٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ سُبَّةٌ لِّظَهْرٍ أَتَى السُّبَّ فِيهِ حَيْثُ لَا يُكْفَرُ جَاحِدُهُ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُ وَلَا أَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى زَادَكُمْ صَلَاةً أَلَا وَهِيَ الْوُتْرُ فَصَلُّوهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ أَمْرٌ وَهُوَ لِلْوَجُوبِ وَلِهَذَا وَجَبَ الْقَضَاءُ بِالْإِجْمَاعِ وَإِنَّمَا لَا يُكْفَرُ جَاحِدُهُ لِأَنَّهُ وَجُوبُهُ ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ وَهُوَ الْمَعْنَى بِمَا رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ سُنَّةٌ وَهُوَ يُؤْذَنُ فِيهِ وَقَالَ الْعِشَاءُ فَانْتَهَى بِأَدَائِهِ وَإِقَامَتِهِ

ترجمہ وتر امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ وتر سنت ہے۔ کیونکہ وتر میں سنتوں کے آثار ظاہر ہیں۔ چنانچہ وتر کا منکر کا فر نہیں ہوتا۔ اور وتر کے لئے اذان نہیں ہے۔ اور ابو حنیفہ دیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے توہرے واسطے ایک نماز زند فرمائی ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ وتر ہے۔ پس اس کو عشاء اور طلوع فجر کے درمیان پڑھو۔ حدیث میں امر ہے اور امر و وجوب کے لئے کتاب و حدیث سے وتر کی قضا، بالاجماع واجب ہے اور اس کے منکر کی تکفیر اس لئے نہیں ہوتی کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس قول کے، جو ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ وتر سنت ہے اور وتر چاند عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے۔ تو عشاء کی اذان اور اقامت پر اکتفا کیا گیا۔

تشریح وتر کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ سے تین روایات ہیں اوں یہ کہ وتر واجب ہے۔ دوم یہ کہ وتر سنت مؤکدہ ہے اسی کو صاحبین اور امام شافعی نے اختیار کیا ہے۔ سوم یہ کہ وتر فرض ہے یہ قول امام زفر ورنہ یہ کہ ہے۔ صاحبین دیل یہ ہے کہ وتر میں سنتوں کے آثار ظاہر ہیں۔ مثلاً سنتوں کی طرح وتر کا منکر کا فر نہیں ہے۔ اور نہ ہی وتر سے لئے اذان کی جاتی جیسا کہ سنتوں کے لئے اذان نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ وتر سنت ہے۔

صاحب شرح نہیہ نے صاحبین کی طرف سے نقلی دیل بھی بیان فرمائی ہے دیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی سے فرمایا تھا حَمَسٌ صَلَوةٍ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ قَالَ هَلْ عَمِيَ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطْلُوعَ عَمِيَ اللہ جل شانہ نے تجھ پر پانچ نمازیں فرض دی ہیں۔ اعرابی نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر فرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ سب نفل ہیں لہذا وتر کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ وتر بھی پانچ نمازوں کے علاوہ ہے۔

۱۰۔ یہ آیت میں ہے نہ سے مروی ہے ہاں لَسِيَّ اَوْتُو عَلٰی الْبَعْرِ یعنی نبی کریم ﷺ نے وتر کی نماز سواری پر پڑھی اور یہ بات نہ سے مروی ہے نہ نماز واک کی چا سکتی ہے نہ کہ فرض اور واجب پس اگر وتر کی نماز واجب ہوتی تو آنحضرت ﷺ سواری پر اس کو ادا فرماتے۔

۱۔ دنیائی مسائل و امور پر یہ قول ہے اَنْ اللّٰهُ تَعَالٰی رَاَدَ کُمْ صَلَوةُ الْاَوْھٰی الْوٰتِرُ فَمَسْکُوْہَا فَبَیِّنْ  
تُعَبِّکَ اِیَّیْہِیْ خُصُوْعُ الْفَخْرِ صَاحِبِ عَنَیْہِ سَمَدٌ کَا اَسْ حَدِیْثُہٗ سے چندہ قیوں پر استدلال کیا ہے۔ اول یہ کہ ریاست کی  
امت میں طرف داری اور امتیاز کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے اور مطلقاً نہ راست ہوگی تو حدیث میں بھی یہ امتیاز  
طرف امت کے لئے رسول کی نسبت کی جاتی ہے لیکن چونکہ رسول کی طرف بہت نہیں کی گئی اس لئے مطلقاً نہ راست نہیں ہوگی بلکہ

اس میں یہ کہ چیز پر ریاضیاتی اور وقت ہوتی ہے۔ کسی مہرند علیہ (جس پر ریاضیاتی نہ ہو) محدود حدود اور بہ بات  
میں نہ نفس غیر محدود، میں ان میں ولی انتہا نہیں ہیں ریاضیاتی فرض پر ہوں۔ کیونکہ محدود محدود ہیں اور چونکہ مزید (جس کی ریاضیاتی  
نہ اس مزید میں ایک ہر جنس ہونا ضروری ہے اس سے اس کی متعلقہ یہ ہے کہ فرض پر جس چیز کی ریاضیاتی کی گئی ہو اور بھی فرض ہو  
تو یہ حدیت خود محدود نہ کی ہو بلکہ غیر قطعی ہے، اور اصل غیر قطعی ہے، واجب تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن فرض ثابت نہیں ہوتا اس لئے

و ترجمہ از سید محمد تقی

اس کی حدیث مذکور میں قصہ ہمارے پائیندہ اور امرایوں سے ملنے آتا ہے ہندوؤں سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہو گا۔

سادت مدایہ نے کہا کہ اگر پڑھنا واجب ہے اس سے اس کی قضاء واجب ہوتی ہے ورنہ سنتوں کی قضاء واجب نہیں ہوتی۔ امام  
سادت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ وارد وہاں مجھے نے فرمایا کہ **الْوَيْسُ حَقٌّ وَاحِدٌ فَصَلِّ لَهُ يَوْمَ كَلَيْسَ مِنَّا** یعنی  
وہ حق واجب ہے جس نے ترکی نماز نہیں پڑھی وہ تم میں سے نہیں ہے (ابورافو) مسلم شریف میں اوسعید خدری کی حدیث ہے اُن  
الْبَيِّنَاتُ قَالُوا وَيَسِّرُوا قَبْلَ أَنْ تُصِيحُوا یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لو۔ اس حدیث میں اوتروا

سائنس کی طرف سے پیش کی گئی باتوں کا جواب یہ ہے کہ وتر کا شکر کا فراس سے نہیں ہوتا کہ وتر کا ثبوت سنت خیرہ متواترہ سے ہے۔ یہ وہ امر ہے جو غلطی سے روایت ہے کہ وتر سنت ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ وتر کا ثبوت سنت سے ہے اور چونکہ وتر کی نماز عشاء کے وقت میں کی جاتی ہے اس لیے شادی، اذان اور اقامت پر کثیف کیا گیا۔ وتر کے لئے محمد اذان و اقامت کی ضرورت نہیں ہے۔ سائنس کی طرف سے پیش کی گئی باتوں کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جو وتر سے پہلے کی ہے۔ اور حدیث ابن عمرؓ اَوْ تَسْرَ عَلٰی السَّعِيرِ کا وہ سبب جو سائنس کے یہ بات ہے کہ حدیث ابن عمرؓ حدیث خطہ بن ابی سفیانؓ عن نافع عن ابن عمرؓ کے معارض ہے۔ حدیث خطہ بن ابی سفیانؓ کے جس اُکھا کا کہ یُصَلِّي عَلٰی رَاحِلَتِهِ وَ يُؤَيِّرُ بِالْأَرْضِ وَ يُرْعَاهُ أَنَّ السَّيِّئَ فَعَلَ ذَلِكَ لِقِيَابِ ابْنِ مَرْثَدَةَ بَنِي سَعْدٍ پر نماز پڑھتے تھے، نماز زمین پر پڑھتے۔ اور ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ نبی نے یہی کیا یعنی وتر کی نماز زمین پر پڑھی۔ پس جب ابن عمرؓ دونوں باتوں میں تضاد واقع ہو، پھر تو دونوں ساقط ہو جائیں گی۔

## وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں

قَالَ الْيُونُسُ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَا فَصْلَ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ لِمَا رَوَتْ عَائِشَةُ أَنَّ عِنْدَ السَّلَامِ كَانَ يُؤْتَرُ بِثَلَاثٍ وَحَكِي  
الْحَسَنُ أَجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى الثَّلَاثِ وَهَذَا أَحَدُ اقْوَالِ الشَّافِعِيِّ وَفِي قَوْلٍ يُؤْتَرُ بِتَسْلِيمَتَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ  
مَالِكٍ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِمَا مَا رَوَيْنَاهُ

ترجمہ وتر تین رکعات ہیں۔ ان میں سلام سے بعدانی نہ کرے کیونکہ حضرت عائشہؓ روایت کی کہ حضور ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ اور حسن بصری نے تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور یہی امام شافعی کے قول میں سے یہ قوی ہے۔ اور ایک قوی میں مسلمانوں کے ساتھ وتر پڑھے۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے اور دونوں کے خلاف حجت و حدیث ہے جس کو ہم روایت کر چکے۔

تشریح وتر کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور اس بات میں اختلاف ہے کہ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلاموں کے ساتھ۔ علماء احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ واجب ہیں۔ ارمین میں ایک اور عدم اکران کے ارمین فصل نہ کرے۔ امام شافعی کے دو قول ہیں ایک قوی تو احناف کے قوی کے مطابق ہے۔ اور اقوال یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے۔ یہی قول امام مالک کا ہے اور بعض نے کہا کہ وتر کی ایک رکعت ہے۔

ایک رکعت کے قائمین نے حدیث ابن عمرؓ سے استدلال کیا ہے۔ حدیث یہ ہے اَنَّ رَحْلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ فَقَالَ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا حَضَبْتَ الصُّبْحَ فَصَلِّ رَكْعَةً يُؤْتَرُ لَكَ مَا صَلَّيْتَ لَنِي حَضَرَهُ عَسَىٰ كَسَىٰ آدَمَىٰ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعتیں ہیں۔ پس جب تجھ و ظنون صبح کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ کہ وہ تیرے سے پہلے ہوئی نماز وتر کر دے گی نیز مسلم شریف میں ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ اَلْيُونُسُ رَكْعَةً مِّنْ آخِرِ اللَّيْلِ لِعَنَىٰ آخِرَاتٍ میں وتر ایک رکعت ہے۔ نیز حضور ﷺ سے روایت ہے قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتَرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتَرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چاہے کہ کسی پانچ رکعات پر پڑھیں تو اس کرے اور جس نے ایک رکعت پر پسند کیا تو وہ اس کرے۔ وتر کی سات، نو اور سیرہ رکعت کی تعداد بھی مروی ہے۔ (حدیث ۱)

ہمارے دلائل یہ ہیں:-

- (۱) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُؤْتَرُ بِثَلَاثٍ رَكَعَاتٍ
- (۲) حسن بصری نے وتر کی ایک سلام کے ساتھ تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے چنانچہ حسن بصری سے مروی ہے فَقَالَ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ الْيُونُسَ ثَلَاثٌ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ یعنی کہا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرے۔

- (۳) عَائِشَةُ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُسَلِّمُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْيُونُسِ یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔



(۴) بن مسعودؓ سے مروی ہے **وَتُرُ اللَّيْلُ ثَلَاثُ كَوْتَرِ النَّهَارِ** یعنی رات کا وتر تین رکعتیں ہیں جیسا کہ دن کا وتر تین رکعتیں ہیں۔ دن کے وتر سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ (فتح القدیر)

(۵) ابو خالد نے بیان کیا کہ میں نے جلیل القدر تابعی ابو احیاء سے وتر کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ عَلَّمَنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ أَنَّ الْوُتْرَ مِثْلُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ هَذَا وَتُرُ اللَّيْلِ وَهَذَا وَتُرُ النَّهَارِ یعنی ہم کو اصحاب رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی کہ وتر مغرب کی نماز کے مانند ہے۔ یہ رات کا وتر ہے اور یہ یعنی مغرب دن کا وتر ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز کی طرح وتر کی بھی تین رکعتیں ہیں۔

(۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِي أُولَى رَكْعَةٍ سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ رَفِي السَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَ فِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ وَالْمَعُودَتَيْنِ یعنی حضور ﷺ تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے، پہلی میں سبح اسم ربک اور دوسری رعت میں قل یا ایہا الکافرون، اور تیسری رعت میں قل هو اللہ احد اور معودتیں پڑھتے تھے۔

(۷) مشہور اثر ہے بھی رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الشَّيْخَاءِ یعنی حضور ﷺ نے صلوۃ شیعوا یعنی ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ جو حضرات وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں ان کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابن عمر کا جواب بقول امام صحیح دی یہ ہے کہ حضور ﷺ کے قول فصل رکعة کے معنی یہ ہیں۔ صَلِّ رَكْعَةً مَعَ ثَمَنِينَ قَبْلَهَا یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سے پہلی دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت اور پڑھ لے۔ پس اب تین رکعتیں ہوئیں نہ کہ ایک۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک رکعت یا پانچ رکعتیں یا سات یا نو یا بارہ کی روایت استقرار وتر سے پہلے کی ہیں۔ لیکن جب تین رکعتوں پر استقرار ہو گیا اور ٹھہرا ہو گیا تو باقی روایتیں منسوخ ہو گئیں۔

**قنوت وتر کب پڑھی جائے؟ رکوع سے پہلے یا بعد میں..... اقوال فقہاء**

وَيَقُتُّ فِي الثَّالِثَةِ قُلْ لِرُكُوعٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ بَعْدَهُ لِمَا رَوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُتَّ فِي أَحْرِ الْوَقْتِ وَهُوَ نَعْدَ الرُّكُوعِ وَلَمْ يَرَوْهُ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُتَّ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَمَا رَأَى عَلَى بَصِيبِ الشَّيْءِ أَحْوَهُ

ترجمہ اور تیسری رعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ رکوع کے بعد (قنوت پڑھے) کیونکہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخر وتر میں قنوت پڑھا اور آخر وتر رکوع کے بعد ہو گا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ روایت کیا گیا کہ حضور ﷺ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھا۔ اور ان چیز کے آگے پر جو تباہ ہو اس کا خرب۔

**تشریح**۔ مہارت میں دعا، قنوت کے محل کا ذکر ہے ہمارے نزدیک دعا، قنوت کا محل رکوع سے پہلے ہے اور شوافع کے نزدیک رکوع کے بعد ہے۔

شافعی دلیل یہ ہے کہ اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُتَّ فِي أَحْرِ الْوَقْتِ یعنی حضور ﷺ نے آخر وتر میں قنوت پڑھا، و آخر وتر رکوع کے بعد ہوتا ہے۔ ہذا قنوت رکوع کے بعد پڑھا جائے گا۔

ہماری دلیل ابی بن حباب کی روایت ہے اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُؤْتِرُ فَيَقُتُّ قَبْلَ الرُّكُوعِ یعنی حضور ﷺ وتر پڑھتے ہیں قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے، جو الفاظ صاحب ہدایہ نے بیان فرمائے ہیں وہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہیں۔ نیز ہمارے مذہب کی تائید

اس سے بھی ہوتی ہے عَنْ عَصِمِ الْأَحْوَلِ سَأَلْتُ أَسَاءَ عَنِ الْقُوتِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ أَكَانَ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ قُلْتُ فَإِنْ فَلَانَا أَحْسَرْنِي عَنْكَ أَنْكَ قُلْتَ بَعْدَهُ قَالَ كَذَبَ إِنَّمَا قَسَتْ رُسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا یعنی عاصم احول سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس سے قنوت فی الصلوۃ کے بارے میں دریافت کیا تو کہا کہ ہاں، میں نے کہا کہ رکوع سے پہلے یا بعد میں، فرمایا کہ رکوع سے پہلے، میں نے کہا کہ فلاں سے مجھ کو آپ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے کہا کہ رکوع کے بعد ہے۔ انس نے کہا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے نہ کہ بعد میں۔ رہا امام شافعی کی پیش کردہ روایت کا جواب تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ حدیث میں قَسَتْ فِي أَحْسَرِ الْيُوسُرِ کے الفاظ ہیں اور شنی کے آدھے سے دوڑا نہ ہوا اس پر آخر کا اطلاق کیا جاتا ہے ہذا تیسری رعت میں رکوع سے پہلے پر بھی آخر وتر کا طاق ہو جائے گا۔ پس یہ حدیث بھی ہمارے خلاف نہ ہوتی۔ جیسلم احمد

### قنوت وتر پورا سال پڑھی جائے گی، امام شافعی کا نقطہ نظر

وَيَقْنُتُ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي غَيْرِ النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِينَ عَلَّمَهُ دُعَاءَ الْقُوتِ احْضَلْ هَذَا فِي وَتْرِكَ مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ

ترجمہ اور پورے سال قنوت پڑھے۔ رمضان کے نصف اخیر کے بعد امام شافعی کا خلاف ہے یونکہ بخاری سے حسن بن علی سے کہا جبکہ حسن کو دعاء قنوت سجدائی کہ اس کو اپنے وتر میں داخل رہے بغیر کسی تفصیل۔

تشریح ہمارے نزدیک وتر میں پورے سال دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے حضرت امام شافعی کے نزدیک فقط رمضان المبارک کے نصف اخیر میں دعاء قنوت پڑھنا مستحب ہے اور جواز باکراہت پورے سال ہے۔ (میں کہتا ہوں)

امام شافعی کی دلیل یہ روایت ہے أَنَّ عُمَرَ أَمَرَ أُمِّيَّ بْنَ كَعْبٍ بِإِلَّا مَامَةً فِي لَيْلِ رَمَضَانَ وَأَمَرَ بِالْقُوتِ فِي النِّصْفِ الْأَخِيرِ مِنْهُ، یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو رمضان کی راتوں میں امامت کا حکم فرمایا اور رمضان کے نصف اخیر میں دعاء قنوت کا فرمایا اور ہمارے نزدیک دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حسن بن علی کو دعاء قنوت کی تعلیم دی اور پھر فرمایا کہ احْضَلْ هَذَا فِي وَتْرِكَ یعنی اس دعا کی اپنے وتر میں داخل کرلو۔ اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی تفصیل نہیں ہے ہذا پورے سال دعاء قنوت کا پڑھنا ثابت ہو گیا۔ امام شافعی کے پیش کردہ اثر عمرؓ کا جواب یہ ہے کہ قنوت سے مراد نماز کے اندر طول قراۃ ہے یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو رمضان کے نصف اخیر میں طول قراۃ کا امر فرمایا۔ اس جواب کے بعد یہ اثر امام شافعی کا مستدل نہیں ہو سکے گا۔ اور تسلیم بھی کر لیں کہ قنوت سے مراد دعاء قنوت ہے نہ کہ طول قراۃ۔ تو ہم جواب دیں گے کہ یہ صحابی کا اثر ہے اور امام شافعی صحابی کے اثر کو قابل استدلال نہیں سمجھتے۔ لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اثر اس لئے قابل استدلال ہے کہ یہ معنی اجماع ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ صحابی کی ایک بڑی جماعت کی موجودگی میں امامت فرماتے تھے اور صحابی نے اس پر تعمیر نہیں کی اس لئے یہ جماع کے قائم مقام ہو گیا۔

مگر ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ اختلاف ثابت ہے۔ کیونکہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ لَا أَعْرِفُ الْقُوتَ إِلَّا طَوَّلَ الْقَامِ یعنی میرے

نزدیک طول قیام کے علاوہ قنوت کے کوئی معنی نہیں ہیں پس ابن عمرؓ کے اختلاف کے ساتھ اجماع کس طرح منعقد ہو سکتا ہے۔

وتر میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھی جائے گی

وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِّنَ الْوُثْرِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَمُؤَذَّرَ قَوْلِهِ تَعَالَى فَاَقْرَأْ مَا تيسَّرُ مِنَ الْقُرْآنِ

ترجمہ اور وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور بون سورت پڑھے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔

تشریح وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ورا دوسری کسی سورت کا پڑھنا، تفاق واجب ہے صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک تو اس نے کہ وتر سنت سے اور سنن و نوافل کی ہر رکعت میں قرأت ہے۔ اور امام ابو حنیفہ نے نزدیک وتر اگرچہ واجب ہے لیکن چونکہ وتر کے وجوب کا ثبوت سنت سے ہے اور سنت مفید یقین نہیں ہوتی اس نے وتر کے وجوب ہونے میں ایک گونہ شبہ رہا۔ پس احتیاطاً امام ابو حنیفہ نے ہر رکعت میں قرأت کو واجب قرار دیا، جیسا کہ سنتوں اور نوافل کی ہر رکعت میں قرأت واجب ہے۔

صاحب ہدایہ کا باری تعالیٰ کے قول فَاَقْرَأْ مَا تيسَّرُ مِنَ الْقُرْآنِ سے استدلال کرنا مطلق قرأت کے وجوب پر تو ہو سکتا ہے مگر سورہ فاتحہ کی تعیین اور ضم سورت کی تعیین پر نہیں ہو سکتا۔

### قنوت پڑھنے کا طریقہ

وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَقُتَّ كَبَّرَ لِأَنَّ الْحَالَةَ قَدْ اُحْتَلَفَتْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَسَّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ وَذَكَرَ مِنْهَا الْقُنُوتَ

ترجمہ اور اگر قنوت پڑھنا چاہے تو تکبیر کہے کیونکہ حالت بدن گئی اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور قنوت پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں اور انہیں سات میں قنوت کا ذکر کیا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ تیسری رکعت میں قرأت فاتحہ و ضم سورت کے بعد جب دعا قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور تکبیر کہے چہ دعائے قنوت پڑھے۔ تکبیر کہنا واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مصلیٰ کی حالت بدل گئی یاں طور کہ پہلے وہ حقیقت قرأت میں مشغول تھا اور اب شبیہ قرأت یعنی دعا قنوت میں مشغول ہو گا اور چونکہ تکبیرات شروع کی گئی ہیں حالت تبدیل ہونے کے وقت، اس لئے اس موقع پر بھی تکبیر کہنا واجب ہے۔ لیکن اس دلیل پر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے۔ وہ یہ کہ تکبیر اس وقت شروع کی گئی ہے جبہ اذان کے اندر تبدیلی واقع ہو۔ یعنی ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف منتقل ہوتے وقت۔ جیسے چلتے وقت یا اٹھتے وقت تکبیر شروع ہے، اقوال کے بعد اختلاف کے وقت تکبیر شروع نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نور کریں کہ مصلیٰ جب ثناء پڑھ کر قرأت شروع کرتا ہے تو اس وقت تکبیر نہیں ہے۔ حالانکہ ثناء سے قرأت کی طرف حالت تبدیل ہو گئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اختلاف احوال و اقوال کے وقت تکبیر شروع نہیں بلکہ اختلاف افعال کے وقت شروع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حالت میں ہاتھوں کا اٹھانا حضور ﷺ کے قول "لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ" سے ثابت ہے اور نماز کے اندر ہاتھوں کا اٹھانا غیر تکبیر کے غیر مندرج ہے۔ جیسے تکبیر، افتتاح و تکبیرات عیدین میں پس اس حدیث سے تکبیر کہنا بھی

ثابت ہو جائے گا۔

## وتر کے علاوہ قنوت کا حکم، اقوال فقہاء

وَلَا يَنْقُصُ فِي صَلَوةٍ غَيْرَهَا جَلًّا لِلشَّافِعِيِّ فِي الْفَجْرِ لِمَا رَوَى ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

ترجمہ :- اور سوا وتر کے کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے۔ فجر کی نماز میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ یونس ابن سعید نے روایت کی۔ حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھا پھر اس کو چھوڑ دیا۔

تشریح :- احناف کے نزدیک سوا وتر کے کسی نماز میں قنوت نہیں ہے۔ امام شافعی نے کہا کہ فجر کی نماز میں قنوت نہ پڑھیں۔ ابو نصر بغدادی نے کہا کہ امام شافعی کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث اس سے کہ نَسِيَ قَنًّا يَنْقُصُ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ إِلَى أَنْ قَارَعَ الدُّبَا یعنی حضور ﷺ فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔ یہاں شافعی نے یہ تفسیر لائی ہے۔

احناف کی دلیل ابن مسعودی حدیث ہے أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَتَ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى حَتَّى مِنْ أَحِبِّ الْعَرَبِ حَضْرًا يَنْقُصُ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى حَتَّى مِنْ أَحِبِّ الْعَرَبِ فَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ شَهْرًا أَوْ قَالَ أَرْبَعِينَ نَوْمًا عَلَى أَهْلِ دَكْوَانَ وَعَصِيَّةَ حَتَّى لَمَّا لَمَسَ الْفَجْرُ رَحِمَهُ سَبْعُونَ رَجُلًا أَوْ ثَمَانُونَ یعنی حضور ﷺ نے ایک ماہ یا چالیس یوم قنوت پڑھا مقصد ان لوگوں پر ہدایت کرنا تھا جنہوں نے قنوت پڑھنا شروع کر دیا تھا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے فجر کی نماز میں چند یوم کے علاوہ سوا قنوت نہیں پڑھی۔ بوہان سہن نے کہا صَلَّيْتُ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ سَتَيْتِي وَصَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ كَذَلِكَ فَلَمْ أَرِ أَحَدًا مِنْهُمَا يَنْقُصُ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ یعنی میں نے ابو بکر اور عمر کے پیچھے دو دو سال نماز پڑھی مگر ان میں سے کسی دن فجر میں سوا قنوت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

## قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھی جائے گی اور مقتدی کے سب قنوت پڑھنے کا حکم اقوال فقہاء

فَإِنْ فَتَ الْإِمَامُ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ يَسْكُتُ مَنْ خَلْفَهُ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ يَسْكُتُ لِأَنَّهُ نَزَلَ لِلْإِمَامِ وَالْقُتُوبُ فِي الْفَجْرِ مُحْتَمِلٌ فِيهِ وَلَهُمَا أَنْ يَسْرُحَ وَلَا مُتَابَعَةَ لَهُ تَمَّ قِيلَ بَقِيَتْ فَرِيضَةٌ لِيُدْرِعَهُ فِيمَا سَحِبَتْ مُتَابَعَةً وَقِيلَ يَقَعْدُ نَحْفًا لِلْمُحَالِفَةِ لِأَنَّ السَّكْتَ شَرِيكَ الدَّعْوَى وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ وَذَلِكَ الْمَسْأَلَةُ عَلَى جَوَارِ الْإِقْتِدَاءِ بِالسُّفْعَوِيَّةِ وَعَلَى الْمُنَابَعَةِ فِي قِرَاءَةِ الْقُتُوبِ فِي الْوُتْرِ وَإِذَا عَلِمَ الْمُفْتَدِي مِنْهُ مَا يُرْعَاهُ بِهِ فَتَدَّ صَلَاتِهِ كَالْمَقْصُودِ وَغَيْرِهِ لَا يُحَرِّبُهُ الْإِقْتِدَاءُ بِهِ وَالْمُخْتَارُ فِي الْقُتُوبِ الْإِحْقَاءُ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ

ترجمہ :- اگر امام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھا تو جو لوگ اس کے پیچھے ہیں۔ طریقین کے نزدیک سوا قنوت نہیں پڑھیں اور امام یا مقتدی نے سوا قنوت پڑھا تو مقتدی اس سے متابع ہے اور فجر میں قنوت امر مہند فیہ ہے اور طریقین کی مثال یہ ہے کہ قنوت

منسوخ ہے اور منسوخ میں متابعت نہیں ہے پھر کہا گیا کہ ٹھہرا رہے تاکہ ایسے میں امام کی متابعت کرے جس میں اس کی متابعت واجب ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مقتدی بیٹھ جائے تاکہ مخالفت ثابت ہو جائے کیونکہ سائنس دانوں کا شریک ہوتا ہے۔ اور اول اظہر ہے۔ اس مسئلہ نے اس بات پر دلالت کی کہ شافعی المسلک کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے۔ اور اس بات پر دلالت کی کہ وتر میں قنوت پڑھنے میں امام کی اتباع کرے اور جب مقتدی (حنفی) کو امام (شافعی المذہب) سے ایسی بات معلوم ہو جائے جس سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسے قصد وغیرہ۔ تو اس حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا کافی نہ ہوگا۔ ورنہ قنوت میں مختار اخصاء ہے کیونکہ وہ دعا ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام شافعی المسلک نے فجر کی نماز میں دعا، قنوت پڑھی اور مقتدی حنفی المذہب ہو تو ایسی صورت میں طرفین کے نزدیک حنفی المسلک مقتدی سکوت کرے، قنوت نہ پڑھے۔ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی بالیقین امام کے تابع ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرے۔ اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مختلف فیہ ہے کیونکہ بعض مجتہدین کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا مسنون ہے اور بعض کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا منسوخ ہو گیا۔ پس اس اختلاف کی وجہ سے فجر کی نماز میں قنوت کا پڑھنا نہ مشکل اور محتمل ہے۔ اور یہ اصول ثابت شدہ ہے کہ اصل اور یقینی چیز کو شک کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا اس لئے متابعت امام کو ترک نہ کیا جائے بلکہ امام کی متابعت کرتے ہوئے حنفی المسلک مقتدی بھی قنوت پڑھے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا منسوخ ہو چکا کیونکہ حضور ﷺ نے فجر میں ایک ماہ قنوت پڑھا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ اور منسوخ میں متابعت نہیں کی جاتی اس لئے حنفی المسلک مقتدی قنوت پڑھنے میں امام کی متابعت نہ کرے بلکہ خاموش کھڑا رہے۔ یہی یہ بات کہ مقتدی جب متابعت نہیں کرے گا تو کیا کرے تو اس بارے میں بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ مقتدی خاموش کھڑا رہے تاکہ جس چیز میں متابعت واجب ہے اس میں متابعت ہو جائے یعنی قیام اور قنوت دو چیزیں ہیں۔ پس حنفی المسلک مقتدی قیام میں اپنے امام کی متابعت کرے۔ اور قنوت میں متابعت نہ کرے۔

اور بعض کا قول ہے کہ جب شافعی المسلک امام قنوت پڑھنا شروع کرے تو حنفی المسلک مقتدی بیٹھ جائے۔ تاکہ امام کی مکمل مخالفت نہ ہو۔ کیونکہ خاموش رہنے والا دعاء کرنے والے کا شریک شمار ہوتا ہے۔ جیسے مقتدی قنوت نہیں کرتا بلکہ خاموش رہتا ہے لیکن اس کے باوجود قرأت میں امام کا شریک ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول اظہر ہے۔ یعنی سائنس دانوں کا اظہر ہے۔ صاحب عنایہ نے اظہر ہونے کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ امام کا فعل شروع اور غیر مشروع دونوں پر مشتمل ہے پس قیام جو مشروع ہے اس میں امام کی اتباع کرے اور قنوت جو غیر مشروع ہے اس میں اتباع نہ کرے۔ بلکہ خاموش کھڑا رہے۔ لیکن ہدایہ میں لکھا ہے کہ قنوت اس نے اظہر ہے کہ نماز میں امام کی مخالفت پیدا کرنا اگرچہ ایسی بات شرط میں نہ ہو وہ بہت برا ہے۔ اول تو یہ شران اقتداء کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہے اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتِيَ نَهْيَہُ یعنی امام تو اسی سے ہوتا ہے کہ اس کی متابعت کی جائے۔ دوم یہ کہ یہ فعل اگرچہ نیک نہ ہونے کی وجہ سے مفسد نہیں لیکن قیام گمراہ ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ جب امام قنوت پڑھے تو حنفی المسلک مقتدی بیٹھ کر التعمیت وغیرہ پڑھ کر امام سے پہلے ہی نماز پھیر دے کیونکہ امام حنفی المسلک مقتدی کے نزدیک بدعت میں مشغول ہو یا ہذا اس کے اتھارے کوئی معنی نہیں ہیں۔

مصنف ہدایہ نے اس قول کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس صورت میں سردم جو مشروع ہے اس میں امام کی مخالفت کرنا لازم آتا ہے اور یہ

کسی طرح مناسب نہیں۔

وَذَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى جَوَازِ الْإِقْنَادِ اس عبارت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ مسئلہ دو باتوں پر دلالت کرتا ہے اول یہ کہ حنفی المذہب کا شافعی المذہب کی اقتداء کرنا جائز ہے۔ اسی طرح مالکی اور حنبلی کی اقتداء کرنا بھی جائز ہے۔ دوم یہ کہ مقتدی قنوت وتر میں اپنے امام کی متابعت کرے گا۔ کیونکہ اختلاف قنوت فجر میں متابعت کرنے کے سلسلہ میں ہے نہ کہ قنوت وتر میں۔ پس جہاں قنوت مسنون بلکہ واجب ہے وہاں مقتدی خاصوش نہ رہے گا بلکہ قنوت پڑھے گا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر حنفی المسلك مقتدی کو اپنے شافعی المسلك امام کی طرف سے یقینی طور پر کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے کہ احناف کے مذہب کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز نہ ہوگا۔ مثلاً شافعی المسلك امام نے وضو یا پھر قصد وغیرہ کھوائی یا غیر سبیلین سے خروج نجاست پایا گیا۔ اور وضو کا احاد نہیں کیا تو حنفی کے لئے اس کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ چیزیں شوافع کے نزدیک اگرچہ ناقض وضو نہیں لیکن احناف کے نزدیک ناقض ہیں۔ اس لئے کہ حنفی المذہب مقتدی کے گمان کے مطابق اس کا امام محدث ہے اور محدث کے پیچھے اقتداء کرنا جائز نہیں۔

دعائے قنوت میں اخفاء مختار ہے: فرمایا کہ قنوت میں اخفاء مختار ہے دعائے قنوت پڑھنے والا خواہ مقتدی ہو خواہ منفرد ہو، کیونکہ قنوت ایک دعا ہے اور دعا میں خفاء اولیٰ ہے۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ قنوت بالجہر پڑھے۔ کیونکہ قنوت قرآن کے مشابہ ہے یہی وجہ ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِينُكَ کے بارے میں صحابہ نے اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ قرآن ہے یا قرآن نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود کا قول یہ ہے کہ قنوت قرآن کی سورت ہے اور حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہیں ہے عامۃ العلماء بھی اسی کے قائل ہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ نصف، نصف اور چنبی اس کی قرأت سے اجتناب کریں۔ (کافیہ)

قوائد صاحب کافیہ نے لکھا ہے کہ سب سے طویل دعا قنوت وہ ہے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَ اَلِفْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَ اَصْلِحْ دَاتِ بَيْنِهِمْ وَ اَنْصُرْهُمْ عَلَى عَدُوِّكَ وَ عَدُوِّهِمْ، اَللّٰهُمَّ اَلْعَن كَفَرَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَ يَكْذِبُوْنَ رُسُلَكَ وَ يَقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَانِكَ اَللّٰهُمَّ خَالَفْ نِسَ كَلِمَتِهِمْ وَ رَلِّ لْ اَقْدَامَهُمْ وَ اَنْزِلْ بِهِمْ بِاسْكَ الَّذِيْ لَا يَرْدُّ عَنْ الْقَوْمِ الْمُحَرَّمِيْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْكَ وَ نَسْتَعِيْزُكَ وَ نُوْمِنُ بِكَ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَ نُسَيِّدُكَ الْعَبِيْرَ وَ نُسْكُرُكَ وَ لَا نَكْفُرُكَ وَ نَحْنَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ لَكَ نُصَلِّيْ وَ نَسْجُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْزُ وَ نَحْفِذُ وَ نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَ نَحْشَى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ مُلْحِقٌ۔

بعض روایات میں اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْكَ سے آغاز کیا گیا ہے۔ جمیل احمد غنی عنہ

## بَابُ النَّوَافِلِ

ترجمہ .... (یہ) باب نوافل کے (بیان میں) ہے۔

توضیح: سابق میں فرض اور واجب کا بیان تھا اس باب کے تحت سنن اور نوافل کا بیان ہے نفل کے معنی (جو فرض پر زائد ہو) چونکہ سنن کو

بھی شامل ہیں اس لئے عنوان میں فقط نوافل کا ذکر کیا گیا ہے اور سنن کا ذکر نہیں کیا گیا۔

### سنن اور نوافل کا بیان، سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعداد و رکعات

أَسَنَّةُ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَ أَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَانِ وَ أَرْبَعُ قَبْلَ الْعَصْرِ وَ إِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَ رَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَ أَرْبَعُ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَ أَرْبَعُ بَعْدَهَا وَ إِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَ الْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ تَأَمَّرَ عَلَى ثَلَاثِي عَشْرَةٍ رَكْعَةٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ قَسَرَ عَلَى نَحْوِ مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لِأَرْبَعٍ قَبْلَ الْعَصْرِ فِيهِدَا سَمَاءُ فِي الْأَصْلِ حَسًّا وَ حِثْرًا لِاخْتِلَافِ الْأَثَارِ وَ الْأَفْضَلُ هُوَ الْأَرْبَعُ وَلَمْ يَذْكُرْ الْأَرْبَعُ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَلِهَذَا كَانَ مُسْتَحَبًّا لِعَدَمِ الْمُوَظَّهِ وَ ذَكَرَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَ هِيَ غَيْرُهُ ذَكَرَ الْأَرْبَعُ فِيهِدَا حِثْرًا لِأَنَّ الْأَرْبَعُ أَفْضَلُ حُصُوصًا عِدَائِي حَبِيفَةً عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ مَدْحِهِ وَ الْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ بِتَسْبِيحِهِ وَاحِدَةً عِنْدَنَا كَذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَ فِيهِ جِلَافُ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: سنن فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے و دو رکعت ظہر کے بعد اور چار رکعت عصر سے پہلے و رات کے چار رکعت (پڑھے) اور مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء سے پہلے چار رکعت و چار رکعت بعد دو رکعت (پڑھے) اور ان نمازوں کے سنن ہونے میں اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعت پر مواظبت کی اللہ تعالیٰ اس کے وسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ اور آنحضور ﷺ نے (بارہ رکعت) کی جو تفسیر فرمائی ہے اسی کے مطابق کتاب میں مذکور ہے مگر یہ کہ آپ ﷺ نے عصر سے پہلے کی چار رکعت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اسی وجہ سے امام محمد نے مبسوط میں ان چار رکعت کو حسن کہا ہے۔ اور آثار کے مختلف ہونے کی وجہ سے اختیار دیا گیا ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ اور عشاء سے پہلے چار رکعت مذکور نہیں ہیں اسی وجہ سے یہ چار رکعت مستحب ہوئیں کیونکہ (چار رکعت پر) مواظبت نہیں پائی گئی و حدیث مذکور میں عشاء کے بعد دو رکعت مذکور ہیں۔ اور دوسری حدیث میں چار رکعت کا ذکر ہے اسی واسطے اختیار دیا گیا ہے مگر چار رکعت (پڑھنا) افضل ہے خاص طور پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس بناء پر جو ان کا مذہب معصوم ہوا ہے۔

و ہمارے نزدیک ظہر سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔

تشریح: صاحب ہدایہ اس باب کے تحت اگرچہ سنن اور نوافل دونوں کو ذکر فرمایا ہے لیکن اہم اور اشراف ہونے کی بناء پر سنن کا ذکر مقدم کیا گیا۔

پھر سنن کی دو قسمیں ہیں، مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ مؤکدہ وہ سننیں ہوتی ہیں جن پر کبھی کبھار ترک کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے ہمیشگی فرمائی ہو۔ اور غیر مؤکدہ وہ سننیں ہیں جن پر اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیشگی نہیں فرمائی، سنن مؤکدہ بارہ رکعات اس طرح ہیں نماز فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار رکعت و ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت ان کے علاوہ سنن غیر مؤکدہ ہیں۔

صاحب قداری نے مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں کو اس طور پر ذکر فرمایا کہ نماز فجر سے پہلے دو رکعت ہیں و ظہر سے پہلے چار رکعت تار

کے بعد دو رکعت ہیں۔ عصر سے پہلے چار رکعت ہیں جی چاہے تو دو رکعت پر اکتفاء کر لے اور مغرب کے بعد دو رکعت ہیں۔ اور عشاء سے پہلے چار رکعت ہیں اور عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے۔ یہ دو رکعت پر اکتفاء کرے۔ یہی یہ بات کہ صاحب قدوری نے سنت فجر سے ابتداء یوں فرمائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت فجر اوقوی سنن ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے سنت فجر کے بارے میں فرمایا ہے صَلُّوْكَ وَلَوْ طَرَدَنُكُمْ الْحَبَلُ یعنی تم سنت فجر پڑھتے رہو اگرچہ تم کو ٹھوڑے روئے ہو۔

حسن بن زید نے امام اٹھم سے روایت کی ہے کہ اگر کسی نے بخیر مذکر سنت فجر کو بیٹھ کر ادا کیا تو جائز نہیں ہے۔ علامہ دمشقی نے لکھا ہے کہ اگر وہ کسی عام مرجع خلاف ہو، وگرنہ اس سے فتویٰ اور مسئلہ شرعیہ دریافت کرتے ہیں تو ان کی ضرورت کے خلاف اس کے لئے تمام سنتوں کا ترک کرنا جائز ہے۔ وہ سنت فجر کے۔ اس سے بھی سنت فجر کا اوقوی مونا ثابت ہوتا ہے۔

صاحب عنایہ نے سنت فجر کے مقدم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ اوقات نماز کو ذکر کرتے وقت چونکہ وقت فجر کا ذکر مقدم کیا گیا ہے اس لئے سنت فجر دوسری سنتوں پر مقدم کیا گیا۔

حضرت امام محمدؒ نے مبسوط میں سنت ظہر کے ذکر کو مقدم کیا ہے اور وجہ تدریج یہ بیان کی ہے کہ سنت فرض کے تابع ہے۔ اور حضور ﷺ پر سب سے اول ظہر کی نماز فرض کی گئی پس چونکہ ظہر کا فرض اول فرض ہے اس لئے ظہر کی سنتوں کا ذکر بھی اول کر دیا گیا۔

ربایہ کہ سنت فجر کے بعد کون سی سنتیں اوقوی ہیں: سو اس بارے میں تدریس اختلاف ہے۔ امام حلوائی نے کہا کہ سنت فجر کے بعد اوقوی ہونے میں سنت مغرب کا درجہ ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی ﷺ نے مغرب کی سنتوں کو سزا اور حضر میں کبھی نہیں چھوڑا۔ پھر فرمایا کہ سنت مغرب کے بعد ظہر کے بعد کی سنتوں کا درجہ ہے اور وجہ یہ ذکر کی کہ ظہر کے بعد کی سنتیں مشق میں ہیں اور ظہر سے پہلے کی سنتیں مختلف فیہا ہیں۔ پھر فرمایا کہ ظہر کے بعد کی سنتوں کے بعد عشاء کے بعد کی سنتوں کا درجہ ہے۔ پھر ظہر سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے۔ پھر عصر سے پہلے کی سنتوں کا درجہ ہے۔

بعش ماہ کا خیال ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد بہ نسبت دوسری سنتوں کے ظہر سے پہلے کی سنتیں زیادہ مؤکدہ اور اوقوی ہیں۔ یہی قول اسحٰب ہے کیونکہ ان کو ترک کرنے پر وعید آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ تَرَكَ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ كَلَهُ شَقَاعَتِي یعنی جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت کو چھوڑا اس کو میری شقاعت نصیب نہیں ہوگی۔ علامہ حلوائی نے یہ بھی فرمایا کہ سوائے تراویح کے تمام سنتوں کا گھر میں دارنا افضل ہے۔ کیونکہ تراویح میں تمام سچ پانچ کا اجماع ہے کہ وہ تراویح کی نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔ (عنایہ)

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مذکورہ بارہ رکعات کے سنت مؤکدہ ہونے میں اصل اور دلیل حضور ﷺ کا قول ہے امام ترمذی و راہن ماجہ نے اس حدیث کے الفاظ اس طرح ذکر کئے ہیں عَنْ عَلَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَأَخَّرَ عَلَى اثْنَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْ لَيْلَةٍ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جس شخص نے بارہ رکعات مسنونہ پر ہدایت کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔ (بارہ رکعات یہ ہیں) چار ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ امام بخاری کے علاوہ جماعت محدثین نے اس حدیث کو اصحیح و صحیح و متفقہ بیان کیا۔ ان الفاظ کے ساتھ فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ بِصَلَاتِكَ يَوْمَ تَنْزِيلِ الْقُرْآنِ وَ تَنْزِيلِ عَشْرَةِ كَعْبَةٍ مَصْرُوعَةٍ مِنْ غَيْرِ الْغَرِيصَةِ اِلَّا نَسِيَ اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ مِنْ لَيْلَةٍ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ



ہم نے سن کر جو بندہ مسلم خالص اللہ کے لئے ہر روز بارہ رکعت فرض سے زائد پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے واسطے جنت میں گھر بنائے گا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بارہ رکعت کی تفسیر سی کے مطابق بیان فرمائی ہے جو متن کتاب میں مذکور ہے۔ مگر چونکہ اس حدیث کی تفسیر کے وقت عصر سے پہلے کی چار رکعت کا ذکر نہیں ہے۔ اسی سے امام محمد نے مبسوط میں ان چار رکعت کو مستحب قرار دیا اور اختیار دیا کہ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے یا دو رکعت پڑھے، کیونکہ عصر سے پہلے کی تعداد رکعت میں آثار مختلف ہیں چنانچہ ابن عمر سے مروی ہے قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجِمَ اللَّهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس انسان پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتا ہے اور حضرت علی سے مروی ہے اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ یعنی حضور ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے کیونکہ چار رکعت کا مدد بھی زیادہ ہے اور تحریمہ بھی دیر تک رہے گا ہذا بہ نسبت دو رکعت کے چار رکعت پڑھنے کا ثواب بھی زائد ہوگا۔

فیض مصنف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ رکعت کی تفسیر کے موقع پر عشاء سے پہلی چار رکعت کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ پھر چار رکعت بھی کتاب کے درجہ میں ہیں کیونکہ ان چار رکعت پر موقوفیت نہیں فرمائی ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حدیث مشرکہ میں عشاء کے بعد دو رکعت کا ذکر ہے، لیکن حدیث مشرکہ کے علاوہ دوسری احادیث میں چار رکعت کا ذکر ہے۔ چنانچہ براء بن عازب کی حدیث ہے قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا كَانَ كَأَنَّمَا يَتَّحِدُ مِنْ لَيْلَةٍ وَمَنْ صَلَّى بَعْدَ الْعِشَاءِ كَانَ كَأَنَّمَا يَتَّحِدُ مِنَ لَيْلَةِ الْقَدَرِ یعنی براء بن عازب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قبل الظہر چار رکعت پڑھیں وہ رات بھر عبادت کی اور جس نے عشاء کے بعد چار رکعت پڑھیں گویا یکتا القدر کی چار رکعتیں پائیں۔ پس چونکہ چار

درمیان الفاظ حدیث میں اختلاف ہے اس لئے صاحب قدوری نے اختیار دیا کہ عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے خواہ دو رکعت پڑھے۔ افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ خاص براہم ابو حنیفہ کے نزدیک۔ امام صاحب اور صاحبین کا اصل اختلاف اس میں ہے کہ اتنی نرازشی ثنی افضل ہے یا ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا افضل ہوگا۔ سوا امام صاحب کے نزدیک چار رکعت پڑھنا افضل ہے اور صاحبین کے ہاں ثنی ثنی افضل ہے پس اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر امام صاحب کے نزدیک عشاء کے بعد چار رکعت کا پڑھنا افضل ہوگا۔

مصنف بدیہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعت یکتا کے ساتھ ہیں چنانچہ اگر کسی نے دو سلاموں کے ساتھ داکہ تو ہمارے نزدیک ان کا اعتبار نہیں ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث بوبیرہ ہے اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيهِمْ بِتَسْلِيمَتَيْنِ یعنی حضور ﷺ ان چار رکعت کو دو سلام کے ساتھ پڑھتے تھے اور ایک حدیث میں ہے۔ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ صَلَاةُ النَّبْلِ وَالنَّهَارِ مِثْلِي مِثْلِي یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اور دن کی نماز دو رکعتیں ہیں۔

ہمارا استدلال ابویوب نصاریٰ کی حدیث ہے اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الزَّوَالِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقُلْتُ مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي تُدَاوُّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَذِهِ سَاعَةٌ تَفْتَحُ فِيهَا ابْوَابُ السَّمَاءِ وَاحْتُ اَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلُ صَالِحٍ فَقُلْتُ فَمَنْ كَتَبَهَا قَرَأَتْ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ اَتَسْلِمُ امْ تَسْلِمُ فَقَالَ تَسْلِمُ وَاحِدَةٌ یعنی نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ بعد چار رکعتیں پڑھ کر آتے تھے (ابوایوب نصاریٰ کہتے ہیں) کہ میں نے کہا کہ یہ کون کی نماز ہے جس کو آپ ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے

فرمایا کہ یہ وہ سرعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس سرعت میں میرے اعمال صدقہ اور چڑھیں، میں نے کہا کہ کیا تمام رکعتوں میں قرأت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، میں نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ یا دوسرا سلام کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سلام کے ساتھ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ مسنون ہیں۔

امام شافعی کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تَسْلِيمَتَيْنِ سے مراد شہدین ہیں یعنی حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت و تشہد کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پس حدیث میں حال یعنی تَسْلِيمِ بول کر محل یعنی تشہد مراد لیا گیا ہے۔ یہ خیال رہے کہ یہ تاویل رئیس الفقہاء حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔

اور حدیث ثانی کا جواب یہ ہے کہ صَلَوةُ اللَّيْلِ مَثْنِي مَثْنِي کے اغاظ و مشہور ہیں اور وانہار کا فقط غریب ہے، ناقابل استدلال ہے۔ لہذا اس حدیث سے قبل الظہر چار رکعت و سلام کے ساتھ پڑھنے پر استدلال درست نہیں ہوگا۔

### دن اور رات کے نوافل کی تعداد و رکعات

قَالَ وَنَوَافِلُ النَّهَارِ إِنْ شَاءَ صَلَّى بِتَسْلِيمَةٍ وَكَعَتَيْنِ وَإِنْ شَاءَ أَرْبَعًا وَتُكْرَهُ الرِّيَاضَةُ عَلَى ذَلِكَ فَأَمَّا نَافِلَةُ اللَّيْلِ قَالَ أَوْ حَنِيفَةً إِنْ صَلَّى ثَمَانٍ وَكَعَابٍ بِتَسْلِيمَةٍ جَارٍ وَتُكْرَهُ الرِّيَاضَةُ عَلَى ذَلِكَ وَقَالَ لَا يَرِيدُ بِاللَّيْلِ عَلَى وَكَعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لَمْ يَذْكُرِ الثَّمَانِي فِي صَلَوةِ اللَّيْلِ وَدَلِيلُ الْكَرَاهَةِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَرِدْ عَلَى ذَلِكَ وَلَوْ لَا الْكَرَاهَةُ لَزَادَ تَعْلِيمًا لِلْجَوَازِ وَالْأَفْضَلُ فِي اللَّيْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَ مُحَمَّدٍ مَثْنِي مَثْنِي وَ فِي النَّهَارِ أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِيهِمَا مَثْنِي مَثْنِي وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِمَا أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ لِلشَّافِعِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنِي مَثْنِي وَلَهُمَا الْإِعْتِبَارُ بِالتَّرَاوِيحِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعِشَاءِ أَرْبَعًا رَوَتْهُ عَائِشَةُ وَكَانَ يُؤَظِّبُ عَلَى الْأَرْبَعِ فِي الصُّحَى وَلِأَنَّهُ أَدْوَمُ تَحْرِيمَةً فَيَكُونُ أَكْثَرُ مُشَقَّةً وَأَرْبَدُ فَضِيلَةً وَلِهَذَا لَوْ نَذَرَ أَنْ يُصَلِّيَ أَرْبَعًا بِتَسْلِيمَةٍ لَا يَحْرُجُ عَنْهُ بِتَسْلِيمَتَيْنِ وَعَلَى الْقَلْبِ يَحْرُجُ وَالتَّرَاوِيحُ تُؤَدَّى بِجَمَاعَةٍ فَيُرَاعَى فِيهَا جِهَةُ التَّيْسِيرِ وَمَعْلَى مَا رَوَاهُ شَفْعًا لَا يُتْرَكُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

ترجمہ صاحب قدوری نے کہا، اور دن کے نوافل چار ہیں تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے اور چار رکعتیں پڑھے۔ اور اس پر زیادتی مکروہ ہے۔ رات کی نہیں تو ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھے تو جائز ہے اور اس پر زیادتی مکروہ ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ رات میں دو رکعت پر زیادہ نہ کرے۔ اور جامع صغیر میں امام محمد نے صلوٰۃ میں آٹھ کوڑ کر نہیں کیا اور کراہت کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آٹھ پر زیادتی نہیں کی۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو جواز کی تعلیم دینے کے لئے زیادہ کر دیتے اور رات میں صاحبین کے نزدیک دو دو رکعت افضل ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک رات اور دن دونوں میں دو دو رکعت ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں میں چار چار رکعت ہیں۔

امام شافعی کی دلیل حضور ﷺ کا قول صَلَوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنِي مَثْنِي ہے۔ اور صاحبین کی دلیل تراویح پر قیاس ہے۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، اس کو حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے۔ اور چاشت میں چار

نت پر مواظبت فرماتے تھے۔ واسطے کہ تحریر کے اعتبار سے اس کو زیادہ اہم ہے۔ ہذا از راہ مشقت بھی زیادہ ہوگا ورنہ فضیلت میں بھی بڑھا ہوا ہوگا۔ اسی سے اگر نذر کی کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھے گا تو دوسرے کے ساتھ اس نذر سے نہیں نکلے گا اور برعکس صورت میں نکل جائے گا۔ اور تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس میں آسانی کی جہت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ اور اس حدیث کے معنی جس کو امام شافعی نے روایت کیا جوڑ جوڑ ہے نہ کہ حلق، واللہ اعلم۔

تشریح اب تک سنن کا بیان تھا۔ اگلی سطروں میں نوافل کا ذکر ہے۔ علماء نے اہمیت و افضلیت کے اعتبار سے رات اور دن کے نوافل کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ دن کے غلوں میں مباح یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے یا چار رکعت پڑھے۔ اس سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔ اور رات میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ اور آٹھ سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔ جامع صغیر میں آٹھ رکعت کا ذکر نہیں بلکہ چھ کا ذکر ہے یعنی امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ چھ رکعت ادا کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زائد کے مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے آٹھ رکعت پر زیادتی نہیں فرمائی۔ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پر زیادتی کرنا مکروہ نہ ہوتا تو یہاں جواز کے لئے ایک دو بار حضورؐ آٹھ پر زیادتی ضرور فرماتے۔ لیکن آپؐ نے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت سے زائد نہیں بھی پڑھیں۔ اس سے آٹھ سے زائد کا باب سلام کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہوگا۔

مگر غرض کہہ سکتے ہیں کہ صلوٰۃ نفل میں آٹھ پر زیادتی کے ساتھ بھی سنت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اَنَّہ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یُصَلِّی بِاللَّیْلِ خَمْسَ رُكْعَاتٍ سَبْعَ رُكْعَاتٍ نِیْسَ رُكْعَاتٍ اَحَدَ عَشَرَ رُكْعَةً ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً یعنی آنحضرتؐ رات میں پانچ رکعت بھی پڑھتے تھے، سات بھی، نو بھی، سارہ بھی اور کبھی تیرہ بھی۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خمس رکعات ہیں دو رکعت صلوٰۃ اللیل ہے یعنی نفل ہیں اور نہ وتر ہیں۔ اور سبع رکعات میں چار رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعت وتر ہیں اور سبع رکعات میں چھ رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعات وتر ہیں اور آٹھ رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعات وتر ہیں اور آٹھ رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعات وتر ہیں۔ اور ثلاث عشر رکعات میں آٹھ رکعت صلوٰۃ اللیل اور تین رکعات وتر اور دو رکعت سنت فجر ہیں۔ حضورؐ نے یہ تمام رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے پھر اس طرح تفصیل بیان فرمائی جو وپر مذکور ہے۔ پس اس تفصیل سے بعد امتیاض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ (فتح القدیر)

قد ورنہ کی عبارت وَ قَالَا لَا یُؤْبَدُ بِاللَّیْلِ عَلٰی رُكْعَتَیْنِ بِسَلَامَةٍ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر زیادتی کرنا ناجائز ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک دو رکعت پر زیادتی کرنا فضیلت نہیں ہے۔

قَالَ اَبُو حَبِیْبَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ لَمَّا نَزَلَ عَلَیْہِ رُكْعَتَیْنِ سے احقر یہاں یہ بیان کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے کہا کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پر زیادتی نہ کرے اور نہ چار پر زیادتی کی تا یہ مکروہ ہوگا۔

وَالْأَفْضَلُ فِی اللَّیْلِ سے افضلیت میں کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ صاحبینؒ کے نزدیک رات میں افضل یہ ہے کہ دو دو رکعت

پڑھے ورنہ میں چار چار رکعت پڑھے اور امام شافعی کے نزدیک رات دونوں میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صَلَوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَشْنِي مَشْنِي سے یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات اور دن کی نماز (نفل) دو دو رکعت ہیں۔

صاحبین کی دلیل تراویح پر قیاس ہے یعنی تراویح کی نماز بالاتفاق دو دو رکعت کر کے ادا کرنا افضل ہے۔ پس اسی طرح رات میں دوسرے نوافل بھی دو دو رکعت کر کے ادا کرنا افضل ہے۔

امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ عشاء کے بعد حضور ﷺ چار رکعت پڑھتے تھے یعنی ایک سہم کے ساتھ ورنہ حضور ﷺ چار رکعت پر مواظبت فرماتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دن اور رات دونوں میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک سہم کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے میں زبردستی دوام ہے پس زمین میں فرما نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مشقت ہوگی اور جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو وہ افضل ہوتی ہے۔ اس سے ایک سہم کے ساتھ چار رکعت ادا کرنا افضل ہوگا۔ نسبت دو رکعت ادا کرنے کے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ایک سہم کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے کی نذر کی پھر اس سے دوسرے چار رکعت ادا کی تو اس کی یہ نذر ادا نہ ہوگی کیونکہ نذر کی تھی افضل طریقہ پر چار رکعت ادا کرنے کی اور ادا کیا مفضول طریقہ پر اور قاعدہ ہے کہ افضل اور اعلیٰ مفضول اور ادنیٰ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر دوسرے سہم کے ساتھ پڑھنے کی نذر تو ایک سہم کے ساتھ پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی کیونکہ مفضول افضل کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے۔

وَالنَّسَاءُ رُبَّحُ نُسُوْدِي بِجَمَاعَةٍ یہ عبارت صاحبین کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ تراویح کی نماز دو دو رکعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے لیکن تراویح کی نماز جمعہ عت سے ادا کی جاتی ہے اور جمعہ عتی کاموں میں عام لوگوں کی رعایت کے پیش نظر سہولت و آسانی کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے فرمایا گیا کہ امام کو چاہئے کہ وہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائے۔ خابریہ کہ اس امر میں عام مقتدیوں کی رعایت کی گئی ہے پس چونکہ تراویح کی نماز جمعہ عت کی جاتی ہے اس لئے عام لوگوں کی رعایت کے پیش نظر دو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ دو دو رکعت ادا کرنے میں آسانی ہے۔ بہ نسبت چار چار رکعت ادا کرنے کے اور اگر تنہا تراویح کی نماز پڑھے تو چار چار رکعت افضل ہیں بشرطیکہ طاقت ہو۔ ورنہ نوافل چونکہ باجماعت ادا نہیں کئے جاتے اس لئے نوافل میں یہ رعایت ملحوظ نہیں ہوئی۔

وَمَعْنِي هَآرَوَاهُ شُفْعًا لَا يُثَرَّآ سے امام شافعی کی پیش کردہ حدیث صَلَوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَشْنِي مَشْنِي کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ رات اور دن کی نماز جفت ہے نہ کہ طاق، یعنی حضور ﷺ کا منشاء دو دو کا عدد بیان کرنا نہیں ہے بلکہ منشاء رسول ﷺ یہ ہے کہ نوافل طاق رکعتوں کے ساتھ دانہ کئے جائیں بلکہ جفت یعنی جوڑ جوڑ ادا کئے ہیں خواہ دو رکعت ایک سہم کے ساتھ ہوں یا چار رکعت۔

واللہ اعلم

## فصل فی القراءة

قرأت کا بیان... فرض میں قرأت کا حکم.. امام شافعی کا نقطہ نظر و دلائل

وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرَضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكَعَتَيْنِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الرَّكَعَاتِ كُلِّهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ وَكُلُّ رَكْعَةٍ صَلَاةٌ وَقَالَ مَالِكٌ فِي ثَلَاثٍ رَكَعَاتٍ إِقَامَةٌ لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ تَبْسِيرًا وَلِأَقْوَلِهِ تَعَالَى «فَاقْرَأْ» وَأَمَّا تَبْسُرُ مِنَ الْقُرْآنِ «وَالْأَمْرُ بِالْفِعْلِ لَا يَقْتَضِي التَّكْرَارَ وَإِنَّمَا أَوْحَسَ فِي الثَّانِيَةِ اسْتِدْلَالًا بِأَلَاوَلِيِّ الْأَيْمَنِ تَتَبَّ كَلَامٍ مِنْ كُلِّ وَحْيٍ فَأَمَّا الْأَحْرَبَانِ لِقَارِبَائِهِمَا فِي حَقِّ السَّقُوطِ بِالسَّفَرِ وَصِفَةِ الْقِرَاءَةِ وَقَدَرِهَا فَلَا تَلَحُّظَانِ بِهِمَا وَالصَّلَاةُ فِيمَا رَأَى مَذْكُورَةً تَصَرُّعًا فَتَصَرَّفَ إِلَى الْكَامِلَةِ وَهِيَ الرَّكَعَتَانِ عُرِفَ كَمَنْ حَلَفَ لَا يُصَلِّيَ صَلَاةً بِخِلَافٍ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يُصَلِّيَ

ترجمہ یہ فصل قرأت کے بیان میں ہے، فرض نماز میں دو رکعتوں میں قرأت کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ تمام رکعتوں میں واجب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بغیر قرأت کے نماز نہیں ہے۔ اور ہر رکعت نماز ہے۔ اور امام مالک نے کہا کہ تین رکعتوں میں (فرض) ہے کیونکہ آسانی کے پیش نظر اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول فاقروا «وَأَمَّا تَبْسُرُ مِنَ الْقُرْآنِ» ہے اور کسی فعل (کام) کا امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ اور دوسری رکعت میں ہمرے واجب کیا پہلی رکعت سے استدلال کرتے ہوئے۔ کیونکہ دونوں رکعتیں من کل وجہ ہم شکل ہیں۔ رہیں بعد کی دو رکعتیں تو وہ دُئین سے نفی وجہ سے ساقط ہونے میں اور قرأت کی صفت میں اور قرأت کی مقدار میں مفارقت رکھتی ہیں ہذا الْحَرَبَيْنِ أُولَئِكَ کے ساتھ لاحق نہ ہوں گی۔

اور امام شافعی کی روایت کراہ حدیث میں لفظ صلوٰۃ صراحتہ مذکور ہے اس لئے صلوٰۃ کاملہ کی طرف پھیرا جائے گا اور وہ عرف میں دو رکعتیں ہیں۔ جیسے کسی نے قسم کھائی کہ کوئی نماز نہیں پڑھے گا۔ اس کے برخلاف جب لَا يُصَلِّي کہہ رہے ہوں۔

تشریح صاحب ہدایہ نماز مفروضہ، واجبات اور نوافل کے بیان سے فارغ ہو کر اب اس فصل میں مسئلہ قرأت کو ذکر فرما رہے ہیں۔ چنانچہ پہلی فرض نماز میں مسئلہ قرأت کے اندر پانچ قول ہیں۔

(۱) علماء احناف کے نزدیک دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

(۲) امام شافعی کے نزدیک تمام رکعتوں میں فرض ہے۔

(۳) امام مالک نے کہا کہ تین رکعتوں میں فرض ہے۔

(۴) حسن بصری ایک رکعت میں فرضیت قرأت کے قائل ہیں۔

(۵) ابو بکر اصم ترمذی میں سہیت قرأت کے قائل ہیں۔

ابو ہریرہ قرأت کو پہلی دو رکعتوں کے اذکار پر قیاس کیا ہے۔ یعنی جس طرح نماز کے اندر رُکوع اور سجدہ کی تسبیحات اور ثناء وغیرہ مسنون ہیں اسی طرح قرأت قرآن بھی مسنون ہے۔

حسن بصری کی دلیل یہ ہے کہ **فَاقْرَؤْا مَا تيسَّرُ مِنَ الْقُرْآنِ** میں اقرؤا امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا۔ اس لئے ایک ہی رکعت میں قرأت کرنا فرض ہوگا۔

۱۱۔ ممالک کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا **لَا صَلَوةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ** اور ہر رکعت صلوٰۃ ہے۔ لہذا کوئی رکعت بغیر قرأت کے نہیں ہوگی مگر چونکہ تین رکعت اکثر ہیں اور آسانی کے پیش نظر اکثر کو کل کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اس سے تین رکعت کو چار کے قائم مقام قرار دے کر تین میں قرأت فرض کی گئی۔

۱۲۔ مشافعی کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بغیر قرأت کے نماز نہیں ہوتی اور ہر رکعت نماز ہے لہذا ہر رکعت میں قرأت کرنا فرض ہوگا۔ ہر رکعت کے نماز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس نے ایک رکعت پڑھی تو حائث ہو جائے گا پس ایک رکعت پڑھنے سے حائث ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک رکعت نماز ہے ورنہ حائث نہ ہوتا۔

احناف کی دلیل باری تعالیٰ کا قول **”فَاقْرَؤْا مَا تيسَّرُ مِنَ الْقُرْآنِ“** باین طور کہ اقرؤا امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا پس ایک رکعت میں فرضیت قرأت عبارت النص سے ثابت ہوگئی اور چونکہ رکعت ثانیہ من کل وجہ رکعت اوں کے مشابہ ہے اس لئے واصل النص سے رکعت ثانیہ میں بھی قرأت کو واجب کیا گیا۔ حاصل یہ کہ پہلی رکعت میں قرأت کا وجوب عبارت النص سے ثابت ہوا اور دوسری رکعت میں واصل النص سے ثابت ہوا۔

سوال یہاں ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ پہلی در دوسری رکعت میں مشابہت نہیں ہے بلکہ منارقت ہے۔ اس طور پر کہ پہلی رکعت میں ثناء، تَعَوُّذ اور بسم اللہ ہے اور دوسری میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔

جواب یہ چیزیں مرزا ند ہیں۔ اعتبار فقط ارکان کا ہے اور اصل ارکان میں دونوں رکعتیں یکساں ہیں۔ رہیں آخر کی دو رکعتیں سو وہ پہلی دو رکعتوں سے مختلف ہیں اور یہ فرق چند باتوں میں ہے۔

(۱) سفر کی وجہ سے آخر کی دو رکعتیں ساقط ہوتی ہیں پہلی دو ساقط نہیں ہوتیں۔

(۲) اوں کی دو رکعتوں میں بالجبر قرأت ہوتی ہے اور آخر کی دو رکعتوں میں باسرا۔

(۳) اوں کی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملنا بھی واجب ہے اور آخر کی دو میں فاتحہ کے ساتھ سورت کا ضم نہیں ہوتا۔ لہذا جب اس قدر تفاوت ہے تو آخر کی دو رکعتوں کو اول کی دو کے ساتھ احق نہیں کیا جائے گا۔

وَالصَّلَوةُ فِيمَا رَوَى سے امام شافعی کی پیش کردہ حدیث **لَا صَلَوةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ** کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں صریحی لفظ صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ کاملہ ہے اور عرف میں صلوٰۃ کاملہ کا اطلاق دو رکعتوں پر ہوتا ہے پس حدیث سے دو رکعتوں میں قرأت کا ثبوت ہوگا نہ کہ ہر رکعت میں۔

دوسری بات کہ صریحی لفظ صلوٰۃ سے عرف میں دو رکعت مراد ہوتی ہیں، ایسے معوم ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی کہ **لَا يُصَلِّي صَلَوةً** یعنی لفظ صلوٰۃ صراحۃ ذکر کیا تو دو رکعت پڑھنے سے حائث ہوگا۔ اور اگر فقط **لَا يُصَلِّي** کہا اور لفظ صلوٰۃ نہیں کہا تو ایک رکعت پڑھنے سے بھی حائث ہو جائے گا۔

## فرائض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کا حکم

وَهُوَ مُحِيزٌ فِي الْأَحْرَيسِ مَعَاذُ أَنْ شَاءَ سَكَتٌ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ كَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ  
السَّائِرُ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي مُسْعُودٍ وَعَابِشَةَ إِلَّا أَنَّ الْأَفْصَلَ أَنْ يَقْرَأَ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَاوَمَ عَلَى ذَلِكَ وَلِهَذَا لَا  
نَحْتُ الشُّهُورَ بِزُكُفِهَا فِي ظَاهِرِ ابْنِ وَائِيَةَ

ترجمہ۔ مصلیٰ و اخیرین میں اختیار ہے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ جی چاہے خاموش رہے اور جی چاہے تو پڑھے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔ یہی امام ابو حنیفہ سے مروی ہے اور یہی علی، ابن مسعود اور عابشہ سے منقول ہے۔ مگر افضل قرأت کرنا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر اجماع کیا ہے اور اس وجہ سے قرأت سے (اخیرین میں) ظاہر الروایہ کے مطابق سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

تشریح۔ صاحب قدوسی نے فرمایا کہ اگر ۱۰ رکعتوں میں مصلیٰ کو اختیار ہے، سورۃ فاتحہ کی قرأت کرے یا تین تسبیحات کی مقدار میں پڑھے یا تین تسبیح پڑھے امام ابو حنیفہ سے یہی مروی ہے یعنی ظاہر الروایہ یہی ہے۔ اور یہ تسبیح کرنا حضرت علی، ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جمعیین سے بھی منقول ہے مگر اخیرین میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کرنا افضل ہے کیونکہ حضور ﷺ نے بھی بھارت کر کے ساتھ اس پر اجماع فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ اخیرین میں اگر قرأت فاتحہ ترک کر دی گئی تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اس سے بھی اخیرین میں قرأت فاتحہ کا افضل ہونا معلوم ہوا۔ صاحب بدیع نے کہا کہ ظاہر الروایہ بھی یہی ہے۔

امام حسن بن زید نے امام عظیم سے روایت کی ہے کہ اخیرین میں مصلیٰ نے اگر نہ قرآنہ کی اور نہ عدا تسبیح کی تو گنہگار ہوگا اور اگر نہ ہو تو چیزوں کو ترک کر دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اخیرین میں قیام مقصود ہے لہذا اس کو قرأت اور ذکر سے خالی کرنا مکروہ ہوگا۔ صاحب حنی نے کہا کہ ظاہر الروایہ اس سے ہے۔ کیونکہ قیام کے اندر اصل تو قرأت ہے پس جب قرأت ساقط ہو گئی تو مطلق قیام باقی رہا۔ یہی ہو گیا جیسے مقتدی کا قیام۔ (حنیہ)

## نوافل میں قرأت کا حکم

وَالسَّيْرَاءُ وَوَاحِدَةٌ فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّهْلِ وَفِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ الْوُتْرِ أَمَّا النَّهْلُ فَلِأَنَّ كُلَّ تَقِيٍّ مِّنْهُ صَلَوَةٌ عَلَى  
حَدِّهِ وَأَمَّا السَّيْرَاءُ إِلَى الثَّالِثَةِ كَنَحْرِ يَمِينِهِ مُسْتَدَاهُ وَلِهَذَا لَا يَجِبُ بِالتَّحْرِيمَةِ الْأُولَى إِلَّا رَكَعَتَا فِي الْمَشْهُورِ عَنْ  
صَحَابِنَا وَلِهَذَا قُلُوا يَسْتَفْتِي فِي الثَّالِثَةِ أَيُّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَأَمَّا الْوُتْرُ فَلِإِلَّا حَتَّى يَط

ترجمہ۔ و نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں بہر حال نفل تو اس لئے کہ نفل کی ہر دو رکعت سجدہ نماز ہے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا نئے سرے سے تحریم کے مانند ہے اسی وجہ سے ہمارے اصحاب کے قول مشہور کے مطابق تحریم ان سے فقہاء و رعیت واجب ہیں۔ و اسی حد سے مشرک نے کہا کہ تیسری رکعت میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ ان پڑھے۔ و رہا وتر تو احتیاطی ہے۔

تشریح۔ مسئلہ قرأت نفل و وتر کی تمام رکعتوں میں واجب ہے۔ نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت اس لئے واجب ہے کہ نفل کی ہر دو رکعت سجدہ نماز ہے۔ یہ نچے پہلے تحریر سے وہی رکعت واجب ہوں گی اگرچہ دو رکعت سے زیادہ کی نیت کی ہو۔ علماء احناف کا قول

مشہور یہی ہے حتیٰ کہ اگر چار کی نیت کی پھر دو رکعت پوری کرنے سے پہلے فاسد کر دیا تو شروع کرنے کی وجہ سے اس پر صرف ایک دو گنا قضا واجب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اول تحریر سے صرف دو رکعت لازم آئیں۔

چونکہ ہر دو رکعت میں دو نماز ہے اسی لئے مشائخ احناف نے کہا کہ تیسری کے لئے حذا ابونا نے پرٹھا۔ پڑھے یونکہ تیسری رکعت کے لئے حذا ابونا فی تحریر کے مرتبہ میں ہے ورنہ وتر کی تمام رکعتوں میں قرات اس سے وجہ ہے کہ نماز میں قرات مذاکرہ رکعت مقصود ہے اور وتر کا جو حدیث سے ثابت ہوا ہے پس وتر کے نفل ہوئے کا حتمی پیدا ہو گیا مگر احتیاط کی وجہ سے وتر کی تمام رکعتوں میں قرات واجب کی گئی۔ حاصل یہ کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر کی نماز اگرچہ واجب ہے لیکن چونکہ نفل ہونے کے آثار اس پر ظاہر ہیں تو ہم نے احتیاطاً اس کی ہر رکعت میں مثل سنت و نفل کے قرات واجب کی ہے۔

### نفل شروع کرنے کے بعد فاسد کرنے سے قضا کا حکم

قَالَ وَمَنْ شَرَعَ فِي نَافِلَةٍ أفسَدَهَا قَصَاها وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا قِصَاءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مُشَرِّعٌ فِيهِ وَلَا لِرُومٍ عَلَى الْمُشَرِّعِ وَلَا أَنَّ الْمُؤَدَّى وَقَعَ قُرْبَةً فَيَلْزِمُ الْإِتِمَامُ صَرُورَةَ صِيَابِهِ عَنِ السُّطْلَانِ

ترجمہ۔ کہا کہ جس نے نفل نماز شروع کی پھر اس کو فاسد کیا تو اس کو قضاء کرے اور امام شافعی نے کہا کہ اس پر قضا واجب نہیں ہوتی یونکہ وہ اس نفل میں متبرع ہے اور متبرع پر لزوم نہیں ہوتا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفل کا جو حصہ ادا کیا گیا وہ صحت واقع ہوا پس اس کو بطلان سے محفوظ رکھنے کے لئے پورا کرنا لازم ہے۔

تشریح۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ نفل نماز یا نفل روزہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء احناف کا مذہب یہ ہے کہ نفل (نماز ہو یا روزہ) شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے چنانچہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد اگر اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور امام شافعی کے نزدیک نفل شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ شافعی کے نزدیک اگر نفل نماز شروع کرنے کے بعد فاسد کر دے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہوتی۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نفل نماز پڑھنے والا اپنے نفل میں متبرع ہے اور متبرع کرنے والا پر لزوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ“ لہذا نفل نماز شروع کرنے والے پر بھی لزوم نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد نفل کا جو حصہ ادا کیا گیا وہ قربت اور عبادت ہو کر واقع ہوا ہے اور جو چیز قربت عبادت ہو کر واقع ہو اس کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے تاکہ ابطلال حق غیر سے محفوظ رہے چنانچہ یونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”وَلَا تَطْلُواْ اَعْمَالَكُمْ“ (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) پس نفل شروع کرنے کے بعد جب اس کا پورا کرنا واجب ہوا تو درمیان میں فاسد کرنے سے اس کی قضا بھی واجب ہوگی۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ متبرع پر شروع کرنے سے پہلے لزوم نہیں ہوتا البتہ شروع کرنے کے بعد لزوم ہو جاتا ہے اور

”يَتَمَّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ“ ال پر محمول ہے نہ کہ ثانی پر۔



نوافل کی چار رکعتیں پڑھنا شروع کیس پہلی دو میں قرأت کی اور قعدہ اولیٰ بھی کیا پھر

آخری دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَرَأَ فِي الْأُولَيْنِ وَقَعَدَتْهُ أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ قَضَى رَكَعَتَيْنِ لِأَنَّ الشُّفْعَ الْأَوَّلَ قَدَّمَ وَالْقِيَامُ إِلَى  
الثَّانِيَةِ بِمَرْكَلَةٍ التَّخْرِيمَةُ مُشَدَّادَةٌ فَيَكُونُ مَلْرَمًا هَذَا إِذَا أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ بَعْدَ الشَّرُوعِ فِيهِمَا وَلَوْ أَفْسَدَ قَبْلَ  
الشَّرُوعِ فِي الشُّفْعِ الثَّانِي لَا يَقْضِي الْأُخْرَيَيْنِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَقْضِي إِعْتِبَارًا الشَّرُوعَ بِالنَّذْرِ وَلَهُمَا أَنْ  
الشَّرُوعَ مَلْرَمًا مَا شَرَعَ فِيهِ وَمَا لَا صِحَّةَ لَهُ الْإِلَافُ وَصِحَّةُ الشُّفْعِ الْأَوَّلِ فِي النَّذْرِ لَا تَعْلُقُ بِالثَّانِي بِحِلَافِ  
الرَّكَعَةِ الثَّانِيَةِ وَعَلَى هَذَا سِتَّةُ الطُّهْرِ لِأَنَّهَا نَافِلَةٌ وَقِيلَ يَقْضِي أَرْبَعًا إِحْتِيَاطًا لِأَنَّهَا بِمَرْكَلَةٍ صَلَوَةٍ وَاحِدَةٍ

ترجمہ اور شرح رکعت کی نیت۔ (نفل نماز) شروع کی اور پہلی دو رکعتوں میں قرات کی اور قعدہ یا پھر بعد کی دو رکعتوں کو قعدہ  
یا قنوت میں رکعت قضا کرے۔ یونکہ پہلا شفع تو پورا ہو چکا اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا مئے تحریر کے مرتبہ میں ہے پس وہ اس  
کا نہ دو رکعت کرنے والا ہوا۔ یہ حکم قضا میں وقت ہے جبکہ بعد کے شفع و شروع کرنے کے بعد قضا کیا ہو اور اگر شفع ثانی کو شروع کرنے  
سے پہلے قضا نہیں کرے گا۔ اور ابو یوسف سے روایت یہ جاتا ہے کہ (چار رکعتی) قضا کرے۔ شروع کو مذکور قیاس  
سے ہے۔۔۔ و رطیفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنا اس چیز کو لازم کرتا ہے اس کو شروع کیا ہو اور اس چیز کو جس کے بغیر شروع نہیں ہوئی  
چیز نہ ہو اور پہلے شفع کا نتیجہ ہونا اور شفع پر موقوف نہیں۔ برخلاف دوسری رکعت کے۔ اور اسی اختلاف پر ظہر کی سنت ہے یونکہ وہ  
نفل ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ چار رکعت کی قضا کرے۔ (یہ حکم احتیاط پر مبنی ہے) اس لئے کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت ایک نماز  
کے مرتبہ میں ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے چار رکعت کی نیت سے نفل نماز شروع کی اور پہلی دو رکعت میں قرأت وجہ بھی کر دی اور دو رکعت پر قعدہ بھی یا پھر دوسرے شفع (آخرین) کو فاسد کر دیا تو اس پر فقط شفع ثانی کی قضا واجب ہوگی۔ مسئلہ کے اندر دو رکعت پر بیٹھنے کی قید اس سے ذرا زیادہ ہے اور دو رکعت پر نہیں بیٹھا اور آخرین یعنی شفع ثانی کو فاسد کر دیا تو بالتحاق چار رکعت کی قضا واجب ہوگی۔

حاصل یہ کہ اگر تیسری رعت کے واسطے کھڑا ہوں گے بعد شفع ثانی کو فاسد یہ تو اس پر شفع ثانی کی قضاء واجب ہوگی۔ بیونکہ شفع اول تو پہلا چھوٹا تیسری رعت کے لئے کھڑا ہونے تک یہ کہ مرتبہ میں ہے پس اس تک یہ کہ شفع ثانی لازم ہوا مگر اس کو فاسد کر دینے کی صورت میں اسی کی قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر تیسری رعت کے لئے کھڑا ہوں گے پہلے فاسد کر دیا تو اس پر کسی چیز کی قضاء واجب نہیں ہوگی اس لئے کہ دو رعت پر قعدہ کرنے سے شفع اول تو چھوٹا ہو گیا اور شفع ثانی واجب تک شرف نہیں کیا پس شفع اول کی قضاء تک اس لئے نہیں کہ وہ پورا ہو چکا ہے اور شفع ثانی کی اس لئے نہیں کہ اس کو شرف نہیں کیا۔

ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ شفعِ اول کو فاسد کرکے یا شفعِ ثانی کو بہ صورتِ چار رکعت ن قضاء واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف نے چار رکعت نفل نماز کے شروع کرنے کو بذریعہ قیاس کیا ہے یعنی جس طرح چار رکعت نفل کی نذر کرنے سے چار رکعت واجب بنتی ہیں اسی طرح اگر چار رکعت کی نیت کے ساتھ نفل نماز شروع کی تو چار رکعت واجب ہوں گی۔ حتیٰ کہ اگر شفعِ اول میں نفل و باطل یہ ہو

تو بھی چار رکعت کی قضاء واجب ہے اور اگر شفع ثانی میں نفل کو باطل یہ تب بھی چاری کی قضاء واجب ہوگی۔ اس قیاس کی حالت جائزہ اور سبب لزوم ہے یعنی جس طرح نذر سے نفل۔ زم ہو جاتا ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی نفل ۱۱ رہ ہو جاتا ہے۔ مصنفین کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنا اس چیز کے وجوب کا سبب ہوتا ہے جس کو شروع کیا گیا ہو اور اس چیز کے وجوب کا سبب ہوتا ہے جس پر شروع کی ہوئی چیز کی صحت موقوف ہو مثلاً نفل نماز شروع کرتے ہی رکعت اولی واجب ہوگئی۔ کیونکہ رکعت اولیٰ، شروع فیہ (شروع کی ہوئی چیز) ہے اور رکعت اولیٰ کی صحت موقوف ہے رکعت ثانیہ پر لہذا شروع کرنے سے رکعت ثانیہ بھی واجب ہوگئی۔

رہی یہ بات کہ رکعتِ اولیٰ کی صحت رکعتِ ثانیہ پر کیوں موقوف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر رکعتِ اولیٰ بغیر رکعتِ ثانیہ کے رہ جائے تو صلاۃ تیرا کہلائے گی اور صلوٰۃ تیرا اسے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ رکعتِ اولیٰ کی صحت رکعتِ ثانیہ پر موقوف ہے۔  
 رہا شفعِ ثانی (آخر کی دو رکعت) تو وہ نہ مباشر فیہ ہے اور نہ اس پر مباشر فیہ (شفعِ اول) کی صحت موقوف ہے ہذا شفعِ اول و شروع کرنے سے شفعِ ثانی واجب نہیں ہوگا اور جب شفعِ ثانی واجب نہ ہو تو شفعِ اول کو باطل کرنے سے شفعِ ثانی کی قضاء بھی واجب نہیں ہوگی اسی طرح اگر شفعِ ثانی کو باطل کیا تو فقط شفعِ ثانی کی قضاء واجب ہوگی شفعِ اول کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف نذر کہ اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعت کی نذر کی تو ایک سلام کے ساتھ چار رکعت واجب ہوگی اگر دو سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھیں تو نذر پوری نہیں ہوگی۔

یہی اختلاف ظہر سے قبل کی چار سنتوں میں ہے یعنی اگر ظہر سے قبل چار سنتوں کی نیت کرے نماز پڑھنا شروع کی پھر پہلی دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے کے بعد اس کو فاسد کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضا کرے اور دوسریوں کے نزدیک دو رکعت کی قضا کرے گا۔

بعض مشائخ نے کہا کہ اس صورت میں احتیاجاً چار رکعت کی قضا کرے کیونکہ یہ چاروں رکعت ایک نماز کے مرتبہ میں ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی عورت ان سنتوں کے شفعِ اول میں ہو یعنی تیسری رکعت شروع کرنے سے پہلے اس کے متوہر نے اس کو نذرانہِ حق دے دیا اس نے چار رکعت پوری کر کے تمام پھیرا تو اس عورت کا خیار باطل نہیں ہوا حالانکہ مجلس کے بدنے سے خیار باطل موجب تائبہ اور کام بدنے سے مجلس بدی جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ ظہر سے قبل کی چار سنت ایک نماز ہے ورنہ اگر پہلے دو گنا نہ تھے نماز ہوتا اور دوسرا دو گنا نہ تھے تو وہ دو گنا شروع کرتے ہی نذر باطل ہو جاتا کیونکہ غسل کے بدنے سے مجلس بدی گئی۔

چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں بھی قرأت نہیں کی کتنی رکعتوں کا اعادہ لازم ہے اقوال فقہاء

[illegible]

الْقِرَاءَةُ فِي رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ مُجْتَهِدٌ فِيهِ فَقَضَى بِالْفَسَادِ فِي حَقِّ وَحُوبِ الْقَضَاءِ وَحَكْمًا بِقَاءِ التَّحْرِيمَةِ فِي حَقِّ لُزُومِ الشُّفْعِ الثَّانِي إِذَا ثَبَتَ هَذَا قَوْلُ إِذَا لَمْ يَقْرَأْ فِي الْكُلِّ قَسِي رَكْعَتَيْنِ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ قَدْ بَطَلَتْ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِي الشُّفْعِ الْأَوَّلِ عِنْدَهُمَا فَلَمْ يَصِحَّ الشَّرُوعُ فِي الثَّانِي وَبَقِيَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ فَصَحَّ الشَّرُوعُ فِي الشُّفْعِ الثَّانِي ثُمَّ إِذَا فَسَدَ الْكُلُّ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ فِيهِ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأَرْبَعِ عِنْدَهُ

ترجمہ اور اگر نفل کی چار رکعتیں پڑھیں اور کسی میں قرأت نہیں کی تو دو رکعت کا اعادہ کرے یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ اور ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضاء کرے۔ یہ مسئلہ تھوڑی صورتوں پر ہے۔ اور اصل اس میں یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک پہلی ۱۰ رکعتوں میں یا ان دو میں سے ایک میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب ہے کیونکہ تحریمہ افعول کے باندھا جاتا ہے اور ابو یوسف کے نزدیک شفع اول میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے بلکہ فساد ادا کو واجب کرتا ہے کیونکہ قرأت رکن زائد ہے یا تم نہیں دیکھتے کہ نماز کا بغیر قرأت کے وجود ہے مگر یہ کہ بغیر قرأت کے ادا صحیح نہیں ہوتی۔ اور ادا کافی سد ہونا ادا کو ترک کرنے سے بڑھ کر نہیں پس تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک اولین میں ترک کرنے سے بڑھ کر نہیں پس تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک اولین میں قرأت چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب ہے اور ان دونوں میں سے ایک میں چھوڑنا بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے کیونکہ نفل کا شفع عیحدہ نماز ہے اور ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے اس کا سد ہونا مختلف فیہ ہے۔ پس ہم نے حکم دیا فساد کا موجب قضاء کے حق میں اور بقا تحریمہ کا حکم دیا شفع ثانی کا لزوم کے حق میں احتیاطاً۔ جب یہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ اسے جب تمام میں قرأت نہ نہ تو طرفین کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرے گا کیونکہ ان دونوں کے نزدیک شفع اول میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا۔ ہند دوسرے شفع کو شروع کرنا ہی صحیح نہ ہو اور بدیہ خلاف کے نزدیک تحریمہ باقی ہے تو شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح ہو گیا۔ پھر جب اس نے قل کو قاسم کر دیا اس میں قرأت ترک کرنے کی وجہ سے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر چاروں کی قضاء واجب ہوئی۔

تشریح متقن کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نفل کی چار رکعت پڑھیں اور کسی رکعت میں قرأت نہیں کی تو طرفین کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرنا واجب ہے اور ابو یوسف کے نزدیک چار کی قضاء واجب ہے۔

بقول صاحب سنایہ کے اس مسئلہ کا ثقب مسئلہ ثانیہ ہے کیونکہ ثقیل صورتوں میں تھوڑی صورتیں نکلتی ہیں۔ لیکن تھوڑے سے تاثر سے پتہ چلتا ہے۔ سو صورتیں نکلتی ہیں۔

- |      |                                   |      |                                     |
|------|-----------------------------------|------|-------------------------------------|
| (۱)  | چاروں میں قرأت کی۔                | (۲)  | چاروں میں قرأت ترک کر دی۔           |
| (۳)  | پہلی اور رکعت میں ترک کی۔         | (۴)  | شفع ثانی یعنی بعدی دو میں ترک کی۔   |
| (۵)  | فقط رکعت اول میں ترک کی۔          | (۶)  | فقط رکعت ثانیہ میں ترک کی۔          |
| (۷)  | فقط رکعت ثالثہ میں ترک کی۔        | (۸)  | فقط رکعت رابعہ میں ترک کی۔          |
| (۹)  | اول اور رکعت ثالثہ میں ترک کی۔    | (۱۰) | شفع اول اور رکعت رابعہ میں ترک کی۔  |
| (۱۱) | رکعت اول اور شفع ثانی میں ترک کی۔ | (۱۲) | رکعت ثانیہ اور شفع ثانی میں ترک کی۔ |
| (۱۳) | رکعت اول اور ثالثہ میں ترک کی۔    | (۱۴) | رکعت اول اور رابعہ میں ترک کی۔      |

(۱۵) رکعت ثانیہ اور ثالثہ میں ترک کی۔ (۱۶) رکعت ثانیہ اور رکعت رابعہ میں ترک کی۔

مصنف نے پہلی صورت کو بیان نہیں کیا کیونکہ مقصود اقسام فساد کو بیان کرنا ہے درجہ پہلی صورت میں چونکہ تمام رکعتوں میں قرات کی گئی ہے اس لئے وہ اقسام فساد میں سے نہیں ہوگی۔ اور چونکہ سات صورتیں اتحاد حکم کی وجہ سے انہیں آٹھ میں متداخل ہوئیں اس لئے سات سے آٹھ صورتیں باقی رہیں جن کے بارے میں فاضل مصنف نے فرمایا: **و هِدِهِ الْمَسْنَدَةُ عَلٰی ثَمَانِيَةٍ اَوْ جِهٍ** صاحب ہدایہ کے پیش نظر آٹھ صورتوں میں سے یہ آٹھ ہیں۔

- (۱) چاروں میں قرات کو ترک کر دیا گیا ہو۔ (۲) شفع ثانی میں ترک کر دیا گیا ہو۔
- (۳) شفع اول میں ترک کیا گیا ہو۔ (۴) شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔
- (۵) شفع اول کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ (۶) شفع اول کی کسی ایک رکعت میں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔
- (۷) شفع ثانی کی دونوں رکعتوں اور شفع اول کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ (۸) شفع اول کی دونوں رکعتوں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں ترک کیا گیا ہو۔ (۹) ہدایہ

چونکہ اس مسئلہ کی تخریج ائمہ ثلاثہ کے علیحدہ علیحدہ اصول پر مبنی ہے اس لئے صاحب ہدایہ نے اولا اصول کو ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ کہا کہ امام محمدؒ کی اصل اور بنیادی بات یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرات چھوڑنا یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں چھوڑنا تحریمہ باطل کر دیتا ہے۔ کیونکہ تحریمہ منعقد یا جاتا ہے افعال کے لئے اور افعال ترک قرات کی وجہ فاسد ہو جاتے ہیں۔ ہذا وہ تحریمہ جو افعال کے لئے منعقد کیا جاتا ہے وہ بھی فاسد ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی اصل یہ ہے کہ شفع اول میں قرات چھوڑنا تحریمہ کو باطل نہیں کرتا بلکہ ادا کی ضرورت دیتا ہے کیونکہ قرات ایک رکنِ زادہ ہے۔ چنانچہ آپؒ غور کیجئے کہ بغیر قرات کے بھی نماز پائی جاتی ہے جیسے گونگے کے حق میں نماز بلا قرات ہے۔ البتہ بغیر قرات کے صحیح نہیں ہوتی۔ بہر حال شفع اول میں قرات کا ترک کرنا فساد ادا کا موجب ہے بطلان تحریمہ کا موجب نہیں ہے اور فساد ادا ترک ادا سے بڑھ کر نہیں یعنی ادا کو اگر ترک کر دیا مثلاً حدث ہو گیا اور وضو کے سے گیا تو اس صورت میں اس نے ادا چھوڑ دی مگر تحریمہ باطل نہیں ہوا پس جب ترک ادا سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو فساد ادا سے بدرجہ اولیٰ تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔

امام بو حنیفہؒ کی اصل یہ ہے کہ اول کی دو رکعتوں میں قرات چھوڑنا تحریمہ باطل کر دیتا ہے اور ایک رکعت میں چھوڑنا تحریمہ باطل نہیں کرتا۔ پہلی بات کی دلیل یہ ہے کہ نفل کا ہر شفع علیحدہ مستقل نماز ہے پس اس میں قرات چھوڑنا نماز قرات سے خالی کرنا ہے۔ اور نماز قرات سے خالی ہونے کی صورت میں اس طرح فاسد ہو جاتی ہے کہ اس کی قضاء واجب ہوگی اور تحریمہ باطل ہو جائے گا۔

دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ ایک رکعت میں قرات چھوڑنے کی وجہ سے قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ مثل اوں کے تحریمہ باطل ہو جائے اور نماز فاسد ہو جائے جیسے کہ فجر کی ایک رکعت میں قرات چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر ایک رکعت میں ترک قرات کی وجہ سے نماز کافی سد ہون مختلف فیہ ہے۔ کیونکہ حسن بصریؒ کا مذہب ہے کہ ایک رکعت میں قرات کرنا کافی ہے اگر وہ میں سے ایک میں قرات کی اور ایک میں نہیں کی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ پس احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ ایک رکعت میں ترک قرات سے نماز فاسد

فی سہوہ جائے گی اور قضاء واجب ہوگی لیکن شفع ثانی کے لزوم کے حق میں تحریر باقی رہے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ جب یہ ایک کی بین کردہ اصل ثابت ہو چکی تو مسئلہ متن کی توضیح اس طرح ہوگی کہ جب مصلیٰ نے نفل کی چاروں رکعتوں میں قرات نہیں کی تو طہ فین کے نزدیک شفع اول میں ترک قرات کی وجہ سے تحریر باطل ہو گیا اور جب تحریر باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا درست نہیں ہوا۔ پس گویا اس نے دو ہی رکعت کے لئے تحریر با ندھ تھا اور انہیں کو فاسد کر دیا۔ تو اس پر دو رکعت کی قضاء واجب ہوگی اور چونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک تحریر باطل نہیں ہوا لہذا شفع ثانی کو شروع کرنا بھی صحیح ہوا۔ لیکن ترک قرات کی وجہ سے چاروں رکعتیں فی سہوہ ہوتیں۔ اس لئے چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔ واللہ اعلم، جمیل

**پہلی دو رکعتوں میں قرات کی آخری دو میں قرات نہیں کی بالا جماع آخری دو کی قضا لازم ہے**

وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأَوَّلَيْنِ لَا غَيْرَ فَعَلَيْهِ قَصَاءُ الْأُخْرَيَيْنِ بِالْإِحْمَاعِ لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ لَمْ تَبْطُلْ فَصَحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي ثُمَّ فَسَادُهُ بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ لَا يُوجِبُ فَسَادَ الشَّفْعِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ اور اگر اس نے فقط اولین میں قرات کی تو اس پر بالا جماع آخرین کی قضاء واجب ہے کیونکہ تحریر باطل نہیں ہوا پس شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح ہوا۔ پھر ترک قرات کی وجہ سے شفع ثانی کا فساد شفع اول کے فساد و واجب نہیں کرتا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر نفل کی پہلی دو رکعتوں میں قرات کی۔ اور آخری دو میں قرات نہیں کی تو بالا جماع اس پر آخری دو رکعت کی قضاء کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ شفع اول میں قرات کے پانے جانے کی وجہ سے تحریر باطل نہیں ہوا پس جب تحریر باطل نہیں ہوا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح ہوا۔

لیکن ترک قرات کی وجہ سے شفع ثانی کا فساد ہونا شفع اول کے فساد کو متلازم نہیں۔ پس جب شفع ثانی ہی فاسد ہوا ہے نہ کہ اول تو قضاء بھی فقط شفع ثانی ہی کی واجب ہوگی نہ کہ شفع اول کی۔

یہ خیال رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ شفع اول پر قعدہ یہ ہو چنانچہ اگر قعدہ نہیں تو چار کی قضاء واجب ہوگی شفع ثانی کی قضاء ترک قرات کی وجہ سے واجب ہوگی اور شفع اول کی قعدہ اخیرہ کے ترک کی وجہ سے۔

**آخری دو میں قرات کی پہلی دو میں نہیں کی بالا جماع پہلی دو رکعتوں کی قضا لازم ہے**

وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأَوَّلَيْنِ لَا غَيْرَ فَعَلَيْهِ قَصَاءُ الْأَوَّلَيْنِ بِالْإِحْمَاعِ لِأَنَّ عِدَّتَهُمَا لَمْ يَصِحَّ الشُّرُوعُ فِي الشَّفْعِ الثَّانِي وَعِنْدَ أَبِي يُونُسَ إِنْ صَحَّ فَهَذَا هُمَا

ترجمہ اور اگر اس نے فقط خیر میں قرات کی تو اس پر بالا جماع اولین کی قضاء واجب ہوگی کیونکہ طرفین کے نزدیک شفع ثانی کا شروع ہونا صحیح نہیں ہوا۔ اور ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ صحیح ہے لیکن اس نے آخری دو رکعتوں کو ادا کیا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ مصلیٰ نے اگر آخری دو رکعتوں میں قرات کی اور اول کی دو میں قرات کو چھوڑ دیا تو بالاتفاق پہلی دو کی قضاء واجب نہیں اس مسئلہ کے علم میں تینوں حضرات متفق ہیں مگر تحت میں مختلف ہیں چنانچہ طرفین نے کہا کہ پہلی دو رکعتوں میں قرات نہ

کرنے کی وجہ سے تحریر باطل ہو گیا حتیٰ کہ اگر کسی نے شفع ثانی میں اس کی اقتداء کی تو اس کا اقتداء کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر شفع ثانی میں یہ شخص قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر تحریر باطل نہ ہوتا اور شفع ثانی کا شروع کرنا درست ہوتا تو اس کی اقتداء کرنا بھی درست ہوتا اور قہقہہ مارنے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا۔

حالیہ حال یہ ہوا کہ اولین میں ترک قراءت کی وجہ سے تحریر باطل ہو گیا اور جب تحریر باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہو۔ اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوا تو اس کی قضا بھی واجب نہیں ہوگی بلکہ فقط پہلی دو رکعت کی قضا واجب ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ اولین میں ترک قراءت کی وجہ سے تحریر باطل نہیں ہوا ہذا شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا۔ پس شفع ثانی کا شروع کرنا اگر صحیح ہو گیا تو یہ شخص شفع ثانی کو ادا بھی کر چکا اور جب شفع ثانی ادا ہو گیا تو قضا فقط اولین کی واجب ہوگی نہ کہ آخرین کی۔

پہلی دو اور آخری دو میں سے ایک میں قراءت کی اسی طرح آخری دو اور پہلی میں سے ایک میں قراءت کی اور پہلی دو میں سے ایک میں اور آخری دو میں سے ایک میں قراءت کی کتنی رکعتوں کی قضا لازم ہے

وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُولَيَيْنِ وَاحِدَى الْأُخْرَيَيْنِ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُخْرَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ وَلَوْ قَرَأَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ وَاحِدَى الْأُولَيَيْنِ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ الْأُولَيَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ وَلَوْ قَرَأَ فِي إِحْدَى الْأُولَيَيْنِ وَاحِدَى الْأُخْرَيَيْنِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ قَضَاءُ الْأَرْبَعِ وَكَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ بَاقِيَةً وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ قَضَاءُ الْأُولَيَيْنِ لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ عِنْدَهُ وَقَدْ أَنْكَرَ أَبُو يُوسُفَ هَذِهِ الرَّوَايَةَ عَنْهُ وَقَالَ رَوَيْتُ لَكَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُلْزِمُهُ قَضَاءُ رَكْعَتَيْنِ وَمُحَمَّدٌ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ رَوَايَةِ عَنْهُ۔

ترجمہ اور اگر پہلی دو میں اور آخرین کی ایک رکعت میں قراءت کی تو بالاتفاق اس پر آخرین کی قضا کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر آخرین میں اور اولین میں سے ایک میں قراءت کی تو اس پر بالاجماع اولین کی قضا واجب ہے اور اگر اولین میں سے ایک میں اور آخرین میں سے ایک میں قراءت کی تو ابو یوسفؒ کے نزدیک چار کی قضا واجب ہے اور یوں ہی ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ کیونکہ تحریر باقی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اولین کی قضا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک تحریر مرتفع ہو گیا۔ امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے اس روایت کا انکار کیا ہے اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ میں نے تو ابو حنیفہؒ سے تم کو یہ روایت کی تھی کہ اس پر دو رکعت کی قضا لازم ہوگی۔ اور امام محمدؒ نے رجوع نہیں کیا ابو یوسفؒ کے ابو حنیفہؒ سے روایت کرنے سے۔

تشریح .... اس عبارت میں تین صورتیں مذکور ہیں:

- (۱) یہ کہ پہلی دو رکعتوں اور آخر کی کسی ایک رکعت میں قراءت کی ہے اس صورت میں بالاتفاق آخر کی دو رکعتوں کی قضا واجب ہوگی۔
- (۲) یہ کہ آخر کی دونوں اور پہلے شفع کی ایک رکعت میں قراءت کی ہے اس صورت میں بالاتفاق پہلی دو کی قضا واجب ہے۔
- (۳) یہ کہ اولین میں سے کسی ایک میں اور آخرین میں سے کسی ایک میں قراءت کی ہے تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت کی قضا واجب ہے۔

یعنی امام اعظمؒ کا مذہب ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی دو کی قضا واجب ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اولین میں سے کسی ایک رکعت میں ترک قراءت کی وجہ سے تحریر مرتفع ہو گیا یعنی تحریر باطل ہو گیا۔ امام محمدؒ کے نزدیک شفع اول کی ایک رکعت میں ترک

قراۃ بطلان تحریمہ کا موجب ہوتا ہے۔ پس جب تحریمہ باطل ہو گیا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہوا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہیں ہوگی۔ بلکہ فقط شفع اول کی قضاء واجب ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ ترک قراۃ کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کے نزدیک شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح ہوگا۔ اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا تو چونکہ دونوں شفعوں کی ایک ایک رکعت میں قراۃ چھوڑ دی گئی ہے اس لئے دونوں شفعوں یعنی چاروں رکعت کی قضاء واجب ہے۔

وَقَدْ اُنْكِرَ اَبُو يُوْسُفَ هَذِهِ الرَّوَايَةَ. الخ سے امام ابو حنیفہ کا مذہب بواسطہ امام ابو یوسفؒ یہ بیان کیا ہے کہ چار رکعت کی قضاء واجب ہے۔ مگر امام محمدؒ نے جامع صغیر کی تصنیف سے فراغت کے بعد جب جامع صغیر امام ابو یوسفؒ کو سنائی تو امام ابو یوسفؒ نے امام محمدؒ سے کہا کہ میں نے تمہارے سامنے امام صاحب سے یہ روایت نہیں کی تھی بلکہ میں نے تمہارے سامنے ابو حنیفہؒ سے یہ روایت کی تھی کہ اس شخص پر دو رکعت کی قضاء واجب ہے امام محمدؒ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے ہند آپ نے تو مجھ سے یہی روایت کی تھی کہ امام صاحب کے نزدیک اس شخص پر چار رکعت کی قضاء واجب ہے۔

حضرت امام محمدؒ اپنی یادداشت پر اس قدر رڈ نے رہے کہ امام ابو یوسفؒ کے انکار پر اصرار کے باوجود رجوع نہیں کیا۔ خادم راقم اسطور کا خیال بھی یہی ہے کہ امام محمدؒ کی بات ہی درست ہے کیونکہ سابق میں امام ابو حنیفہؒ کی اصل یہ بیان کی گئی ہے کہ اولین میں ترک قراۃ بطلان تحریمہ کا موجب ہے ایک رکعت میں ترک قراۃ سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا اور مسئلہ مذکورہ میں یہی صورت فرض کی گئی ہے کہ اولین کی ایک رکعت میں اور آخرین کی ایک رکعت میں قراۃ کی اور ایک ایک میں قراۃ کو ترک کر دیا پس جب اولین کی ایک رکعت میں ترک قراۃ سے امام عظیمؒ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہو گیا تو اولین کی ایک رکعت اور آخرین کی ایک میں ترک قراۃ کی وجہ سے دونوں شفعوں یعنی چاروں رکعت کی قضاء واجب ہوگی نہ کہ فقط ایک شفع کی۔ واللہ اعلم بحقیق

پہلی رکعت کے علاوہ کسی رکعت میں قراۃ نہیں کی کتنی رکعتوں کی قضاء لازم ہے۔۔۔ اقوال فقہاء

وَلَوْ قَرَأَ فِي أَحَدِي الْأُولَيَيْنِ لَا غَيْرَ فَضَى أَرْبَعًا عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ قَضَى رَكْعَتَيْنِ وَلَوْ قَرَأَ فِي أَحَدِي الْآخِرَتَيْنِ لَا غَيْرَ فَضَى أَرْبَعًا عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ وَعِنْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ قَالَ وَتَفْسِيرُهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَوةٍ مِثْلَهَا يَعْني رَكْعَتَيْنِ بِفِرَاقَةٍ وَرَكْعَتَيْنِ بِغَيْرِ فِرَاقَةٍ فَيَكُونُ بَيَانُ فَرَضِيَةِ الْقِرَاءَةِ فِي رَكْعَاتِ الْفَلَ كُلِّهَا

ترجمہ اور اس نے قراۃ کی اول دو گانہ کی ایک رکعت میں فقط تو شیخین کے نزدیک چار رکعت قضاء کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے اور اگر آخرین کی ایک رکعت میں قراۃ کی تو ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت قضاء کرے اور طرفین کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ حضور ﷺ کے قول لَا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَوةٍ مِثْلَهَا کی تفسیر یہ ہے کہ نہ پڑھے دو رکعت قراۃ کے ساتھ اور دو رکعت بغیر قراۃ کے پس یہ حدیث نفل کی تمام رکعتوں میں فرضیت قراۃ کا بیان ہو جائے گی۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر اول کی دو رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں قراۃ کی اور باقی میں ترک کر دیا تو شیخین کے نزدیک چار رکعت قضاء کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت کی قضاء واجب ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آخرین کی ایک رکعت میں قراۃ کی اور باقی تین میں ترک کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت کی قضاء واجب ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت کی قضاء کرے۔

پہلے مسئلہ میں تشخیص کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے نزدیک تحریمہ باقی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ اولین کی ایک رکعت میں ترک قراءت ان کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں کرتا اور رہے امام ابو یوسفؒ تو ان کے نزدیک کسی صورت میں بھی تحریمہ باطل نہیں ہوتا بہر حال جب ان دونوں کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح ہوا مگر چونکہ شفع اول کی ایک رکعت میں اور شفع ثانی کی دونوں میں قراءت ترک کر دی گئی اس لئے چاروں کی قضاء واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ اول کی ایک رکعت میں بھی ترک قراءت تحریمہ کو باطل کر دیتا ہے اس لئے ان کے نزدیک شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی البتہ شفع اول کی ایک رکعت میں ترک قراءت کی وجہ سے اس کی قضاء واجب ہوگی۔

دوسرے مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک تحریمہ مطلقاً باطل نہیں ہوتا پس جب تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفع ثانی کا شروع کرنا بھی صحیح ہوگی مگر چونکہ اس نے اولین کی دونوں میں اور آخرین کی ایک رکعت میں قراءت نہیں کی اس لئے دونوں شفعوں یعنی چاروں کی قضاء واجب ہوگی۔ طرفین کے نزدیک چونکہ اولین کی دونوں رکعتوں میں ترک قراءت سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا اور جب شفع ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا تو اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی البتہ شفع اول کی دونوں رکعتوں میں ترک قراءت کی وجہ سے شفع اول کی قضاء واجب ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے ہذہ المسئلۃ علی ثمائیۃ اوجہ کہہ کر جن کچھ مسائل کی طرف اشارہ کیا تھا اور خادم نے بالا جمل ان کا ذکر کیا تھا ان کی توضیح و تشریح مع الدلائل ذکر کر دی گئی۔

ب صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کے قول و تفسیر قولہ علیہ السلام لا یصلی بعد صلوۃ مثلہا سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ نفل کی تمام رکعات میں قراءت فرض ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے کہا کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ فرض کے مثل ایسی چار رکعات اس کے بعد نہ پڑھے کہ دو بقراءت ہوں اور دو بغیر قراءت ہوں، تا کہ فرض کے مثل ہو جائے بلکہ چاروں رکعت قراءت کے ساتھ ہوں۔ پس اس حدیث سے نفل کی تمام رکعات میں فرضیت قراءت کا ثبوت ہو گیا۔

### قدرت علی القیام کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنے کا حکم

و یصلی النافلة قاعداً مع القدرة علی القیام لقولہ علیہ السلام صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم و لأن الصلوۃ خیر موضوع و ربما یشق علیہ القیام فیجوز کہ ترکہ کبلاً یقصر عنہ و اختلفوا فی کیفیۃ المقعود و المختار أن یقعہد کما یقعہد فی حالة الشہد لانه عہد مشروعاً فی الصلوۃ

ترجمہ اور کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے کی بہ نسبت آدھا درجہ رکھتی ہے اور اس لئے کہ نماز خیر موضوع ہے اور بسا اوقات بندہ پر قیام دشوار ہوتا ہے اس لئے اس کے واسطے قیام کا ترک کرنا جائز ہے۔ تا کہ اس سے یہ خیر منقطع نہ ہو جائے اور علماء نے بیٹھنے کی کیفیت میں استلاف کیا ہے۔ مختار یہ ہے کہ اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد کی حالت میں بیٹھتا ہے کیونکہ نماز میں یہی مشروع ہو کر متعارف ہوا ہے۔

تشریح مسئلہ قدر علی القیام کے لئے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا صلوۃ القاعد علی النصف



مِنْ صَلَوةِ الْقَائِمِ یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بہ نسبت بیٹھ کر نماز پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہو گا کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی مراد یا تو یہ ہے کہ مذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھے یا بغیر عذر کے اول تو ہو نہیں سکتا کیونکہ مذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا ورکھڑے ہو کر پڑھنا ثواب میں دونوں برابر ہیں پس متعین ہو گیا کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا مراد ہے رہا یہ کہ حدیث میں فرض نماز مراد ہے یا نفل تو ہم کہتے ہیں فرض بالجماع مراد نہیں ہے کیونکہ بغیر عذر کے بالجماع فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پس ثانی یعنی نفل متعین ہو گیا یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے البتہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی بہ نسبت ثواب آدھا ہوگا۔

دیس عقلی یہ ہے کہ نفل نماز خیر موضوع ہے یعنی بندے کے لئے یہ نیکی اس طرح مہیا کر دی گئی کہ جمیع اوقات میں حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت بو زر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ الصَّلَاةُ خَيْرُ مَوْضُوعٍ فَمَنْ شَاءَ اسْتَقْلَّ وَمَنْ شَاءَ اسْتَكْثَرَ یعنی نماز خیر موضوع ہے جو چاہے کم لے اور جو چاہے بہت لے۔

حاصل یہ ہے کہ نفل نماز غیر واجب ہے۔ اور جو چیز اس انداز پر ہو اس میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں لگائی جاتی جو اس کے چھوڑ دینے کا سبب ہو کیونکہ جو ترک خیر کا سبب ہو گا وہ خیر نہیں ہو سکتا اور قیام کی شرط لگانا نفل کو چھوڑنے کا سبب ہو سکتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات مصی پر قیام شاق ہوتا ہے پس اگر قیام نفل نماز کے لئے شرط قرار دے دیا جائے تو بسا اوقات قیام کے شاق ہونے کی وجہ سے نفل ہی کا ترک کرنا لازم آئے گا۔ حالانکہ نفل خیر موضوع ہے یعنی جمیع اوقات میں حاصل کرنے کی یہی ہے اس لئے نفل نماز کے لئے قیام کی شرط نہیں لگائی گئی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ علماء نے نفل کی جینھک کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ نفل پڑھنے والے جس طرح چاہے بیٹھ کر نفل نماز پڑھے کیونکہ جب اس کے لئے اصل قیام کا چھوڑ دینا جائز ہے تو صفت قعود کا چھوڑنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ حیوان بنا کر بیٹھے کیونکہ حضور ﷺ آخری عمر میں ہی مت احتیاج نماز پڑھ کرتے تھے۔ (حیوان کر بیٹھنا یہ ہے کہ دونوں زانوں کھڑے رکھے اور سرین زمین پر ٹپک دے پھر دونوں ہاتھ بندھے) امام محمد سے مروی ہے کہ چار زانوں پر بیٹھے امام زفر نے فرمایا کہ تشہد کی کیفیت پر بیٹھے۔ مصنف کے نزدیک یہی پسندیدہ مذہب ہے۔ کسی پر فتویٰ ہے کیونکہ نماز میں یہی طریقہ مشروع ہو کر معلوم ہوا ہے۔

**کھڑے ہو کر نفل شروع کئے پھر بغیر عذر کے بیٹھ کر مکمل کرنے کا حکم، اقوال فقہاء**

وَإِنْ افْتَحَهَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ مِنْ غَيْرِ عُدْرٍ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَعِنْدَهُمَا لَا يُجْزِئُهُ وَهُوَ قِيَاسٌ لِأَنَّ الشَّرُوعَ مُعْتَصَرٌ بِالنَّدْوِ لَهُ لَنَّهُ لَمْ يَبَاشِرِ الْقِيَامَ فِيمَا بَقِيَ وَلَمَّا بَاشَرَ صَحَّتْ بَدْوْنِهِ بِخِلَافِ النَّدْوِ لِأَنَّهُ التَّزَمَهُ نَصًّا حَتَّى لَوْ لَمْ يَصْ عَنِ الْقِيَامِ لَا يُلْزَمُهُ الْقِيَامُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَائِخِ

ترجمہ اور نفل کو کھڑے ہو کر شروع کیا پھر بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور یہ استحسان ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے اور یہی قیاس ہے کیونکہ شروع کرنا نذر پر قیاس کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ متشغل نے ماہی میں قیام نہیں کیا ور (جس میں قیام) کی وہ بغیر قیام کے صحیح ہے۔ برخلاف نذر کے کیونکہ اس نے صراحتاً قیام کو لازم کر لیا حتیٰ کہ اگر قیام کی تصریح نہ ہوئی تو بعض مشائخ کے نزدیک اس پر قیام لازم نہ ہوتا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر بل عذر بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے حکم اوں استحسانی ہے اور ثانی قیاس سے۔ صاحبین کی دلیل قیاس ہے یعنی نفل نماز شروع کرنا قیاس کیا گیا ہے نذر پر بیس طور کہ اگر کسی نے کھڑے ہو کر نفل پڑھنے کی نذر کی تو اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ ہوگا اگر کھڑے ہو کر نفل نماز شروع کی گئی تو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سابق میں گذر چکا ہے کہ شروع کرنا اس چیز کو لازم کرتا ہے جس کو شروع کیا گیا ہے اور جس پر نماز شروع فیہ کی صحت موقوف ہے تو نفل شروع کرنے سے رکعت اولیٰ اور ثانیہ دونوں واجب ہوں گی۔ رکعت اولیٰ تو اس لئے واجب ہوگی کہ اس کو شروع کیا گیا ہے اور رکعت ثانیہ اس لئے کہ اس پر رکعت اولیٰ کی صحت موقوف ہے کیونکہ صلوٰۃ بتدریج ممنوع ہے۔ مگر مسئلہ مذکورہ میں رکعت اولیٰ کو کھڑے ہو کر شروع کیا گیا ہے لیکن اس کی صحت اس پر موقوف نہیں کہ رکعت ثانیہ کو بھی کھڑے ہو کر پڑھا جائے۔

لہذا رکعت اولیٰ کو کھڑے ہو کر شروع کرنے سے رکعت ثانیہ میں قیام لازم نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف نذر ہے کیونکہ نذر کی صورت میں اس نے صراحۃً اپنے اوپر قیام لازم کر لیا ہے مذکورہ کھڑے ہو کر پڑھنے سے نذر پوری ہوگی چنانچہ اگر کسی نے قیام کی صراحت نہیں کی، بلکہ فقط یہ کہا کہ میں نفل نماز پڑھوں گا تو بعض مشائخ کے نزدیک اس پر قیام لازم نہیں ہے

### شہر سے باہر چوپائے پر نفل پڑھنے کا حکم اقوال فقہاء

وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ يَنْقُلُ عَلَى دَابَّةٍ إِلَى أَىِّ حَتَّى تَرْجَعَتْ يَوْمَئِذٍ إِيمَاءٌ، رَحَدِثَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوَحِّجٌ إِلَى خَيْرِ يَوْمِي إِيمَاءٌ وَلَئِنْ الْوَافِلَ غَيْرُ مُحْتَضَةٍ يَوْفَبُ قَلْوُ الزَّمَانِ النَّزُولُ وَالْإِسْقَالُ نَقْطَعُ عَنْهُ الْقَافِلَةَ أَوْ يَنْقُطُ هُوَ عَنِ الْقَافِلَةِ أَمَّا الْفَرَائِصُ مُحْتَضَةٌ يَوْفَبُ وَالسَّنَرُ الرَّوَائِبُ نَوَافِلٌ وَغَنُ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَسْرُ لَسَةِ الْفَجْرِ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ سَائِرِهَا وَالتَّقْيِيدُ بِخَارِجِ الْمِصْرِ يَنْهَى إِشْرَاطَ السَّفَرِ وَالْجَوَازُ فِي الْمِصْرِ وَغَنُ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَحُوزُ فِي الْمِصْرِ أَيْضًا وَوَجْهُ الظَّاهِرُ أَنَّ النَّصَّ وَرَدَ خَارِجَ الْمِصْرِ وَالْحَاجَةُ إِلَى الرُّكُوبِ فِيهِ أَغْلَبَ

ترجمہ۔۔ اور جو شخص شہر سے باہر ہو وہ اپنی سواری پر نفل نماز پڑھے جس طرف چاہے متوجہ ہو درانی لیکہ اشارہ کرے۔ حدیث ابن عمرؓ کی وجہ سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اشارہ کرتے ہوئے گدھے پر نماز پڑھ رہے تھے۔ درانی یہ آپ خیر کی طرف متوجہ تھے۔ اور اس لئے کہ نوافل وقت کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ پس اگر ہم اس پر سواری سے اترنا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا لازم کر لیں تو اس سے نفل نماز منقطع ہو جائے گی یا یہ قافلہ سے چھڑ جائے گا۔ رہے فرائض تو وہ خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں اور رات پ سنتیں بھی نفل ہیں۔ اور ابو حنیفہؒ سے روایت کیا جاتا ہے کہ سنت فجر کے لئے اتر پڑے کیونکہ وہ دوسری سنتوں سے زیادہ مؤکدہ ہے اور خارج مصر کی قید لگانا شرط سفر کی نفی کرتا ہے۔ اور شہر میں جواز کی نفی کرتا ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ شہر میں بھی جائز ہے۔ ورنہ ہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ انھیں شہر سے باہر ہونے کی وارد ہوئی ہے۔ اور وہاں سواری کی ضرورت بھی زائد ہے۔

تشریح مسئلہ شہر سے باہر سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے خواہ عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے افتتاح نماز میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو یا

متوجہ نہ ہو یعنی جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف منہ کر کے دو رکعتی نماز میں استقبال قبلہ کو واجب کہا ہے۔ فی افتتاح سجدۃ وقت امام شافعی کے نزدیک استقبال قبلہ ضروری ہے پھر جس طرف سواری کا رخ ہو اسی طرف رخ کر کے پڑھتا رہے یہ بات یاد رہے کہ سواری پر نماز شمارہ کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور سجدہ کے لئے اشارہ رکوع کے اشارہ سے پست ہو گا۔ ان سب باتوں کی دلیل حدیث ابن عمر ہے۔ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوَجِّهُ إِلَى حَيْبِ بُؤْمَيٍّ أَيُّمَاءُ یعنی حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے اللہ کے پاک رسول ﷺ کو گدھے پر شارے سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انحالیکہ آپ خیبر کی جانب متوجہ تھے۔

تعلیٰ دیل یہ ہے کہ سواری پر نوافل کا جواز اس لئے ہے کہ نوافل کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں پس اگر ہم مصلحتی پر سواری سے اترنے اور استقبال قبلہ کو لازم قرار دے دیں تو اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ سواری سے اتر کر قبلہ رخ متوجہ ہوگا یا نہ سواری سے ترے گا اور نہ استقبال قبلہ کرے گا۔ پس اگر تانی صورت ہے تو نفل اس سے منقطع ہو جائے گا کیونکہ جب تک وہ سواری پر ہے نفل ادا نہیں کر سکتا اور جب اس وقت میں نوافل ادا نہیں کر سکتا تو وہ نوافل کی خیر موضوع (یعنی تمام اوقات میں عمومیت سے) محروم ہو گیا حالانکہ نوافل خیر موضوع ہیں یعنی اس تکلیف و ہمہ وقت حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر پہلی صورت ہے یعنی سواری سے اتر کر قبلہ رخ ہو کر نماز نوافل پڑھے تو اس صورت میں وہ قفلہ سے پیچھے رہ جائے گا پس اس عذر کی وجہ سے سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

رہے فرائض تو وہ خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں ہذا ان مخصوص اوقات میں اتر کر استسباب قبل از صبح ہونے میں کوئی ضرر اور حرج نہیں ہے اس وجہ سے ساری پر فرض نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ابستہ عذر کی وجہ سے جائز ہے مثلاً چور کا خوف یا درندہ کا خوف موک اُسر سواری سے اتر کر فرض ادا کیا تو سواری کے جانور اور سامان کو چور لے جائے گا یا درندہ ہلاک کر دے گا۔ یا مثلاً ساری زمین پر اس قدر کیچڑ اور گار ہے کہ اس پر سبھہ کرنا ممکن نہیں یا مثلاً سوار اس قدر بوڑھا اور شیخ فانی ہے کہ وہ سواری پر تنہا سوار نہیں ہو سکتا اور وہاں کوئی سوار کرنے والا بھی موجود نہیں تو ان صورتوں میں سواری پر فرائض کا ادا کرنا شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَإِنْ خِفْتُمْ فَرُجَالًا أَوْ رُكْبَانًا" یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔

صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ سنن مؤکدہ بھی نفل ہیں یعنی نفل کی طرح سنن مؤکدہ بھی سواری پر جائز ہیں۔ رہا وتر تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سواری پر جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے اور صحابین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی نماز سنت ہے اور سنت بمنزل نفل کے سواری پر جائز ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ فجر کی سنتیں سواری سے اتر کر ادا کرے کیونکہ فجر کی سنت دوسری سنتوں کی بہ نسبت زیادہ منوکہ ہیں اس لئے اس کا حکم عام سنتوں سے مختلف ہوگا۔ ابن شہاب فقیہ نے کہا کہ ایسا گتہ ہے کہ امام صاحب سے یہ روایت بیان اولیٰ کے لئے ہے یعنی اولیٰ یہ ہے کہ فجر کی سنت سواری سے اتر کر ادا کرے۔

وَالْفَقْدُ بِخَارِجِ الْمَصْرِ۔ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اصل مسئلہ میں یہ قید لگانا کہ آبادی سے باہر ہو دو باتوں کو ثابت کرتا ہے ایک کچھ سواری پر نفل نماز جائز ہونے کے لئے مسافر ہونا شرط نہیں بلکہ آبادی سے باہر ہونا کافی ہے خواہ مقیم ہو خواہ مسافر۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ سواری پر نفل کا جائز ہونا مسافر کے ساتھ خاص ہے یعنی جو شخص ۲۸ میل کے ارادے سے شہر سے باہر نکلا ہو اس کے لئے سواری پر نفل ادا کرنا جائز ہے۔ دیلمی یہ ہے کہ اگر وہ مسافر کا جواز ضرورۃً ثابت ہوا ہے ورنہ حضر میں کوئی ضرورت نہیں

اس لئے حضر میں سواری پر نفل پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس حکم میں مسافر و مقیم دونوں برابر ہیں۔ بشرطیکہ آبادی سے باہر ہو۔ یہی بات کہ آبادی سے کتنی دوری ہو تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ مبسوط میں ہے کہ آبادی سے فرسخ یعنی ایک میل کی دوری پر ہو تو سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ جہاں سے مسافر کو قصر پڑھنا جائز ہوتا ہے وہاں سواری پر نفل جائز ہے۔ یعنی قیلا شہر سے باہر۔

دوسری بات یہ ہے کہ شہر اور آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ شہر سے باہر سواری پر نفل کا جواز حد قیاس نص سے ثابت ہے اور شہر خارج شہر کے حکم میں بھی نہیں ہے۔ ہذا شہر کے اندر قیاس پر عمل کیا جائے گا اور خارج شہر میں خلاف قیاس نص پر عمل ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ شہر کے اندر بھی بلا کراہت سواری پر نفل جائز ہے۔ اور امام محمدؒ سے مع انکراہت مروی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا مستدل حدیث ابن عمرؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ الْحِمَارَ فِي الْمَدِينَةِ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ بُصَلًى وَهُوَ رَاكِبٌ ہے یعنی آنحضرت ﷺ مدینہ میں گدھے پر سوار ہو کر سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ سواری پر ہی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے۔

عبد اللہ بن المبارک نے لکھا ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا کہ آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا جائز نہیں ہے تو امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ کے سامنے یہ حدیث پیش کی یہ حدیث سن کر امام صاحبؒ نے اپنا سر نہیں اٹھایا اب بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ سر نہ اٹھانا اپنے قول سے رجوع کرنے کے لئے تھا۔ یعنی حضرت امام صاحبؒ نے اپنے قول سے رجوع فرمایا اور حدیث رسول ﷺ کے سامنے سر نہ اٹھانا جھکا دیا۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا آبادی کے اندر سواری پر نفل نماز پڑھنا مرثا ذی ہے اور امر شذیحت نہیں ہوتا۔ ہذا یہ حدیث امام صاحبؒ کے خلاف حجت نہیں ہوگی۔

امام محمدؒ کا مستدل بھی یہی حدیث ہے لیکن ان کے نزدیک وجہ کراہت یہ ہے کہ آبادی کے اندر بھیڑ بھاڑ بہت رہتی ہے اسی وجہ سے قرات میں غلطی واقع ہونے سے محفوظ نہیں رہے گا اس وجہ سے آبادی کے اندر سواری پر نفل پڑھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ ظہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ نص (یعنی حدیث ابن عمرؓ جو شروع مسئلہ میں ذکر کی گئی ہے) آبادی کے باہر جائز ہونے پر وارد ہوئی ہے اور آبادی سے باہر سواری کی ضرورت بھی زائد ہے ہذا شہر کے اندر کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

سواری پر نفل شروع کئے پھر اتر کر اسی پر بنا کرنے کا حکم اسی طرح اتر کر

ایک رکعت پڑھی پھر سوار ہو گیا تو از سرے نو پڑھے

فَإِنْ افْتَتَحَ التَّطَوُّعَ رَاكِبًا ثُمَّ نَزَلَ يَنْبَغِي وَإِنْ صَلَّى رَكْعَةً نَازِلًا ثُمَّ رَكِبَ اسْتَقْبَلَ لِأَنَّ إِحْرَامَ الرَّاَكِبِ اِنْعَقَدَ مُحَوَّرًا لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لِقَدْ رَتَبَهُ عَلَى النَّزُولِ فَإِذَا أَتَى بِهِمَا صَحَّ وَإِحْرَامُ النَّازِلِ اِنْعَقَدَ لِوُجُوبِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فَلَا يَفْقِدُ عَلَى تَرْكِ مَا لَزِمَهُ مِنْ غَيْرِ عَذَرٍ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَسْتَقْبِلُ إِذَا نَزَلَ أَيْضًا وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ إِذَا نَزَلَ بَعْدَ مَا صَلَّى رَكْعَةً وَالْأَصَحُّ هُوَ الظَّاهِرُ

ترجمہ پس اگر نفل نماز سواری پر شروع کی پھر اتر گیا تو (اسی پر) بنا کرے اور ایک رکعت اتر کر زمین پر پڑھی پھر سوار ہو گیا تو سر نو پر ہے۔ یونکہ سوار کا تحریم منعقد ہوا تھا (اس طور پر کہ) رکوع اور سجدہ کو جہز رکھنے والا تھا اس لئے کہ وہ سواری سے اترنے پر ق در ہے پس جب دونوں کو بجا آیا تو صحیح ہو گیا اور زمین پر موجود کا تحریم رکوع اور سجدہ کو واجب کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا ہذا اس کو بغیر حذر کے اس چیز کو ترک کرنے کی قدر نہیں جو اس پر لازم ہو گئی اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب ترے تو بھی از سر نو پڑھے اور ایسے ہی امام محمد سے بھی روایت ہے جبکہ ایک رکعت پڑھ کر اترے اور اس کی ظاہر الروایہ ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے سواری پر سو رہو کر اشارہ سے نفل نماز شروع کی پھر وہ زمین پر اتر آیا تو یہ شخص اسی پر بناء کرے از سر نو ادا کی ضرورت نہیں اور اگر زمین پر نفل نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھی یا اس سے کم، پھر سو رہو گیا تو یہ شخص از سر نو پڑھے اس پر بناء کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

دلیل سے پہلے بطور تمہید ایک مقدمہ ذہن میں رکھئے۔ مقدمہ یہ کہ بعض صلوٰۃ کی بناء بعض پر اس وقت جائز ہوتی ہے جبکہ دونوں کو ایک تحریم شامل ہو اور اگر دونوں کو ایک تحریم شامل نہ ہو تو بناء جائز نہیں ہوتی۔

اب دلیل یہ ہوگی کہ سواری پر سوار ہو کر جو تحریم باندھی گئی ہے وہ رکوع اور سجدہ کے اشارہ کے علاوہ رکوع اور سجدہ کو بھی جائز رکھتی ہے کیونکہ یہی شخص بغیر مہطل کے سواری سے اتر کر رکوع سجدہ کرنے پر قادر ہے پس اس نے جو نماز سواری پر اشارہ سے پڑھی ہے۔ اور جو اتر کر رکوع اور سجدہ کے ساتھ پڑھی ہے دونوں ایک تحریم کا موجب ہیں یعنی دونوں وہ تحریم واحد شامل ہے پس جب دونوں کو ایک تحریم شامل ہے تو واحد ہما کی آخر پر بناء کرنا بھی جائز ہے۔ اور جو تحریم زمین پر سواری سے اتر کر باندھا گیا ہے وہ فقط موجب لکھ رکوع والسجود ہو کر منعقد ہوا ہے یعنی اس سے رکوع اور سجدہ ہی واجب ہوا ہے اشارہ واجب نہیں ہوا کیونکہ بغیر مہطل کے سوار ہو کر اس پر ق در نہیں ہے اور مہطل ملل شہ ہے پس جو نماز رکوع اور سجدہ کے ساتھ زمین پر پڑھی ہے اور جو سو رہو کر اشارہ کے ساتھ ادا کی ہے ان دونوں کو ایک تحریم شامل نہیں ہے اور جب ایک تحریم دونوں کو شامل نہیں تو واحد ہما کی آخر پر بناء کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر سواری پر نفل نماز شروع کی پھر زمین پر اتر آیا تو اس صورت میں بھی بناء کرے۔ بلکہ از سر نو پڑھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس صورت میں ضعیف پر قوی کی بناء لازم آتا ہے کیونکہ جو نماز سواری پر اشارہ سے ادا کی وہ ضعیف ہے اور جو سواری سے اتر کر زمین پر رکوع اور سجدہ کے ساتھ ادا کرے گا وہ قوی سے اور قوی کی بناء ضعیف پر جائز نہیں ہے۔ جیسے مریض اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے اگر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر ق در ہو جائے تو وہ از سر نو نماز پڑھے گا تا کہ بنا قوی علی الضعیف۔ زمرہ آئے۔

ہماری طرف سے جواب میں وہ مقدمہ ذکر کر دینا کافی ہو گا جو ہم نے بطور تمہید پیش کیا ہے یعنی آپ بلا خوف و خطر صرف صاف کہئے کہ امام ابو یوسف کا قیاس فاسد ہے اس لئے کہ مریض جو رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے اس کا تحریم رکوع اور سجدہ کو عدم قدرت کی وجہ سے شامل نہیں ہے پس تحریم جس کو شامل نہ ہو اس کی بناء اس چیز پر کس طرح درست ہوگی جس کو تحریم شامل ہے۔ اس وجہ سے مریض جو رکوع اور سجدہ سے عاجز ہے وہ اگر درمیان نماز رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو اس کی بناء جائز نہیں ہے۔ برخلاف اس کے کہ ایک شخص نے سواری پر نفل نماز شروع کی پھر سواری سے اتر آیا تو اس شخص کے واسطے بناء کرنا جائز ہے یونکہ سواری پر جو تحریم باندھا گیا ہے وہ رکوع اور سجدہ

بھی چار رکعتیں والا تھا پس یہاں تحریم اس کو بھی شامل تھا، جو نماز سواری پر ادا کی گئی اور اس کو بھی شامل ہے جو اتر کر روع اور جدہ کے ساتھ ادا کی ہے پس جب تحریم دونوں کو شامل ہے تو ایک ہی دوسرے پر بنا کرنا بھی جائز ہے۔

ما محمد سے یہ روایت ہے کہ اگر سواری پر ایک رکعت پوری کرے اترے تو از سر نو پڑھے بنانا کرے یونکہ ایک رکعت نماز ہے بند اس میں قوی کی ضعیف پر بنانا کرے اور اگر ایک رکعت پورا کرے بغیر اتر آیا تو بنا کر سکتا ہے یونکہ ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے قطع تحریم پیدا نہیں ہوتا اور تحریم نماز کی شرط ہے۔ ورنہ جو ضعیف کے لئے منعقد کی ہو وہ قوی کے لئے بھی شرط ہونی مشہور و ضروری نہیں ہے کیا ہے۔ وہ فرض کے لئے بھی کافی ہوگا پس ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے اتر آیا تو وہ بنا کرے اور اس میں قوی کی بنا ضعیف پر لازم نہیں آتی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول جو متن میں مذکور ہے وہی صحیح ہے۔ اور وہی غلام برواہیہ ہے۔ قیام احمد غنی عن

## فصل فی قیام رمضان

ترجمہ..... یہ فصل رمضان کے قیام (کے بیان) میں ہے۔

تشریح تراویح کی نماز چونکہ نفل سے ایک گونہ مختلف ہے۔ اس لئے تراویح یعنی قیام میل کو علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے۔ تراویح عام نوافل سے چند باتوں میں مختلف ہے اول یہ کہ عام نوافل میں جماعت نہیں اور تراویح میں جماعت ہے۔ دوم یہ کہ نوافل میں تحدید رکعات نہیں ہے و تراویح میں تحدید رکعات ہے۔ سوم یہ کہ نوافل کی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے اور تراویح رمضان کی رکعتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ چہرے یہ کہ تراویح میں ایک قرآن تم پر مستحب ہے اور نوافل میں یہ سنت نہیں۔ (عنا یہ)

صاحب ہدایہ نے عنوان میں قیام رمضان کا لفظ حدیث کا اتباع کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ یہ حدیث حضرت یحییٰ نے فرمائی اِنَّ اللہَ تَعَالٰی فَرَضَ عَلَیْکُمْ صَیَامَهُ وَ سُنْتُ لَکُمْ قِیَامَهُ یعنی بدعتوں نے تمہارے اوپر رمضان کا روزہ فرض کیا اور میں نے تمہارے لئے اس کے قیام و سنت کیا۔ (ابن ماجہ) چونکہ حدیث میں قیام رمضان کا لفظ موجود ہے اس لئے فصل کا عنوان بھی اسی لفظ کے ساتھ تجویز کیا گیا۔

نماز تراویح کے لئے اجتماع مستحب ہے، نماز تراویح کی رکعات

سُحَّحْتُ اَنْ يَّجْتَمَعَ النَّاسُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ، فَيُصَلِّيْ بِهٖ اِمَامُهُمْ حَمْسٌ تَرَوِيْعَاتٍ كُلُّ تَرَوِيْعَةٍ بِسَلْسِلِيْمَتَيْنِ، وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرَوِيْعَتَيْنِ مَقْدَارُ تَرَوِيْعَةٍ، ثُمَّ يُؤَمِّرُ بِهٖ ذَكَرَ لَهْطِ الْاِسْتِحْبَابِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهَا سُنَّةٌ، كَمَا رَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، لِاَنَّهُ وَاطَّقَ عَلَيْهَا الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَالسِّيَّ عَلَى السَّلَامَةِ بَيْنَ الْعَدَرِ فِيْ تَرْكِهِ الْمَوَاطِبَةَ، وَهُوَ خَشْيَةٌ اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْهِ

ترجمہ رمضان کے ماہ میں عشاء کے بعد لوگوں کا جمع ہونا مستحب ہے پس ان کا امام بن کر پانچ ترویحات پڑھائے۔ ہر ترویحدہ عام کے ساتھ اور ہر ترویحدہ کے درمیان ایک ترویحدہ مقداریتے پڑھائے۔ امام ان کو تروید پڑھائے۔ قدماری نے لفظ استحباب لیا اور اس سے تراویح سنت ہے یہی حسن نے بھی بوضیفہ سے روایت کیا ہے۔ یونکہ خلفاء راشدین نے اس پر مصلحت فرمائی ہے ورنہ اس سے تراویح نہایت پر مذہبین کر دیا تھا اور وہ ہم پر فرض ہونے کا خوف ہے۔

تشریح امام قداری نے کہا کہ عشاء کے فرضوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں بغرض تراویح لوگوں کا اجتماع مستحب ہے۔ امام ان

دو پچ تر ویکوں میں پڑھائے ہر ترمیم دو سلام کے ساتھ ادا کرے اور ہر دو ترمیموں کے درمیان ایک ترمیم کی مقدار بغرض آرام پسند کرے۔ پھر امام ان کو وتر کی نماز پڑھائے۔

صاحب عنایہ نے تحریر کیا ہے کہ ترمیم چار رکعت کا نام ہے کیونکہ چار رکعتیں راحت و آرام تک پہنچا دیتی ہیں یعنی چار رکعت کے بعد راحت و آرام کی اجازت دی گئی ہے۔

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے: قدوری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز مستحب ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے مردوں کے لئے بھی در عورتوں کے لئے بھی امام بو حنیفہ سے بھی یہی مروی ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تراویح کی نماز پر مواظبت اور مداومت فرمائی ہے اور خلفاء راشدین کا کسی عمل پر مواظبت فرمانا اس کے مسنون ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: **عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَنُكُلِ السُّلَفِ** وَالرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي یعنی تم پر میری و میرے بعد خلفاء کی سنت لازم ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے معمول یہ طریق کو سنت کہتے ہیں اسی طرح خلفاء راشدین کے طریقہ و بھی سنت کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہدایہ کی اس عبارت میں خلفاء کا لفظ تعصیباً استعمال کیا گیا ہے ورنہ یہاں خلفاء سے حضرت عمر، عثمان، علی مراد ہیں کیونکہ باقاعدہ مداومت کے ساتھ بیس رکعات تراویح کا آغاز فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت سے ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے لوگ فراوی فراوی پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا اِنِّیْ اُرِیْ اَنْ اُحْمَعَ النَّاسَ عَلٰی رِاۡمَامٍ وَاَحَدٍ حَمَعَهُمْ عَلٰی اُمِّیْ بْنِ كَعْبٍ فَصَلٰی بِهِمْ حَمْسَ نَوَیْحَیْ عِشْرَیْنَ رَكْعَةً، میں دووں و ایک امام پر کٹھ کرنا چاہتا ہوں پس ان کو ابی بن کعب پر اکٹھا فرمایا پھر ابی بن کعب نے دووں دو پچ تر ویکوں میں بیس رکعات نماز پڑھائی۔

اعتراض: اب ایک اعتراض ہوگا۔ وہ یہ کہ تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس پر مواظبت کیوں نہیں فرمائی۔ جواب: صاحب ہدایہ نے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ترک مواظبت پر یہ مذہب بیان فرمایا کہ میرے مواظبت کرنے سے امت پر فرض ہونے کا قہر تھا اس لئے میں نے تراویح پر مداومت نہیں کی بلکہ کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا ہے۔ چنانچہ مروی ہے

**اِنَّهُ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ لَيْلِ رَمَضَانَ وَصَلَّى عِشْرِينَ رَكْعَةً فَلَمَّا كَانَتِ الْاَيْلَةُ الثَّانِيَةَ اجْتَمَعَ النَّاسُ فَخَرَجَ وَصَلَّى بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً فَلَمَّا كَانَتِ الْاَيْلَةُ الثَّالِثَةَ كَثُرَ النَّاسُ فَلَمْ يَخْرُجْ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ عَرَفْتُ اِحْتِمَاعَكُمْ لِكَيْ تَحْشُرُوْا اَنْ تُكْسَبَ عَلَيْكُمْ فَكَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَهَا فَوَادَى اِلَى زَمْرِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ**

یعنی رمضان کی رات میں سے ایک رات اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے اور دووں کو بیس رکعت پڑھائیں۔ چنانچہ دوسری رات دوں اور دوں جمع ہو گئے تو آپ ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں پس جب تیسری رات ہوئی اور لوگ بہت ہو گئے تو آپ تشریف نہ لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے تمہارا جمع ہونا معلوم ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ پس دوں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک فراوی فراوی نماز پڑھتے رہے۔

سوال: جب تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے تو صاحب قدوری نے لفظ **يُسْتَحَبُّ** کیوں کہا؟

جواب: مشائخ متقدمین لفظ مستحب کو کبھی بہت خوب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور بہت خوب کا لفظ واجب تک کو شامل ہے پس ممکن ہے کہ مستحب کا لفظ یہاں اسی معنی میں ہو یعنی تراویح کے لئے اجتماع بہت خوب اور بڑی فضیلت کی چیز ہے اور یہ سنت ہے۔

وسر اجواب یہ ہے کہ شیخ جو احسن قدوری نے لوگوں کے اجتماع کو مستحب کہا ہے نہ کہ تراویح کی نماز کو۔ پس یوں کہہ دیجئے رمضان المبارک کے اندر عشاء کی نماز کے بعد لوگوں کا اجتماع تو مستحب ہے لیکن تراویح کی نماز سنت ہے۔

نیسرا جواب یہ ہے کہ بعض صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وتر سمیت تراویح کی گیارہ رکعت پڑھی ہیں اور بعض سے بیس رکعت کا ثبوت ملتا ہے۔ گیارہ رکعت ابو سلمہ بن عبد الرحمن کی حدیث سے ثابت ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں مَا لْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَرْتَدُّ فِي رَمَضَانَ وَلَا غَيْرِهِ عَلَى أَحَدٍ عَشْرَةَ رَكَعَةً حَدِيث - (فتح القدیر) ابو سلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کس طرح تھی۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے یعنی کھڑے تراویح کی اور تین تری۔ ورنہ عباس کی حدیث سے بیس رکعات کا ثبوت ملتا ہے اُنہ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكَعَةً سِوَى الْوُتْرِ ابن عباس نے کہا کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں علاوہ وتر کے بیس رکعت پڑھتے تھے (فتح القدیر) اب بعض حضرات نے ان دونوں حدیثوں میں تہمت دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آٹھ رکعت وتر کے علاوہ سنت ہے اور بیس رکعات مستحب ہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ صاحب قدوری نے اسی قول پر عمل کرتے ہوئے يُسْتَحَبُّ کہا ہو یعنی بیس رکعات پانچ ترویحوں میں مستحب ہیں۔

### تراویح کی جماعت کی شرعی حیثیت

السُّنَّةُ فِيهَا الْجَمَاعَةُ، لَكِنْ عَلَى وَحْدِ الْكِفَايَةِ، حَتَّى لَوْ امْتَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ عَنْ إِقَامَتِهَا كَانُوا مُسَيِّبِينَ وَلَوْ نَامَ بَعْضُ الْبَعْضِ فَالْمُتَحَلِّفُ عَنِ الْجَمَاعَةِ تَارِكٌ لِلْفَضِيلَةِ، لِأَنَّ إِفْرَادَ الصَّحَابَةِ يُرَوِّى عَنْهُمْ التَّحَلُّفُ الْمُسْتَحَبُّ فِي الْجُلُوسِ بَيْنَ التَّرَوُّيَةِ مِقْدَارَ التَّرَوُّيَةِ، وَكَذَا بَيْنَ الْخَامِسَةِ وَبَيْنَ الْوُتْرِ لِعَادَةِ أَهْلِ حَرَمِ مَكَّةَ، وَاسْتَحْسَنَ الْبَعْضُ الْإِسْتِرَاحَةَ عَلَى خُمْسِ تَسْلِيمَاتٍ، وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَقَوْلُهُ ثُمَّ يُؤْتَرُ بِهِمْ يُنِيرُ بِي أَنْ وَقْتُهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ قُلُ الْوُتْرِ، وَبِهِ قَالَ عَامَّةُ الْمَشَائِخِ، وَالْأَصَحُّ أَنْ وَقْتُهَا بَعْدَ الْعِشَاءِ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ قَبْلَ الْوُتْرِ وَبَعْدَهُ، لِأَنَّهَا نَوَافِلٌ سَبْتُ بَعْدَ الْعِشَاءِ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَدْرَ الْفِرَاءَةِ، وَأَكْثَرُ الْمَشَائِخِ عَلَى أَنَّ السُّنَّةَ فِيهَا سَحَنٌ مَرَّةً، فَلَا يَتْرَكُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الشَّهَادَةِ مِنَ الدَّعَوَاتِ حَيْثُ يَتَرَكُّهَا، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ

جمہ اور سنت تراویح میں جماعت ہے لیکن بطور کفایہ حتیٰ کہ اگر ایک مسجد والے (سب لوگ) قیام جماعت سے باز رہیں تو سب بجا رہوں گے اگر بعض نے جماعت قائم کر لی تو جو شخص جماعت سے پیچھے رہا وہ فضیلت کو چھوڑنے والا ہوا۔ کیونکہ افراد صی بہ کا پیچھے ہٹنا مروی ہے اور وہ ترویحوں کے درمیان ایک ترویج کی مقدار میں مستحب ہے۔ وریوں ہی پانچویں ترویجہ وروتر کے درمیان بھی کیونکہ ان حریم کی عادت ہے۔ اور بعض نے پانچ تسیمات پر استراحت کو مستحسن سمجھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے اور مصنف کا قول ثُمَّ يُؤْتَرُ بِهِمْ بہت سی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے اور اسی کے قائل عامۃ المشائخ ہیں اور اصح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے آخرت تک خواہ وتر سے پہلے ہو یا بعد میں کیونکہ تراویح بھی نوافل ہیں جو عشاء کے بعد مقرر کی گئی ہے مصنف نے تراویح کی مقدار کو ذکر نہیں کیا اور اکثر مشائخ اس قول پر ہیں کہ تراویح میں یک بار ختم کرنا سنت ہے پس ایک ختم قوم کی نالی کی وجہ سے نہ چھوڑا جائے۔ بخلاف اہل بیت کے بعد کی دعائوں کے کہ ان کو ترک کر سکتا ہے کیونکہ وہ سنت نہیں ہیں۔



یہ بات کہ ان میں سے نہاد پہ ایک عبارت **وَالْمُسْتَحَبِّ فِي الْحُلُوسِ** میں قدر سے تیار ہے یونکہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ ہیں جن میں عادت کو پیش کیا ہے۔ اور اہل حرمین کی عادت یہ ہے کہ وہ صبح سے پہلے اٹھ جاتے ہیں اور اہل مدینہ نماز پڑھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کی عادت بیٹھنے کی نہ تھی بلکہ اٹھانے کی تھی۔



یک تراویح میں۔ (فتاویٰ قاضیان) اے اللہ تعالیٰ اپنے اس بزرگوار بندہ کی قبر کو نور سے بھر دے اور مجھ سیاح کار کی خطاؤں کو بھی معاف کر دے۔ آمین

بِخِلَافِ مَا بَعْدَ التَّشَهُُّدِ حاصل یہ ہے کہ اگر التہیات کے بعد کی دعا میں مقتدیوں پر اس گزریں تو ن کو ترک کرنے میں روکنا نفع نہیں ہے کیونکہ وہ مسنون نہیں ہیں لیکن التہیات کے بعد درود کا پڑھنا مناسب ہوگا اس کو ترک نہ کرے کیونکہ درود کا پڑھنا اہل مافقی کے نزدیک فرض ہے پس ہمارے نزدیک بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو پڑھے۔

### غیر رمضان میں وتر کی جماعت کا حکم

وَلَا بُصَلَى الْوُتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ عَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ۔ اور وتر کو جماعت کے ساتھ رمضان المبارک کے علاوہ میں نہ پڑھے۔ اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

تشریح۔ رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں وتر جماعت کے ساتھ شروع نہیں ہے۔ کیونکہ وتر من وجہ نفل ہے۔ و رمضان کے علاوہ میں نفل کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ رمضان کے علاوہ میں وتر کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھا جائے۔ اسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے بلکہ رمضان المبارک میں وتر کو باجماعت پڑھنا مکروہ نہیں ہے لیکن افضلیت میں اختلاف ہے۔ پتا نچے خام ابن ابیہام نے کہا کہ رمضان کے مہینے میں وتر کو باجماعت پڑھنا افضل ہے کیونکہ حضرت عمرؓ وتر کو باجماعت پڑھاتے تھے۔ ابوی ثنی نے فرمایا ہے۔ ہمارے علماء کے نزدیک جماعت کے ساتھ نہ پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضرت ابی بن نعیم وتر کی نماز باجماعت نہیں پڑھاتے تھے۔ واللہ اعلم، جمیل محمد عفی عنہ

### بَابُ ادْرَاكِ الْفَرِيضَةِ

ترجمہ۔ (یہ) باب فریضہ پانے (کے بیان) میں ہے۔

تشریح۔ گذشتہ ابواب میں فرائض، واجبات اور نوافل کا بیان تھا اب اس باب کے اندر ان کے کمال کے معنی یعنی باجماعت نماز کے بیان ہے۔

سنت پڑھنے کے دوران فرائض کی جماعت شروع ہو جائے تو نمازی کے لئے کیا حکم ہے

وَمَنْ صَلَّى رَكَعَةً مِنَ الطَّهْرِ، ثُمَّ أَقْبَمَتْ بَصَرِي أُخْرَى حِينَئِذٍ لِلْمُؤَدِّي عَنِ الْبُطْلَانِ، ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ إِحْرَارًا بِفَضْلِهِ الْجَمَاعَةِ، وَإِنْ لَمْ يُقْبَلِ الْأَوَّلَى بِالسَّحَدَةِ، يَقْطَعُ وَيَسْرِعُ مَعَ إِمَامِهِ، هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّهُ يَمْحُلُ الرَّفْعَ بِالسَّحَدَةِ لِلْإِكْمَالِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِي الْفَلَاحِ، لِأَنَّهُ لَنْ يَكُنْ لِلْإِكْمَالِ، وَكَوْكَانَ فِي السَّحَدَةِ قُلِ الطَّهْرِ وَالْحَمْدُ لِقُدْرَتِهِ أَوْ حَطَبَ يَقْطَعُ عَلَى رَأْسِ الرَّكَعَتَيْنِ يُرَوَّى ذَلِكَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَقَدْ قِيلَ بَيْنَهُمَا

ترجمہ۔ اور جس شخص نے پہلی ایک رکعت پڑھی پھر جماعت شروع کر دی تو یہ شخص دوسری رکعت پڑھے گا کہ بطلان ہے۔

رکعت محفوظ رہے جو ادا کی گئی ہے۔ پھر مقتدیوں کے ساتھ شامل ہو جائے فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کے لئے اور اگر اس نے ظہر کی پہلی رکعت کو جہدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو فوراً قطع کر دے اور امام کے ساتھ شروع کر دے یہی تو صحیح ہے کیونکہ یہ توڑنے والے کا محل ہے اور (یہ) توڑنا مکمل کرنے کے لئے ہے بخلاف اس کے جبکہ نفل میں ہو کیونکہ نفل کا توڑنا کامل کرنے کے لئے نہیں ہے ورنہ وہ شخص ظہر یا جمعہ سے پہلے کی سنتوں میں ہو پھر اقامت ہوئی یا خطبہ شروع کیا گیا تو دو رکعت پوری کر کے قطع کرے یہ امام ابو یوسف سے روایت کیا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کو تمام کرے۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے منفرد ظہر کی ایک رکعت پڑھی یعنی رکعت اولیٰ کو جہدہ کے ساتھ مقید کر دیا پھر امام نے جماعت کے ساتھ نماز ظہر شروع کر دی تو ایسی صورت میں اس شخص کو چاہئے کہ وہ دوسری رکعت ملا لے یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر ایک رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ رکعت باطل ہو جائے گی کیونکہ حدیث پاک میں صداۃ بتراۃ منع کیا گیا ہے پس اس رکعت ادا کی ہوئی کو باطل ہونے سے بچانے کے لئے دوسری ملانے کا حکم کیا گیا ہے اور جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ شخص امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے گا کہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے اور یہ حکم ایسا ہے جیسے ایک شخص نے جمعہ کے دن جامع مسجد میں ظہر کی نماز شروع کر دی حتیٰ کہ ایک رکعت پڑھ لی پھر جمعہ کی نماز شروع کی گئی تو یہ شخص اس رکعت کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے پھر دو رکعت پر سلام پھیر کر جمعہ کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے جمعہ کی نماز میں شریک ہو جائے۔

**اعتراض** اس موقع پر صاحب عنایہ نے ایک اعتراض درج فرمایا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ظہر کی نماز جو منفرد شروع کی گئی ہے وہ فرض ہے اور جماعت سنت ہے پس اقامت سنت کے لئے صفت فرضیت کو باطل کرنا کس طرح جائز ہوگا؟

**جواب** فریضہ ظہر جو منفرد شروع کیا گیا تھا اس کو توڑنا اقامت سنت کے لئے نہیں بلکہ علیٰ وجہ اکمال فریضہ قائم کرنے کے لئے ہے ورنہ اس کے لئے توڑنا بھی اکمال ہے جیسے زمرہ مسجد تعمیر کرنے کے لئے مسجد کو منہدم کرنا باعث ثواب ہے نہ کہ باعث مذاب۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی بہ نسبت سوائس درجہ افضل ہے۔

صاحب قدوری نے دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ اگر اس شخص نے ظہر کی رکعت اولیٰ کو جہدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ شخص اس کو قطع کر کے امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔ یہی صحیح مذہب ہے اور اسی کے قائل فخر الاسلام ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس صورت میں بھی دو رکعت پر سلام پھیرے۔ پھر امام کے ساتھ شریک ہو۔ شمس لائمہ سرحدی بھی اسی کے قائل ہیں۔ شمس لائمہ کی دلیل یہ ہے کہ رکعت اولیٰ کو جہدہ کے ساتھ مقید کرنے سے پہلے اگرچہ وہ نماز میں ہے لیکن وہ قربت اور عبادت ہے اور جماعت سنت ہے پس سنت کی رعایت کرنے کے لئے اس قربت کا باطل کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ جیسے کسی نے نفل نماز شروع کی اور ابھی پہلی رکعت کا جہدہ بھی نہیں کیا تھا کہ فرض نماز کو باجماعت شروع کر دیا گیا تو یہ مقتضی اپنا نفل قطع نہ کرے بلکہ دو رکعت پوری کر کے پھر اس کے بعد جماعت میں شریک ہو پس جب رکعت اولیٰ کو جہدہ کے ساتھ مقید نہ کرنے کی صورت میں نفل قطع نہیں کیا جاتا تو فرض بدرجہ اولیٰ قطع نہیں کیا جائے گا۔

مذہب صحیح کی دلیل یہ ہے کہ رکعت اولیٰ جہدہ کے ساتھ مقید کرنے سے پہلے محل فرض ہے۔ یعنی اس کو توڑا جاسکتا ہے اور ظہر اس کی یہ

ہے کہ اگر وہ کسی شخص چوتھی رکعت پر بیٹھے بغیر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا تو اس کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے ۱۰ سجدہ اخیرہ کی طرف لوٹ سکتا ہے۔ اس پر چوتھی رکعت کا ملانا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ کہ فرض و باطل کرنا ازمستہ ہے تو اس کا جواب گزر چکا کہ یہ قطع اور بطلان اکمل کے لئے ہے یعنی فریضہ ظہر کو بھی وجہ لکھل حاصل کرنے کے لئے ہے۔

بِحِلَافٍ مَا زَكَا كَانَ فِي الْفِعْلِ اِنْ شَاءَ اِمَامٌ قِيَسَ عَلَى الْفِعْلِ كَا جَوَابِ هِيَ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ظہر کے فرض کو تو زنا جماعت میں شریک ہونے کے لئے فرض ہوئی وجہ لکھل حاصل کرنے کے لئے ہے جنی فضیلت جماعت حاصل کرنے کے لئے اور نفل کو تو زنا نماز کے لئے نہیں ہوتا پس اس فرق کی وجہ سے فرض و نفل پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت پر جہنی شروع کر دی پھر ظہر نماز شروع ہوئی یا جمعہ سے پہلے سنتوں کی نیت باندھی پھر امام نے خطبہ شروع کر دیا ان دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ دو رکعت پوری کرے سلام پھیر دے اور نماز ظہر میں اور خطبہ میں شریک ہو جائے۔ یہ حکم امام ابو یوسف سے مروی ہے بعض نے کہا کہ چاروں رکعت پوری کرے پھر نماز ظہر یا خطبہ میں شرکت کرے کیونکہ ظہر اور جمعہ سے پہلے کی چار رکعت بمنزلة صلاة واحدة ہے۔ اس لئے ان دونوں صورتوں میں تقسیم نہ کرے بلکہ چاروں کو یکبارگی پڑھے۔

فقہ وقت سعدی کہتے ہیں کہ میں اس پر فتویٰ دیتا تھا کہ اگر نماز ظہر سے پہلے سنتوں کی نیت باندھی اور پھر نماز ظہر شروع ہوئی تو سنت کی چاروں رکعت پوری کر کے سلام پھیرے برخلاف نفل نماز کے کہ نفل کی دو رکعت پر سلام پھیر دے، لیکن جب میں نے ذکر میں امام اعظم کی یہ روایت دیکھی کہ اگر سنت جمعہ کو شروع کر دیا پھر یا خطبہ کے لئے نکلا تو امام صاحب نے فرمایا کہ اگر ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو دوسری رکعت ملا کر سلام پھیر دے تو میں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا اور اسی کا قائل ہو گیا جو امام صاحب سے مروی ہے۔

تین رکعتیں پڑھ چکا تھا پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو چوتھی رکعت ملانے کا حکم

وَمَنْ كَانَ قَدْ صَلَّى ثَلَاثًا مِنَ الظُّهْرِ بِمُتَمِّمَاتِهَا، لِأَنَّ لَهَا أَكْثَرَ حُكْمِ الْكُلِّ، فَلَا يَحْتَمِلُ الْقُضْ، بِخِلَافٍ مَا إِذَا كَانَ فِي الثَّلَاثَةِ بَعْدُ وَلَمْ يُقْبَلْهَا لِسُجْدَةٍ حَيْثُ يَفْطَعُهَا، لِأَنَّهُ بِمَحَلِّ الرَّفْضِ، وَيُنْتَجَبُ إِنْ شَاءَ عَادَ فَقَعَدَ وَسَلَّم، وَإِنْ شَاءَ كَسَّرَ فَنِمَا يَبْزِي الدُّخُولَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ، وَإِذَا أَمَّهَا يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ وَالِدِي بَصَلِّي مَعَهُمْ نَافِلَةً، لِأَنَّ الْفَرْضَ لَا يَنْكَرُ رُفْعِي وَفِي وَاحِدٍ

ترجمہ اور اگر وہ شخص ظہر کی تین رکعتیں پڑھ چکا ہے تو اس کو پورے یہ مکمل نہ کرنے کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے تو وہ قطع کو برداشت نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے جبکہ وہ ابھی تک تیسری رکعت میں ہو اور اس کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو اس کو قطع کر دے کیونکہ وہ قطع کرنے کا محل ہے ورنہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو وہ دو رکعت کر بیٹھ جائے ورنہ سلام پھیر دے اور اگر چاہے تو کھڑے کھڑے تکبیر کہے امام کی نماز میں داخل ہونے کی نیت کرتے ہوئے اور جب نماز ظہر کو پورا کر لیا تو مقتدیوں کے ساتھ شریک ہو جائے اور جو نماز ان کے ساتھ پڑھے تا نفل ہوئی کیونکہ ایک وقت میں فرض مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح صورت مسند یہ ہے کہ اگر وہ شخص ظہر کی تین رکعت پڑھ چکا ہو پھر جماعت کھڑی ہو گئی ہو تو یہ شخص چار رکعت پوری کرے۔ اس میں

یہ ہے کہ یہ شخص نماز ظہر کا اکثر حصہ پڑھ چکا ہے اور اکثر کل کے قنوت مہموتا ہے۔ پس اس سے فارغ ہونے کا شبہ ثابت ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص ھتینہ فارغ ہو جاتا تو تقصیر کا احتمال نہ رہتا۔ پس اسی طرح جب شبہ الفرائض ثابت ہو گیا تو بھی تقصیر کو قبول نہیں کرے گا۔ اس کے برخلاف اگر وہ شخص ابھی تک تیسری رکعت میں ہے اور تیسری رکعت کو مجاہدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔ تو اس کو قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے پس جب اس حالت میں قطع کا ارادہ کر لیا تو اس کو اختیار ہے جی چاہے تو تیسری رکعت کا قیام چھوڑ کر بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے تاکہ نماز مشروع طریقہ پر ختم ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ بیٹھ کر دوسری بار تشہد پڑھے یا نہ پڑھے، اس بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ دوبارہ تشہد پڑھے کیونکہ جب دو رکعت پر قعدہ کیا تھا تو وہ قعدہ ختم نہیں تھا بلکہ قعدہ ختم اب ہوا ہے جبکہ دوسری رکعت چھوڑ کر بیٹھ گیا اور چونکہ قعدہ ختم (جس کو قعدہ خیرہ کہتے ہیں) میں تشہد واجب ہے اس لئے اس شخص پر وہ بارہ تشہد واجب ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ پہلا تشہد کافی ہے کیونکہ قعدہ کی طرف لوٹنے سے تیسری رکعت کا قیام باطل ختم ہو گیا ہے پس ایسا ہو گیا جیسا کہ تیسری رکعت کا قیام پایا ہی نہیں گیا لہذا یہ قعدہ وہی قعدہ ختم ہوا اور اس میں تشہد پڑھ چکا ہے اس لئے دوبارہ تشہد پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

اب یہ مسئلہ کہ سلام یک طرف پھیرے یا دونوں طرف تو اس بارے میں بھی بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دو سلام پھیرے کیونکہ تحلل یعنی نماز سے نکلنے کے لئے دو ہی سلام معبود اور مشروع ہیں اور بعض نے کہا کہ یک سلام پراکتفا کرے کیونکہ دوسرا سلام تحلل کے لئے ہے اور یہ تحلل نہیں ہے یعنی نماز سے نکلنا نہیں ہے بلکہ من وجہ تقصیر ہے اس لئے ایک سلام کافی ہوگا اور جی چاہے تو تیسری رکعت میں کھڑے کھڑے تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے درانحالیکہ امام کے ساتھ شریک ہونے کی نیت بھی رہے۔ کیونکہ یہ فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کی طرف مسارعہ اور مسابقت ہے۔ اور یہ فعل محمود ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔ ”وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَعْرَۃٍ مِّنْ رَّسُولِكُمْ“ اور اس بارے میں مختار ہے کہ ہاتھ کانوں تک اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

متن میں مذکور ہے کہ اگر منفرد نے تین رکعات پڑھ لیں اور جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ ظہر کی چاروں رکعات پوری کرے پس جب اس نے ظہر کی نماز پوری کر دی تو اب یہ شخص جماعت میں مقتدیوں کے ساتھ شامل ہو جائے لیکن یہ شامل ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ جو نماز مقتدیوں کے ساتھ پڑھے گا وہ نفل ہے اور یہ نماز نفل اس لئے ہے کہ جو نماز منفرد پڑھ چکی ظہر کا فرضہ اس سے ادا ہو گیا اب اگر اس کو بھی نفل قرار دیا جائے تو ایک وقت میں ایک فرض دو بار ادا ہوگا حالانکہ ایک وقت میں فرض کا تکرار مشروع نہیں ہے بلکہ یک وقت میں ایک ہی فرض مشروع ہے۔ بہرحال جو نماز مقتدیوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر پڑھی ہے وہ نفل ہے اور نفل میں الزام نہیں ہوتا اس لئے اس شخص پر مقتدیوں کے ساتھ شریک ہونا لازم نہیں ہے البتہ شریک جماعت ہو کر نفل پڑھنا افضل ہے کیونکہ مقتدیوں کے ساتھ شریک ہونے کی صورت میں جماعت سے اعراض کرنے کی تہمت دور ہو جائے گی۔ ورنہ خواہ مخواہ اعراض عن الجماعت کے ساتھ مجہم ہوگا۔

شکال اس موقع پر ایک ہی اشکال کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ چند صفحات پہلے یہ بات چکی ہے کہ غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنا ضروری ہے لیکن یہاں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس سے جماعت کے ساتھ نفل ادا کرنا لازم ہے۔

جواب۔ راست اس وقت ہے جبکہ امام اور مقتدی دونوں نفل پڑھیں۔ مگر جب امام مفتض و مقتدی مقتفل ہو تو وہی کہنا نہیں

سے دینا چاہیے کہ

لَمْ يَسْأَلْهُمُ عَنْ الظُّهْرِ قَرَأَى رَحْلَبِي فِيْ اُخْرَيَاتِ الصُّمُورِ لَمْ يَصَلِّا مَعَهُ فَقَالَ عَلَيَّ بِمَا قَاتَلْتُمُوْا

بِهِمَا وَفَرَّضَهُمَا تَرْفَعُهُ فَقَالَ عَلَىٰ رُسُلِكُمْ فَإِنِّي أَبْرَأُ بِكَ، تَأْكُلُ الْقَدِيدَ ثُمَّ قَالَ مَا لَكُمْ لَمْ تَصْبِيَا مَعَنَا أَفَقَالَا كَمَا صَلَّيْنَا فِي رَحَالِكُمْ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا صَلَّيْنَا فِي رَحَالِكُمْ ثُمَّ اتَّيْتُمَا صَلَاةَ قَوْمٍ فَصَلَّيَا مَعَهُمْ وَحَمَلَا صَلَاتُكُمَا مَعَهُمْ نَسَحَهُ أَيُّ نَفْسِهِ

میں رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے بالکل صفوں کے پیچھے دو آدمیوں کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں و میرے پاس اذان ہے ان دونوں کو یاد کیا (مارے خوف کے) ان دونوں نے منہ نہ کھینچے تھوڑے پلٹنے سے پس آپ ﷺ نے فرمایا، یہ تمہارے ہمراہ (کھیراؤ مت) میں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی (یعنی بہت غریب تھ انے کا بیٹا ہوں) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی ہے، ان دونوں نے کہا کہ اپنی قیامگاہ پر نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی قیامگاہ پر نماز پڑھ چکے ہو اور پھر کسی قوم کی نماز کے وقت آگئے ہو تو ان کے ساتھ بھی پڑھو اگر وہ ان کے ساتھ جو نماز ہو اس کو نفل شمار کریں۔ اس حدیث سے معلوم ہو کہ اگر امام نے نفل ادا کیا ہو اور مقتدی نے نفل تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

### فجر کی سنت ایک رکعت پڑھی پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو کیا حکم ہے

فَإِنْ صَلَّى مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً ثُمَّ أَقْبَمَتْ يَقْطَعُ وَيَدْخُلُ مَعَهُمْ. لِأَنَّهُ يُؤْصَفُ إِلَيْهَا أُخْرَى نَفْوُهُ الْجَمَاعَةِ، وَكَذَا إِذَا قَامَ إِلَى الثَّانِيَةِ قُلَّ أَنْ يُقْبِدَهَا بِالسَّحْدَةِ، وَيَعْدُ الْإِتْمَامَ لَا يُسْرِعُ فِي صَلَاتِهِ، لِأَمَامٍ لِكَرَاهِيَةِ النَّفْلِ بَعْدَهُ. وَكَذَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ هِيَ ظَهَرِ الْوَرَايَةِ، لِأَنَّ النَّفْلَ بِالثَّلَاثِ مَكْرُوهٌ، وَفِي حَعْلِهَا أَرْبَعًا مُحَالَةً لِإِمَامِهِ

ترجمہ۔ پس اگر فجر کی ایک رکعت پڑھ چکا ہے پھر جماعت کھڑی ہوئی تو اس کو قطع کر کے مقتدیوں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ یہ مقتدیوں نے دوسری رکعت ملائی تو جماعت فوت ہو جائے گی۔ ایسے ہی اگر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گیا قبل اس کے کہ اس کو جہدہ کے ساتھ مقید کرے اور فجر کی نماز پوری کرنے کے بعد اس کی نماز کو شروع نہ کرے کیونکہ نماز فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور یونہی عصر کے بعد اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور یونہی مغرب کے بعد ظہر الرویہ کے مطابق، کیونکہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اس کو پھر دکرینے میں امام کی مخالفت ہے۔

تشریح۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے فجر کی ایک رکعت پڑھی ہے پھر جماعت کھڑی ہوئی تو یہ شخص اپنی یہ نماز قطع کرے وہ اس کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ اگر دوسری رکعت ملائے گا تو منفرد اس کی نماز پوری ہوئی لیکن جماعت فوت ہوئی حالانکہ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ پس فضیلت جماعت کو حاصل کرنے کے لئے اس نماز کو قطع کر دے جس کو منفرد شروع کر رہا ہے۔ اس طرح اگر یہ شخص فجر کی دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا لیکن دوسری رکعت کا جہدہ نہیں کیا تو اس صورت میں بھی اس کو قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے۔ اب اگر اس نے فجر کی نماز تہا پڑھ لی اس کے بعد جماعت کھڑی ہوئی تو اب امام کی نماز میں شرکت نہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں امام کے ساتھ جو نماز پڑھے گا وہ نفل ہوگی۔ حالانکہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ یاں ہی عصر کے بعد غروب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ ظاہر الروایہ کے مطابق مغرب کی نماز تہا پڑھنے کے بعد جماعت میں شرکت نہ کرے کیونکہ اگر امام کے

ساتھ شریک ہو گیا تو وہی صورتیں ہیں یا تو امام کے ساتھ سام پھیرے گا یا امام کے فارغ ہونے کے بعد ایک رکعت اور پڑھے گا تا کہ چار رکعت ہو جائیں تین امام کے ساتھ اور ایک امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی صورت میں نفل کی تین رکعت ہوں گی حالانکہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ اگر کسی نے مغرب کی نماز تنہا ادا کر لی، پھر جماعت کھڑی ہو گئی تو یہ شخص جماعت میں شرکت نہ کرے۔

### اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم

وَمَنْ دَخَلَ مَسْجِدًا قَدْ أُذِّنَ فِيهِ، يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ حَتَّى يُصَلِّيَ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْبُيُوتِ إِلَّا مُنَافِقٌ. أَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ يُرِيدُ الرُّجُوعَ" قَالَ: إِلَّا إِذَا كَانَ يَنْتَظِمُ بِهِ أَمْرُ جَمَاعَةٍ، لِأَنَّهُ تَرَكَ صُورَةَ تَكْمِيلٍ مَعْنَى

ترجمہ اور جو شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہے تو اس کے لئے نکلنا مکروہ ہے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے اذان کے بعد کوئی نہیں نکلتا مگر منافق یا وہ شخص جو واپسی کے ارادے سے کسی ضرورت سے نکلا ہو مگر جبکہ اس کے ساتھ کسی جماعت کا انتظام متعلق ہو کیونکہ یہ نکلنا ظاہر میں ترک، باطن میں تکمیل ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہو تو اس میں قدرے تفصیل ہے کیونکہ جو شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہو تو اس کی دو حالتیں ہیں یا تو یہ شخص یہ نماز پڑھ چکا ہے یا نہیں پڑھی اگر نماز پڑھ چکا ہے تو اس کا حکم بعد میں بیان کریں گے اور اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو پھر دو صورتیں ہیں یہ مسجد یا تو اس کے محلہ کی ہے یا اس کے محلہ کی نہیں ہے اگر محلہ کی ہے تو نماز پڑھنے سے پہلے اس کے لئے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ مؤذن نے اس کو نماز کی دعوت دی ہے لہذا اس دعوت کو قبول کرے اور بغیر نماز پڑھے نہ نکلے۔ اور اگر یہ مسجد اس کے محلہ کی نہیں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں آیا تو اس کے محلہ کے لوگ اپنی مسجد میں نماز پڑھ چکے ہیں یا نہیں پڑھی ہے اگر پہلی صورت ہے تو بھی بغیر نماز پڑھے اس کا مسجد سے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ اس مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے یہ شخص اسی مسجد کے اہلیان میں سے ہو گیا اور اگر ثانی صورت ہے تو یہ شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد سے نکل سکتا ہے۔ کیونکہ اس پر اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ (عناہ)

صاحب ہدایہ نے اس مسئلے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دے دی گئی ہے تو بغیر نماز پڑھے اس مسجد سے نکلنا اس کے لئے مکروہ ہے دلیل اللہ کے نبی کا قول ہے

"لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْبُيُوتِ إِلَّا مُنَافِقٌ أَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ يُرِيدُ الرُّجُوعَ" (مراسل ابی داؤد)

ابن ماجہ نے اس حدیث کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عُمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَدْرَكَهُ الْإِذَا فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ حَرَجَ لَهُ يَخْرُجُ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرُّجُوعَ فَيُؤْخَذُ بِهِ (ابن ماجہ ص ۵۳)

محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مسجد میں اذان کو پایا پھر مسجد سے نکل لیا حالانکہ نہ کسی ضرورت



سے نکلا اور نہ نوبت کرانے کا ردہ ہے تو وہ منافق ہے۔

صاحب تہذیب نے کہا کہ اگر اس شخص سے کسی دوسری مسجد کی جماعت کا معاملہ متعلق ہو مثلاً یہ امام ہو یا مؤذن تو اذان کے بعد بھی اس نے نکلنے کا بز ہے۔ کیونکہ یہ نکلنا ظاہر تو ترک ہے لیکن باطناً تکمیل ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا ممنوع ہے خواہ اس شخص سے متعلق دوسری مسجد کا نظام ہو یا نہ ہو۔

جواب۔ حدیث میں مقصود ممانعت تہمت ہے یعنی اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والے کو لوگ نماز سے اعراض کرنے کے ساتھ متہم کریں گے۔ لیکن امام و مؤذن کے حق میں یہ تہمت موجود نہیں ہے۔ یعنی ان دونوں کو بھی لوگ جانتے ہیں کہ یہ دوسری مسجد میں جماعت کا انتظام کریں گے اس لئے ان دونوں کے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

### اذان ہونے کے بعد ظہر اور عشاء کی نماز پڑھ چکا تھا تو مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں

وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى وَكَانَتِ الظُّهُرُ وَالْعِشَاءُ، فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ، لِأَنَّهُ أَتَى دَاعِيَ اللَّهِ مَرَّةً إِلَّا إِذَا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ، لِأَنَّهُ يَنْتَهِمُ لِمُحَالَّةِ الْجَمَاعَةِ عَيَانًا، وَإِنْ كَانَتِ الْعَصْرُ وَالْمَغْرِبُ وَالصُّبْحُ، حَرَجَ وَإِنْ أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِيهَا، لِكَوْنِهَا نَفْلًا بَعْدَهَا.

ترجمہ۔ اور اگر وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہو اور یہ نماز ظہر و عشاء کی ہو تو نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اذان دینے والے کی دعوت کو قبول کر لیا ہے مگر جبکہ مؤذن اقامت کہنا شروع کر دے کیونکہ وہ برملہ جماعت کی مخالفت کے ساتھ متہم ہوگا۔ اور اگر یہ نماز عصر یا مغرب یا فجر ہو تو نکل جائے اگرچہ مؤذن اقامت شروع کر دے کیونکہ ان نمازوں کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

تشریح۔ اس عبارت میں وہ صورت ذکر کی گئی ہے جس کے بیان کرنے کا وعدہ پہلے مسئلے میں کیا گیا ہے صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایسی مسجد میں داخل ہوا ہے جس میں اذان دے دی گئی ہے اور یہ شخص یہ نماز پڑھ چکا ہے پس اگر یہ نماز جس کے لئے اذان دی گئی ہے اور یہ شخص اپنے گھر یا دوسری مسجد میں اس نماز کو پڑھ چکا ہے ظہر یا عشاء کی ہو تو اس کے لئے مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اللہ کے داعی یعنی مؤذن کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ پس اگر مؤذن اقامت شروع کر دی تو اس صورت میں یہ شخص مسجد سے نہ نکلے بلکہ جماعت میں شریک ہو جائے اور نجاتیہ یہ اس نماز کو پڑھ چکا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اقامت اور جماعت شروع ہونے کے بعد اگر نکلے گا تو لوگ مخالفت جماعت کے ساتھ متہم کریں گے پس اتہام سے بچنے کے لئے جماعت کے اندر شامل ہو جائے۔ اور یہ نماز جو جماعت کے ساتھ ادا کرے گا نفل ہوگی کیونکہ یہ شخص فرض پہ ادا کر چکا ہے لیکن وہ نماز اگر عصر یا مغرب یا فجر کی ہو تو یہ شخص مؤذن کے اقامت شروع کر دے کے بعد بھی مسجد سے نکل سکتا ہے کیونکہ یہ شخص فرض تو ادا ہی کر چکا ہے بگر جماعت میں شریک ہوگا تو یہ نماز نفل ہوگی۔ حالانکہ عصر اور فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور یہی مغرب کی نماز تو مغرب کے بعد نفل پڑھنا اگرچہ مکروہ نہیں لیکن امام کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے تین رکعت نفل ہوں گی۔ حالانکہ تین رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔ ورا آپ یہ کہیں کہ امام کے سلام پھیرنے کے

بعد ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ چار رکعت ہو جائے تو اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ امام نے تین رکعت پر سلام بھیج دیا ہے اور یہ چار رکعت پر پھیر رہا ہے تاکہ امام کی مخالفت کرنا بھی درست نہیں ہے۔

### فجر کی نماز میں دورانِ جماعت سنت فجر پڑھنے کا حکم

وَمَنْ أَتَّهَى إِلَى الْإِمَامِ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ، إِنْ خَشِيَ أَنْ تَقُوتَهُ رَكَعَةٌ وَيُدْرِكُ الْآخَرَى، يُصَلِّي رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ يَدْخُلُ، لِأَنَّهُ أَمْكَنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الْمُصَلِّتَيْنِ، وَإِنْ خَشِيَ قُوتَهَا دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ، لِأَنَّ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ أَكْثَرُ، وَالْوَعْدُ بِالتَّرْكَ الْمَزْمُ، بِخِلَافِ سُنَّةِ الظُّهْرِ حَيْثُ يَتْرُكُهَا فِي الْحَالَيْنِ، لِأَنَّهُ يُمَكِّنُهُ أَدَاؤُهَا فِي الْوَقْتِ بَعْدَ الْفَرَضِ، هُوَ الصَّحِيحُ، وَإِنَّمَا الْإِخْتِلَافُ بَيْنَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ فِي تَقْدِيمِهَا عَلَى الرَّكَعَتَيْنِ وَتَأْخِيرِهَا عَنْهُمَا، وَلَا كَذَلِكَ سُنَّةُ الْفَجْرِ عَلَى مَا بَيَّنَّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. وَالنَّقِيضُ بِالْأَدَاءِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ يَدُلُّ عَلَى الْكِرَاهَةِ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ، وَالْأَفْضَلُ فِي عَامَّةِ السُّبْحِ وَالْمَوَافِقِ الْمَنْزُولُ، هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

ترجمہ اور اگر ایک شخص جو پہنچا، صبح نماز فجر میں اور اس سے فجر کی دو رکعت (سنت) نہیں پڑھی میں (پس)، اس کو خوف ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت (امام کے ساتھ) پائے گا تو فجر کی دو رکعت سنت مسجد کے دروازے پر پڑھے پھر (جماعت میں) شامل ہو کیونکہ اس کو دونوں فضیلتیں جمع کر لینا ممکن ہے اور اگر اس کو دوسری رکعت فوت ہونے کا خوف ہو تو امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔ کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے اور جماعت ترک کرنے کی وعید نرم (بڑی سخت) ہے۔ بخلاف سنت ظہر کے کہ ان دونوں حالتوں میں چھوڑ دے کیونکہ سنت ظہر کا فرض کے بعد وقت کے اندر کرنا ممکن ہے یہی صحیح ہے۔ اور اختلاف ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان ان چار رکعتوں کو دو رکعتوں پر مقدم کرنے اور ان دو سے مؤخر کرنے میں ہے اور یہ حال سنت فجر میں نہیں ہے چنانچہ ہم انشاء اللہ بیان کریں گے۔ ورسنت فجر کو مسجد کے دروازے پر ادا کرنے کی قید لگانا دالالت کرتا ہے کہ مسجد کے اندر دکرنا مکروہ ہے بشرطیکہ امام نماز میں ہو۔ اور افضل، عام سنن اور نوافل میں گھر ہے یہی حضور ﷺ سے مروی ہے۔

تشریح صورت مسدہ یہ ہے کہ ایک شخص اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب کہ امام نماز فجر پڑھا رہا تھا اور یہ شخص ابھی تک سنت فجر نہیں پڑھ سکتا تھا تو اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص بغیر سنت فجر پڑھے جماعت میں شریک ہو جائے یا پہلے سنت پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ خوف ہو کہ اگر پہلے سنت پڑھے تو فرض کی ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت پائے گا تو ایسی صورت میں پہلے مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی سنتیں پڑھے پھر امام کے ساتھ شریک جماعت ہو۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ سنت فجر سنتوں میں اقویٰ اور افضل ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا صَلُّوْهُمَا وَإِنْ طَرَدَتْكُمُ الْحَيُّ مِنْ فَجْرِكَ دُورَ رَكَعَتِ سُنَّتِ پڑھو اگر تم کو گھوڑے روند ڈالیں اور فرمایا کہ رَكَعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا یعنی فجر کی دو رکعت سنت دنیا اور مافیہا سے بہتر ہیں اور فجر کی ایک رکعت کو امام کے ساتھ پانا یہاں تک کہ وہ پڑھ لے گا رسول ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ

ذَرَكْ رَكْعَةً مِنَ الْفَجْرِ فَقَدْ اُذِرَكَ الصَّلَاةَ شَيْءٌ حَسَنٌ نَّجَرَنِي يَكُ رَعْتُ بِهَا - کو بیچری نماز کو یاد کیا۔ (حمایہ) آپس یہاں انہی نصیحتوں میں سنت فجر کی فضیلت اور نماز عت کی فضیلت کو جمع کرنا ممکن ہے اس سے جماعت میں شریک ہونے سے پہلے فجر کی رعت سنت نماز سے پہلے جماعت میں شریک ہوتا کہ دونوں نصیحتیں حاصل ہو جائیں۔

اور اگر کسی دین خوف ہو کہ سنت فجر پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو فجر کی دونوں رعتیں فوت ہو جائیں گی تو ایسی سماعت میں یہ ظلم ہے۔ سنت فجر پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہو جائے۔ کیونکہ جماعت کا ثواب بہت بڑا ہے اللہ کے رسول کا ارشاد ہے صَلَاةُ الْحَمَاعَةِ كَقَضَاءِ صَلَاةِ الْمُتَكِرِّرِ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ ذَرَحًا یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تہر پڑھنے کے برابر ثواب کا ہے۔ رجب افضل ہے اور جماعت چھوٹے نیک و عابد کی ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ تَارِكُ الْحَمَاعَةِ مُلْعَوٌ جماعت چھوڑنے والا ملعون ہے اور حضور نے فرمایا لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَسْعِلِفَ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ وَأُتْرُوهُ إِلَى مَنْ لَمْ يَخْصُرِ الْحَمَاعَةَ فَأَمَرُ بَعْضُ فِتْيَانٍ بِأَنْ يُحَرِّقُوا بَيْتَهُمْ یعنی میں نے ارادہ کیا کہ کسی کو خلیفہ بنائیں تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان کو دیکھوں جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے پھر کچھ نوجوانوں کو حکموں کے گردان کے گھروں کو جلا دیا۔

حاصل دیکھ لیں یہ ہے کہ جب جماعت کا ثواب بھی زیادہ ہے اور ترک جماعت پر عید بھی آتی ہے تو یہ شخص جماعت میں شریک ہو جائے اور سنت فجر کو چھوڑ دے۔

دوسری صورت اگر سنت ظہر میں پیش آگئی یعنی ایک آدمی بغیر سنت ظہر پڑھے مسجد میں اس وقت داخل ہوا جبکہ اس نماز پڑھ رہا تھا تو یہ آدمی سنت ظہر پہلے پڑھے اور پھر جماعت میں شامل ہو یہ پہلے جماعت میں شامل ہوا اور سنت ظہر چھوڑ دے تو اس بارے میں فاضل مسنف نے فرمایا کہ ظہر کی سنتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے امام نے ہاتھ ظہر کی پوری نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا بعض وقت ہونے کا اندیشہ ہو، دونوں حالتوں میں ظہر کی سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ وقت کے اندر اندر فرض کے بعد ظہر کی سنتوں کا اکرنا ممکن ہے یہی جب ظہر کے فرضوں کے بعد سنتوں کا اکرنا ممکن ہے تو ان سنتوں کی وجہ سے فضیلت جماعت و نہ پھر کے یہی صحیح قول ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ حضور نے ظہر سے پہلے کی پانچ سنتیں فوت ہوئیں تو آپ نے ظہر کے بعد ان کی قضاء فرمائی اس وجہ سے کہ سنت نماز سے روایت یہ آیا ہے (حمایہ)

ظہر کی سنت فرض سے پہلے نہ ادا کرے گا تو کب پڑھے۔ بت سہارے میں اختلاف ہے کہ جب ظہر سے پہلے کی سنت فوت ہوئی تو ظہر کے بعد کی اور سنتوں سے پہلے ان کی قضاء کرے یا ان دونوں کے بعد قضاء کرے اس بارے میں امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ پہلے ظہر کے بعد کی اور سنت سنت نماز کے پھر ظہر سے پہلے کی پھر رعت سنت کی قضاء کرے اور امام محمد نے کہا کہ پہلے پھر رعت کی قضاء کرے پھر ظہر کے بعد کی اور رعت یہ ہے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ پھر رعت تو اپنے مشروع نمون یعنی قبل الظہر سے فوت ہوئی نہیں ہیں لیکن بعد کی اور رعت وان کی حد سے فوت نہ کرے بلکہ ان کو ظہر سے پہلے پھر رعت کے بعد پڑھے۔ نیک قانون میں بھی رکن ظہر کی ہے آپ حضرات نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ راسخین پر اوکاڑوں کا سریں ہو جائے تو ریوے کا قانون یہ ہے کہ جو گاڑی سٹیشن پر پہنچتی ہے اس کو بعد میں چھوڑا جاتا ہے اور جو بعد میں آتی ہے اس کو پہلے روک دیا جاتا ہے کیونکہ جو گاڑی سٹیشن پر پہنچے اسے آکر کھڑی ہوتی ہے وہ تو اپنے وقت سے ریٹ ہو چکی ہے لیکن جو بعد میں آتی ہے اس کو ٹھانڈا کیوں لیٹ کیا جائے اس لئے پہلے بعد میں آنے والی کو بھی



ہے بہ نسبت اس کی نماز کے میں ہی اس مسجد میں علاوہ فرض کے ۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فرائض کے علاوہ سنن اور نفل کا گھر کے اندر ادا کرنا افضل ہے۔ (فتح القدیر)

### فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو طلوع شمس کے بعد قضا کرے

وَإِذَا قَامَتْ رَجْعًا الْفَجْرِ لَا يَقْضِيهِمَا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، لِأَنَّهُ يَنْقَبِ نَفْلًا مُطْلَقًا، وَهُوَ مَكْرُوهٌ بَعْدَ الصُّبْحِ، وَلَا بَعْدَ ارْتِفَاعِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْضِيَهُمَا إِلَى رَقَّتِ الرُّوَالِ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَضَاهُمَا بَعْدَ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ عِدَّةَ سِنَةِ التَّغْرِيسِ وَلَهُمَا أَنْ الْأَصْلُ فِي السُّنَّةِ أَنْ لَا تُقْضَى، لَا خِصَاصَ فِي الْقَضَاءِ بِالْوَاحِبِ، وَالْحَدِيثُ وَرَدَّ فِي قَضَائِهِمَا تَبَعًا لِلْفَرَضِ، فَقَبْلَ مَوَرَاءَهُ عَلَى الْأَصْلِ، وَإِنَّمَا تُقْضَى تَبَعًا لَهُ وَهُوَ يُصَلِّي بِالْجَمَاعَةِ أَوْ وَحْدَهُ إِلَى رَقَّتِ الرُّوَالِ، وَفِيمَا بَعْدَهُ اخْتِلَافُ الْمَشَائِجِ، وَأَمَّا سَائِرُ السُّنَنِ سِوَاهَا لَا تُقْضَى بَعْدَ الْوَقْتِ وَحْدَهَا، وَاخْتِلَافُ الْمَشَائِجِ فِي قَضَائِهَا تَبَعًا لِلْفَرَضِ

ترجمہ اور اگر مصیبت فجر کی دو رکعت (سنت) فوت ہو جائے تو آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ان کی قضا نہ کرے۔ کیونکہ یہ دو رکعت محض نفل رہ گئیں اور صبح کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور نہ قضا کرے سورج بلند ہونے کے بعد شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے کہا کہ مجھ کو یہ بات پسند ہے کہ وقت زوال تک ان کی قضا نہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے لیلۃ القریس کی صبح کو آفتاب بلند ہونے کے بعد ان کو قضا کیا تھا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضا نہ کی جائے۔ کیونکہ قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث وارد ہوئی ہے ان دونوں کی قضا میں فرض کے تابع ہو کر۔ پس اس کے علاوہ اصل پر باقی رہا۔ اور ان دو رکعت کی زوال ہی کے وقت تک فرض کے تابع ہو کر قضا کی جائے گی۔ خواہ فرض جماعت کے ساتھ پڑھے یا تنہا پڑھے اور زوال کے بعد میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور ہیں باقی سنن سوائے سنت فجر کے تو وہ وقت کے بعد تنہا قضا نہیں کی جائیں گی اور فرض کے تابع ہو کر ان کے قضا کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح مسد یہ ہے کہ اگر فجر کی سنت فوت ہوگئی تو ان کی قضا نہ کرے یا نہ کرے تو اس پر سب متفق ہیں کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے قضا نہ کی جائے کیونکہ سنت جب اپنے وقت سے فوت ہوگئی تو وہ نفل رہ گئی۔ و نماز صبح کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے اس کے طلوع سے پہلے ان کی قضا نہ کرے و آفتاب طلوع ہونے کے بعد قضا کرنے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخین کے نزدیک آفتاب نکلنے کے بعد بھی سنت فجر کی قضا واجب نہیں ہے۔ امام محمد نے کہا کہ واجب تو نہیں لیکن پسندیدہ بات یہی ہے کہ قضا کرے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ یمۃ القریس کی صبح کو آفتاب بلند ہونے کے بعد آپ نے سنت فجر کی قضا کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر کی قضا کی جاسکتی ہے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ سنت کی قضا نہیں کی جاتی۔ کیونکہ قضا واجب ہے ساتھ مخصوص ہے۔ اور واجب کے ساتھ اس لئے مخصوص ہے کہ قضا مثل واجب الامر کو سپرد کرنے کا نام ہے اور چونکہ سنت واجب نہیں ہے اس لئے مثل واجب کو سپرد کرنا ایسے متفق ہوگا۔

امام محمد کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ یمۃ القریس کی صبح کو آنحضرت ﷺ نے نزع کی سمیعت میں سنت فجر کی قضا کی ہے۔

یعنی چونکہ فجر کی فرض نماز بھی فوت ہوگی، لہذا جب آپ نے فرض کی قضاء کی تو اس کی مہیت میں سنت کی بھی قضاء فرمائی۔ ہذا اس کے علاوہ اصل پر باقی رہے گا یعنی اس صورت کے علاوہ میں قضاء نہیں کی جائے گی۔

صاحب ہد یہ نے کہا کہ سنت فجر کی قضاء فرض کے تابع ہو کر کی جائے گی یعنی اگر صبح کی فرض نماز کی قضاء کرتا ہے تو سنت فجر کی قضاء بھی کرے صبح کی فرض نماز خواہ جماعت کے ساتھ قضاء کرے یا تنہا قضاء کرے۔

یہ بات یاد رہے کہ سنت فجر کی قضاء فرض کے تابع ہو کر فتنہ زوال تک کی جاسکتی ہے لیکن اگر سورج ڈھل گیا اور ابھی تک قضاء کی نہیں تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا کہ زوال کے بعد سنت فجر کی قضاء نہیں کی جائے گی اگرچہ فرض کے تابع ہو کر ہی ہو۔ یونہی رسول اللہ ﷺ نے زوال سے پہلے پہلے تابع فرض ہو کر سنت فجر کی قضاء کی ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ زوال کے بعد بھی یہی سنت فرض سنت فجر کی قضاء کر سکتا ہے۔ یہی دوسری سنتیں، سنت فجر کے علاوہ تو ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وقت کے بعد تہ سنتوں کی قضاء نہیں کی جائے گی لیکن فرض کے تابع ہو کر قضاء کی جاسکتی ہے یا نہیں تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ قضاء کرے کیونکہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں اگرچہ قصد ثابت نہیں ہوتیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قضاء نہ کرے یہ نہ قضاء واجب کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہی صحیح قول ہے۔

ظہر کی جماعت سے ایک رکعت پالی اسے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے والا شمار کریں گے یا نہیں

وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الظُّهْرِ رَكْعَةً وَلَمْ يُدْرِكِ الثَّلَاثَ، فَإِنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ بِمَحْمَدٍ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: قَدْ أَدْرَكَ فَصَلِّ الْجَمَاعَةَ، لِأَنَّ مَنْ أَدْرَكَ أَحْسَنَ الشَّيْءِ فَقَدْ أَدْرَكَهُ، فَصَارَ مُحَرَّرًا تَوَابِ الْجَمَاعَةِ، لِكُنْهِ لَمْ يُصَلِّهَا بِالْجَمَاعَةِ حَقِيقَةً، وَلِهَذَا يَحْسَبُ بِهِ فِي بَيْتِهِمْ لَا يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ وَلَا يَحْتَبُ فِي بَيْتِهِمْ لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ

ترجمہ اور جس نے ظہر کی ایک رکعت پائی اور تین کو نہیں پایا تو اس نے ظہر و جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا۔ اور امام محمد نے کہا کہ اس نے جماعت کی فضیلت کو پایا۔ کیونکہ جس نے کسی چیز کے خیر کو پایا اس نے اسے چھوڑ دیا۔ پس وہ جماعت کے ثواب کو حاصل کرنے والا ہو گیا لیکن ظہر کو حقیقتہً جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا ہے۔ اور اسی وجہ سے اسے اپنی قسم (اُدْرَكَ الْجَمَاعَةَ، جماعت کو نہیں پائے گا) میں حائث ہو جائے گا۔ اور اپنی قسم لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ (ظہر و جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے گا) میں حائث نہیں ہوگا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے رہائی نماز کی ایک رکعت پائی اور تین رکعت کو نہیں پایا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ فضیلت جماعت کو پایا۔ متن میں امام محمد کی تخصیص پابندی ردی گئی ہے۔ ورنہ یہ حکم مخالف کا متعلق نایہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جس نے کسی چیز کا شری جز پایا تو اس نے اس چیز ہی کو پایا۔ ہذا یہ تخصیص فضیلت جماعت کو حاصل کرنے والے ہو گیا۔ البتہ حقیقتہً اس نماز کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے تمبھائی کہ نجد میں جماعت کو نہیں پاؤں گا۔ پھر ایک رکعت جماعت کے ساتھ مل گئی تو یہ شخص حائث ہو جائے گا۔ یونہی اس نے فضیلت جماعت کو پایا ہے اور اگر یہ تمبھائی کہ لَا يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْجَمَاعَةِ نجد میں ظہر و جماعت کے ساتھ نہیں پڑھوں گا۔ پھر اس کو ایک رکعت امام نے ساتھ

ن ہے تا کہ شخص حادث نہیں ہوگا۔ یہ منہ دھیت سے نہ جہت سے نہ نماز نہیں پڑھی ہے۔

جس مسجد میں فرض نماز ہو چکی پھر کوئی آیا وہ نوافل فرائض سے پہلے پڑھ سکتا ہے یا نہیں

وَمَنْ أَمَى مَسْجِدًا قَدْ صَلَّى فِيهِ، فَلَا بَأْسَ بَأَنْ يَتَطَوَّعَ قَبْلَ الْمَكْتُوبَةِ مَا بَدَأَ لَهُ مَا دَامَ فِي الْوَقْتِ، وَمُرَادُهُ إِذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ سَاعَةً وَإِنْ كَانَ فِيهِ صَبُوحٌ تَوَكُّعٌ قَبْلَ هَذَا هِيَ غَيْرُ سُنَّةِ الظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ، لِأَنَّ لَهَا رِأْدَةً مَرَّتَةً، قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيَ سُنَّةُ الصُّبْحِ صَلَّوْهَا وَلَوْ طَوَّدْتُكُمْ الْحَبْلُ، وَقَالَ فِي الْأَحْوَالِ مَنْ تَرَكَ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الظُّهْرِ لَمْ تَلَهُ مَفَاعَتِي. وَقَبْلَ هَذَا هِيَ الْحَمِيعُ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاطَّلَعَ عَلَيْهَا عِنْدَ آدَاءِ الْمَكْتُوباتِ بِالْحَمَاعَةِ، وَلَا سُنَّةَ دُونَ الْمَوَاطِنِ، وَلَا وَاسِي أَنْ لَا تَسْرُكَهَا هِيَ الْأَحْوَالُ كُنْهًا، لِكُونِهَا مَكْمَلَاتٌ لِلْفَرَائِضِ إِلَّا إِذَا خَافَ فَوُتَ الْوَقْتُ

ترجمہ۔ جو شخص کسی مسجد میں آیا کہ جس میں نماز ہو چکی تھی تو وہی مضامین کے فرض سے پہلے نفل پڑھے۔ جس قدر ہی چاہے جب تک وقت میں گنجش ہے ورنہ امام محمد کی یہ ہے کہ جب تک وقت میں گنجش ہے ورنہ وقت میں گنجش ہو تو نفل چھوڑ دے۔ ہاں یہ حکم سنت ظہر اور سنت فجر کے حدود میں ہے۔ یہ تک سنت ظہر اور فجر کے حدود میں ہے۔ یعنی یہ سنت کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ میں نے پڑھا اور چھوڑے تم کو روکنا میں نے اور سنت ظہر کے بارے میں فرمایا کہ جس نے ظہر سے پہلے چار رکعت چھوڑ دی اس کو میری ثقافت نصیب نہیں ہوگی۔ اور ہاں یہ کہ یہ حکم سب سنتوں میں ہے یونہی۔ حضور نے جن سنت کے ساتھ فرائض ادا کرے گئے ان میں سے سنتوں پر مواظبت فرمائی ہے۔ اور بغیر مواظبت کے سنت ثابت نہیں ہوتی۔ وراوی یہ ہے کہ ان سنتوں کو تمام احوال میں نہ پڑے۔ یہ منہ دھیت سے نہ جہت سے نہ نماز نہیں پڑھی ہے۔

تشریح۔ سورت مسجد یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بعد از نماز ہوئی ورنہ وہی مسجد میں آیا جس میں جماعت ہو چکی ہے یا گھر میں فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کیا ہو تو اس بارے میں کوئی مضامین نہیں ہے۔ وہ فرض داکر سے پہلے جس قدر چاہے سنن اور نوافل ادا کرے۔ شیعہ و ملت میں گنجش وہ ورنہ وقت تک جو تو پہلے فرض نماز پڑھے تا کہ فرض پنے وقت سے فوت نہ ہو جائے۔ بعض حضرات نے ہاں تک کہ وقت کی صورت میں سنن اور نفل کے ترک کرنے کا حکم ظہر اور فجر کی سنتوں کے ساتھ دیا ہے۔ یونہی ظہر اور فجر کی سنتوں کو بغیر سنتوں کے متناہی میں زیادہ فضیلت ہے۔ اس لئے عقلی وقت کے باوجود نفل ضرور پڑھے۔ ہاں اگر وقت بالکل تک ہو گیا اور فرض کے بارے میں قنوت نہ پڑھی ہو تو یہی نازک صورت میں ظہر اور فجر کی سنتوں کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ سنت فجر کی تاکید میں قَالَ السَّيِّدُ صَلَّوْهَا وَلَوْ طَوَّدْتُكُمْ الْحَبْلُ ہے ورنہ ہر سنت کی تاکید میں مَنْ تَرَكَ الْأَرْبَعَ قَبْلَ الظُّهْرِ لَمْ تَلَهُ مَفَاعَتِي ہے۔

فرض کے ہاں تک کہ وقت کی صورت میں سنن کو ترک کرنے کا حکم تمام سنتوں میں ہے خواہ ظہر اور فجر کی ہوں خواہ اس کے علاوہ ہوں۔ یونہی حضرات نے سنتوں پر مواظبت اس وقت فرمائی جبکہ آپ فرائض میں عت کے ساتھ داکر سے تھے اور جب فرض وقت پڑھا تو آپ نے ان سنتوں پر مواظبت نہیں فرمائی اور بغیر مواظبت کے سنت ثابت نہیں ہوتی ہے مذاہب کے حق میں یہ نمازین سنت مذہبوں کے ساتھ ہوں اور نفل میں اختیار ہے کہ پڑھے یا نہ پڑھے اس کے کہا گیا کہ نہ پڑھنے کا حکم تمام سنتوں میں ہے۔

مذاہب ہر دین کے ہاں یہ ہے کہ ان سنتوں کی حالت میں نہ چھوڑے وقت میں گنجش ہو یا نہ سنت ہو فرض نماز جہت سے

ہاتھ پڑھے یا تن پڑھے خواہ مقیم ہو یا مسافر ہو یونکہ من فرائض کی تکمیل کرنے والے ہیں ہذا فرائض کا ثواب کھل کرنے کی خاطر ان کو کسی حال میں ترک نہ کرے۔ نیز خفاء راشدین، کبار صحابہ اور تابعین نے بھی اس پر عمل کیا ہے کہ سنتوں کو کسی حال میں ترک نہیں فرمایا۔ ہاں بہت اُروقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنتوں کو ترک کر دے اور فرائض ادا کرے۔ (غایہ)

### جو امام کو رکوع میں نہ پاسکا اس نے رکعت کو نہیں پایا

وَمَنْ انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ فِي رُكُوعِهِ، فَكَبَّرَ وَقَفَّ حَتَّى رَفَعَ الْإِمَامُ رَأْسَهُ، لَا يَصِيرُ مُدْرِكًا لِنِصْبِكَ الرَّكْعَةَ خِلَافًا، لِوَقْفِهِ هُوَ يَقُوتُ أَذْرَكَ الْإِمَامَ فَمَا لَهُ حُكْمُ الْقِيَامِ، وَلَئِنْ الشَّرْطُ هُوَ الْمَشَارَكَةُ فِي أَعْمَالِ الصَّلَاةِ، وَلَمْ يُصَحِّدْ لَا فِي الْقِيَامِ وَلَا فِي الرُّكُوعِ

ترجمہ۔ اور جس شخص نے امام کو اس کے رکوع میں پایا پھر اس شخص نے تکبیر تحریمہ کہی اور توقف کیا یہاں تک کہ امام نے اپنا سر اٹھا لیا تو یہ شخص اس رکعت کو پانے والا نہیں ہوگا امام زفر کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس نے امام کو ایسی حالت میں پایا جس کو قیام کا حکم حاصل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط افعال صلوٰۃ میں مشرکت ہے اور وہ پائی نہیں گئی نہ قیام میں اور نہ رکوع میں۔

تشریح۔ مسند یہ ہے کہ ایک شخص امام تک اس وقت پہنچا جبکہ امام رکوع میں تھا اور یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کرکھڑا ہو گیا مگر امام نے ساتھ رکوع نہیں کیا یہاں تک کہ امام نے رکوع سے اپنا سر اٹھا لیا۔ تو امامہ ثلاثہ نے نزدیک یہ شخص اس رکعت کو پانے والا شمار نہیں ہوگا۔ امام زفر نے کہا کہ یہ شخص اس رکعت کا پانے والا شمار ہوگا۔ یہی قول ہے سفیان ثوری، بن ابی ملیک اور عبد اللہ بن مبارک کا۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا ہے اگرچہ خود رکوع نہیں کیا۔ اور رکوع قیام کا حکم حاصل ہے۔ پس رکوع کی حالت میں پانا یہ ہے جیسا کہ حقیقت قیام کی حالت میں پانا اور حقیقت قیام کے اندر پانے سے رکعت کا پانے والا ہوتا ہے۔ اس لئے رکوع کی حالت میں امام پانے سے بھی اس رکعت کو پانے والا شمار ہوگا۔

۱۔ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اقتداء امام ہے نماز کے فعل میں شرکت کرنے کا اور شرکت یہاں پائی نہیں گئی نہ قیام کے اندر اور نہ رکوع کے اندر۔ پس جب اس رکعت کے نہ قیام میں شرکت ہو اور نہ رکوع میں تو یہ شخص اس رکعت کو پانے والا بھی نہیں ہوا۔ اور رہا امام زفر کا یہ کہنا کہ رکوع کو قیام کا حکم حاصل ہے تو یہ بھی تسلیم نہیں یونکہ عبد اللہ بن عمرؓ حدیث ہے إِذَا أَذْرَكَ الْإِمَامَ رَأْسَهُ فَلَا رُكْعَةَ قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَقَدْ أَذْرَكَكَ تِلْكَ الرَّكْعَةَ وَإِنْ رَفَعَ رَأْسَهُ فَلَا أَنْ يَرْكَعَ فَاتَّكَ تِلْكَ الرَّكْعَةُ یعنی جب تو نے امام کو روٹن کی حالت میں پایا پھر تو نے امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع کر لیا تو تو نے اس رکعت کو پایا اور اگر امام نے اپنا سر اٹھا دیا تو تو نے اسے پہلے تو یہ رکعت تجھ سے فوت ہوگئی۔

### امام کو رکوع میں پایا اس نے رکعت پالی

وَلَوْ رَكَعَ الْمُفْتَدِي قَبْلَ إِمَامِهِ، فَأَذْرَكَ الْإِمَامَ فِيهِ حَارًا، وَقَالَ رُفْرُ لَا يُحْرِيهِ، لِأَنَّ مَا أُنْتَبِهُ بِهِ قَلَّ الْإِمَامُ غَيْرُ مُعْتَدٍ بِهِ فَكَدَا مَا يُسْنَى عَلَيْهِ، وَلَئِنْ الشَّرْطُ هُوَ الْمَشَارَكَةُ فِي جُزْءٍ وَاحِدٍ كَمَا فِي الطَّرَفِ الْأَوَّلِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ۔ اور اگر مقتدی نے اپنے امام سے پہلے رکوع کر لیا پھر امام نے اس کو رکوع میں پایا تو یہ جائز ہے اور امام زفر نے کہا کہ مقتدی کو



ہائی نہ ہو۔ یونکہ مقتدی دوروع امام سے پہلے لایا وہ غیر معتبر ہے ہذا جو اس پر مبنی ہے وہ بھی غیر معتبر ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط ایک جز میں شرکت سے جیسا کہ طرف دل میں، واللہ اعلم

تشریح مسئلہ یہ ہے۔ کہ مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چائیں پھر اب بھی رکوع میں چلا گیا حتیٰ کہ دونوں رکوع میں شرکت ہوئے تو اس صورت میں مقتدی کی نماز نافذ نہیں ہوگی۔ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ یہ صورت سجدہ میں پیش آئی ہو۔ البتہ مقتدی کی نماز مکروہ ہوگی وجہ۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قال لا تُكادِرُ وُرسِي بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ ہے۔ یعنی رکوع و سجدہ میں مجھ سے کئے مت بڑھو، نیز حضور ﷺ نے یہ اُمکَ يَحُشَى الدَّيْ بُرُكْعَ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوَّلَ رَأْسُهُ رَأْسَ الْحِمَارِ یعنی جو شخص امام سے پہلے رکوع کرتا ہے اس کو زنا چاہیے کہ اس کا سر گدھے کی طرح پھیر دیا جائے۔ امام زکریا نے فرمایا ہے کہ مقتدی کی نماز جائز نہ ہوگی۔ چنانچہ مقتدی پر اس رکوع کا اضافہ واجب ہے اگرچہ وہ نہیں کیا تو نماز درست نہ ہوگی۔

مذکورہ دلیل یہ ہے کہ مقتدی نے رکوع کا جو حصہ امام سے پہلے ادا کیا ہے وہ معتبر نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اِسْمَا حَمَلِ الْإِمَامُ لِيُؤْتَهُ بِهِ فَلَا تُحْتَلِفُوا عَلَيْهِ جتنی امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے ہذا اس سے اختلاف مت جائز ہے جب وہ حصہ معتبر نہیں ہے تو اس پر جو بھی فائدہ ہوگا اس لئے کہ بنا علی لفہ سد، فسد ہے۔ پس یہ یہ ہو گیا جیسے اس نے امام سے رکوع کرنے سے پہلے ہی اپنا سر اس رکوع سے اٹھ لیا ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط جو ایک جز میں شرکت ہے یہ ایک جز میں شرکت پائی گئی یعنی جز اول میں شرط شرکت نہیں پائی گئی لیکن جز ثانی میں شرکت پائی گئی ہے اور نماز جائز ہونے کے لئے اس قدر شرکت کافی ہے جیسا کہ جزء اول میں یعنی مقتدی نے امام سے ساتھ رکوع کیا لیکن امام سے پہلے ہی اپنا سر اٹھ لیا تو جائز ہے کیونکہ ایک جز میں شرکت پائی گئی۔ اور اگر امام سے پہلے رکوع میں گیا اور امام سے رکوع کرنے سے پہلے ہی اپنا سر اٹھ لیا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں کسی جز کے اندر شرکت نہیں پائی گئی ہے حالانکہ ایک جز کے اندر شرکت کا پیا جائے ضروری تھا۔ جمیل احمد عفی عنہ

## بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

ترجمہ۔۔۔ (یہ) باب فائتہ نمازوں کی قضاء کرنے (کے بیان) میں ہے

تشریح گذشتہ باب میں ادا اور اس کے تعلقات کے احکام کا بیان تھا اب اس باب میں قضاء کے احکام ذکر کریں گے۔ چونکہ اصل اور قضاء اس کا خلیفہ ہے اس لئے اس سے پہلے اور قضاء کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ ادا کہتے ہیں، عین واجب کو اس کے مستحق کے سپرد کر دینا اور قضاء کہتے ہیں مثل واجب کو سپرد کرنا۔

### نوت شدہ نماز کو قضاء کرنے کا وقت

مَنْ قَاتَهُ صَلَوةٌ فَصَاهَا إِذَا ذَكَرَهَا، وَقَدَّمَهَا عَلَى فَرَضِ الْوَقْتِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ التَّزْيِيتَ بَيْنَ الْفَوَائِتِ وَفَرَضِ الْوَقْتِ عِنْدَنَا مُسْتَحَقٌّ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مُسْتَحَبٌّ، لِأَنَّ كُلَّ فَرَضٍ أَصْلٌ بِنَفْسِهِ، فَلَا يَكُونُ شَرْطًا لِبَعْدِهِ، وَلَكِنْ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا إِلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ، فَلْيَصِلْ النَّبِيَّ هُوَ فِيهَا، ثُمَّ لِيَصِلْ

## الَّتِي ذَكَرَهَا بَعْدَ الَّتِي صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ

ترجمہ جس شخص کی نماز فوت ہوئی وہ اس کو قضا کرے جب یاد کرے اور اس کو وقتی فرض پر مقدم کرے اور اصل میں یہ ہے کہ فوائت اور وقتی فرض کے درمیان ہمارے نزدیک ترتیب واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے۔ کیونکہ فرض بذات خود اصل ہے تو وہ دوسرے کے لئے شرط نہ ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سو یا نماز سے یہ اس کو بھوں یا پھر وہ یاد نہ آئی مگر یہ کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو یہ پڑھے جس میں موجود ہے پھر وہ پڑھے جس ویسا پھر اس کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔

تشریح مسند یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز فوت ہوئی تو یاد آنے پر اس فی قضا کرے اور اس وقت پر مقدم کرے صاحب ہدایہ نے کہا کہ ضابطہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فوائت اور وقتی کے درمیان ترتیب واجب ہے یعنی فائت نماز وقتی پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے، فائت کو وقتی پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ فرض بذات خود اصل ہے ہذا وہ دوسرے کے لئے شرط نہ ہوگا کیونکہ شرط تابع ہوتی ہے۔ اور اصلیت اور بحیثیت کے اندر منافات ہے پس بروقیہ نماز کے لئے فائت کا اکرنا واجب (شرط) قرار دیا جائے تو اس صورت میں فائت کا تابع ہونا لازم آئے گا حالانکہ فائت فرض ہونے کی وجہ سے بذات خود اصل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فائت کا وقتی پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔

ہماری دلیل اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ سَامَ عَنْ صَلَاةٍ وَنَسِيَهَا فَلَمْ يَذْكُرْهَا، لَا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ فَلْيُصَلِّ الَّتِي هُوَ فِيْهَا ثُمَّ لِيُصَلِّ الَّتِي ذَكَرَهَا ثُمَّ لِيُعِدَّ الَّتِي مَعَ الْإِمَامِ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر نماز فوت ہوگئی اور یہ شخص امام کے ساتھ وقتی پڑھنے لگا تو امام کے ساتھ اپنی نماز پوری کرے پھر فائت پڑھے پھر اس نماز کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو نماز امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ چونکہ وہ فائت سے مقدم ہوگئی ہے حالانکہ فائت کا مقدم کرنا واجب تھا اس لئے اس کو دہانے کا حکم کیا گیا ہے تاکہ فائت اور وقتی کے درمیان ترتیب متخلف ہو جائے۔

مگر یہاں ایک اعتراض ہے۔ وہ یہ کہ یہ حدیث اخبار واحد میں سے ہے اور خبر واحد سے اذیت ثابت نہیں ہوتی ہذا اس حدیث سے ترتیب کا فرض ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

جواب ۔۔۔ یہ حدیث خبر مشہور ہے نہ کہ خبر واحد اور اگر تسلیم کر لیں کہ خبر واحد ہے تو جو یہ ہے کہ ترتیب کتاب اللہ میں افیموا الصلوة سے ثابت ہوئی ہے۔ یعنی چونکہ کتاب اللہ مجمل ہے اس لئے یہ حدیث مجمل کتاب کا بیان واقع ہوئی۔

## فوت شدہ اور وقتی نمازوں میں ترتیب

رَلَوْ حَافَ فَوْتُ الْوَقْتِ، يُقَدِّمُ الْوَقْتِ، ثُمَّ يَقْضِيْهَا، لِأَنَّ الرُّبُوبَ يَسْقُطُ بِصِفِّ الْوَقْتِ، وَكَذَا بِالسَّيَّارِ وَكَثَرَةُ الْفَوَائِتِ كِبَالًا يُؤَدِّي إِلَى تَفْوِئَتِ الْوَقْتِ

ترجمہ اور اگر وقت نکل جانے کا خوف ہو تو وقتی پر مقدم کرے پھر فائت کی قضا کرے کیونکہ ترتیب بھی وقت کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے یعنی بھوں جانے اور نثرات فوائت سے تاکہ وقتیہ فوت نہ کرنا۔

تشریح پہلے مسند میں گند چکا ہے کہ فائت اور وقتی کے درمیان ترتیب واجب ہے لیکن اگر وقت تک ہو گیا اور اس بات کا اندیشہ پیدا ہو

گیا کہ اگر فائزہ کی قضاء میں ہوا تو وقت نکل جائے گا۔ ایسی صورت میں وقتیہ نماز کو مقدم کرے پھر اس کے بعد فائزہ کی قضاء کرے۔ یونکہ تین چیزوں سے ترتیب سا اظہو جاتی ہے۔

(۱) وقت کی تنگی ، (۲) بھروسہ (۳) فوت کی کثرت

کثرت کی مقدار چھ نمازیں ہیں۔ ان چیزوں سے ترتیب اس سے سا قیہ ہو جاتی ہے تاکہ وقتیہ کو فوت نہ کرنا لازم نہ آئے۔

**تنگی وقت کے باوجود فوت شدہ نماز کو مقدم کر لیا تو کیا حکم ہے**

وَلَوْ قَدَّمَ الْفَائِزَةَ حَارًا، لِأَنَّ اللَّهَ عَنِ تَقْدِيمِهَا لِمَعْنَى فِي غَيْرِهَا، بِخِلَافٍ إِذَا كَانَ فِي الْوَقْتِ سَعَةً، وَقَدَّمَ الْوَقْتِيَّةَ حَيْثُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهُ إِذَا هَا قَبْلَ وَفَتْهَا الثَّابِتُ بِالْحَدِيثِ

ترجمہ..... اور اگر اس نے (تنگی وقت کے باوجود) فائزہ کو مقدم کر دیا تو جائز ہے۔ یونکہ فائزہ کو مقدم کرنے سے ممانعت ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو غیر میں ہے برخلاف اس کے جبکہ وقت میں گنجائش ہو اور اس نے وقتیہ نماز کو مقدم کر دیا تو جائز نہیں ہے۔ اس سے کہ اس نے اس کو اس وقت سے پہلے ادا کیا ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

تشریح..... مسد یہ ہے کہ اگر تنگی وقت کے باوجود فائزہ نماز پڑھ لی اور وقتیہ کو چھوڑ دیا تو فائزہ دابھو جائے گی مگر وقتیہ کو وقت کے اندر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ کیونکہ فائزہ کو ایسی حالت تنگی میں مقدم کرنے پر جو ممانعت ہے تو وہ ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو غیر میں ہیں یعنی وقتیہ کو چھوڑنا، پس وقتیہ کو چھوڑنے کی وجہ سے فائزہ کی ادائیگی میں کچھ نقصان نہیں ہوا۔ ہاں وقتیہ کو چھوڑنے سے اس پر گناہ عظیم ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر وقت میں گنجائش ہو اور پھر وقتیہ کو مقدم کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ یونکہ اس نے وقتیہ کو اس کے وقت سے پہلے ادا کیا ہے۔ وقت سے پہلے ادا کرنا اس لئے لازم کیا ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وقتیہ کا وقت فائزہ کے بعد ہے اور جو نماز وقت سے پہلے ادا کی جائے وہ درست نہیں ہوتی اس لئے وقت کے اندر گنجائش کی صورت میں وقتیہ کو فائزہ پر مقدم کرنا جائز نہ ہوگا۔

**فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کا حکم**

وَلَوْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتُ رَتَبَتِهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا وَحَّشَتْ فِي الْأَصْلِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَعَلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْحَدَقِ، فَقَضَاهُنَّ مُرْتَبًا، ثُمَّ قَالَ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوَنِي أُصَلِّي، لَا أَنْ يُرِيدَ الْفَوَائِتَ عَلَى سِتَّةِ صَلَوَاتٍ، لِأَنَّ الْفَوَائِتَ قَدْ كَثُرَتْ، فَتَسْقُطُ التَّرْتِيبُ فِيمَا بَيْنَ الْفَوَائِتِ بِخَفْسِهَا، كَمَا يَسْقُطُ بَيْنَهَا رَيْسُ الْوَقْتِيَّةِ، وَحَدُّ الْكَثْرَةِ أَنْ تَصِيرَ الْفَوَائِتُ سَائِحُورَ وَفَتْ الصَّلَاةِ السَّادِسَةِ، وَهُوَ الْمُرَادُ بِالْمَدْكُورِ فِي الْحَامِصِ الصَّعْبِ وَهُوَ قَوْلُهُ وَإِنْ فَاتَتْهُ أَكْثَرُ مِنْ صَلَوَاتٍ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، أَجْرَانَهُ الَّتِي نَدَا بِهَا، لِأَنَّهُ إِذَا رَأَى عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، تَصِيرُ سِتًّا، وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ رَعَتَرَ دُحُولَ وَفَتْ السَّادِسَةِ، وَالْأَوَّلُ هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ الْكَثْرَةَ بِالدُّحُولِ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ، وَذَلِكَ فِي الْأَوَّلِ

ترجمہ..... اور اگر اس کی چند نمازیں فوت ہوئیں تو قضاء میں ان کی ترتیب اور بجائے۔ جیسے اصل میں واجب ہو میں۔ یونکہ حضور خدا تعالیٰ نے ان چار نمازوں سے مشغول کئے پھر آپ نے ان کو ترتیب کے ساتھ دیا پھر فرمایا کہ تم نماز پڑھا کرو جیسے تم نے نماز پڑھتے ہو۔ مجھ

کو دیکھا ہے۔ مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں بڑھ کر چھ تک ہو جائیں تو خود فوائت کثیف ہوئیں تو خود فوائت کے درمیان ترتیب موقوف ہو جاتی ہے۔ جیسے فوائت اور وقتیہ کے درمیان ترتیب موقوف ہو جاتی ہے، کثرت نہ یہ ہے کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جانے سے فوائت چھ سو با میں ورہی رہے۔ مراد ہے جو جمع صغیر میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک دن رات کی نماز اس سے زیادہ ہو میں تو جہاں جہاں گئی وہ نماز جس سے ابتداء کی تھی اس لئے کہ جب ایک دن رات پر زائد ہوگئی تو وہ چھ ہو جائیں گی۔ و اما محمدؐ سے مروی ہے کہ نبیوں نے چھ ہی نماز کا وقت سے داخل ہوئے کا اعتبار کیا ہے لیکن اس میں صحیح ہے کیونکہ کثرت تو حد تک رات میں داخل ہونے سے ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے ہی قول پر ہوگا۔

تشریح... مسئلہ یہ ہے کہ ترتیب جس طرح وکلیہ اور فائتہ کے درمیان فرض ہے۔ اسی طرح خود فائتہ سے درمیان بھی فرض ہے پناہ  
 کر چند نمازیں فوت ہو گئیں تو ان کی قضاء کی ترتیب کے ساتھ اس ترتیب کے ساتھ اور جب ہوئی تھی سو اس سے یہ رسول اللہ  
 ﷺ ہے غرض حدیث یہ ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ إِنَّ الْمَشْرُوكِينَ تَسْعَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ  
 أَرْبَعٍ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْحَدَقِ حَتَّى دَهَكَ مِنَ النَّبْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ فَأَمَرَ بِأَلَا قَادَرٍ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى  
 لِعَصْرِ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبِ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءِ ابْنُ مَسْعُودٍ سَمِعَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَوْنَهُ دَقَّ بِلَا  
 نمازوں سے مشغول کر دیا تھا حتیٰ کہ رات چلی گئی۔ پس آپ ﷺ نے بال کو مرگیا۔ بلاں نے ان ہی پھر اقامت کی پھر ظہر کی نماز پر بھی  
 پھر اقامت کی پھر عصر کی پھر اقامت کی پھر مغرب کی نماز پر بھی پھر اقامت کی پھر عشاء کی نماز پر بھی پھر فرمایا۔ صَلُّوا كَمَا  
 رَأَيْتُمُوهُنَّ أُصَلِّيَ ثُمَّ اسَ طَرَحَ نَمَازَ پڑھا کرو جس طرح تم نے مجھ کو دیکھا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔

حدیث میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ نمازیں فوت ہوئی تھیں آپ ﷺ نے اسی ترتیب کے ساتھ ان کو قضا فرمائی ہے اور پھر حکم فرمایا کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوَّيْ اَصَلِّيَ جُنَّ اَکْثَرُہ کے لئے بھی یہی حکم ہے بہر حال اس حدیث سے فوت کے درمیان ترتیب ثابت ہوگئی۔ ہاں اگر فوائت کی تعداد بڑھ کر چوبیس ہو گئی تو ان کے درمیان ترتیب ماقض ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں فوائت کثیرہ ہیں اور فوائت کثیرہ کے درمیان دفع حرج کے لئے ترتیب ماقض ہو جاتی ہے جیسا کہ فوائت کثیرہ اور وقفیہ کے درمیان ترتیب ماقض ہو جاتی ہے۔ اور کثرت کا معیار یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں چھ سوچا میں جتنی چھٹی نماز کا وقت نکل جائے۔

سی مسئلہ کو چار معصیغیر میں اس طور پر بیان کیا ہے کہ فوت شدہ نمازیں اگر ایک دن و ایک رات سے زائد ہو گئیں ہیں تو جس نماز سے شروع کرے گا وہ جائز ہوگا اس لئے کہ ایک رات دن سے زائد ہونے کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں چھ ہو گئیں ہیں اور چھ نمازوں کا موازنہ کثرت کی علامت ہے اور پہلے گزر چکا کہ فوائت اگر کثیر ہوں تو ان کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے ہند جس نماز سے بھی قضاء کی بتداء کرے گا درست ہوگا۔ ترتیب وار ہو یا بغیر ترتیب ہے۔

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ گرچھٹی نماز کا وقت داخل ہو گیا تو بھی فرائض کثیر شمار ہوں گی لیکن صاحب ہدایہ نے کہا کہ قول اول صحیح ہے یعنی وقتِ سہ کے خروٹ کا اختیار ہے وحوال کا اعتبار نہیں ہے۔ قولوں کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ غلط کثرت اس وقت صادق آئے گا جبکہ نمازوں میں تکرار شروع ہو جائے اور تکرار اس وقت ہو گا جبکہ چھٹی نماز کا وقت نہ رہے ہو جائے کیونکہ جب چھٹی نماز کا وقت نکل گیا تو قضا، نمازوں کا تکرار ہو گیا۔

صاحبِ عنایہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کی اصل قضاءِ بارِ غم، ہے یعنی بے ہوشی کی وجہ سے اگر نمازیں زیادہ فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء واجب نہ ہوگی اور اگر کم نمازیں فوت ہوں تو ان کی قضاء واجب ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت علیؑ کی رات

تے مہرے ہوش رہے تو پہلے نمازوں کی قضا فرمائی اور بعد میں یہ سرپور سے ایک دن رات بے ہوش رہے تو انہوں نے بھی ایک دن رات کی نمازوں کی قضا فرمائی ہے۔ درحقیقت عہدِ محمد بن عمر ایک دن رات سے راند بے ہوش رہے تو آپ نے قضا نہیں فرمائی۔ پس ان تینوں حضرات کے اقوال سے ثابت ہوا کہ کثرت کی تعریف میں عمر و معتبر یعنی پچاس نماز کے وقت کا نکل جانا۔

### فوت شدہ نمازیں قدیمہ اور حدیثہ ہیں ان کی ادائیگی کا طریقہ کار

وَلَوْ حَتَمَتِ الْقَوَائِمُ الْقَدِيمَةَ وَالْحَدِيثَةَ، فَبَلَ بَحُورُ الْوَقْبَةِ مَعَ تَذَكُّرِ الْحَدِيثَةِ لِكَثْرَةِ الْقَوَائِمِ، وَفِيكَ لَا تَحُورُ، وَيُحْصَى الْمَصْنُوعُ كَأَنَّهُ يَكُونُ رَحْوًا لَهُ عَنِ التَّهَاقُورِ

ترجمہ اور اگر قضا نمازیں قدیمہ اور جدیدہ جمع ہوئیں تو بہا گیا کہ وقت کا ادا کرنا جائز ہے باوجودیکہ جدیدہ یاد ہیں کیونکہ قوائت کثرت ہیں اور بہا گیا کہ جائز نہیں ہے اور گذشتہ نمازوں کو حدیثہ قرار دیا جائے گا۔ تاکہ سستی کرنے کی اس کو تنبیہ ہو سکے۔

تشریح قوائت کی وہ قسمیں ہیں۔ قدیمہ اور جدیدہ۔ صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک ماہ کی نمازیں چھوڑ دیں پھر یہ اپنی مروت پر ناام ہو اور نیک نمازوں کی قضا، ان کے اوقات میں شروع کرے پھر اس سے قبل کہ ان فوت کی قضا بھل ہو اور چند نمازیں فوت ہو گئیں لیکن یہ چند نمازیں چھ سے کم ہیں تو پہلی فوت شدہ نمازیں قدیمہ و در یہ بعد کی جدیدہ کہلائیں گی اب اگر اس شخص نے وقفہ نماز پڑھی اور اس کو یہ متروکہ حدیثہ جدیدہ نمازیں بھی یاد ہیں۔ تو ایسی صورت میں وقفہ کا پڑھنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا؟ اس بارے میں بعض متأخرین کا خیال یہ ہے کہ وقفہ نماز جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ قوائت قدیمہ اور حدیثہ دونوں میں حد کثرت پہنچ جاتی ہیں اور کثرت ترتیب و سلسلہ بر دیتی ہے پس جب ترتیب ساقط ہوگئی تو وقفہ کو قوائت پر مقدم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ فوت حدیثہ سے پہلے وقفہ کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے قوائت قدیمہ کو ادا کرنے میں سستی اور اپردہی سے کام لیا ہے پس شریعت نے اس کو جزا و تنبیہ کرنے کے لئے قوائت قدیمہ کو کان لہ میں (محدوم) قرار دے دیا ہے وہاں قوائت قدیمہ اس نے ذمہ نشی ہی نہیں اور جب قوائت قدیمہ کا اتمام ہوئیں تو اب صرف قوائت حدیثہ رہیں اور قوائت حدیثہ چھ نمازوں سے کم ہیں اس لئے خود ان میں بھی ترتیب واجب ہے۔ اور قوائت اور وقفہ کے درمیان بھی ترتیب واجب ہے پس جب قوائت اور وقفہ کے درمیان ترتیب واجب ہے تو وقتی قوائت پر مقدم کرنا جائز نہ ہوگا۔

### قضاء کرنے سے فوت شدہ نمازیں کم ہو جائیں ترتیب لوٹے گی یا نہیں اقوال فقہاء

وَلَوْ قَضَى بَعْضُ الْقَوَائِمِ حَتَّى قَلَّ مَا بَقِيَ، عَادَ التَّرْتِيبُ عِنْدَ الْعُصَى وَهُوَ الْأَطْهَرُ، فَإِنَّهُ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَفَسَّحَ سَرَكَ صَلَاةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَجَعَلَ يَقْضِي مِنَ الْعَدَمِ كُلَّ وَقْتٍ فَإِنَّهُ، فَلَقَوَائِمُ حَزَنُودٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَالْوَقْفِيَّاتُ فَاسِدَةٌ إِنْ قَدَّمَهَا لِذُخْوَنِ الْقَوَائِمِ فِي حَدِّ الْقِلَّةِ، وَإِنْ أَحْرَهَا فَكَذَلِكَ، إِلَّا لِعِشَاءِ الْآخِرِ، لِأَنَّهُ لَا قَائِمَةَ عَلَيْهِ فِي طَبَقِ حَالٍ أَذَانَهَا

ترجمہ اور اگر بعض قوائت کی قضا کی جائے کہ باقی (پہلے نمازوں سے) کم رہ گئیں تو بعض کے نزدیک ترتیب لوٹ جائے گی۔ اور

یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ امام محمد سے روایت کیا گیا ہے کہ اس شخص کے بارے میں جس نے ایک دن رات کی نماز پھوڑ لی اور گلے دن سے ہر وقت نماز کے ساتھ ایک فائتہ کی قضا کرنی شروع کر دی تو فوائت ہر حال میں جائز ہیں۔ اور اقلیت قائل ہیں کہ وقت پر مقدم پر ہے تو اس لئے کہ فوائت قمت کی حد میں داخل ہو گئیں اور اگر وقت پر مقدم ہو تو بھی فائتہ کا عہدہ خیر ہے۔ یہ علماء نے اپنے وقت اس کے گمان میں اس پر وہی قضا نہیں ہے۔

تشریح صورت مسد یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کی ایک ماہی نمازیں فوت ہوئیں پھر یہ شخص فوت شدہ نمازوں کی قضا کرنے لگا حتیٰ کہ چھ نمازوں سے کم رہ گئیں پھر اس شخص نے وقت پر نماز پڑھی۔ اور نہ یہ ماقبی جن کی ابھی تک قضا نہیں کر سکا وہ اس کو یاد ہیں۔ تو اس صورت میں وقت پر نماز جائز ہوگی یا ناجائز ہوگی، امام محمد سے اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت عدم جواز کی ہے۔ دوسری قائل وقت پر مقدم ہے۔ دوسری ہدایہ میں۔ دوسری روایت جواز کی ہے جس کے قائل اب حنفی بیہ علم، فخریہ، شمس الامین، صاحب محیط اور قاضی خاں ہیں۔ دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کے ذمہ ایک ماہ کی نمازیں تھیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایک ماہ کی نمازیں کثیر ہیں اور کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ پس یہاں بھی فوائت کے کثیر ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو چکی ہے اور قعدہ ہے۔ الساقط لا یعدو یعنی جو چیز ایک مرتبہ ساقط ہو گئی وہ وٹ کر نہیں آتی۔ مثلاً ناپاک پانی قلیل ہے۔ اس ناپاک پانی کو جاری میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ بھی شے ہو گیا اور بننے کا پھر یہ پانی قلیل ہو گیا تو بکس نہیں ہوگا۔ یونکہ پانی کے کثیر اور جاری ہونے کی وجہ سے اس کی نجاست ساقط ہو گئی تھی اور قائمہ ہے کہ الساقط لا یعدو لہذا ساقط شدہ نجاست لوٹ کر واپس نہیں آئے گی۔

پس اسی طرح جب کثرت فوائت کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو گئی پھر قضاء نمازیں کم رہ گئیں تو اب اس قمت کی وجہ سے ترتیب ساقط نہیں کرے گی اور جب ترتیب نہیں لوٹی تو وقت پر نماز کو ماقبی فوائت پر مقدم کرنا جائز ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ پہلی روایت درایت اور روایت دونوں اعتبار سے اظہر ہے۔ درایت تو اس کے کہ ترتیب کے ساقط ہونے کی حدت مفقود کی احراق ہونے کی وجہ سے کثرت ہے اور چونکہ اکثر نمازوں کی قضا کر چکا ہے صرف چھ نمازوں سے کم باقی رہ گئیں ہیں اس لئے ترتیب کے ساقط ہونے کی حدت باقی نہ رہی اور جب علت سقوط باقی نہ رہی تو سقوط ترتیب کا حکم بھی باقی نہ رہے گا کیونکہ حدت کے منتہی ہونے سے حکم منتہی ہو جاتا ہے اور جب سقوط ترتیب کا حکم باقی نہ رہا تو ترتیب عود کر آئے گی اور جب ترتیب عود کر آئی تو ماقبی فوائت پر وقت پر نماز کا مقدم کرنا کیسے جائز ہوگا کیونکہ فوائت قلیلہ اور وقت پر کے درمیان ترتیب فرض ہے۔

اور روایت اس سے اظہر ہے کہ امام محمد سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جس نے ایک دن ایک رات کی نماز پھوڑ لی۔ مثلاً فجر کی نماز سے لے کر عشاء تک پانچوں نمازیں فوت ہو گئیں پھر گلے دن ساقطیہ کے ساتھ ایک فائتہ کی قضا کرنے کا مشورہ فجر کی نماز کے وقت کل گزشتہ کی فجر کی نماز قضا کی اور ظہر کے وقت کل گزشتہ ظہر کی قضا کی وغیرہ وغیرہ تو اس صورت میں فوائت ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور فوائت فوائت کو وقت پر مقدم کیا ہو خواہ مؤخر کیا ہو مگر اس قدر فرق ضرور ہے کہ تقدیم کی صورت میں پانچوں اقلیت اور جرح و ثبوت میں کی اور تالیف کی صورت میں عشاء کے ساقط ہونے پر فائتہ ہو جائے گی۔

تیسری یہ ہے کہ جس شخص کی فجر تا عشاء پانچ نمازیں فوت ہو گئیں اس نے گمان سے قضا کرنی شروع کر دی۔ اس صورت پر

پہلے فجر کی وقتیہ ادا کی پھر کل گزشتہ کی فجر کی قضاء کی پس چونکہ یہ شخص صاحب ترتیب ہے اس لئے وقتیہ کو فوائت پر مقدم کرنے سے وقتیہ نماز فاسد ہوگئی اور فوت شدہ نمازیں چھ ہو گئیں۔ پانچ کل گزشتہ کی اور ایک آج کی نماز فجر، لیکن جب اس نے کل گزشتہ کی نماز فجر کی قضاء کرنی شروع کر دی تو وہ درست بھی ہے تو اب فوائت پھر پانچ رہ گئیں چار نمازیں از ظہر تا عشاء گزشتہ کل کی اور ایک آج کی نماز فجر، پھر ظہر کے وقت میں آج کی ظہر کو پہلے ادا کیا اور کل گزشتہ کی ظہر کو بعد میں تو آج کی ظہر فاسد ہوگئی کیونکہ صاحب ترتیب ہونے کے باوجود اس نے وقتیہ کو فوائت پر مقدم کیا ہے پس جب آج کی ظہر فاسد ہوگئی تو پھر چھ نمازیں فوائت ہو گئیں جن کی کل گزشتہ کی ظہر سے آج کی ظہر تک لیکن جب کل گزشتہ کی ظہر کو ادا کر لیا اور وہ جائز بھی ہوگئی تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں یعنی کل گزشتہ کی عصر سے آج کی ظہر تک۔ پھر عصر کا وقت آیا اور اس میں آج کی عصر کو پہلے ادا کیا۔ تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے وہ فاسد ہوگئی چنانچہ فوائت کی تعداد پھر چھ ہوگئی لیکن جب کل گزشتہ کی عصر کو پڑھا اور وہ درست ہے تو فوائت بھی پانچ باقی ہیں۔ یعنی از مغرب تا عصر، پھر مغرب کے وقت میں وقتیہ کو مقدم کیا تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے مغرب کی وقتیہ فاسد ہوگئی اور فوائت کی تعداد چھ ہوگئی یعنی کل گزشتہ کی مغرب سے آج کی مغرب تک۔ لیکن جب کل گزشتہ کی مغرب کی قضاء کرنی تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں پھر جب عشاء کے وقت میں وقتیہ کو پہلے ادا کیا تو صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے عشاء کی نماز فاسد ہے اور پھر کل فوائت چھ ہو گئیں یعنی کل گزشتہ کی عشاء سے آج کی عشاء تک لیکن جب کل گزشتہ کی عشاء کی قضاء کی اور وہ جائز ہے تو پھر فوائت پانچ رہ گئیں۔

اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر وقتیت کو فوائت پر مقدم کیا تو فوائت جائز اور وقتیات فاسد ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ فوائت ان ترتیبیں یعنی چھ سے کم رہ جائیں تو ترتیب عود کر جاتی ہے۔ یہاں اسی کو ثابت کرنا پیش نظر ہے اور اگر وقتیت کو فوائت سے مؤخر کیا گیا تو اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آج فجر کے وقت میں پہلے کل گزشتہ کی فجر ادا ہوگئی ہے۔ لیکن آج کی فجر دائیں بولی اس لئے کہ آج کی فجر جو وقتیہ ہے اس کو مقدم کر دیا ہے باقی فوائت پر جائزہ و جب ترتیب کی وجہ سے فوائت کا وقتیہ پر مقدم کرنا لازم تھا۔ اسی طرح باقی نمازوں کو قیاس کر لیجئے لیکن عشاء کے وقت میں جب کل گزشتہ کی عشاء کو پہلے ادا کیا اور پھر آج کی عشاء کو ادا کیا تو امام محمد نے کہا کہ آج کی عشاء درست ہو جائے گی کیونکہ یہ شخص اس خیال میں ہے کہ میرے ذمہ کوئی فائیت نہیں ہے۔ نکلے آج کی چاروں نمازیں فائت ہیں جس سے یہ شخص ایسا ہو گیا جیسا کہ فوائت کو بھولنے والا اور یہ بات مذکور چکی کہ نسب ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے پس جب ترتیب ساقط ہوگئی تو عشاء کی نماز جائز ہو جائے گی یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یہ جائز ہو لیکن اگر عالم اور اس مسئلہ سے واقف ہے تو عشاء کی نماز بھی درست نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

ظہر کی نماز نہ پڑھنا یا دھونے کے باوجود عصر کی نماز پڑھنے کا حکم، اقوال فقہاء

وَمَنْ صَلَّى الْعَصْرَ وَهُوَ دَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُصَلِّ الظُّهْرَ، فَهِيَ فَاسِدَةٌ إِلَّا إِذَا كَانَ فِي أَحْرِ الْوَقْتِ، وَهِيَ مَسْأَلَةُ التَّرْتِيبِ وَإِذَا فَسَدَتِ الْفَرَضِيَّةُ لَا يَبْطُلُ أَصْلُ الصَّلَاةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُونُسَ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَبْطُلُ، لِأَنَّ التَّحْرِيمَةَ عُقِدَتْ لِلْفَرَضِ، فَإِذَا بَطَلَتِ الْفَرَضِيَّةُ بَطَلَتِ التَّحْرِيمَةُ أَصْلًا، وَلَهُمَا أَنَّهَا عُقِدَتْ لِأَصْلِ الصَّلَاةِ يَوْصَفُ الْفَرَضِيُّ، فَكَانَ يَكُنْ مِنْ صَرُورَةٍ يُطْلَقُ الْوَصْفُ بِطُلَاكِ الْأَصْلِ

ترجمہ۔ اور جس نے عصر پڑھی اس میں کہ اس کو یاد ہے کہ اس نے ظہر نہیں پڑھی ہے۔ تو نماز عصر فاسد ہے مگر جب کہ یاد نہ ہو

کے آخری وقت میں ہو اور یہ مسئلہ ترتیب ہے۔ اور جب فرضیت فاسد ہوگئی تو شیخین کے نزدیک اصل نماز باطل نہ ہوگی۔ اور امام محمد کے نزدیک (اصل نماز ہی) باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ تحریمہ فرض کے لئے منعقد کیا گیا ہے پس جب فرضیت باطل ہوگئی تو تحریمہ بھی باطل ہو گیا ہے۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ وصف فرضیت کے ساتھ اصل نماز کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔ پس وصف کے باطل ہونے سے اصل کا باطل ہونا ضروری نہیں ہے۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے عصر کی نماز پڑھی اور اس کو یہ یاد ہے کہ ابھی تک ظہر نہیں پڑھی ہے تو عصر کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے ترتیب کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ اس پر ترتیب فرض تھی۔ ہاں اگر عصر کی نماز عصر کے آخری وقت میں ادا کی اور یہ یاد رہے کہ ظہر نہیں پڑھی ہے تو عصر کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ وقت کا تنگ ہونا ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ترتیب کے فوت ہونے سے جب فرضیت باطل ہوگئی تو اصل صلوٰۃ بھی باطل ہوگی یا نہیں؟ سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ شیخین نے فرمایا کہ اصل صلوٰۃ باطل نہیں ہوگی یعنی ترتیب نہ پائی جانے کی وجہ سے عصر کی نماز کا فرض ادا ہونا اگرچہ باطل ہو گیا لیکن اس کا نفل ہونا باقی ہے۔

حاصل یہ کہ عصر کی یہ نماز اداء فرض شمار نہیں ہوگا بلکہ ادا بونفل شمار ہوگا۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ فرضیت باطل ہونے سے اصل نماز بھی باطل ہو جائے گی۔ یعنی عصر کی یہ نماز نہ فرض شمار ہوگی اور نہ نفل شمار ہوگی۔ ثمرۃً مختلف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ جس شخص نے وسعت وقت میں عصر کی نماز شروع کی دراصل ایک اس کو ظہر کی فائتہ یاد ہے پھر یہ شخص ہی مت نماز قہقہہ کر رہا ہے پھر شیخین کے نزدیک اس کا وضو نوٹ جائے گا۔ کیونکہ شیخین کے نزدیک اصل صلوٰۃ باقی ہے اور بحالت نماز قہقہہ گا کر بنسٹا ناقض وضو ہے اس لئے ان کے نزدیک وضو نوٹ جائے گا اور امام محمد کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ امام محمد کے نزدیک اصل نماز ہی باطل ہوگئی ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ قہقہہ مارنا نماز کی حالت میں نہیں ہوگا۔ اور نماز کی حالت کے عداۃ قہقہہ لگا کر بنسٹا ناقض وضو نہیں ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں قہقہہ لگا کر بنسٹا ناقض وضو نہیں ہوگا۔

اصل مسئلہ میں امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ فریضہ عصر کے لئے منعقد کیا گیا ہے ورنہ وہ چیز کہ جس کے لئے تحریمہ منعقد کیا جائے جب وہ باطل ہوگئی تو تحریمہ بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ تحریمہ اس شے کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے پس جب مقصود باطل ہو گیا تو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بھی باطل ہو جائے گا اور جب تحریمہ باطل ہو گیا تو اصل صلوٰۃ ہی باطل ہوگئی اور جب اصل صلوٰۃ باطل ہوگئی تو نہ فرض ادا ہوگا اور نہ نفل۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ منعقد کیا گیا ہے اصل صلوٰۃ کے لئے جو وصف فرضیت کے ساتھ موصوف ہے اور ترتیب کے فوت ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز کا وصف فرضیت باطل ہو گیا ہے۔ ضروری نہیں ہے جیسے کسی شخص نے اپنی تنگدستی اور غربت کی وجہ سے کفارہ یمین کے اندر تین روزے رکھنا شروع کر دیئے پھر ان کے درمیان وہ مالدار ہو گیا تو اس کا اصل روزہ باطل نہیں ہوگا بلکہ اس روزہ کا کفارہ واقع ہونے کا وصف باطل ہو جائے گا۔ جیسا کہ روزہ کفارہ یمین میں شمار نہیں ہوگا۔ اہل صوم نفل ہو جائے گا۔ اور کفارہ یمین میں اس نے شمار نہیں ہوگا کہ مالدار آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفارہ یمین بالاطعام ادا کرے یا بالکسوۃ یا غلام آزاد کرے۔ ان تینوں پر بعد مقدرت کی صورت میں روزہ



رکعت کا حکم ہے۔ جس جب اس نے تکبیر کی وجہ سے روزے کے ساتھ کفارہ ادا کرنا شروع کیا لیکن دن کے اندر روزے کی حالت میں یہ شخص بالذات سو گیا تو اس روزے کا وصف وقوع کفارہ باطل ہو گیا۔ لیکن اصل روزہ باطل نہیں ہوا۔ پس جس طرح یہاں بطلان وصف سے بطلان اصل نہیں ہوا۔ اسی طرح متن کے مسئلے میں بھی وصف فرضیت کے باطل ہونے سے اصل نماز باطل نہیں ہوگی۔

### عصر کی نماز فساد موقوف پر ہوگی کا مطلب

تَمَّ الْعَصْرُ بِفُسَادٍ فَسَادًا مَوْفُوقًا حَتَّى لَوْ صَلَّى سِتَّ صَلَوَاتٍ، وَلَمْ يُعِدِّ الطُّهْرَ، انْقَلَبَ الْكُلُّ جَائِزًا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ، وَعِنْدَهُمَا يَفْسُدُ فَسَادًا بَاتًّا لَا حَوَازَ لَهَا بِحَالٍ، وَقَدْ عُرِفَ ذَلِكَ فِي مَوْصِفِهِ

ترجمہ۔ پھر عصر فساد موقوف کے طور پر فساد ہوئی۔ حتیٰ کہ اگر چھ نمازیں پڑھیں اور طہر کا اعادہ نہیں کیا تو تمام نمازیں جائز ہو کر لوٹ جائیں گی۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک عصر قطعی طور پر فساد ہوگی۔ وہ اب کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتی ہے۔ اور یہ اپنے موقع پر معلوم ہو چکا ہے۔

تشریح۔ مسجد مذکور یعنی عصر کی نماز پڑھی اور یہ یاد رہے کہ ظہر کی نماز ابھی نہیں پڑھی ہے۔ تو اس صورت میں فرمایا تھا کہ ترتیب سے فوت ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز فساد ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ عصر کی یہ نماز موقوفہ نہ ہوئی ہے یا قطعاً اور حتماً۔ سو امام ابو حنیفہ نے کہا کہ عصر کی نماز موقوفہ فساد ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ اگر چھ نمازیں پڑھ دیں۔ یعنی آج کی عصر سے کل آئندہ کی عصر تک اور ظہر کی فائزہ نماز ابھی تک قضا نہیں کیا ہے تو یہ سب نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

دلیل یہ ہے کہ عصر اور اس کے بعد پانچ نمازوں تک فساد کی حالت واجب ترتیب ہے یعنی عصر، مغرب، عشاء، فجر اور اگلے دن کی ظہر اس نے فساد میں کہ اس نے ابھی تک کل گزشتہ کی ظہر وادائیں نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ترتیب کا مستثنیٰ یہ تھا کہ پہلے کل گزشتہ کی ظہر کی قضا، رات لیکن جب اس نے اگلے دن کی عصر واد کی تو اب گویا کل گزشتہ کی ظہر نے بعد چھ نمازیں فساد ہوئیں اور چھ نمازوں سے کثرت ثابت ہو جاتی ہے اور پہلے مذکور چکا کہ کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے پس جب اس شخص نے اگلے دن کی عصر واد کر لی تو کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو گئی اور جب ترتیب ساقط ہو گئی تو تمام نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

صاحبین نے فرمایا کہ عصر کی نماز حتماً اور قطعاً فساد ہو جائے گی یعنی کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔ پھر اس کے بعد پانچ وقت تک پانچ نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھیں تو صاحبین کے نزدیک پانچوں فساد ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ترتیب ساقط ہونے کی علت کثرت فوائت ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم علت سے مؤخر ہوتا ہے پس سقوط ترتیب کا حکم اس وقت ہوگا جبکہ فوائت کثیر (چھ) ہو جائیں۔ ہذا فائزہ یعنی نماز ظہر کی قضا، کئے بغیر اگر پانچ نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھیں تو پانچ نمازیں قطعی طور پر فساد ہو جائیں گی۔ کیونکہ سقوط ترتیب کی علت نہیں پائی گئی۔

### وتر پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھنے کا حکم

وَلَوْ صَلَّى الصَّحْرَ وَهُوَ دَاكِرٌ أَنَّهُ لَمْ يُؤْتِرْ، فَهِيَ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ حِلًّا قَالَهُمَا، وَهَذَا بَيِّنٌ عَلَى أَنَّ الدُّرُوحَ وَاحِدٌ عِنْدَهُ سِتَّةٌ عَشْرًا، وَلَا تَرْتِيبَ فِيْمَا بَيْنَ الْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ، وَعَلَى هَذَا إِذَا صَلَّى الْعِشَاءَ، تَمَّ نَوَاصِ

وَصَلَّى السُّنَّةَ، وَالْوُتْرَ، ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ صَلَّى الْعِشَاءَ بِغَيْرِ صَهَارَةٍ، فَإِنَّهُ يُعِيدُ الْعِشَاءَ وَالسُّنَّةَ دُونَ الْوُتْرِ، لِأَنَّ الْوُتْرَ  
فَرَضٌ عَلَى حِدَّةٍ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا يُعِيدُ الْوُتْرَ أَيْضًا لِكُتُوبِهِ تَعَاَلَى الْعِشَاءُ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ - اور اگر اس نے فجر کی نماز پڑھی اور یہ یاد ہے کہ وتر کی نماز وانہیں کی ہے، تو یہ فی سہ ہے ابو حنیفہ کے نزدیک صاحبین کا اختلاف ہے۔ اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک وتر واجب ہے۔ صاحبین کے نزدیک سنت ہے اور فرائض اور سنن کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔ اور اسی بناء پر اگر عشاء کی نماز پڑھی پھر وضو کیا اور سنت اور نماز وتر پڑھیں پھر غلام ہوا کہ عشاء بغیر طہارت سے پڑھی ہے تو امام صاحب کے نزدیک عشاء اور سنت دونوں کا اعادہ کرے نہ کہ وتر کا، کیونکہ امام صاحب کے نزدیک وتر سجدہ فرض ہے اور صاحبین کے نزدیک وتر کا بھی اعادہ کرے کیونکہ وہ عشاء کے تابع ہے۔ واللہ اعلم

تشریح - صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے فجر کی نماز پڑھی، حال یہ کہ اس نے وتر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ اور اس کو وتر نہ پڑھنا یا پڑھنا بھی ہے تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک فجر کی نماز فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک فی سہ نہیں ہے۔ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نماز وتر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ترتیب فقط فرائض کے درمیان واجب ہے فرائض اور سنتوں کے درمیان واجب نہیں ہے۔ پس چونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر واجب ہے۔ اس لئے وتر اور فجر کے درمیان ترتیب واجب ہوگی۔ اور مذکورہ صورت میں چونکہ ترتیب موجود نہیں ہے اس لئے فجر کی نماز فی سہ ہو جائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک وتر عشاء سے ہے اس لئے فجر و وتر کے درمیان ترتیب واجب نہ ہوگی اور چونکہ وتر اور فجر کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے فجر کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگرچہ یہ یاد ہے کہ وتر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔

نماز عشاء کے بعد نئے وضو سے سنت و وتر ادا کئے پھر معلوم ہوا عشاء بغیر وضو پڑھی ہے تو کیا حکم ہے؟ اسی اصول پر کہ امام صاحب کے نزدیک وتر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے، اگر کسی نے عشاء کی نماز پڑھ لی پھر وضو کیا اور عشاء کے بعد کی سنتیں اور نماز و وتر ادا کی۔ پھر واضح ہوا کہ عشاء کی نماز بغیر وضو کے ادا کی ہے۔ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشاء کی نماز و سنت دونوں کا اعادہ کرے گا وتر کا اعادہ نہیں کرے گا۔ وتر کا اعادہ تو اس سے نہیں ہوگا کہ وتر امام صاحب کے نزدیک واجب ہے اور اس کو اس کے وقت میں طہارت کے ساتھ ادا بھی کر لیا ہے کیونکہ وتر کا وقت وہی ہے جو عشاء کا وقت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عشاء اور وتر میں ترتیب نہیں پائی گئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عند بنسین کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوئی ہے۔ ہند وتر کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ اور سنت کا اعادہ اس سے ہوگا کہ سنت فرض کے تابع ہوتی ہے۔ پس جب فرض کا اعادہ ہوگا تو اس کے تابع کا اعادہ بھی ضرور ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک وتر چونکہ سنت ہے اور سنت عشاء کے فرضوں کے تابع ہے اس لئے عشاء کی نماز سے ساتھ وتر کا اعادہ بھی ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم، جمیل احمد غنی عنہ

## بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

ترجمہ - (یہ) باب سہو کے سجدوں کے (بیان میں) ہے

تشریح - ادا اور قضاء کے بیان سے فرغت پا کر اب اس چیز کو بیان کریں گے جو ادا اور قضا میں واقع ہونے والے نقصان کی تلافی ہے۔ یعنی سجدہ سہو، جو اسباب کی ترکیب اصافہ المَسْبَبِ إِلَى السَّبَبِ کے قبیلہ سے ہے کیونکہ نماز کے اندر سہو ہی سجدہ واجب

نہانے کا سبب ہے۔ یہ بات کہ نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی کیا حکمت ہے۔ سو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی زبان حق بیان میں مدخل فرمائی۔ سجدہ اول نفس و اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں اور دوسرے سجدہ اس بات پر حال سے کہ میں اس خاک میں لوٹ جاؤں گا۔ مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی (حاشیہ حکام اسلام قتل کی نظر میں) رقم طراز ہیں کہ اور شیطان نے سجدہ سے انحراف کیا تھا اس کو ذلیل کرنے کے لئے دو سجدے فرض ہوئے اور ازل کے عہد کے بعد سجدہ سے اٹھنے تو کافروں کا نہ رہا معلوم ہو اٹنی قوتیں کے شریعہ میں درجہ اہوا تھا وہ اب بھی ہے۔ (احکام اسلام قتل کی نظر میں)

### سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے اور ادائیگی کا طریقہ

سَجْدٌ لِّسَهْوٍ فِي الزِّيَادَةِ وَالْقَصَابِ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ السَّلَامِ، ثُمَّ يَتَشَهَّدُ ثُمَّ يُسَلِّمُ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَسْجُدُ قَبْلَ السَّلَامِ، لِمَارُوِيِّ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ لِلْسَهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ، وَلَمَّا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ السَّلَامِ، وَرَوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ، فَتَعَارَضَتْ رَوَايَتَا فَعِلِهِ، فَبَقِيَ التَّمَسُّكُ بِقَوْلِهِ سَالِمًا وَلَوْلَا سُجُودُ السَّهْوِ مِمَّا لَا يَتَكَرَّرُ، فَوَحَّوْهُ عَنِ السَّلَامِ حَتَّى لَوْ سَهِيَ عَنِ السَّلَامِ يَسْجُرُ بِهِ، وَهَذَا الْخِلَافُ فِي الْأَوَّلِيَّةِ، وَبَنَانِي يَتَسَلِّمَتَيْنِ هُوَ الصَّحِيحُ صَرَفًا لِلْسَّلَامِ الْمَذْكُورِ إِلَى مَا هُوَ الْمَعْنُودُ، وَنَأْنِي بِالصَّلَاةِ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالِدُّعَاءِ فِي قَعْدَةِ السَّهْوِ، هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ مَوْصُوعٌ أَجْرُ الصَّلَاةِ

ترجمہ زیادتی اور نقصان کی صورت میں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کرے۔ پھر تشهد پڑھے۔ پھر سلام پھیر دے اور امام شافعی کے نزدیک سلام سے پہلے سجدہ کرے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سلام سے پہلے سہو کا سجدہ کیا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سہو کے لئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں اور روایت یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے ہیں پس حضرت کے فعل کی دونوں روایتیں متعارض ہیں تو آپ کے قول سے استدلال کرنا بالامحارضہ باقی رہ گیا۔ اور اس کے کہ سجدہ سہو ان چیزوں میں سے ہے جو مکرر نہیں ہوتا۔ لہذا سلام سے موخر کیا جائے گا تا کہ اگر سلام سے سہو کرے تو یہ بھی سجدہ سے پورا ہو جائے اور یہ اختلاف ابولویت میں ہے اور دو سلام پھیرے یہی صحیح ہے کیونکہ احادیث میں جو سلام مذکور ہے وہ معبود سلام کی طرف راجع ہے اور سہو کے قعدہ میں حضور ﷺ پر درود پڑھے۔ اور اپنے لئے دعا مانگے یہی صحیح ہے کیونکہ دعا کا مقام نماز کا آخر ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر کسی فعل کی زیادتی کر دی گئی یا کمی کر دی گئی تو اس پر دو سجدے سہو کے واجب ہوں گے۔ یہی بات کہ سلام کے بعد واجب ہوں گے یا سلام سے پہلے تو جواز کے اندر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سب کا اتفاق ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یا سلام کے بعد کرے دونوں جائز ہیں لہذا روایات میں اختلاف ہے چنانچہ احناف کے نزدیک سلام کے بعد اولیٰ ہے اور امام شافعی کے نزدیک سلام سے پہلے اولیٰ ہے۔ اور امام مالک نے فرمایا کہ اگر مصی کا سہو نقصان سے ہے تو سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے ورنہ زیادتی ہوئی تو سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سجدہ سہو سلام سے پہلے کیا ہے جیسا کہ صحاح ستہ میں عبد اللہ بن مالک کی حدیث ہے۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وَ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا

قَصَى الصَّلَاةَ وَانْطَوَّ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قُلُّ أَنْ يَسْلِمَ، یعنی حضور ﷺ نے قہر کی نماز پڑھی اور پہلے دو رکعتوں میں بغیر قعدہ کے کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ جب نماز قریب الختم ہو گئی اور لوگ آپ کے سامنے پھیرنے کا انتہا کرنے لگے تو آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو قبل السلام ہے۔

احناف کی دلیل: آنحضور ﷺ کا قول لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ السَّلَامِ ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) دوسری دلیل حدیث فعلی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سہو کے بعد دو سجدے کئے ہیں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ دو حدیث فعلی متعارض ہو گئیں ہیں پس ان دونوں کو چھوڑ کر آپ ﷺ کے قول پر عمل کریں گے ورنہ آپ ﷺ کا قول یہ ہے کہ سہو کے دو سجدے سہو کے بعد ہیں۔ احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ باجماع سجدہ سہو مکرم نہیں ہوتا۔ اور سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی صورت میں تکرر کا مکان ہے یا یہ طور کہ سلام سے پہلے سجدہ کر لیا پھر جب سلام پھیرنے کا وقت آیا تو اس کو شک ہو گیا کہ تین رکعتیں ہوئی ہیں یا چار ہوئیں۔ کی سوچ میں پڑا رہا یہاں تک کہ سلام میں تاخیر ہو گئی پھر یاد آیا کہ چار رکعتیں ہو گئیں ہیں تو اب تاخیر سلام کی وجہ سے اس پر دوبارہ سجدہ سہو واجب ہوا ہے اب یہ شخص دوبارہ سجدہ سہو کرے گا یا نہیں۔ دو ہی صورتیں ہیں اگر اس نے دوبارہ سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز میں ایسا نقص باقی رہے گا جس کی تلافی نہیں کی گئی ہے اور اگر دوبارہ سجدہ سہو کیا تو سجدہ سہو تکرر ہو جائے گا حالانکہ یہ باجماع غیر مشروع ہے۔ اس کے مناسب یہ ہے کہ سجدہ سہو سہو کے بعد کیا جائے تاکہ تمام سہو کی تلافی ممکن ہو۔

رہی یہ بات کہ سجدہ سہو سے پہلے دونوں طرف سہو پھیرے یا ایک طرف۔ اس بارے میں مصنف ہدایہ کے نزدیک رائج یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرے اسی کے قائل ثمس المہ السرخسی و صدر الاسلام اور فقیہ ابو الیث ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔ اور شیخ الاسلام خواہر زادہ، علامہ فخر الاسلام اور صاحب ایضاح کے نزدیک رائج یہ ہے کہ فقط اس طرف سلام پھیرے۔ مصنف ہدایہ نے قول صحیح کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ حدیث میں جہاں لفظ سہو مذکور ہے اس سے متعارف اور معبود سلام مراد ہے اور متعارف دونوں طرف سلام پھیرنا ہے نہ کہ ایک طرف۔ اس لئے دونوں طرف سلام پھیرنا ضروری ہوگا۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ سلام کے دو حکم ہیں ایک تو قوم کے لئے تحیہ اور دوم تحلیل و یہ سلام جو سجدہ سہو کے لئے ہے اس میں تحیہ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ جو سلام تحیہ اور دعا کے لئے ہوتا ہے وہ قاطع احرام ہوتا ہے اور یہاں نماز کو قطع کرنا مقصود نہیں ہے اس معلوم ہوا کہ تحلیل مراد ہے اور تحلیل میں تکرار نہیں ہوتا اس لئے تکرر سلام کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایک طرف کافی ہوگا۔

رہی یہ بات کہ درود علی النبی ﷺ اور دعاء، ثورہ قعدہ صلوٰۃ میں پڑھے یا قعدہ سہو میں۔ قعدہ صلوٰۃ سے مراد سجدہ سہو سے پہلے کا قعدہ ہے اور قعدہ سہو سے مراد سجدہ کے بعد کا قعدہ ہے اس بارے میں امام طحاوی نے فرمایا کہ دونوں قعدوں میں پڑھے یعنی قعدہ صلوٰۃ میں بھی اور قعدہ سہو میں بھی اور شیخین کے نزدیک قعدہ صلوٰۃ میں پڑھے یعنی سجدہ سہو سے پہلے اور امام محمد کے نزدیک قعدہ سہو میں پڑھے یعنی سجدہ سہو کے بعد، مصنف ہدایہ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے مذہب کی تائید میں ایک ضابطہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ قعدہ جس کے آخر میں سلام ہو اس میں درود علی النبی ﷺ پڑھا جائے گا۔ پس اس ضابطہ کی روشنی میں دونوں قعدوں میں درود پڑھا جائے گا یعنی جو سجدہ سہو سے پہلے بھی اور اس کے بعد کیونکہ ان دونوں قعدوں یعنی قعدہ صلوٰۃ اور قعدہ سہو کے آخر میں سلام ہے۔

تینہیں کی دلیل یہ ہے کہ درود اور دو ختم صلوٰۃ کے قعدے میں پڑھے جاتے ہیں اور جس شخص پر سجدہ سہو واجب ہوا اس کا وہ سجدہ جو سجدہ سہو کے لئے ہے وہ نماز سے نکال دیتا ہے۔ پس جب یہ سجدہ نماز سے نکال دیتا ہے تو قعدہ صلوٰۃ ہی قعدہ ختم ہوا اور امام محمد کے نزدیک چونکہ ان سجدہ نماز سے خارج نہیں رہتا بلکہ جو سجدہ کے بعد جو سجدہ ہے وہ نماز سے نکال دیتا ہے اس لئے قعدہ سہو قعدہ ختم ہوگا نہ کہ قعدہ صلوٰۃ اور درود اور دو کا مقام چونکہ نماز کا آخر ہے اس لئے قعدہ سہو میں درود اور دو پڑھے گا نہ کہ قعدہ صلوٰۃ میں۔ امام محمد کا قول ہی مفتی ہے۔

**سجدہ سہو ہر اس زیادتی سے لازم ہوتا ہے جو جنس صلوٰۃ ہو مگر جزاء صلوٰۃ نہ ہو**

قَالَ وَيَسْزِمُهُ السَّهْوُ إِذَا رَأَىٰ فِي صَلَاتِهِ فِعْلًا مِنْ حِسِّهَا لَيْسَ مِنْهَا، وَهَذَا يُدَلُّ عَلَىٰ أَنَّ سَجْدَةَ السَّهْوِ وَاجِبَةٌ هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّهَا تَجِبُ لِخَيْرِ نَقْصَانٍ تَمَكَّنَ فِي الْعِبَادَةِ فَتَكُونُ وَاجِبَةً كَأَيِّدَمَاءٍ فِي الْحَجِّ، وَإِذَا كَانَ وَاجِبًا لَا يَجِبُ إِلَّا بِتَرْكِ وَاجِبٍ أَوْ تَأْخِيرِهِ أَوْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ سَاهِيًا، هَذَا هُوَ الْأَصْلُ، وَإِنَّمَا وَجِبَتْ بِالزِّيَادَةِ لِأَنَّهَا لَا تَعْرِىٰ عَنْ تَأْخِيرِ رُكْنٍ أَوْ تَرْكِ وَاجِبٍ

ترجمہ اور سہو لازم ہوگا جبکہ اپنی نماز میں ایسا فعل زیادہ کیا جو نماز کی جنس تو ہے (لیکن) نماز کا جز نہیں ہے اور یہ سب بات پردا سے کہ سجدہ سہو واجب ہے یہی صحیح ہے کیونکہ سجدہ سہو اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہے، جو نقصان عبادت میں متمکن ہو گیا تو یہ واجب ہوگا، جیسے کہ حج کے اندر قربانیاں ہیں اور جب یہ سجدہ واجب ٹھہرے تو واجب نہ ہوگا مگر سہو ترک واجب ہے، تاخیر سے یا کسی رکن کی تاخیر سے ضابطہ یہی ہے اور سجدہ سہو زیادتی سے اس لئے واجب ہوا کہ وہ کسی رکن کی تاخیر یا ترک واجب سے خالی نہیں ہوتا۔

**تشریح** اول باب میں بیان کیا تھا کہ سجدہ سہو زیادتی اور نقصان کی وجہ سے واجب ہوتا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کون سی زیادتی اور نقصان موجب سہو ہے پس یہاں سے اسی کی تفصیل اور تفسیر مذکور ہے۔ چنانچہ صاحب قداری نے فرمایا ہے کہ سجدہ سہو ہر اس فعل کو زیادہ کرنے سے کہ لازم ہوگا جو فعل نماز کی جنس سے تو ہے مگر نماز کا جز نہیں ہے۔ مثلاً ایک رکعت کے دو رکوع کر لئے یا تین سجدے کر لئے تو ایک رکوع و ایک سجدہ جو زائد ہے وہ اگرچہ نماز کی جنس سے ہے مگر نماز کا جز نہیں ہے۔ لہذا ایک رکوع کے بجائے دو رکوع کئے دو سجدوں کی جگہ تین سجدے کئے تو اس زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ ماتن کا قول وَ يَلْزِمُهُ السَّهْوُ إِذَا زَادَ الْحَجَّ سَجْدَةَ سَهْوٍ وَاجِبٌ هُوَ نَقْصَانٌ بِرَدِّهَا تَرْتَابًا۔ درود جو باقی ہے اس کی قائل امام مالک و امام احمد ہیں اور بعض علماء احناف جیسے امام ابو الحسن رخنی فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو سنت ہے۔

قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ سہو اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے، جو عبادت میں پیدا ہو گیا ہے چنانچہ اگر سجدہ سہو کے ذریعے نقصان یا رائے یہ گیا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا تا کہ نقصان پورا ہو پس جب نقصان پورا کرنے کے لئے نماز کا اعادہ واجب ہے تو سجدہ بھی واجب ہوگا کیونکہ اس سے بھی نقصان پورا ہوتا ہے۔ جیسا کہ نماز کے اعادہ سے نقصان پورا ہوتا ہے اور سجدہ سہو کی مثال یہی ہے جیسے حج کے اندر دم جنایت، یعنی حرام کی حالت میں اگر جنابت ہوگئی تو اس سے حج کے اندر نقصان پیدا ہو جائے گا اور اس نقصان کی تلافی دم جنایت (قربانی) سے ہوگی اور دم جنایت واجب ہوتا ہے جس طرح حج کے اندر دم جنایت واجب ہے ان طرح نماز کے اندر سجدہ سہو واجب ہے۔



ترجمہ۔ کیا فاتحہ قرأت چھوڑ دی کیونکہ (نماز میں فاتحہ پڑھنا) واجب ہے، یا دعاء قنوت چھوڑ دے یا تشہد یا تکبیرات عیدین چھوڑے کیونکہ یہ چیزیں واجبات ہیں۔ اس نے کہ حضور ﷺ نے ان پر مواظبت فرمائی ہے بغیر کبھی ترک کئے اور یہ علامت ہے وجوب میں۔ اور اس سے یہی چیزیں پوری نماز کی طرف منسوب نہ جاتی ہیں۔ پس اس بات پر دلائل ہوتی ہیں کہ یہ چیزیں نماز کے خصائص میں سے ہیں۔ اور یہ اختصاص واجب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ پھر تشہد کا (مصدقاً) ذکر کرنا احتمال رکھتا ہے قعدہ اولیٰ اور ثانیہ کا اور ان دونوں میں اشیاء پر حصے بنے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک واجب ہے اور ان کے ترک میں جحدہ سہو۔ لازم ہے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح۔ اس عبارت میں ان چیزوں کی تفصیل ہے جن کے ترک کر دینے سے جحدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ نماز کے اندر قرأت فاتحہ چھوڑنا بھی موجب جحدہ ہے کیونکہ قرأت فاتحہ واجب ہے لیکن یہ خیال رہے کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں ترک فاتحہ سے جحدہ سہو واجب ہوگا اور آخر کی دو رکعتوں میں ترک فاتحہ سے جحدہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ آخر کی دو رکعتوں میں فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اہل امام ابو حنیفہ سے حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ آخرین میں بھی ترک قرأت فاتحہ سے جحدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

نماز وتر میں دعاء قنوت چھوڑنا اور تشہد کا چھوڑنا اور تکبیرات عیدین کو چھوڑنا یہ سب موجب جحدہ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں واجبات ہیں اور ترک واجب سے جحدہ سہو واجب ہو جاتا ہے لہذا ان کے ترک سے بھی جحدہ واجب ہو جائے گا۔ اور ان چیزوں کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں پر مداومت فرمائی ہے اور کبھی ترک نہیں کیا ہے اور رسول پاک ﷺ کا کسی چیز پر بغیر ترک کئے مداومت فرمانا اس کے واجب ہونے کی علامت ہے۔

اور یہ دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے قنوت الوتر تکبیرات صلوٰۃ عیدین، تشہد صدقہ۔ پس ان چیزوں کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا جانا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ چیزیں نماز کے خصائص میں سے ہیں۔ اور اختصاص ثابت ہوتا ہے وجوب سے۔ پس ثابت ہو کہ یہ چیزیں واجبات میں سے ہیں۔

سادب ہر یہ نہ فرمایا کہ شیخ ابوالحسن قدوری نے غلط تشہد ذکر کیا ہے۔ اور لفظ تشہد تعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ اور التھیات پڑھنے پر بول جانا کے اور ان میں سے ہر ایک واجب ہے اور ان سب کے ترک میں جحدہ سہو لازم ہے یہی قول صحیح ہے۔

مدائین اس عبارت پر اعتراض ہے وہ یہ کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے وَكُلُّ ذَلِكَ وَاجِبٌ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ اخیرہ بھی واجب ہے حالانکہ تعدہ اخیرہ واجب نہیں ہے بلکہ فرض ہے اس کو ترک کرنے سے نہ نہیں فاسد ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت میں تجزیہ سے یہی قعدہ اخیرہ کے ترک سے مراد اس کی تاخیر ہے یعنی بغیر تعدہ اخیرہ کئے اگر پانچویں رکعت کے لئے ہڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت وجہ سے ساتھ مقید نہیں یا بلکہ تعدہ کی طرف لوٹ آیا تو جحدہ سہو کے نماز پوری کر لے چونکہ تاخیر میں بھی ایک وقت ترک کرنے سے تاخیر و ترک سے ساتھ تعبیر مردیٰ گیا۔

جہری نماز میں سر اور سری نماز میں جہر قرأت سے بھی جحدہ سہو واجب ہوتا ہے

وَلَوْ حَضَرَ الْإِمَامُ فِيمَا يُحَافَتُ وَحَافَتُ فِيمَا يُجْهَرُ لَمْ يَرْمَهُ سَحَدًا لَّشَّهَرٍ لِأَنَّ الْجَهْرَ فِي مَوْصِعِهِ وَالْمَحَافَتَةُ

فِي مَوْصِعِهَا مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَاخْتَلَفَ الرَّوَايَةُ فِي الْمَقْدَارِ وَالْأَصَحُّ قَدْرُ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ فِي الْفَضْلَيْنِ لِأَنَّ  
الْيُسْرَ مِنَ الْجَهْرِ وَالْإِخْفَاءِ لَا يُمَكِّنُ الْإِحْيَاؤَ عَنْهُ وَعَنِ الْكَثِيرِ مُمَكِّنٌ وَمَا تَصِحُّ بِهِ الصَّلَاةُ كَثِيرٌ عَنِ أَنْ  
دَلِكَ عِنْدَهُ آيَةٌ وَاحِدَةٌ وَعِنْدَهُمَا ثَلَاثُ آيَاتٍ وَهَذَا فِي حَقِّ الْإِمَامِ دُونَ الْمُسْتَفْرِدِ لِأَنَّ الْجَهْرَ وَالْمَعْرِفَةَ مِنْ  
حَصَائِصِ الْحَمَاعَةِ

ترجمہ اور امام نے ان نمازوں میں جہر کیا جن میں اخفاء کرنا واجب ہے یا ان نمازوں میں اخفاء کرنا واجب ہے تو  
اس پر جہدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ جہر اپنے موقع پر اور اخفاء اپنے موقع پر واجبات میں سے ہے اور مقدار نے بارے میں روایت مختلف ہوئی  
اور اصح دونوں صورتوں میں اتنی مقدار ہے جس سے نماز جائز ہو جاتی ہے کیونکہ خفیف سا جہر اور خفیف سا اخفاء اس سے پی و ممکن نہیں ہے  
اور شہر مقدار سے پی و ممکن ہے اور جس قدر سے نماز صحیح ہو جاتی ہے وہ شہر ہے مگر یہ کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مقدار ایک آیت ہے اور  
صاحبین کے نزدیک تین آیتیں ہیں اور ان دونوں صورتوں میں جہدہ واجب ہونا امام کے حق میں ہے نہ کہ منفرہ کے حق میں کیونکہ جہر اور  
اخفاء جماعت کے خصائص میں سے ہے۔

تشریح ہمارے نزدیک سری نماز کے اندر جہر کرنا اور جہر کی نماز میں اخفاء کرنا جہدہ سہو واجب کرتا ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ ان  
صورتوں میں جہدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ امام مالک اور امام احمد نے فرمایا کہ اگر سری نماز میں جہر کیا تو سلام کے بعد جہدہ ہوگا۔ اور اگر  
جہر کی نماز میں اخفاء کیا تو سلام سے پہلے جہدہ کرے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ ان صورتوں میں اگر جہدہ کرے یا تو قَالَ حَمْدُ اللَّهِ عَلَى  
ذَلِكَ اور اگر جہدہ نہیں کیا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام شافعی کا مستند حضرت ابوقحافہ کی حدیث ہے یعنی، اَنَّ السَّيِّئَ كَانَ  
يَسْمَعُ الْآيَةَ وَالْآيَتَيْنِ فِي الطُّهْرِ وَالْعَصْرِ یعنی آنحضرت ﷺ ہم و ظہر اور عصر میں ایک یا دو آیتیں سن کر کہتے تھے۔ اس کے معصوم  
ہو کہ ظہر اور عصر میں اخفاء واجب نہیں ہے پس جب ان نمازوں میں اخفاء واجب نہیں ہے تو رات کی نمازوں میں جہر کیونکر واجب ہوگا  
اور جب جہر کی نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اخفاء واجب نہیں ہے تو ان کو پھر دینے سے جہدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔  
(الغایہ) ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نہ اور عصر کی نماز میں جہر اس لئے کیا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ظہر  
اور عصر میں بھی قراءت مشروع ہے پس جب آپ کا مقصد یہ تھا تو اس سے آپ پر جہدہ سہو واجب نہیں ہوا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جن نمازوں میں بالجہر قراءت کی جاتی ہے ان میں جہر کرنا امام پر واجب ہے۔ تاکہ امام کی قراءت و مقتدی بھی  
سن لے اور امام کی قراءت مقتدی کے قائم مقام ہو جائے اور ان کی نمازوں میں امام پر اخفاء اس لئے واجب ہے کہ اخفاء اس میں مشروع  
نہیں ہے تاکہ غبار کے غلطی میں ڈالنے سے قرآن پاک کو محفوظ کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ کو معصوم ہوگا کہ مدنی، قاضی نے اخفاء قراءت کا حکم  
اس وقت دیا ہے جبکہ کفار آنحضرت ﷺ کو مکہ و مدینہ کے وقت غلطی میں ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دن کی نمازوں  
میں اخفاء واجب ہے۔ رات کی نمازوں میں واجب نہیں ہے کیونکہ رات میں وہ لوگ پڑے سوتے رہتے تھے پس حاصل یہ ہے کہ دن کی  
نمازوں میں اخفاء قرآن کی حفاظت کے پیش نظر مشروع کیا گیا ہے اور اس طرح کی چیزوں سے قرآن کی حفاظت کرنا واجب ہے پس  
ثابت ہو کہ دن کی نمازوں میں اخفاء واجب ہے۔ بہر حال جب سری نمازوں میں جہر کرنا اور جہر کی نمازوں میں اخفاء کرنا واجب ہوا تو  
اس و ترک کرنے سے جہدہ سہو بھی واجب ہو جائے گا کیونکہ ترک واجب سے جہدہ واجب ہو جاتا ہے۔ (الغایہ)



رنی یہ بات ہے۔ جہر کی نماز میں اس قدر اٹھا کر سننے سے اور نہ ہی نماز میں اس قدر جہر کرنے سے جہد واجب ہوتا ہے سو اس بارے میں ایسا مختلف ہیں۔ چنانچہ صاحب الہدایہ میں ہے کہ دونوں صورتوں میں قلیل و بیش برابر ہیں۔ یعنی جہر کی نماز میں اٹھا دیا یا سری نماز میں جہر کیا تو اقل یا متعدد یہ بیش و کم دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ جس مقدار سے ضرورت ہو جاتی ہے اس سے اٹھا اور جہر سے دونوں صورتوں میں سجدہ سہو میں اتنی مقدار کے ساتھ اٹھا دیا تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔ یہوندہ اور اٹھا دیا تھوڑی سی مقدار سے چنانچہ ممکن نہیں ہے البتہ مقدار بیش سے چنانچہ ممکن ہے۔ اس نے ہوا ظہر مقدار بیش کے ساتھ متعلق ہوا نہ یہ تدریج قلیل کے ساتھ۔ اور جس قدر قراوت سے نماز درست ہو جاتی ہے وہ بیش ہے اور اس سے قلیل نہیں ہے۔

رنی یہ بات کہ **فَکَیْفَ یُحْضَرُ بِهِ الصَّلَوةُ** کی مقدار یہ ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک ایک بیت اور ساتیس کے درمیان تین تین ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ سری نمازوں میں جہر کی وجہ سے اور جہر کی نمازوں میں اٹھا دینا وجہ سے وجوب سجدہ کا حکم امام کے حق میں ہے۔ مندرجہ بالا میں نہیں تھی اگر امام نے یہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہو گا اور اگر منفر دینے یا تو سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا۔ دلیل یہ ہے کہ وہ مختلف جماعت کے اہل اس میں سے ہے یعنی جہر کی نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں اٹھا دینا جماعت کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور نہ وہ جماعت پر ہوتا ہے تو اس کو اختیار ہے، جہر کے ساتھ قراوت کرے یا اٹھا کرے۔ پس جب منفر د پر جہر یا اٹھا دینا واجب نہیں ہے تو اس کو ترک کر لینے سے سجدہ بھی واجب نہیں ہو گا۔ اور امام پر چونکہ واجب ہے اس کے ترک کر لینے کی صورت میں سجدہ واجب ہو گا۔ اس پر اہل دین نے اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ جہر کی نمازوں میں وجوب جہر کا جماعت کے خاصہ میں سے ہونا تائید ہے یہاں جہر کی نمازوں میں منفر دو اختیار ہے کہ وہ جہر قراوت کرے یا اٹھا دینا، لیکن سری نماز میں وجوب اٹھا دینا کا جماعت کے خاصہ میں سے ہونا تائید نہیں ہے۔ کیونکہ سری نمازوں میں منفر د پر بھی اٹھا دینا کے ساتھ قراوت کرنا واجب ہے۔ لہذا سری نمازوں میں اٹھا دینا کی وجہ سے منفر د پر بھی جہد واجب ہونا چاہئے حالانکہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں بھی منفر د پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔

جواب۔ یہ روایت ہے یعنی سری نمازوں میں منفر دو پر مخالفت کا واجب ہونا نوادر کی روایت ہے اور خط ہر امر ایسا ہے مطابق تو منفر دو پر مخالفت واجب نہیں ہے کیونکہ ان کی نمازوں میں قراوت کے ساتھ اٹھا دینا اس لئے واجب ہوا تھا تا کہ کفار کی طرف سے واقع ہونے والے فتنے اور یہودیوں اور غدار کا قراوت میں معاند پیدا کرنا ہی وقت ہو گا جب کہ نماز پر سہیل شہرت ادا کی جائے اور منفر دو کی قراوت میں شہرت نہیں ہوتی اس سے اس پر اٹھا دینا واجب نہ ہو گا۔ بلکہ اس کو اختیار ہو گا کہ وہ سری نمازوں میں بھی اٹھا دینا کے ساتھ قراوت کرے یا جہر کے ساتھ کرے۔ جب منفر دو اختیار ہے تو ترک اٹھا دینا کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب نہ ہو گا۔ (حنیہ)

امام کے بھولنے سے امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو لازم ہے

قَالَ وَسُئِلَ الْإِمَامُ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُودَ لِتَقَرُّرِ السَّبَبِ الْمَوْجِبِ فِي حَقِّ الْأَصْلِ وَيَهْدَى بِلُزْمِهِ حُكْمُ الْإِفْقِ بِتَدْنِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ لِأَنَّهُ لَا يَصِيرُ مُخَالَفًا وَمَا الرَّدُّ الْأَدَاءَ الْأَمَّا بَعْدُ

ترجمہ کہہ کہ امام کا سہو کرنا مقتدی پر سجدہ واجب کرتا ہے کیونکہ صل (امام) کے حق میں سجدہ واجب رہنے اور سبب قیام رہنا پکٹا ہے کی وجہ سے مقتدی پر اقامت کا حکم امام کی نیت سے لازم ہو جاتا ہے۔ پھر اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی کی سجدہ لازم ہے کیونکہ (اس صورت میں) مقتدی اپنے امام کا مخالف ہو جائے گا حالانکہ اس نے امام کی متابعت میں رہنے والا تھا امام یا تو۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ امام سے کوئی سہو ہو گیا تو سجدہ سہواً پر بھی واجب ہوگا اور مقتدی پر بھی کیونکہ جو سبب امام کے حق میں سجدہ سہو واجب رہنے والا ہے وہ مقتدی کے حق میں بھی متحقق ہو گیا ہے اس لئے کہ مقتدی نے صحت و فساد اقامت میں امام کی متابعت و اپنے اوپر لازم کر لیا ہے پس امام کے سہو کی وجہ سے جو نقصان امام کی نماز میں ممکن (پیدا) ہو گیا ہے وہ نقصان مقتدی کی نماز میں بھی یقیناً پیدا ہوگا اور جب امام اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے سجدہ سہو کرے گا تو مقتدی پر بھی اپنی نماز میں پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ چونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے تابع ہوتی ہے اسی لئے اگر امام اور مقتدی سبب سہو فرمیں اور نماز کے دوران امام نے اقامت کی نیت کر لی تو مقتدیوں کی فرض نماز چار رکعت ہو جائے گی اگرچہ مقتدیوں کی صرف نیت نہیں پائی گئی۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود امام نے سجدہ سہو نہیں کیا تو مقتدی پر بھی سجدہ واجب رہے گا۔ امام شافعی، امام مالک و امام احمد کے نزدیک مقتدی پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ اگرچہ امام نے سجدہ نہیں کیا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر مقتدی نے بغیر امام کے سجدہ کئے سجدہ سہو کیا تو امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ حالانکہ اگر امام یہ یہ تھا کہ امام کے تابع ہو کر ادا کرے گا۔ حاصل یہ کہ اگر مقتدی امام کی مخالفت اور متابعت اور مخالفت کے درمیان میں رہے ہیں جب مقتدی کے سجدہ کرنے سے مخالفت متحقق ہو گئی تو تابع منہی ہو گئی۔

### مقتدی کی بھول سے امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو نہیں

فَإِنْ سَهِيَ الْمُؤْتَمِّعُ لَمْ يَلْزَمْ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمِّعُ السُّحُودَ لِأَنَّهُ لَوْ سَحَدَ وَخَذَهُ كَانَ مُحَالِفًا لِلْإِمَامِ وَنَوَاحِلُهُ الْأَمْرُ يُفْقِلُ الْأَصْلَ تَبَعًا

ترجمہ پس اگر مقتدی نے سہو کیا تو نہ امام پر سجدہ کرنا لازم ہے نہ مقتدی پر کیونکہ اگر سجدہ مقتدی کرے تو وہ اپنے امام کی مخالفت کرے گا۔ اگر امام بھی اس کی متابعت کرے تو جو اصل تھا وہ تابع ہو جائے گا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی سے نماز میں کوئی سہو ہو جائے مثلاً قعدہ میں میں تشہد نہیں پڑھا تو اس کی وجہ سے امام سجدہ سہو لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر کیونکہ صحت و فساد کے اعتبار سے امام کی نماز مقتدی کی نماز پر پائی نہیں جاتی ہے۔ اس لئے مقتدی کی نماز کے ناقص ہونے سے امام کی نماز ناقص نہیں ہوگی۔ اور جب امام کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا تو اس پر سجدہ بھی واجب نہیں ہوگا اور جب امام نے سجدہ سہو کیا ہے تو مقتدی پر بھی واجب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگر مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہوتا تو سجدہ سہو امام کی نماز میں بھی لازم ہو جاتا۔

کے ساتھ سجدہ کرے گا پہلی صورت میں امام کی غیبت کرنا لازم آئے گا اور دوسری صورت میں قلب موضوع لازم آئے گا یعنی امام جو اصل تھا وہ تابع ہو جائے گا اور مقتدی جو تابع تھا اصل ہو جائے گا۔ اور یہ دونوں باتیں جائز نہیں ہیں۔ یعنی غیبت امام اور قلب موضوع۔ پس جب یہ دونوں باتیں جائز نہیں ہیں تو مقتدی پر سجدہ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

**قعدہ اولیٰ بھول گیا پھر یاد آیا اگر بیٹھنے کے قریب ہے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کرے گا یا نہیں**

وَمِنْ سَهْوٍ عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُولَىٰ ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ إِلَىٰ حَالَةِ الْقُعُودِ أَقْرَبُ عَادَ رَقْعَدَ وَتَشْهَدُ لِأَنَّ مَا يَقْرُبُ مِنَ الشَّيْءِ تَأْخُذُ حُكْمَهُ ثُمَّ قَبْلَ سَجْدَةٍ لِلَّهِ لِلتَّاجِرِ وَالْأَصْحَ أَنَّهُ لَا يَسْجُدُ كَمَا إِذَا لَمْ يَقُمْ وَلَوْ كَانَ إِلَى الْقِيَامِ أَقْرَبُ لَمْ يُعِيدْ لِأَنَّهُ كَالْقَائِمِ مَعْمُومٍ وَيَسْجُدُ لِلَّهِ لِأَنَّهُ تَرَكَ الرَّاحِبَ

ترجمہ اور جو شخص قعدہ اولیٰ کو بھول گیا پھر یاد کیا اسکی حالت میں کہ وہ حالت قعود سے زیادہ قریب ہو تو عود کرے اور قعدہ کرے اور تشہد پڑھے کیونکہ جو شے کسی چیز سے قریب ہو وہ اسی کا حکم لے لیتی ہے۔ پھر کہا گیا کہ تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ وراحت یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے جیسے وہ کھڑا ہی نہیں ہوا اور اگر قیام سے زیادہ قریب ہو تو قعدہ کی طرف عود نہ کرے کیونکہ یہ معنی قائم کے مانند ہے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ اس نے واجب ترک کیا ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ رباعی یا ثلاثی فرضوں میں اگر کسی نے قعدہ اولیٰ کو فراموش کر دیا اور پھر یاد آیا تو دوسورتیں ہیں یا تو قعود کرے زیادہ قریب ہوگا یا اس نے اپنے گھٹنوں کو نہیں اٹھایا ہے اور یہ قیام سے زیادہ قریب ہوگا یا اس نے اپنے گھٹنوں کو اٹھ لیا ہے پس اگر اول صورت ہے تو عود کر کے قعدہ کرے اور تشہد پڑھے۔ کیونکہ قریب اٹھنے کی شے کا حکم لے لیتی ہے۔ جیسے نماز جمعہ اور نماز عیدین کے حق میں قضا شہر کو شہر کا حکم حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں سجدہ سہو جب ہوگا یا نہیں تو بعض حضرات کی رائے ہے کہ سجدہ سہو واجب ہوگا کیونکہ قعدہ اولیٰ جو واجب ہے اس میں تاخیر پائی گئی اور توں صحیح یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہوا ہے اس سے کہ جب قریب اٹھنے کو شے کا حکم دے دیا گیا تو گویا وہ کھڑا ہی نہیں ہوا اور جب قعدہ ولی کو چھوڑ کر قیام متحقق نہیں ہوا تو قعدہ اولیٰ میں تاخیر بھی نہیں پائی گئی اور جب تاخیر نہیں پائی گئی تو سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ شخص قعدہ کی طرف نہ لوٹے بلکہ تیسری رکعت کے کھڑا ہو جائے کیونکہ ابھی یہ ضابطہ نذر ہے کہ قریب اٹھنے کے کارجہ دے دیا جاتا ہے پس جب یہ شخص قیام سے قریب تر ہے تو معنی قائم ہی کے مرتبہ میں ہے اور قائم کے لئے قعدہ اولیٰ کے اٹھنے کی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تیسری رکعت کا قیام فرض ہے اور قعدہ اولیٰ واجب ہے اور واجب کی وجہ سے فرض کو چھوڑنا درست نہیں ہے اس لیے اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا کیونکہ اس نے واجب یعنی قعدہ اولیٰ کو ترک کر دیا ہے۔

**اور اگر کھڑے ہونے کے قریب ہے کھڑا ہو جائے اور سجدہ سہو کرے**

رَأَىٰ سَهْوًا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ حَتَّىٰ قَامَ إِلَىٰ الْخَامِسَةِ رَاحَ إِلَى الْقَعْدَةِ مَالَهُ يَسْجُدُ لِأَنَّ فِيهِ إِصْلَاحٌ صَلَاحٌ وَأَمَّا ذَلِكَ لِأَنَّ قَامَ دُونَ الرَّكْعَةِ بِمَحَلِّ الرَّفِصِ قَالَ وَالْعَمَلُ الْخَامِسَةَ لِأَنَّهُ رَاحَ إِلَى شَيْءٍ مَحْنَةٍ فَلَهَا فَبَرَأَ لَهَا وَسَجَدَ لِلَّهِ لِأَنَّهُ أَحْرَ وَأَحْجَا

ترجمہ اور اگر قعدہ اخیرہ سے سہو ہو گیا حتیٰ کہ پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب (پانچویں رکعت کا) سجدہ نہیں کیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے کیونکہ اس میں اس کی نماز کی اصلاح کرنا ہے اور یہ اس کے لئے ممکن بھی ہے اس لئے کہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑا جائے۔  
ہے۔ اہم قدری نے کہا کہ پانچویں رکعت کو لغو کر دے کیونکہ وہ ایسی چیز کی طرف پھرا ہے جس کا مکمل پانچویں رکعت سے مقدم ہے اس کو چھوڑ دے اور سہو کا سجدہ کرے کیونکہ اس نے فرض کو مؤخر کر دیا ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ بھول گیا اور رہائی نماز میں پانچویں رکعت کے لئے جہاں ہو گیا یا ثانی نماز (مغرب و وتر) میں چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا یا ثانی میں تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک اس رکعت وقت کی رہائی میں پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ متعید نہیں کیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ دلیل یہ ہے کہ قعدہ کی طرف لوٹ آئے میں اس کی نماز کی اصلاح ہے اور اس کے لئے نماز کی اصلاح ممکن بھی ہے۔ کیونکہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑنے میں وہی مقدم نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک رکعت سے کم نہ تو حقیقتہً نماز ہے اور نہ نماز کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا پھر ایک رکعت سے کم پڑھی تو حائث نہیں ہوگا۔

ری پانچویں رکعت تو صاحب قدری نے فرمایا ہے کہ پانچویں رکعت کو لغو کر دے۔ کیونکہ یہ شخص قعدہ اخیرہ کی طرف لوٹ آئے اور قعدہ اخیرہ کا مکمل پانچویں رکعت سے پہلے ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص فعل صلوٰۃ میں سے کسی فعل سے ایسی چیز کی طرف لوٹ آئے جس کا مکمل اس سے پہلے ہے تو وہ فعل مرجوع عنہ (جس سے رجوع کیا گیا) لغو ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہی شخص تشہد کی مقدار میں پڑھا پھر یا آتا ہے نماز کا سجدہ نہیں کیا یا سجدہ تلاوت نہیں کیا پھر اس نے یہ فوت شدہ سجدہ کیا تو سجدہ کرنے سے پہلے کا قعدہ لغو ہو گیا ہے۔ کیونکہ سجدہ کا مکمل قعدہ اخیرہ سے مقدم ہے۔ بہر حال جب پانچویں رکعت چھوڑ کر قعدہ اخیرہ کی طرف لوٹ آیا تو سجدہ بھول کر واجب رہا۔ دیکھو اس صورت میں تاخیر فرض بھی ہے اور تاخیر واجب بھی، تاخیر فرض تو اس لئے کہ قعدہ اخیرہ میں تاخیر ہوئی ہے اور قعدہ اخیرہ فرض ہے اور تاخیر واجب اس کے لئے کہ قعدہ اسلام واجب ہے وہ مؤخر ہو گیا ہے۔

ہدایہ کی عبارت لَآئِلٌ اٰخَرٌ وَاجِبٌ میں لفظ واجب سے ادب کے معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور واجب قطعی جیسی فرض بھی مراد ہو سکتا ہے۔ پہلے معنی مراد لینے کی صورت میں لفظ اسلام کی تاخیر مراد ہوئی اور دوسرے معنی مراد لینے میں قعدہ اخیرہ کی تاخیر مراد ہوئی۔

**قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو فرض ہو گئے یا باطل ہیں، اقوال فقہاء**

وَإِنْ قَيَّدَ الْحَامِسَةَ بِسُجْدَةٍ بَطَلَ فَرَضُهُ عِنْدَنَا جَلَاً لِلشَّائِعِي لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ شُرُوعُهُ فِي النَّافِلَةِ قُلْ بِإِكْمَالِ أَرْكَانِ الْمَكْتُوبَةِ وَمِنْ صُرُورِهَا عَنْ الْفُرُصِ وَهَذَا لِأَنَّ الرُّكْعَةَ بِسُجْدَةٍ وَاحِدَةٍ صَلَوةٌ حَقِيقَةٌ حَتَّى يَتَحَسَّنَ بِهَا فُيُصَلِّي وَيُحَوِّلُ صَلَاتَهُ نَفْلًا عِنْدَ أَبِي حَنِفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ جَلَاً لِمُحَمَّدٍ عَلَى مَا مَرَّ

ترجمہ اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ متعید کیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ ماہر شافعی کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ فرض کے ارکان پورے کرنے سے پہلے اس کا مکمل کو شروع کرنا مستحکم ہو گیا اور اس کے لئے فرض سے ممکن اور واجب اور یہ اس لئے کہ رکعت و ایک سجدہ کے ساتھ درحقیقت نماز ہے حتیٰ کہ اگر لَا يُصَلِّي کی قسم کھائی ہو تو ایک رکعت ایک سجدہ کے ساتھ پڑھنے

سے حائث ہو جائے گا۔ اور اس کی نماز بدل کر نفل ہو گئی ہے شیخین کے نزدیک۔ امام محمد کا اختلاف ہے اسی بنا پر جو گنہگار چکا ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کا فرض باطل نہیں ہوا بلکہ وہ قعدہ کی طرف عود کر کے تشہد پڑھے اور سجدہ سو کرے سد م پھیرے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب پانچویں رکعت کے لئے بھول کر رہا ہو یا پانچویں رکعت کے لئے عدا کھڑا ہوا اور قعدہ اخیرہ ترک کر دیا تو ہمارے نزدیک اس صورت میں بھی اگر پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح کہ بھول کر کھڑے ہونے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ شخص جو پانچویں رکعت کے لئے عدا کھڑا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

حاصل یہ ہے کہ اس مسئلے میں ہمارے اور شوافع کے درمیان دو جگہ اختلاف ہے۔ ایک تو یہ کہ بھول کر اگر ایک رکعت زیادہ کر دی یعنی چار کے بجائے پانچ ہو گئیں تو ہمارے نزدیک پانچویں رکعت کو نہ چھوڑے بلکہ چھٹی رکعت اس کے ساتھ درمیان لے لے اور امام شافعی کے نزدیک پانچویں رکعت واپس طرح چھوڑ دیا جائے گا جس طرح ایک رکعت سے کم کو چھوڑ کر قعدہ کی طرف عود کرنے کا حکم ہے۔ دوم یہ کہ اگر ایک رکعت سے کم کی زیادتی عدا کی گئی ہے تو ہمارے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔

مگر پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو اور اس کو سجدہ کے ساتھ بھی مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اس کا فرض باطل ہو گیا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کا فرض باطل نہیں ہوا۔ اس پر امام شافعی کی دلیل یہ روایت ہے اَنَّ لِسَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ صَلَّي الطُّهْرَ حَمْسًا، یعنی شخص نے پانچ رکعتیں پڑھیں اور یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے چوتھی رکعت پر قعدہ کیا اور نہ یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی نماز کا ادا وہ کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ اس شخص نے اپنی نماز میں بھول کر اس چیز کا اضافہ کیا ہے جو داخل نماز نہیں ہے ہذا اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ایک رکعت سے کم یا زیادہ کرنے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ شخص مع السجود پانچویں رکعت پڑھنے کی وجہ سے نفل و شروع کرنے والا ہو گیا حالانکہ بھی تک فرض نماز کے تمام ارکان مکمل نہیں ہو سکے کیونکہ قعدہ اخیرہ جو رکن ہے وہ نہیں پایا گیا اور فرض نماز کے تمام ارکان مکمل ہونے سے پہلے پختگی کے ساتھ نفل نماز شروع کرنا فرض نماز کو فاسد کر لے والا ہے۔ اس لئے کہ فرض اور نفل کے درمیان منافات ہے۔ اور جب اُحْدُ الْمُسْتَفِیْنِ یعنی نفل محقق ہو گیا۔ تو خریقی فرض مشکی ہو گیا۔

ملاحظہ فرمائیے کہ امام شافعی نے کہا کہ رکعت بلا سجدہ حقیقہ نماز نہیں ہے اور سجدہ کے ساتھ حقیقہ صلوٰۃ ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی اور وَاللّٰهِ لَمْ صَلَّیْ کہ تو ایک رکعت سجدہ کے ساتھ پڑھنے سے حائث ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ قدس سرہ نے فرمایا کہ پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ سے فرض کے باطل ہونے میں اختلاف ہے شیخین کے نزدیک وصف فرضیت باطل ہوا ہے نہ کہ اصل صلوٰۃ یعنی فرض ہونا باطل ہو گیا البتہ نفل ہونا باقی ہے اور امام محمد کے نزدیک اصل صلوٰۃ ہی باطل ہو گئی یعنی یہ نماز جو اخیر قعدہ اخیرہ کے پڑھی گئی ہے نہ فرض شمار ہوگی اور نہ نفل شمار ہوگی۔ فریقین کے داکل باب قضاء افتوات میں گند چپ ہیں۔ شیخین کے نزدیک بطلان وصف بطلان اصل کو مستلزم نہیں ہے اور امام محمد کے نزدیک بطلان وصف بطلان اصل کو مستلزم ہوتا ہے۔

امام شافعی کی پیش کردہ حدیث کا جواب تو صاحب منیہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ چوتھی رکعت پر قعدہ اخیرہ میں بیٹھے ہیں اور نفل نماز کے بعد یہ ہے کہ راوی نے کہا صَلَّي الطُّهْرَ حَمْسًا، اور ظہر نماز کے تمام ارکان صلوٰۃ کا اور تمام ارکان میں قعدہ بھی ہے اور

پانچویں رکعت کے لئے آپ یہ گمان کرت ہوئے تھے کہ یہ تیسری رکعت ہے۔ پس حدیث میں اس تاویل کے بعد یہ روایت امام شافعی کا مستند نہیں ہوئی۔

### چھٹی رکعت ملائے کا حکم

قَبِضُ الْيَمَانِ رَكْعَةً سَادِسَةً وَلَوْلَا يَضُمُّ لَأَتَى عَنَيْهِ لِأَنَّهُ مَظْنُونٌ ثُمَّ إِنَّمَا يَنْطَلُ فَرَضُهُ بِوَضْعِ الْحَبِيَةِ عِنْدَ ابْنِ يَوْسَفَ لِأَنَّهُ سَجُودٌ كَامِلٌ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ بِرَفْعِهِ لِأَنَّ تَمَامَ الشَّيْءِ بِأَحْرِهِ وَهُوَ الرَّفْعُ وَلَمْ يَصِحْ مَعَ الْحَدِيثِ وَتَمَرَهُ الْإِحْتِلَافُ تَطَهَّرُ فِيمَا إِذَا سَبَقَهُ الْحَدِيثُ فِي السَّجُودِ نَسِيَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِابْنِ يَوْسَفَ

ترجمہ جس ان پانچوں کے ساتھ چھٹی رکعت مددے اور اس سے نہ ملے تو اس پر بھروسہ نہیں ہے کیونکہ وہ مظنون ہے پھر اس کا فرض ابو یوسف کے نزدیک پیشانی کیے ہی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ کامل سجدہ ہے اور امام محمد کے نزدیک سجدہ کے لئے ہاتھ اٹھانے سے کیونکہ کسی چیز کا پورا ہونا اس کے آخر کے ساتھ ہے اور وہ مراعات ہے اور یہ سرائیٹھانا حدیث کے ساتھ صحیح نہیں ہے اور اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں خارج ہو گا جب کہ سجدہ کی حالت میں اس وحدت بحق ہو گیا (اس صورت میں) امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

تشریح پچھلی سطروں میں مذکور چکا ہے کہ جب پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ متعذر کر دیا تو شیخین کے نزدیک اس کی یہ نماز نفل ہوئی اور فرض واقع ہونا باطل ہو گیا اور امام محمد کے نزدیک اصل صلوٰۃ ہی باطل ہوئی ہے پس چونکہ شیخین کے نزدیک اصل صلوٰۃ باطل نہیں ہوئی اس لئے ان پانچوں رکعتوں کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے تاکہ نفل جفت ہو جائے میں طاق نہ رہیں۔ کیونکہ نفل جفت شروع کیا گیا ہے حق رکعتوں کے ساتھ شروع نہیں کیا گیا۔ رہا یہ کہ اس پر سجدہ سہو واجب ہو گا یا نہیں تو بعض کا خیال ہے کہ سجدہ سہو اسے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے کیونکہ تعدد اخیر نہ کرنے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوئی ہے اور جو نقصان فساد کی صورت میں ہو وہ سجدہ سہو سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سجدہ سہو واجب نہ ہو گا کیونکہ سجدہ سہو نقصان کی تلافی کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ اور اس کے پانچویں رکعت نہ ملانی تو اس پر بھروسہ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ نماز جس کو شروع کیا گیا ہے یعنی پانچویں رکعت وہ مظنون ہے یعنی اس کے قصد نفل شروع نہیں کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ شخص اس کو چوتھی رکعت سمجھ کر پڑھا ہوا ہے نہ کہ پانچویں رکعت سمجھ کر۔

حاصل یہ کہ یہ نماز جو پانچویں رکعت سے شروع کی ہے وہ مظنون ہے اور مظنون غیہ مضمون ہوتا ہے اس لئے اس نماز کی قضاء وغیرہ واجب نہ ہوگی۔

ثُمَّ إِنَّمَا يَنْطَلُ اخ سے فرمایا ہے کہ جب پانچویں رکعت کا سجدہ یہ تو فرض باطل ہو جائے گا لیکن سجدہ کا ایک تو آغاز ہے یعنی زمین پر پیشانی ٹیکنا اور ایک اس کا منتهی ہے یعنی زمین سے پیشانی اٹھانا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ زمین پر پیشانی ٹیکنا اس سے فرض باطل ہو جائے گا یا زمین پر سے مراعات کے لئے فرض باطل ہو گا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ پیشانی کیے ہی فرض باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ کامل سجدہ ہے اس لئے کہ سجدہ درحقیقت پیشانی زمین پر رکھ دینے کا نام ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب زمین پر سے اٹھائے گا جب اس کا فرض باطل ہو گا۔ کیونکہ شہ پوری ہوئی ہے اس کے آخر کے ساتھ وہ اس کا ثمرہ ہے اور جب ملائے کا حکم ہے۔ اور جب مراعات کے لئے سجدہ کامل ہے تو مراعات کے

نے بعد ہی فرض باطل ہوگا۔ اس سے پہلے باطل نہیں ہوگا۔

امام محمد نے اپنے قول کی تائید میں کہا وَلَمْ يَصِحَّ مَعَ الْحَدَثِ یعنی حدیث کے ساتھ سر اٹھانا درست نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس رکن میں حدیث پایا جائے اس رکن کا ادا وہ واجب ہے پس امام محمد نے فرمایا کہ اگر پانچویں رکعت کے بعد وہ میں حدیث لاحق ہو گیا تو اس کا ادا وہ باتفاق واجب ہے اور جب اس کا ادا وہ واجب ہوا تو معلوم ہوا کہ فقط پیشانی ٹیکنے سے بعد مکمل نہیں ہوا اور فقط پیشانی ٹیکنے سے بعد پورا ہو جاتا تو حدیث پیش آنے کی صورت میں اس کا ادا وہ واجب نہ ہوتا کیونکہ حدیث پیش آنے سے پہلے ہی بعد پورا ہو گیا ہوتا۔ بہر حال یہ بات ثابت ہو گئی کہ بعد ہی تکمیل پیشانی زمین سے اٹھ کر ہوتی ہے نہ کہ فقط زمین پر ٹیکنے سے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے درمیان اختلاف کا شرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اس شخص کو پانچویں رکعت کے بعد اس میں حدیث لاحق ہو گیا پس یہ شخص وضو کرنے کے لئے گیا اب اس کو یہ کہ چوتھی رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ نہیں کیا ہے تو امام محمد کے نزدیک یہ شخص وضو کرے اور قعدہ اخیرہ کی طرف عود کر کے اپنی فرض نماز پورا کرے۔ بایں طور کہ تشہد پڑھے۔ بعد سہو کرے اور سلام پھیر دے کیونکہ امام محمد کے نزدیک زمین پر سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے بعد مکمل نہیں ہوتا۔ اور حدیث کے ساتھ سر اٹھانا درست نہیں ہے۔ پس گویا امام محمد کے نزدیک یہ بعد معتبر نہیں ہوا اور جب بعد معتبر نہیں ہوا تو گویا پانچویں رکعت و بعد کے ساتھ مقید کرنا نہیں پایا گیا اور جب پانچویں رکعت و بعد کے ساتھ مقید کرنا نہیں پایا گیا تو اس کا فرض بھی باطل نہیں ہوا اور جب فرض باطل نہیں ہو تو قعدہ اخیرہ کی طرف عود کرنے فرض ہو پورا کرے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شخص اپنی نماز پر بنا نہ رہے کیونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک پیشانی زمین پر ٹیکنے ہی بعد مکمل ہو گیا ہے اور جب پانچویں رکعت کا بعد مکمل ہو گیا تو اس کا فرض باطل ہو گیا اور جب فرض باطل ہو گیا تو اس پر بنا کرنا بائز نہ رہا کیونکہ باطل پر بنا نہیں کی جاتی۔

قعدہ اخیرہ مقدار تشہد بیٹھا پھر سلام پھیرے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو

گیا جب پانچویں رکعت کا بعد نہیں کیا لوٹ آئے

وَلَوْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ عَادَ إِلَى الْعُدَّةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ بِلِخَامِسَةٍ وَسَلَّمْ. لِأَنَّ لَتَسْلِيمَهُ فِي حَالِهِ الْقِيَامِ عَمُّ مَشْرُوعٍ وَأَمْكُهُ الْإِقَامَةُ عَلَى وَجْهِهِ بِالْقُعُودِ لِأَنَّ مَا دُونَ الرَّكْعَةِ بِمَحَلِّ الرَّفْعِ

ترجمہ اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کیا پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا تو قعدہ کی طرف عود کرے جب تک کہ پانچویں رکعت کے لئے بعد نہیں آیا اور سلام پھیرے کیونکہ قیام کی حالت میں سلام پھیرنا مشروع نہیں ہے اور جب شرائط پر قعدہ کی طرف عود کرنے کے ساتھ سلام پھیرا تو قعدہ کی طرف عود کرنا بھی ہے کیونکہ ایک رکعت سے کم چھوڑے جانے کا محل ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مصلیٰ مقدار تشہد چوتھی رکعت پر قعدہ کیا، اور سلام نہیں پھیرا بعد بھوں کر کھڑا ہوا تو جب تک پانچویں رکعت سے بعد نہیں آیا قعدہ کی طرف لوٹ جائے یا نہ قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ بعد تشہد کا ادا وہ نہ کرے بعد سہو کرے۔

دلیل نقلیٰ تا یہ ہے کہ ایک بار تحفہ تہذیب پانچویں رکعت سے کھڑے ہوئے پیچھے سے کسی نے ہزار پتلیج پکڑ کر کوٹھڑیاں تو

قعدہ کی طرف لوٹ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور سجدہ سہو کیا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ قیام کی حالت میں سلام پھیرنا مشروع نہیں ہے اور شروع طریقہ پر سلام پھیرنا ممکن ہے۔ پس طور کہ قعدہ کی طرف لوٹ جائے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں پانچویں رکعت کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے وہ ایک رکعت سے کم ہے اور ایک رکعت سے کم چھوڑنے کا عمل ہے یعنی ایک رکعت سے کم کو چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے ایک شخص کسی نماز کی رکعت اولیٰ میں ہے اور ابھی تک اس کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے یہاں تک کہ مؤذن نے تکبیر شروع کر دی تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ اس رکعت و چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ ایک رکعت سے کم کو کیوں چھوڑا جاسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رکعت کو جب سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا اور رکعت پوری ہو گئی تو اس کو نماز کا حکم حاصل ہو گیا اور نماز کو باطل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے "لَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ" لیکن جب تک سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو وہ رکعت ناقص ہے اس کو نماز کا حکم حاصل نہیں ہے اور جب اس کو نماز کا حکم حاصل نہیں ہوا تو اس کو باطل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ لا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ کے تحت داخل ہوگا۔

### پانچویں کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملا لے

وَأَنَّ قِيْلَ الْحَامِسَةَ بِالسَّحْدَةِ ثُمَّ تَدْتَكَّرُ صَمَّ إِلَيْهَا رَكْعَةُ أُخْرَى، وَتَمَّ فَرَضُهُ، لِأَنَّ الْبَاقِيَ إِصَابَةُ لَفْظَةِ السَّلَامِ وَهِيَ وَاحِدَةٌ، وَإِنَّمَا يَصُحُّ إِلَيْهَا أُخْرَى لِتَصْبِيرِ الرَّكْعَتَيْنِ نَفْلًا، لِأَنَّ الرَّكْعَةَ الْوَاحِدَةَ لَا تُجَوِّزُ لَهُمْ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ السَّيَرَاءِ ثُمَّ لَا تَوْبَانِ عَنْ سُنَّةِ الظُّهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ لِمَوَاطِبَةَ عَلَيْهَا بِتَحْرِيمَةِ مُبْتَدِئَةٍ.

ترجمہ اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا پھر اس کو یاد آیا کہ (یہ پانچویں رکعت ہے) تو اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا۔ اور اس کا فرض پورا ہو چکا کیونکہ باقی تو فقط سلام ہے ورنہ واجب ہے اور دوسری رکعت اور ملا۔ اور اس کا فرض پورا ہو چکا کیونکہ باقی تو فقط لفظ سلام ہے اور وہ واجب ہے اور دوسری رکعت اسی واسطے ملا۔ تاکہ اور رکعت نفل ہو جائے کیونکہ ایک رکعت جائز نہیں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے صلوٰۃ بتیراء سے منع فرمایا ہے پھر یہ دو رکعتیں سنت ظہر کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ یہ صحیح ہے کیونکہ اس دو گانہ پر آنحضرت ﷺ کی مواظبت نے تحریم کے ساتھ ہے۔

تشریح مسئلہ اگر کوئی شخص چوتھی رکعت پر بیٹھا پھر بھول کر کھڑا ہو گیا۔ اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا۔ اب اس کو یاد آیا کہ یہ چوتھی رکعت نہیں ہے بلکہ پانچویں رکعت ہے تو اس کو چاہئے کہ چھٹی رکعت بھی ملا۔ اس صورت میں فرض نماز پوری ہو گئی اور پانچویں اور چھٹی دونوں رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ فرض نماز تو اس لئے پوری ہو گئی کہ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اور اس صورت میں لفظ سلام ہی باقی رہ گیا اور ترک و جب سے نماز فاسد نہیں ہوتی بہذاں صورت میں بھی فرض نماز فاسد نہ ہوگی۔ رہا ترک و جب کی وجہ سے نقصان کا پیدا ہونا تو وہ سجدہ سہو سے پورا ہو جائے گا۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں اگر چھٹی رکعت مدنیٰ تو اس کی فرض نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ شخص دوسری نماز کی طرف منتقل ہو گیا حالانکہ لفظ سلام ابھی باقی ہے اور لفظ سلام امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور ترک فرض سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔



صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ چھٹی رکعت ملانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں کیونکہ حضور ﷺ کے صدقہ تیرا سے منع مردینہ کی وجہ سے ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے اور چونکہ امام شافعی کے نزدیک ایک رکعت پڑھنا بھی جائز ہے اس لئے ان کے نزدیک چھٹی رکعت ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

صاحب قدوری کی عبارت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ چھٹی رکعت کا ملنا واجب ہے یا مستحب ہے، جائز ہے لیکن مبسوط کی عبارت ہے **عَلَيْهِ أَنْ يُصَيِّفَ** اور کلمہ علی ایجاب کے لئے کتاب میں مبسوط کی عبارت سے وجوب پر دلالت ہوئی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ دو رعیتیں یعنی پانچویں اور چھٹی نہ کے بعد کی دو سنتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی قول صحیح یہی ہے۔ لیکن بعض حضرات مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں رعیتیں نہ کی سنت کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ سنت نام ہے نہ سنت کے طریقہ اور آئینہ سنت کے طریقہ سے پڑھاؤ سے تھے اور چونکہ مذکورۃ الصلوات میں نیت تحریر نہیں پڑی اس لئے یہ دو رعیتیں نہ کی سنت کے قائم مقام بھی نہیں ہوں گی۔

### چھٹی رکعت ملانے کے بعد سجدہ سہو کرے گا یا نہیں، اقوال فقہاء

وَبَسَّحْدُ لِلَّهِوَ إِسْبَاحُنَا لِمَكْنِ السُّقْطَانِ فِي الْفُرْصِ بِالْخُرُوجِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَسْنُونِ وَفِي السُّقْطَانِ بِالْخُرُوجِ لَا عَلَى الْوَجْهِ الْمَسْنُونِ وَلَوْ قَطَعَهَا لَمْ يَذُمَّهُ الْقَضَاءُ لِأَنَّهُ مَطْلُوبٌ وَلَوْ قُدِيَ بِهِ إِنْسَانٌ فِيهَا يُصَلِّي سِتَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ الْمُؤَذِّي بِهِدِ التَّحْرِيمَةِ وَعِنْدَهُمَا رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّهُ اسْتَحْكَمَ خُرُوجَهُ عَنِ الْفُرْصِ وَلَوْ أَفْسَدَهُ الْمُفْتَدِي لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ إِعْتَارًا بِالْإِمَامِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَفْصِي رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّ السُّقْطَانَ بَعَارِصَ نَحْضُ الْإِمَامِ

ترجمہ۔ اور اتنا سنا سجدہ سہو کرے کیونکہ نقصان فرض میں غیر مسنون طریقہ پر گھٹنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور نفل میں غیر مسنون طریقہ پر داخل ہونے کی وجہ اور اس نفل کا قطع کر دینا قضا، لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ مقنون ہے اور اگر ان دو رکعتوں میں کسی انسان نے اس کی قضا کی تو امام محمد کے نزدیک مقتدی چہ رعیتیں پڑھے کیونکہ اس تحریر سے یہی قہر دوا کی گئی ہے اور شیخین کے نزدیک صرف دو رکعت پڑھے۔ کیونکہ فرض سے اس کا حکم مستقیم ہوا ہے۔ اور مقتدی نے اس کو فاسد کر دیا تو امام محمد کے نزدیک اس پر قضا نہیں ہے امام پر قیاس کیا جائے گا اور ابو یوسف کے نزدیک دو رکعت کی قضا کرے اس سے کہ عارض کی وجہ سے ساقط ہونا امام کے لئے مخصوص ہے۔

تشریح۔ صورت مسد یہ ہے کہ جب مصی چار رکعت پر مقدم تشہد بیٹھا پھر بھول کر پانچویں رکعت کے لئے جھٹا ہوا ہے اور اس کا سجدہ کرے تو بھی مستید کر دیا، تو اب یہ حکم ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے سجدہ سہو کرے۔ اس صورت میں پہلی چار رکعت فرض ہو میں اور بعد کی دو رکعت نفل ہوں گی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں سجدہ سہو کا حکم احتسابی ہے۔ ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب نہ ہو۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ سہو فرضوں میں واقع ہوا ہے اور اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے وہ ترک ہو گیا ہے) اور یہ مصی پانچویں رکعت کے لئے تھا اور فرض سے نفل کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور جس شخص کا ایک نماز میں سہو ہوا ہو اس پر اسی نماز میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور نماز میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ پس یہاں اگر سجدہ سہو واجب یا جائز ہے تو یہی لازم آئے گا کہ ہو تو ہو فرض میں اور سجدہ سہو یا نفل میں یا نماز میں یا نہ نماز میں۔ پس مقتدی قیاس یہ ثابت کیا کہ اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔

وجہ استحسان سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ نقصان فرض اور نفل دونوں میں متمکن ہو گیا ہے۔ فرض میں تو اس وجہ سے کہ چار رکعت کے بعد لفظ سلام کے ساتھ ٹکنا واجب ہے اور حال یہ کہ اس نے لفظ سلام کو ترک کر دیا ہے پس اس ترک واجب کی وجہ سے فرض میں نقصان پیدا ہو گیا یہ مذہب امام محمد کا ہے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نفل میں نقصان اس سے پیدا ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک نفل و مستقل نے تحریم کے ساتھ شروع کرنا واجب ہے اور اس واجب کو اس نے ترک کر دیا ہے۔ حاصل یہ کہ امام محمد کے نزدیک لفظ سلام چھوڑنے کی وجہ سے فرض میں نقصان پیدا ہوا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک نفل کے لئے نیا تحریم نہ پائے جانے کی وجہ سے نفل میں نقصان پیدا ہو گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں سجدہ سہو کو استحسان واجب ہونا فقط امام محمد کے مذہب پر ہے۔ کیونکہ امام محمد کے نزدیک نقصان فرض میں پایا گیا اور پھر فرض سے نفل کی طرف منتقل ہو گیا تو قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ فرض کے نقصان کی تلافی نفل نماز میں نہ ہو جیسا کہ پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے۔ لیکن چونکہ نفل کی ناجہی تحریم اور اس پر ہے کہ کسی نے تحریم سے نفل کو شروع نہیں کیا یہ اس سے سجدہ سہو واجب ہونے کے حق میں کہا جائے گا کہ یہ ایک ہی نماز ہے اور جب ایک نماز ہے اور اس میں واجب تین لفظ سلام ترک ہو گیا تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص نے ایک سلام کے ساتھ چھ رکعت نفل نماز پڑھنی شروع کی پھر شفع اول میں ہو گیا تو آخر صلاۃ میں سجدہ سہو کرے گا اگرچہ نفل کا ہر شفع علیحدہ نماز ہے۔ لیکن تحریم واحدہ کی وجہ سے چھ رکعتیں صلاۃ واحدہ کے حکم میں ہیں۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ نیا تحریم نہ پائے جانے کی وجہ سے نفل کے اندر نقصان پیدا ہوا ہے اس لئے ان کے نزدیک سجدہ سہو قیاساً بھی واجب ہوگا اور استحساناً بھی۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر اس نفل نماز کو قطع کر دیا مثلاً پانچویں رکعت پوری کرنے کے بعد نماز کو توڑ دیا تو اس پر ان دور رکعتوں کی قضاء واجب نہیں ہے اور امام زفر نے فرمایا کہ ان دور رکعتوں کی قضاء کرنا واجب ہے بنیاد اختلاف یہ ہے کہ نماز یا روزہ کو اگر غلی وجہ الظن شروع کیا جائے تو وہ ہمارے نزدیک لازم نہیں ہوتا اور امام زفر کے نزدیک لازم ہو جاتا ہے پس چونکہ اس شخص نے فرض کے گمان سے پانچویں رکعت کو شروع کیا ہے حالانکہ اس پر فرض باقی نہ تھا اس سے ہمارے نزدیک یہ شروع کرنا نفل کو لازم کرنے والا نہیں ہوگا اور جب نفل لازم نہیں رہا تو قطع کرنے کی وجہ سے اس کی قضاء بھی واجب نہ ہوگی۔ اور امام زفر کے نزدیک شروع کرنا نفل ہی وجہ الظن چونکہ مقدم ہے اس لئے قطع کرنے سے ان کے نزدیک قضا بھی واجب ہو جائے گی۔

وَلَوْ اِفْتَدَى بِهٖ اِنْسَانُ اَنْحَیْ مِنْ فِضْلِ مِصْنَفٍ لَفَرَّیْہُ کہ اگر کسی انسان نے ان دونوں رکعتوں یعنی پانچویں اور چھٹی میں اس شخص کی اقتداء کی تو امام محمد کے نزدیک یہ مقتدی چھ رکعتیں پڑھے یعنی اگر پانچویں میں قتل ہو گیا ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد چار رکعتیں اور پڑھے گا اور اگر چھٹی رکعت میں اقتداء کی گئی تو امام کے فارغ ہونے کے بعد پانچ رکعتیں اور پڑھے ہاں طور کہ ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کرے پھر دوسری رکعت پڑھ کر قعدہ کرے اور سلام پھیرے۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اس مقتدی نے امام کے تحریم کے ساتھ نماز شروع کی ہے لہذا جس قدر امام نے ادا کی ہے اسی قدر مقتدی

پر لازم ہوگی پس چونکہ امام نے چھ رکعات پڑھی ہیں اس لئے مقتدی پر بھی چھ رکعتیں لازم ہوں گی۔ تشخیص نے کہا کہ یہ مقتدی فقط دو رکعت پڑھے۔ تشخیص کی دلیل یہ ہے کہ امام جب پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو امام کا فرض نماز سے اٹلنا مستحکم اور متیقن ہو گیا پس جب فرض سے اٹلنا متیقن ہو گیا تو اس کا فرض نماز کا تحریمہ بھی منقطع ہو گیا کیونکہ ایک وقت میں مختلف دو نمازوں کے تحریموں میں ہونا ناممکن ہے پس حاصل یہ ہوا کہ فرض کا تحریمہ منقطع ہو کر نفل کا تحریمہ شروع ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقتدی نے نفل کے تحریمہ میں اقتداء کی ہے اس لئے اس پر اس شفع نفل کی دو رکعتوں کے عداوہ اور کچھ واجب نہ ہوگا۔

وَلَوْ فَسَدَ الْمُقْتَدِيُّ اِنْ اُس عبارت سے حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے پانچویں اور چھٹی رکعت میں امام کی اقتداء کرنے کے بعد اس کو فاسد کر دیا تو امام محمد کے نزدیک اس مقتدی پر قضاء واجب نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مقتدی دو رکعتوں کی قضا کرے گا۔ امام محمد کی دلیل قیاس ہے یعنی امام محمد مقتدی کے حال کو امام کے حال پر قیاس کرتے ہیں۔ اور چند سطر یہ پہلے گذر چکا ہے کہ امام نے اردو رکعتوں کی فاسد کر دیا تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے پس امام کے حال پر قیاس کرتے ہوئے کہا گیا کہ ان دو رکعتوں کی قضا مقتدی پر بھی واجب نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ امام پر بھی قضا واجب ہو کیونکہ امام نے بھی پانچویں اور چھٹی رکعت یعنی نفل نماز شروع کر دینے کے بعد اس کو باطل کر دیا ہے اور نفل شروع کر دینے کے بعد باطل کر دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے لہذا اس صورت میں امام پر بھی قضا واجب ہونی چاہئے تھی لیکن عارض کی وجہ سے قضا ساقط کر دی گئی ہے اور عارض یہ ہے کہ امام نے فرض ادا کرنے کے اردو سے نفل شروع کیا ہے اور یہ عارض امام کے ساتھ مخصوص ہے اور جو چیز امام کے ساتھ مخصوص ہو وہ غیر منقطع متعدی نہیں ہوتی اس لئے اس عارض کی وجہ سے امام کے ذمہ سے فقط ساقط کر دی گئی ہے اور چونکہ مقتدی کے حق میں یہ عارض موجود نہیں ہے اس لئے اس پر قضا واجب ہوگی۔

**نفل کی دو رکعتیں پڑھیں ان میں بھولا اور سجدہ سہو بھی کر لیا دو اور رکعتوں کی بنا پہلی پر کر سکتا ہے یا نہیں**

قَالَ وَمَنْ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ نَطَوَّعًا فَسَهَا فِيهِمَا وَسَحَدَ لِلْسَهْوِ ثُمَّ ارَادَ أَنْ يُصَلِّيَ أُخْرَيَيْنِ لَمْ يَسِّرْ لَإِنَّ السُّجُودَ يَبْطُلُ لَوْ قُوعِهِ فِي وَسْطِ الصَّلَاةِ بِخِلَافِ الْمُسَافِرِ ذَا سَحَدٍ لِلْسَهْوِ ثُمَّ نَوَى الْإِقَامَةَ حَيْثُ يَسْبِي لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَسِّرْ يَبْطُلُ حَمِيعُ الصَّلَاةِ وَمَعَ هَذَا لَوَادَى صَحَّ لِقَاءُ التَّحْرِيمَةِ وَيَبْطُلُ سُجُودُ السَّهْوِ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ امام محمد نے جامع صفیہ میں کہا ہے کہ جس شخص نے دو رکعت نفل نماز پڑھیں اور ان میں سہو ہو گیا اور سہو کا سجدہ کیا پھر چاہا کہ دوسری دو رکعت پڑھے تو بناء نہ کرے کیونکہ سجدہ سہو اس کو باطل کرتا ہے اس لئے کہ سجدہ وسط صلوٰۃ میں پڑ گیا ہے بخلاف مسافر کے جب اس نے سجدہ سہو کیا پھر اقامت کی نیت کر لی تو وہ بناء نہ کرے گا۔ کیونکہ مسافر اثناء نماز نہ کرے تو پوری ہی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کے باوجود اگر اس نے ادایہ تو صحیح ہے کیونکہ تحریمہ باقی ہے اور سجدہ سہو باطل ہو جائے گا۔ یہی قیاس صحیح ہے۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نفل کی دو رکعتیں پڑھیں لیکن ان میں کوئی سہو ہو گیا جس کی وجہ سے سجدہ ہو گیا۔ پھر اس نے پایا کہ ان دو رکعتوں پر اور دو رکعت نفل کی بناء کرے تو اس شخص کو بناء کی جازت نہیں ہے بلکہ سد م پھیر کر یہ سجدہ تحریمہ کرے۔ ساتھ دو رکعت نفل پڑھے دلیل سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھے کہ سجدہ سہو نماز کے آخر میں مشروع کیا گیا ہے نماز کے اوشفعہ

نے درمیان شروع نہیں ہے۔ اب دلیل کا حاصل یہ ہوگا کہ اس صورت میں سجدہ سہو کرنے سے بعد دوسری رکعت کی بناء پر سجدہ سہو کو بلا ضرورت باطل کر دیا کیونکہ سجدہ سہو درمیان صلوٰۃ میں واقع ہو گیا ہے حالانکہ درمیان صلوٰۃ میں سجدہ سہو شروع نہیں ہو سکتا بلکہ صلوٰۃ میں شروع کیا گیا ہے ہم نے بلا ضرورت اس لئے کہا ہے کہ یہ شخص دوسرے دو گانہ پڑھنے کے ساتھ ادا کریتا تو بغیر بناء کے درست ہو جاتا۔ اس لئے بناء کے سجدہ سہو کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی صورت میں ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے کیونکہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا افضل ہے بہ نسبت دو سلام کے ساتھ پڑھنے کے اس کا جواب یہ ہے کہ بناء کی صورت میں بلاشبہ چار رکعت پڑھنا اہمیت پر ہے کیونکہ فضیلت حاصل ہو جائے کی یہاں اس صورت میں شخص واجب ازما کے گناہی سجدہ سہو جو واجب ہے درمیان صلوٰۃ میں واقع ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا اور نقص واجب سے پیدا ہونے پر بہ نسبت فضیلت حاصل کرنے کے اس سے کہا گیا کہ یہ شخص پہلے دو گانہ پڑھنا نہ کرے بلکہ تیسرے کے ساتھ دوسرے دو گانہ پڑھ دے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس شخص کو بناء نہ کرنی چاہئے لیکن اس کے باوجود اگر بناء کر لی اور دوسرا دو گانہ بھی پڑھ کر یا تو صحیح ہے کیونکہ ابھی تک تحریمہ باقی ہے البتہ سجدہ سہو باطل ہو جائے گا کیونکہ جب بناء کی تو سجدہ سہو نماز کے درمیان میں واقع ہو گیا ہے بناء نماز کے درمیان میں سجدہ سہو شروع نہیں ہوا ہے اس لئے یہ سجدہ غیر معتبر ہوگا اور اس پر سجدہ سہو کا اعادہ واجب ہوگا۔

ربحیلاف المسافر الخ اس عبارت کا حکم مسند متین کے خلاف ہے حاصل یہ ہے کہ مسافر نے فرض رباعی کا قصر کرتے ہوئے دو رکعت پڑھیں اور سہو پیش آنے کی وجہ سے سجدہ سہو یا پھر سلام پھیرنے سے پہلے اقامت کی نیت کی تو یہ مسافر اسی تحریمہ پر بناء کرے اور چار رکعت پوری کر کے سلام پھیرے کیونکہ اقامت کی نیت سے اس پر چار رکعت پوری کرنا لازم ہو گیا ہے اب اگر یہ شخص بناء نہ کرے تو اس کی پوری نماز باطل ہو جائے گی۔ اور بناء کرنے میں نقص واجب ہے کیونکہ سجدہ سہو کا باطل کرنا ہے اور نقص واجب ادنیٰ ہے بہ نسبت بناء فرض کے اور قاعدہ ہے کہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لئے چھوٹی برائی کو برداشت کیا جاسکتا ہے اس لئے اطلاق یعنی فرض نماز کو باطل ہونے سے بچانے کے لئے ادنیٰ یعنی سجدہ سہو کے نقص کو برداشت کر لیا جائے گا۔

امام نے سلام پھیرا اور امام پر سجدہ سہو تھا مقتدی نے سلام کے بعد امام کی اقتداء کی اگر امام سجدہ

سہو کر لے تو مقتدی کی اقتداء شمار ہوگی ورنہ نہیں۔ اقوال فقہاء

وَمَنْ سَلَّمَ زَعَلَيْهِ سَحَدَتَا السَّهْوِ فَدَخَلَ رَجُلٌ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّسْلِيمِ فَإِنْ سَجَدَ الْإِمَامُ كَانَ دَخَلًا وَإِلَّا فَلَا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبْنِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ هُوَ دَاخِلٌ سَجَدَ الْإِمَامُ أَوْ لَمْ يَسْجُدْ لِأَنَّ عِنْدَهُ سَلَامَةً مِنْ عَلَيْهِ السَّهْوِ لَا يَخْرُجُهُ عَنِ الصَّلَاةِ أَصْلًا لِأَنَّهَا وَجَبَتْ جَبْرًا لِلْقَضَاءِ فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ فِي إِحْرَامِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَهُمَا يَخْرُجُهُ عَلَى سَبِيلِ التَّرَقُّفِ لِأَنَّهُ مُحِلٌّ فِي نَفْسِهِ وَإِنَّمَا لَا يَعْمَلُ لِحَاجَتِهِ إِلَى أَدَاءِ السَّجْدَةِ فَلَا يَطْهَرُ دُونَهَا وَلَا حَاجَةٌ عَلَى إغْتِبَارِ عَدَمِ الْعَوْدِ وَيُطْهَرُ الْإِحْتِلَافُ فِي هَذَا وَفِي بَيَاضِ الظَّهَارَةِ بِالْفَقْهَةِ وَتَعْبِيرِ الْفَرَصِ بِبَيَّةِ الْإِقَامَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ.

ترجمہ ایک شخص نے (نماز کے آخر میں) سلام پھیرا۔ بعد اس پر جہدہ سہو۔ زمر ہے پھر سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص اس مصلیٰ کی نماز میں داخل ہو گیا پس اگر امام نے جہدہ کیا تو یہ مقتدی اس کی نماز میں داخل ہو گیا ورنہ تو نہیں۔ اور یہ شیخین کے نزدیک ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ یہ داخل ہے امام جہدہ کرے یا نہ کرے۔ اس کے کہ امام محمد کے نزدیک اس شخص کا سلام جس پر جہدہ سہو زمر ہے اس کو احد نماز سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ جہدہ سہو تو نقصان کو پرانے کرنے کے واجب ہوا ہے اس سے ضرورتی ہے کہ وہ شخص نماز کے احرام میں ہوا اور شیخین کے نزدیک اس کو علی سبیل اتوقف نکال دے گا کیونکہ سلام تو بذات خود تحصیل کرنے والا ہے اور (یہاں) عمل نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس جہدہ کی ضرورت سے جس بغیر جہدہ کے ظاہر نہ ہوگا ورنہ موجودہ اعتبار کرتے ہوئے کوئی ضرورت نہیں وراختلاف خارج ہوگا اس مسئلہ میں اور قبہ بہت سے مہارت و نئے میں اس حالت میں اقامت کی نیت کرنے کے فرض متغیر ہو جانے میں۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس پر جہدہ سہو واجب تھا اس نے سلام پھیرا ایک آدمی اس کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی نماز میں اقتداء کی نیت کر کے شامل ہو گیا تو شیخین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر امام نے جہدہ سہو کیا تو یہ مقتدی اس کی نماز میں داخل ہو گیا اور اگر امام نے جہدہ سہو نہیں کیا تو اس کی نماز میں شامل ہونے والے نہیں ہوگا۔

جہدہ سہو والے کا سلام حرمت صلوٰۃ سے نکال دیتا ہے یا نہیں یہ مسئلہ اور اس کے علاوہ بہت سے مسائل اس اصول پر متوقف ہیں کہ جس پر جہدہ سہو واجب ہے اس کا سلام کھارمت صلاۃ سے نکال دیتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کا سلام اس کو نماز سے خارج نہیں کرتا نہ موقوف اور نہ بات (فیہ موقوف) یہی امام زفر کا قول ہے۔ اور شیخین کا مذہب یہ ہے کہ اس کا سلام اس کو نماز سے موقوف خارج کر دیتا ہے۔ موقوف کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے بعد اگر اس نے جہدہ سہو کر لیا تو کہا جائے گا کہ تحریمہ باقی ہے اور جب تحریمہ باقی ہے تو دوسرے مصلیٰ کا اقتداء کرنا بھی درست ہے اور اگر سلام کے بعد جہدہ نہیں کیا تو کہا جائے گا کہ تحریمہ باقی نہیں رہا اور جب تحریمہ باقی نہیں رہا تو اقتداء کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ امام محمد نے دیکھا ہے کہ جہدہ سہو اس نقصان کی تلافی کے لئے واجب ہے جو نقصان مؤدئی یعنی دانی ہوئی نماز میں پیدا ہو گیا ہے اور تلافی کرنے کی وقت متعلق ہوگا جب کہ وہ چیز موجود ہو جس کی تلافی کرنے مقصود ہے۔ یعنی جہدہ کے ذریعہ نماز کے نقصان کی تلافی اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ نماز موجود ہو اور نماز کا قیام بقا تحریمہ پر موقوف ہے پس معلوم ہوگا کہ جس پر جہدہ واجب ہے اس کا سلام اس کو حرام صلوٰۃ سے خارج نہیں کرتا بلکہ سلام کے باوجود تحریمہ باقی رہتا ہے پس جب سلام نے حد تحریمہ باقی ہے تو سلام کے بعد اس کی اقتداء کرنا بھی درست ہوگا امام خواہ سہو کا جہدہ کرے یا نہ کرے۔

شیخین نے دیکھا ہے کہ سلام بذات خود محلل یعنی نماز سے خارج کرنے والا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے تَحِيلُهَا السَّيِّئُهَا نَعِشْ نَعِشْ آجائے توافق سلام اپنا عمل نہیں کرے گا۔ اور مانع عمل جہدہ سہو کرنے کی ضرورت ہے پس اگر سلام کے بعد جہدہ سہو کیا تو چونکہ مانع پایا گیا اس لئے لفظ سلام اپنا عمل نہیں کرے گا یعنی اس مصلیٰ کو نماز سے خارج نہیں کرے گا۔ اور اگر جہدہ سہو نہیں کیا تو چونکہ مانع تحصیل نہیں پایا گیا اس لئے لفظ سلام اپنا عمل کرے گا یعنی اس مصلیٰ کو نماز سے خارج کر دے گا۔ اس دلیل سے ثابت ہو گیا کہ جس شخص پر جہدہ سہو واجب ہو اس کا سلام اس کو علی سبیل التوقف نماز سے خارج کرتا ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام محمد اور شیخین کا اختلاف اس مسئلہ میں ظاہر ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے دو مسئلوں میں ظاہر ہوگا۔ ایک یہ کہ سلام کے بعد اس شخص نے قبہ لگایا جس پر جہدہ سہو واجب ہے تو اس قبہ بہت امام محمد اور امام زفر کے نزدیک وضو ٹھکانے کا کیونکہ

ان کے نزدیک نماز کے اندر قبضہ پیا گیا اور شیخین کے نزدیک اگر سجدہ سہو کر یا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ سجدہ کرنے کی وجہ سے قبضہ درمیان سجدہ میں پیا گیا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سلام کے بعد اور سجدہ سہو سے پہلے مسافر نے اقامت کی نیت کی تو امام محمد کے نزدیک اس کی فرض نماز بجائے دو رکعت کے چار رکعت ہو جائے گی خواہ سجدہ سہو کرے یا نہ کرے۔ ورنہ شیخین کے نزدیک اگر سجدہ سہو کر لیا تو اس کی فرض نماز نیت اقامت سے چار رکعت ہو جائے گی ورنہ سجدہ سہو نہ کیا تو چار رکعت نہیں ہوں۔ (شرح غایہ)

نماز کو ختم کرنے کے لئے سلام پھیرا، اس پر سجدہ سہو لازم ہے تو سجدہ سہو کر لے

وَمَنْ سَلَّمَ يُرِيدُ بِهِ قَطْعُ الصَّلَاةِ رَعْلَهُ سَهُوٌ فَعَلَيْهِ أَنْ تَسْحَدَ لِسَهُوِهِ لِأَنَّ هَذَا لِسَلَامٍ غَيْرِ قَاطِعٍ وَنَيْتُهُ نَعِيْرُ  
لِلْمَشْرُوعِ فَلَعَتْ

ترجمہ اور جس شخص نے نماز قطع کرنے کے ارادے سے سلام پھیرا، تاکہ اس پر سہو بھی ہے۔ تو اس پر اپنے سہو کی وجہ سے سجدہ کرنا واجب ہے کیونکہ یہ سلام قاطع نماز نہیں ہے اور اس کی نیت شروع کو متغیر کرنا ہے بند لغو ہوں۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس پر سجدہ سہو واجب ہے اس نے نماز قطع کرنے کے عزم سے سلام پھیرا تو اس پر مفید نماز پائے جانے سے پہلے پہلے سجدہ سہو کرنا واجب ہے کیونکہ عید لیسہ ہا سلام با اتفاق قطع نماز نہیں ہے۔ امام محمد کے نزدیک تو اس سے کہ یہ سلام ان کے نزدیک محلل (نماز سے خارج کر نیوال) ہو کر مشروع نہیں ہوا اور شیخین کے نزدیک اگرچہ محلل ہے لیکن موقوف محلل ہے نہ کہ ہاتھ اور قطعاً۔ حاصل یہ کہ سلام قاطع نماز ہو کر مشروع نہیں ہوا ہے۔ درجو چیز قطع نماز ہو کر مشروع نہ ہو وہ نماز قطع نہیں کر سکتی پس اس سلام سے نماز قطع نہیں ہوگی رہی نماز قطع کرنے کی نیت سو وہ خلاف مشروع ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے گی اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

جس شخص کو نماز میں شک ہو گیا اسے معلوم نہیں تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اس کا کیا حکم ہے

وَمَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَتَمَّ يَذَرُ أَثْلًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا ذَلِكَ أَوَّلُ مَا عَرَّضَ لَهُ إِسْكَافُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ أَنَّهُ كَمَّ صَلَّى فَلْيَسْتَقْبِلِ الصَّلَاةَ

ترجمہ اور جس نے اپنی نماز کے اندر شک کیا اس کو معلوم نہیں کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار پڑھیں اور یہ شک پہلے شک ہے جو اس کو پیش آیا تو یہ شخص نئے سرے سے نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز کے اندر یہ شک کرے کہ کتنی پڑھی تو نماز کو زمر نو پڑھے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ مصلیٰ کو اپنی نماز میں یہ شک پیش آیا کہ تین رکعتیں ہوئیں یا چار رکعتیں ہوئیں اور یہ شک پہلی ہی بار پیش آیا ہے تو ایسی صورت میں نماز زمر نو پڑھے۔ دلیل صاحب ہدایہ کی پیش کردہ حدیث رسول ﷺ ہے۔ رہی یہ بات کہ متن کی عبارت اولیٰ مَا عَرَّضَ لَهُ سے کیا مراد ہے اس بارے میں بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ سہو اس کی حادث نہیں ہے بلکہ ابھی کبھی ہو جاتا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عمر بھر کبھی سہو ہی نہیں ہوا ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کی یہی رائے ہے۔

فخر الاسلام نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس نماز میں پہلے سہو بھی سے اور بعض حضرات نے کہا کہ زندگی میں پہلی مرتبہ ہی سہو پیش آیا



تو سہم ہی کے ساتھ نماز سے نکلنا اولیٰ ہوگا نہ کہ کلام کے ساتھ اور اگر نماز سے نکلنے کی فقط نیت کی گئی اور قاطع نماز عمل نہیں پایا گیا تو یہ کان نہیں ہے بلکہ نیت جب تک قاصع نماز عمل کے ساتھ متصل نہ ہو لغو ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

وَعِنْدَ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَقْلِ اس عبرت کا حاصل یہ ہے کہ اقل پر بناء کرنے کی صورت میں ہر رکعت پر قعدہ کرے اور تشہد پڑھے مثلاً رباعی نماز میں مصلیٰ کو یہ شک پیش آیا کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری رکعت ہے اور کسی طرف بناء ممکن بھی نہیں ہے تو وہ اس کو پہلی رکعت سمجھے لیکن اس رکعت کو پورا کرنے کے بعد قعدہ کرے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دوسری رکعت ہو اور دوسری رکعت پر قعدہ واجب ہے اس لئے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھے اور قعدہ کرے کیونکہ مصلیٰ نے اس دوسری رکعت کے حکم میں مان رہا ہے۔ پھر کھڑا ہو دوسری رکعت پڑھے اور پھر قعدہ کرے اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہو اور چوتھی رکعت پر قعدہ فرض ہے پھر کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے اور قعدہ کرے اس لئے کہ مصلیٰ کے نزدیک یہ چوتھی رکعت کے حکم میں ہے اور چوتھی رکعت پر قعدہ فرض ہے۔ حاصل یہ کہ قعدہ مفروضہ و قعدہ واجبہ کے چھوٹنے کے اندیشہ سے ہر رکعت پر قعدہ کرے جس کی صورت خادم نے بالتفصیل بیان کر دی ہے، واللہ اعلم بحلیل احمد۔

## بَابُ صَلَوةِ الْمَرِيضِ

ترجمہ..... (یہ) باب بیمار آدمی کی نماز (کے بیان) میں ہے

تشریح صلوٰۃ کی اضافت مریض کی طرف اضافت فعل الی الفاعل کے قبل سے ہے مصنف ہدایہ نے بیمار کی نماز کا ذکر جو اس کے بعد اس سے کیا ہے کہ مرض و زہود دونوں عوارض سے وہ یہ میں سے ہیں اور سو چونکہ عام ہے مریض اور تندرست سب کو عارض ہوتا ہے اس لئے سو کے بعد کا ذکر اولاً کیا گیا اور بیمار کی نماز کا ذکر ثانی کیا گیا ہے۔

قیام پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے

اِذَا عَجَرَ الْمَرِيضُ عَنِ الْقِيَامِ صَلَّى قَاعِدًا اَوْ كَعُ وَيَسْجُدُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ صَلِّ قَائِمًا اِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا اِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى الْجَنْبِ تَوَمُّيْ اِيْمَاءً وَلِاَنَّ الطَّاعَةَ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ

ترجمہ مریض جب کھڑا ہونے سے عاجز ہو جائے تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے عمران بن حصین (جن کو بواسیر کا مرض تھا) کو فرمایا تھا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ پھر اگر تجھ واس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ پھر استطاعت نہ ہو تو کروٹ پر پڑھ در انحالیکہ تو اشارہ کرے۔ اور اس لئے کہ استطاعت بقدر طاقت ہوتی ہے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیمار آدمی اگر کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو یاں طور کہ کھڑا ہونے میں صحت یابی کی تاخیر کا ڈر ہے یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں ضعف شدید لاحق ہوتا ہے یا دور وغیرہ ہوتا ہے تو اس واسطے قیام کا ترک کرنا جائز ہے اور یہ شخص بیٹھ کر رکوع سجدہ کرے۔ ساتھ نماز ادا کرے۔ دلیل عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے قَالَ كُنْتُ بِحَيِّ نَوَاسِيرَ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ قَائِمًا اِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا اِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ ، مام نہائی نے یہ لفظ زیادہ کیا ہے فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اِلَّا وَشَعَهَا عمران بن حصین نے کہا ہے کہ مجھ کو بواسیر کا مرض تھا میں نے سید



انہی باتوں سے اس حالت میں نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دو نماز ادا کر لو اور اگر اس کی طاقت نہ ہو پھر براہِ رواہ راہِ اس کی بھی طاقت نہ ہو تو چیت لیتے اور اگر وہ تھوڑی سی طاقت ہو تو اس کی طاقت سے زیادہ تکلف نہیں کرتے۔

سحاب ہدایہ کے عقلی و عقلی بیان کرتے ہوئے اس جملہ کا حاصل فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ طاعت بقدر طاقت ہوتی ہے یعنی جس قدر ممکن ہو اس طرح ممکن ہو اسی طرح اور اسی قدر طاعت کرے۔

فوائد اگر مرض تصور ہے تو قیام پر قیام ہے مثلاً ایک میت پر جتنی مقدار یا تکبیر کہنے کی مقدار پورے قیام پر قیام نہیں ہے تو اتنی ہی مقدار قیام کا حکم دیا جائے گا۔ جب نماز ہو جائے تو بیٹھ جائے کیونکہ طاقت کے مطابق ہی طاعت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مرض تھکے ہوئے یا بے طاقت ہو تو اس کے لئے قیام ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ اعلم

### رکوع اور سجدہ کی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے رکوع سجدہ کرے

فَإِنْ قَامَ لَمْ يَسْطِيعِ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ أَوْ مَا يُبَيِّنُ قَاعِدًا لِأَنَّهُ وَسَّعَ مِيزَانُهُ رَحَمَةً سَجُودَهُ أَحْفَضَ مِنْ رُكُوعِهِ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَهَا فَأَحَدُ حُكْمَيْهِ وَلَا يَرْفَعُ إِلَيَّ وَجْهَهُ شَيْءٌ يَسْجُدُ عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ فَاسْجُدْ وَإِلَّا فَاوْمِ بِرَأْسِكَ وَإِنْ فَعَلْتَ ذَلِكَ رَأْسُهُ أَحْزَاهُ لَوْ حُودِ الْإِيمَاءِ وَإِنْ وَضَعَ ذَلِكَ عَلَى خَدِّهِ لَا يُجْزِيهِ لِإِنْعِدَامِهِ

ترجمہ قدرتی نے کہا کہ اگر رکوع اور سجدہ کی قدرت نہ ہو تو اشارہ سے یعنی بیٹھ کر کیونکہ یہی اس کی وسعت میں ہے۔ اور اپنے سجدہ سے بہ نسبت رکوع سے پست تر ہے کیونکہ اشارہ ان دونوں کے قیام مقام ہے۔ اور اپنے چہرے کی طرف ایسی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ کرے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر تو زمین پر سجدہ کی قدرت رکھتا ہے تو زمین پر سجدہ کر ورنہ تو اپنے سر سے اشارہ براہِ رواہ راہِ اس نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنا سر جھکا کر اس کو کافی ہو گیا اس لئے کہ اشارہ پایا گیا ہے اور اگر اس نے اس چیز کو اپنی پیشانی پر رکھ دیا تو جائز نہیں ہوگا کیونکہ اشارہ معدوم ہے۔

تشریح حسبِ تقدیر ان کے فرمایا ہے کہ اگر رکوع اور سجدہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ کے ساتھ ادا کرے کیونکہ اس وقت اس کی طاقت اسی قدر ہے اور پہلے کھڑے چکا کہ طاعت بقدر طاقت ہوتی ہے البتہ سجدہ کا اشارہ بہ نسبت رکوع کے اشارہ سے پست تر ہے یعنی سجدہ کا اشارہ کرتے وقت سر زیادہ جھکا ہوا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اشارہ رکوع اور سجدہ کے قائم مقام ہے لہذا رکوع اور سجدہ کے حکم میں ہوگا۔ اور چونکہ حقیقی سجدہ بہ نسبت حقیقی رکوع کے پست ہوتا ہے اس لئے سجدہ کا اشارہ بھی بہ نسبت رکوع کے اشارہ کے پست ہے۔

شیخ باسن قدرتی نے کہا کہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی چیز اپنے چہرے کی طرف نہ اٹھانے دلیل حدیث رسول ﷺ ہے اِنْ قَدَرْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ فَاسْجُدْ وَإِلَّا فَاوْمِ بِرَأْسِكَ امام براہ نے اپنے مسند میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ

ذکر ہے عَنْ حَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِيضًا فَرَأَاهُ يُصَلِّي عَلَى وَسَادَةٍ فَأَخَذَ هَا فَرَمَى بِهَا فَأَحَدَ عُوْدَ الْيُصَلِّي عَلَيْهِ فَأَحَدَهُ فَرَمَى بِهَا وَقَالَ صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنْ اسْتَطَعْتَ وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيْمَاءً وَاجْعَلْ سُجُودَكَ اخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ ایک بیمار کی میادت کو تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ تکبیر پر نماز پڑھتا ہے پس آپ ﷺ نے تمیہ لے کر پھینک دیا پھر اس نے ایک لکڑی لی تاکہ اس پر نماز پڑھے آپ ﷺ نے اس کو بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ زمین پر نماز پڑھا اگر قدرت ہو ورنہ اشارہ کر اور اپنے خود کو اپنے رُکوع سے پست کر۔ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ وہ بیمار تکبیر اٹھ کر پیشانی سے لگاتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کرنے کے لئے کسی چیز کو اٹھ کر پیشانی سے لگانا درست نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مریض نے اگر تکبیر اٹھ کر پیشانی سے لگایا تو احوال سے خد نہیں۔ رُکوع اور سجدہ کے لئے اپنا سر جھکا تا ہے یا نہیں کر سر جھکاتا ہے تو کافی ہو گیا کیونکہ سر جھکانے سے اشارہ پایا گیا ورنہ اس پر فرض ہے اہت مکروہ ہے۔ ورنہ تکبیر اٹھ کر پیشانی پر لگایا اور سر قطعاً پست نہیں ہوا تو اس سے رُکوع اور سجدہ ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اشارہ معدوم ہو گیا حالانکہ یہ فرض تھا۔

### بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کا طریقہ

وَأِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُودَ اسْتَلْقَى عَلَى ظَهْرِهِ وَحَقَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ وَأَوْمَأَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّي الْمَرِيضُ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى قَفَاهُ يُزْمِي إِيْمَاءً فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلِلَّهِ تَعَالَى أَحَقُّ بِقَوْلِ الْعُذْرَةِ

ترجمہ۔ ورنہ اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف رکھے اور رُکوع اور سجدہ کے ساتھ اشارہ کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیمار کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے ورنہ اس کی بھی قدرت نہ ہو تو گدی کے بل لیٹ کر اشارہ کرے پھر اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ زیادہ مآق ہیں اس سے عذر قبول کریں۔

تشریح۔ اگر مریض کو بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت کے بل چپت لیٹ کر جائے اور اپنے سر کے نیچے اونچی سا تکبیر رکھے تاکہ بیٹھے ہوئے کے مشابہ ہو جائے اور رُکوع اور سجدہ کا اشارہ کرنا ممکن ہو کیونکہ اس کے بغیر تندرست آدمی اشارہ نہیں کر سکتا چاہے کہ یہ ز اور پاؤں قبلہ کی طرف کر لے اور رُکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔ دیکھ آحضرت ﷺ کا قول ہے يُصَلِّي الْمَرِيضُ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى قَفَاهُ يُزْمِي إِيْمَاءً فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلِلَّهِ تَعَالَى أَحَقُّ بِقَوْلِ الْعُذْرَةِ حدیث کے آخری جزو فاللہ أحق بقول العذرة منہ۔ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ اشارہ پر قادر نہ ہونے کی صورت میں قضاء ساقط نہیں ہوتی اہتہ نماز کو مؤخر کیا جاسکتا ہے جب تندرست ہو جائے قضا کرے۔ ان حضرات کے نزدیک اس جزو تفسیر یہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ عذرتا خیر کو قبول کرنے کے لئے زیادہ مآق ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ایسی حالت میں قضا ساقط ہو جاتی ہے ان حضرات کے نزدیک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عذرتا سقاط کو قبول کرنے کے زیادہ مآق ہیں۔ صاحبین نے اسی قول کو واضح کہا ہے۔

## لیٹ کر پہلو کے بل نماز پڑھنے کا حکم

وَإِنْ اسْتَلْقَى عَلَى حَنِيٍّ وَوَحَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ حَارًا لِمَارَوْبَا مِنْ قُلٍّ إِلَّا أَنْ الْوَلِيَّ هُوَ الْوَلِيَّ عِنْدَنَا حِلَافًا لِنَشَافِعِي  
لَا نَّإِشَارَةَ الْمُسْتَلْقَى نَقَعُ إِلَى هَوَاءِ الْكَعْبَةِ وَإِسَارَةَ الْمُصْطَلِّجِ عَلَى حَنِيٍّ إِلَى جَانِبِ قَدَمَيْهِ وَبِهِ تُكَادَى الصَّلَاةُ

ترجمہ اور اگر بیمار کروٹ پر لیٹا اور اس کا منہ بجانب قبلہ ہے تو جاز ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کی ہے مگر یہی  
ہیئت ہمارے نزدیک اولیٰ ہے امام شافعی کا اختلاف ہے کیونکہ چپٹ لیٹنے والے کا اشارہ ہوا کعبہ کی طرف پڑتا ہے اور کروٹ پر لیٹنے والے  
کا اشارہ اس کے دونوں قدموں کی جانب پڑتا ہے اور اسی کے ساتھ نماز ادا ہوتی ہے۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا ہے کہ بیمار اگر کروٹ پر لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے درنحالیکہ اس کا منہ قبلہ کی جانب سے تو یہ  
بھی جائز ہے دلیل حدیث عمران بن حصین ہے جو دال باب میں مذکور ہو چکی ہے اور باری تعالیٰ کا قول يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا  
عَلَى جُوهٍ بھی اس پر دال ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عمر بن حصین کی حدیث قِيَانٌ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى الْجَنْبِ يَوْمَئِذٍ اِيْمَاءُ اور  
عبداللہ بن عمر کی حدیث قِيَانٌ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى قَفَا يَوْمَئِذٍ اِيْمَاءُ متعارض ہیں کیونکہ حدیث عمران بن حصین میں کروٹ پر لیٹ کر نماز  
پڑھنا مذکور ہے اور عبداللہ بن عمر کی حدیث میں چپٹ لیٹ کر نماز پڑھنا مذکور ہے۔ اور بیمار کی حالت عذر کی حالت ہے اس لئے اس دونوں  
حالتوں میں سے ہر ایک ہیئت پر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ اولویت میں اختلاف ہے چنانچہ ہمارے نزدیک ہیئت اولیٰ (چپٹ لیٹ کر) پر  
نماز پڑھنا اولیٰ ہے اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ہیئت ثانیہ (کروٹ) پر نماز پڑھنا اولیٰ ہے ہمارے نزدیک وجہ اولویت یہ  
ہے کہ چپٹ لیٹ کر نماز ادا کرنے کا اشارہ کعبہ کی قضاء کی طرف پڑتا ہے اور کروٹ پر لیٹ کر نماز ادا کرنے والے کا اشارہ اس کے قدموں  
کی طرف پڑتا ہے اور نماز اس سے ادا ہوتی ہے کہ اشارہ قضاء کعبہ کی طرف پڑے اس لئے چپٹ لیٹ کر نماز ادا کرنا اولیٰ ہوگا۔

## سر کے اشارہ تک سے عاجز ہو تو نماز کب تک مؤخر کرے گا

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْإِيْمَاءَ بِرَأْسِهِ أَجَرَتْ عَنْهُ وَلَا يَوْمِيَّ بَعِيْنِهِ وَلَا يَقْلِبُهُ وَلَا بِحَاجَتِهِ حِلَافًا لِنُفْرِ لِمَارَوْبَا مِنْ قُلٍّ  
وَلَا نَنْصَبَ الْأُبْدَالِ بِالرَّيِّ مُنْتَعٍ وَلَا قِيَّاسَ عَلَى الرَّأْسِ لِأَنَّهُ يُنَادَى بِهِ رُكْنُ الصَّلَاةِ دُونَ الْعَيْنِ وَأَحْتِيَّهَا وَقَوْلُهُ  
أَجَرَتْ عَنْهُ إِشَارَةُ إِلَى أَنَّهُ لَا تَسْقُطُ الصَّلَاةُ عَنْهُ وَإِنْ كَانَ الْعِجْرُ أَكْثَرَ مِنْ يَوْمٍ قَلْبَةٍ إِذَا كَانَ مُفِيْقًا وَهُوَ الصَّحِيْحُ  
لِأَنَّهُ يَفْهَمُ مَصْمُومٌ الْخَطَابِ بِحِلَافٍ الْمَعْنَى عَلَيْهِ

ترجمہ پھر اگر مریض اپنے سر سے بھی اشارہ کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس سے نہ روزہ خیر کر دیا جائے گا اور اشارہ نہیں کرے گا اپنی آنکھوں  
سے اور نہ اپنے دل سے اور نہ اپنی ہنوس سے امام زفر کا اختلاف ہے اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم پہلے روایت کر چکے ہیں اور اس وجہ سے  
کہ جس کا راس سے مقرر نہ ہو مقتنع سے ورنہ یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن دہوتا ہے نہ کہ آٹھ اور اس کے  
ذمین (جھنوں، ورقب) سے اور امام قدوری کا قول خیرت عنہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے نماز باقی نہ ہوگی اور اگرچہ بخیر ایک  
دن رات کے زندہ ہو بشرطیکہ وہ شخص افاقہ میں ہو۔ یہی صحیح ہے کیونکہ یہ مریض مضمون خطاب کو سمجھتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ شخص

جس پر بے ہوشی طاری ہو گئی ہے۔

**تشریح** شیخ ابوالحسن قدوری نے فرمایا ہے کہ مرض اگر اس قدر بڑھ گیا کہ سر کے ساتھ اشارہ کرنے کی قدرت بھی باقی نہ رہی ہو تو نماز موخر کر دی جائے گی لیکن آنکھوں، قلب و پھیپھوں کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہو۔ اس لئے کہ جب تک کہ ایسا سر میں اپنی آنکھوں، قلب کے ساتھ اشارہ کر کے نماز ادا کرے اور تندرست ہونے پر اس کا عہدہ کر لے۔ اسی کے قائل امام شافعی ہیں، ہارن دہلوی سے ہے جو سابق میں مذکور تکی یعنی اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تَسْحَدَ عَلَى الْاَرْضِ فَسَحَدْ وَاِلَّا فَوَدَّ بِرَأْسِكَ اس حدیث سے اندر متاثر ہونے کے موقع پر سر پر اکتفاء کیا ہے۔ اگر سر کے علاوہ کے ساتھ اشارہ کرنا نیز ہوتا تو آنحضرت علیہ السلام اس وضو و ریائے نماز سے آپنا ہی نہ فرمانا عدم جواز کی دلیل ہے۔

**مقلد دلیل** یہ ہے کہ اشارہ درحقیقت رکوع اور سجدہ کا بدل ہے اور بدن کا رستہ سے متحرک رہنا ممکن ہے اور حدیث سے اندر متاثر ہونے کے ساتھ اشارہ کا ذکر ہے نہ کہ آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کا۔ پس اگر ان چیزوں کے ساتھ اشارہ کرنے کی اجازت ہے تو اس کا بدل کرانے سے متحرک رہنا لازم آئے گا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور اگر اس سے اندر متاثر ہونے کا بدل کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو سر کے علم پر قیاس کرنا ہے یعنی جس طرح سر کے ساتھ اشارہ کرنا رکوع اور سجدہ کے بدلے کافی ہے۔ اسی طرح آنکھ وغیرہ کے ساتھ اشارہ کرنا بھی کافی ہونا چاہیے۔ تو جواب یہ ہے کہ آنکھ وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ کیونکہ سر کے ساتھ نماز کا ایک رکن یعنی سجدہ ادا ہوتا ہے اور آنکھ قلب پھیپھوں کے ساتھ سجدہ ادا نہیں ہوتا یعنی ان تینوں اعضاء میں سے کوئی ایک میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پس اس فرق سے ساتھ ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے قدوری کی عبارت اذرت ہے۔ اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ایسے مریض کے ذمہ سے نماز کا قطع نہ ہونی بلکہ نماز اس کے ذمہ باقی رہنے کی وجہ سے ہے۔ اور قضاء واجب ہوگی اگرچہ یہ حالت ایک دن رات سے زائد ہی ہو بشرطیکہ اس عرصہ میں مریض بے ہوش رہا ہو۔ یہی قول صحیح ہے بلکہ یہ مریض جب افاقہ و ہوش میں ہے تو نماز کے علم ادا کو سمجھتا ہے۔ اور جب غم کو سمجھتا ہے تو اس پر علم متوجہ ہے جس سے اس کے ذمہ نماز واجب ہوگئی مگر مذکور کی وجہ سے بالفعول ادا سے مہلت دیدی گئی ہے یہاں تک کہ قدرت حاصل ہو اس کے برطرف ہونے تک جو نماز رات سے زائد بے ہوش رہا تو چونکہ وہ ہم خطب سے عاجز ہے اس لئے نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بیماری کی یہ حالت کہ جس میں سر کے ساتھ اشارہ پر بھی قدرت نہ ہو اگر یہ رات سے زائد نہ ہو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اور ایک دن رات سے کم ہے تو قضاء لازم ہو جائے گی۔

**قیام پر قادر ہو رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے**

وَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لَمْ يَلْزَمَهُ الْقِيَامُ وَيُصَلِّي قَاعِدًا يُؤْمِنُ بِإِيْمَاءِ لَأَنْ رَكَعَهُ الْقِيَامُ لِلرَّسُولِ بِهِ إِلَى السَّجْدَةِ لِمَا فِيهَا مِنْ تَهْيِئَةِ الْعُطْبَةِ فَإِذَا كَانَ لَا يَنْفَعُهُ السُّجُودُ لَا يَكُونُ رُكْعًا فَسَجَدَ وَالْأَفْضَلُ هُوَ لَا يُنْمَاءُ قَاعِدًا إِلَّا لَمْ يَكُنْ أَشَدَّ بِالسُّجُودِ

**ترجمہ** اور اگر مریض قیام پر قدرت ہے اور رکوع اور سجدہ پر قدرت نہیں ہے تو اس پر قیام کرنا لازم نہ رہا۔ اگرچہ یہ حالت سے زائد نہ ہو

اشراہ برناموں نے کہ قیام کارکن ہونا اس غرض سے ہے کہ قیام کے وسیلہ سے مجددہ داہو یونکہ ایسے مجددہ میں انتہائی تعظیم ہے پس جب قیام ایسا ہو کہ اس سے بعد تبدل نہ ہو تو قیام رکن نہیں رہتا۔ اس لئے مریض کو اختیار ہے افضل تو بیٹھ کر اشراہ برنامہ یونکہ بیٹھ کر تھرا کرنا ترقی بہت زیادہ مشاہدہ ہے۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہی شخص ایسا بیمار ہے کہ وہ قیام پر توفیق نہ پائے بلکہ روح اور جسد کرنے پر قدرت نہیں ہے تو اس پر قیام لازم نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بیچہ برادر کے ساتھ نماز ادا کرے۔ امام زقر اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر قیام پر قدرت ہو اور روح اور جسد پر قدرت نہ ہو تو قیام اس کے لئے واجب نہ ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قیام رکن ہے اور مریض اس سے عاجز نہیں ہے بلکہ دوسرے رکن یعنی روح اور جسد سے عاجز ہے پس روح اور جسد سے عاجز ہونے کی وجہ سے قیام کیونکر ساقط ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ قیام فقط اس غرض سے رکن ہے کہ وہ الگ جسد کا وسیعہ بن جائے اور قیام ادا نہ ہو گا وسیعہ اس لئے ہے کہ قیام کے بعد جسد کرنے میں انتہائی تعظیم ہے جس جب قیام کے بعد جسد نہ ہو وہ قیام رکن نہیں ہوگا اور جب اس حالت میں قیام رکن نہ رہا تو یہ مصلحت کو قیام کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہے اب تک اصل یہ ہے کہ بیچہ برادر روح جسد کا اشارہ کرے کیونکہ بیچہ برادر جسد کا اشارہ رہنا شیعہ جسد کے ریاء مشابہ ہے اس سے کہ بیچہ برادر اشارہ کرتے وقت زمین سے زیادہ قریب ہو جائے گا بہ نسبت کھڑے ہو کر اشارہ کرنے کے۔

تندرست نے نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر مرض لاحق ہو گیا بیٹھ کر مکمل کرے

وَأَنَّ صَلَّى الصَّحِيحُ بَعْضُ صَلَوَاتِهِ فَإِنَّمَا تَمَّ حَدَثُ بِهِ مَرَضٌ أُنْتَهَى قَاعِدًا بَرَكْعُ وَيَسْحُدُ يُزْمَى إِنَّ لَمْ يَقْدِرْ أَوْ مُسْتَفِيًّا إِنَّ لَمْ يَقْدِرْ لِأَنَّهُ بَنَى الْأَدَى عَلَى الْأَعْلَى فَصَارَ كَمَا لَأَقِيدَاءِ

ترجمہ اور اگر تندرست آدمی نے نماز کا کچھ حصہ کھڑے ہو کر پڑھائیں اس کو مرضِ حادث ہو گیا تو بیٹھ کر نماز کو پورا کرے دراجیہ رکوع اور سجدہ کرے یا اشارہ کرے اگر (رکوع سجدہ پر) قادر نہ ہو یا اس پر (نماز پوری کرے) اگر (بیٹھنے پر) قادر نہ ہو یا قنہ اس سے ان فی کو اعلیٰ پہنچی گیا ہے ابداً القداء کے مانند ہو گیا۔

تشریح مسدودیت کا ایک حصہ کھڑے ہو کر ادا کیا پھر درمیان نماز ایسا مرض، حق ہو گیا کہ قیام پر قادر نہ رہا تو اگر روح سجدہ پر قدرت ہو تو بیٹھا رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پوری کرے اور اگر روح سجدہ پر قدرت نہ ہو تو رکوع سجدہ کا اشارہ کرے اور نماز پوری کرے اور اگر اس قدر مرض ہو گیا کہ بیٹھنے پر بھی قدرت نہ رہے تو چپٹ لیٹ کر نماز پوری کرے۔ دلیل یہ ہے کہ ان تین صورتوں میں اپنی دنیا، اٹلی پر قیام ہے اور اپنی دنیا، اٹلی پر نہ رہنا جائز ہے کہ اپنی دنیا، اٹلی پر نہ رہنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے یعنی جس طرح پیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے اسی طرح خود اپنے حق میں یہ بات جائز ہے نماز کا رکوع سجدہ کھڑے ہو کر پڑھے پھر سجدہ کی وجہ سے بعد کا حصہ بیٹھا پڑھے۔

حالت مرض میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور رکوع سجدہ اشارہ سے کیا پھر تندرست ہو گیا کھڑے ہو کر پہلی نماز پڑھنا کر سکتا ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَزْكُوعًا وَيَسْجُدُ لِمَوْحِينَ ثُمَّ صَحَّ بَنَى عَلَى صَلَاتِهِ قَائِمًا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ وَ أَبِي يُوسُفَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ اسْتَقْبَلَ بَاءً عَلَى اِحْتِلَافِهِمْ فِي الْاِقْدَاءِ وَقَدْ تَقَدَّمَ بَيَانُهُ

ترجمہ ۔ اور جو شخص کسی مرض کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھتا ہے پھر تندرست ہو گیا تو شیخین کے نزدیک اپنی نماز کھڑے ہو کر بنا کرے اور امام محمد نے فرمایا از سر نو پڑھے۔ یہ اختلاف ان کے اقتداء کے اندر اختلاف پر مبنی ہے اور اس کا بیان پہلے مذکور چکا ہے۔

تشریح ۔ صورت مسئلہ ایک شخص نے مرض کی وجہ سے رکوع اور سجدہ کے ساتھ بیٹھ کر نماز کا ایک حصہ ادا کیا پھر نماز کے درمیان ہی تندرست ہو کر قیام پر قادر ہو گیا تو شیخین کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز پڑھنا کرے اور امام محمد کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے۔ امام محمد اور شیخین کا اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ قائم قاعد کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام محمد نے فرمایا کہ قائم کا قعد کے پیچھے اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور شیخین نے فرمایا کہ جائز ہے پس چونکہ امام محمد کے نزدیک قائم کا قعد کے پیچھے اقتداء کرنا ناجائز ہے تو بحالت قیام نماز بن کرنا بحالت قعود نماز پر بھی ناجائز ہے اور شیخین کے نزدیک قائم کا قعد کے پیچھے اقتداء کرنا چونکہ جائز ہے ہذا اپنے حق میں بھی حالت قیام کی نماز کو استقواء نماز پر مبنی کرنا جائز ہوگا۔

نماز کی کچھ رکعتیں اشارے سے پڑھیں پھر رکوع سجدہ پر قادر ہو گیا بالاتفاق نئے سرے سے نماز پڑھے

وَرَأَى صَلَّى بَعْضَ صَلَاتِهِ بِاِيْمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرَّكْعَةِ وَالشُّعُودِ اِسْنَأَفَ عِنْدَهُمْ جَمِيعًا لِأَنَّهُ لَا يَحُورُ اِقْدَاءُ الرَّاِجِعِ بِالْمَوْحِيِّ فَكَذَا الْبَاءُ

ترجمہ ۔ اور اگر نماز کا ایک حصہ اشارے کے ساتھ ادا کیا پھر رکوع اور سجدہ پر قادر ہو گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز از سر نو پڑھے۔ اس سے کہ رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی حال بقاء کا ہے۔

تشریح ۔ مسئلہ ایک شخص نے عجز کی وجہ سے نماز کا ایک حصہ اشارے کے ساتھ ادا کیا پھر درمیان نماز رکوع اور سجدہ سے پر قدر ہو گیا تو ائمہ ثلاثہ (بوضیفہ صاحبین) کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے امام زفر نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی بنا کرنا جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے اور امام زفر کے نزدیک جائز ہے پس یہی حال بقاء کرنے کا ہے۔

نقل کھڑے ہو کر شروع کئے پھر ٹیک لگالی تو کیا حکم ہے

وَمَنْ افْتَسَحَ التَّطَوُّعَ قَائِمًا لَمْ اُغْبَى لَانَسَ يَأْتِيَنَّ عَلَى عَصَا اَوْ حَانِطٍ اَوْ يَقْعُدُ لِأَنَّ هَذَا عُدْرٌ وَقَدْ كَانَ الْاَبْنَاءُ

بِعَبْرِ عَذْرِ يُكْرَهُ لِأَنَّهُ إِسَاءَةٌ فِي الْأَدَبِ وَقِيلَ لَا يُكْرَهُ عَذْرُ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ لَوْ قَعَدَ عِنْدَهُ يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ عَذْرِ فَكَذَا لَا يُكْرَهُ الْإِتِّكَاءُ وَعِنْدَهُمَا يُكْرَهُ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْقُعُودُ عِنْدَهُمَا فَيُكْرَهُ الْإِتِّكَاءُ

ترجمہ اور جس شخص نے نفل کو کھڑے ہو کر شروع کیا پھر وہ ٹھک گیا تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ انٹھی یا دیوار پر ٹیک لگائے یا بیٹھ جائے کیونکہ یہ مذر ہے اور اگر ٹیک لگانا بغیر مذر ہو تو مکروہ ہے کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور کہا گیا کہ ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اس سے کہ ان کے نزدیک اگر بغیر مذر بیٹھ گیا تو جائز ہے اسی طرح ٹیک لگانا بھی مکروہ نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک بیٹھنا جائز ہے پس ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے۔

تشریح اگر کسی نے نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی پھر کسی چیز پر ٹیک لگائی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ٹیک لگانا مذری وجہ سے ہوگا۔ جب مذر کے ہوگا اثر اول ہے تو مشا تکان ہو گیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اثر ثانی صورت ہے تو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ باتفاق احناف مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ بلا مذر ٹیک لگانے میں سوائے ادب اور بے ادبی ہے۔ لیکن اس قول کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ کی طرف سے بلا مذر بیٹھنے اور بلا مذر ٹیک لگانے میں فرق بیان کرنا ضروری ہو گیا کیونکہ امام صاحب کے نزدیک بلا مذر بیٹھنا غیر مکروہ ہے اور بلا مذر ٹیک لگانا مکروہ ہے سو وجہ فرق یہ ہے کہ ابتدا کھڑے ہو کر نفل شروع کرنے میں اور بیٹھ کر شروع کرنے میں نفل پڑھنے والے کو اختیار ہے پس یہ اختیار امتیاء بھی بداکراہت باقی رہے گا۔

البتہ اس کو یہ اختیار نہیں کہ ابتدا نفل نماز ٹیک لگا کر پڑھے یا بغیر ٹیک لگائے پڑھے پس جب ابتداء یہ اختیار نہیں ہے تو انتہا نجی یہ اختیار نہ ہوگا بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز کے درمیان اگر بغیر مذر کے ٹیک لگائی تو بداکراہت جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بغیر مذر نفل نماز کے درمیان بیٹھنا مکروہ نہیں ہے لہذا ٹیک لگانا بھی مکروہ نہ ہوگا کیونکہ بیٹھنا جو من فی قیام ہے جب وہ مکروہ نہیں تو ٹیک لگانا جو قیام کے منافی بھی نہیں ہے وہ بدرجہ اولیٰ مکروہ نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک بلا مذر ٹیک لگانا مکروہ ہے جب اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک بلا مذر بیٹھنا مکروہ ہے لہذا ٹیک لگانا بھی مکروہ ہوگا۔

بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

وَأِنْ قَعَدَ بِغَيْرِ عَذْرِ يُكْرَهُ بِالْإِتِّفَاقِ وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَهُ وَلَا تَحُوزُ عِنْدَهُمَا وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ التَّوَاتُؤِ

ترجمہ اور اگر بغیر عذر بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور امام صاحب کے نزدیک نماز جائز اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے اور باب التواتؤ میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

تشریح مسئلہ اگر کسی آدمی نے کھڑے ہو کر نفل نماز شروع کی پھر بلا عذر بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک کراہت کے باوجود نماز جائز ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں نماز ہی جائز نہ ہوگی۔

اس عبارت میں قدرے تسامح ہے اس طور پر کہ صاحبین اس صورت میں عدم جواز کے قائل ہیں اور عدم جواز کو کراہت کے ساتھ متصف نہیں کیا جاتا ہے لہذا صاحبین کے مسلک کی بناء پر بِكُرَهُ بِالْإِتِّفَاقِ کہنا کس طرح درست ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ

میں امام ابو حنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ نفل نماز کے درمیان بلا عذر بیٹھنا مکروہ ہے اور اس سے پہلے مسئلہ میں خادم نے تحریر کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا غیر مکروہ ہے سو تطبیق یہ ہے کہ مبسوط کے بیان کے مطابق حضرت امام صاحب کا قول صحیح عدم کراہت کا ہے اور ایک قول کراہت کا ہے پس گذشتہ مسئلہ میں قول صحیح ذکر کیا گیا ہے اور اس مسئلہ میں دوسرا قول ذکر کر دیا گیا ہے۔

### کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم... اقوال فقہاء

وَمَنْ صَلَّى فِي السَّفِينَةِ قَاعِدًا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ اجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْقِيَامُ أَفْضَلُ وَقَالَ لَا يُجْزِيهِ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ لَأَنَّ الْقِيَامَ مَقْدُورٌ عَلَيْهِ فَلَا يَتْرَكُ وَلَهُ أَنَّ الْغَالِبَ فِيهَا دَوْرَانُ الرَّأْسِ وَهُوَ كَالْمُتَحَقِّقِ إِلَّا أَنَّ الْقِيَامَ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ أَبْعَدُ مِنْ شُبْهَةِ الْخِلَافِ وَالْخُرُوجُ أَفْضَلُ مَا أُمِّكَةً لِأَنَّهُ سُكُنُ لِقِيهِ وَالْخِلَافُ فِي غَيْرِ الْمَرْبُوطَةِ وَالْمَرْبُوطَةُ كَالسَّطْرِ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ اور جس شخص نے بغیر کسی بیماری کے چلتی ہوئی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھی تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور کھڑا ہونا افضل ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہ ہوگی مگر عذر سے کیونکہ قیام پر اس کو قدرت حاصل ہے تو وہ ترک نہ کیا جائے گا اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ کشتی کے اندر بالعموم سر کھومتا ہے اور وہ متحقق کے مانند ہے۔ مگر یہ کہ قیام افضل ہے اس لئے کہ وہ شبہ خلاف سے دور تر ہے اور جس قدر ممکن ہو کشتی سے باہر نکل آنا افضل ہے کیونکہ اس میں اطمینان قلب ہے اور اختلاف بغیر بندھی ہوئی کشتی میں ہے اور بندھی ہوئی کشتی دریا کے کنارے کے مانند ہے یہی صحیح ہے۔

تشریح صاحب عنہ نے فرمایا کہ کشتی میں نماز پڑھنے والا قیام سے عاجز ہو گیا یا عاجز نہیں ہوگا۔ اگر عاجز ہے تو بال تفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر قیام سے عاجز نہیں تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ کشتی ٹھہری ہوئی ہوگی یا چلتی ہوئی اگر اول ہے تو بال تفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر ثانی ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بغیر کسی بیماری کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے یہی مذہب امام مالک، امام شافعی، امام احمد کا ہے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قیام پر اس کو قدرت حاصل ہے اور قدرت علی القیام کی صورت میں قیام کو ترک نہیں کیا جاتا۔ لہذا اس صورت میں بھی قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ چلتی ہوئی کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بالعموم دورانِ رأس (سر کا چکر) ہو جاتا ہے اور غالب بمنزلہ متحقق کے ہوتا ہے مثلاً کروٹ پر سونے کو حدث کہا گیا ہے کیونکہ اس حالت میں بالعموم اعضاء کے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں وجہ سے رت خارج ہو جاتی ہے پس غالب کو متحقق کرے مرتبہ میں اتار کر نقص وضو کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں دورانِ رأس کے غالب احتمال کو متحقق کے مرتبہ میں اتار کر یہ کہا گیا ہے کہ گویا یہ شخص قیام سے عاجز ہے اور جب قیام سے عاجز ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اب امام صاحب کے نزدیک بھی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ کھڑے ہو کر پڑھنا اختلاف کے شبہ سے دور تر ہے یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں اختلاف کی زحمت سے نجات مل جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو نماز کے لئے کشتی سے باہر نکل آنا افضل ہے کیونکہ اس میں ہر ایک کے قلب کو سب سے



زیادہ احمیانت سے یکن اگر کشتی سے نکلنا ممکن ہو مگر اس سے باوجود نہیں نکال دیتی کشتی ہی میں نماز پڑھی تو بھی جائز ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بغیر عذر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے جواز در عدم جواز کا اختلاف ایسی کشتی میں ہے جو کنارے پر بندھی ہوئی نہ ہو بندھ چکی ہو اور جو کشتی امیاء کے کنارے بندھی ہو وہ دریا کے کنارے کے مانند ہے یعنی جس طرح بغیر عذر زمین پر دریا کے کنارے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بندھی ہوئی کشتی میں بھی بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے صحیح قول یہی ہے۔

پانچ یا پانچ سے کم نمازوں میں بے ہوشی طاری رہی تو قضاء ہے اور اس سے زیادہ میں نہیں

وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ حَمْسٌ صَلَوَاتٍ أَوْ دُوْنَهَا قَضَىٰ وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضِ وَهَذَا إِنْ سَبَّحَ حَسَنًا وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا قَضَاءَ عَلَيْهِ إِذَا اسْتَوْعَبَ الْأَعْمَاءُ وَقَدْ صَلَوَ كَامِلٌ لِتَحْقِيقِ الْعِزِّ فَشَبَّهَ الْجُنُونَ وَجْهَ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَدَّةَ إِذَا طَالَتْ كَثُرَتِ الْفَوَائِتُ تَتَخَرَّجُ فِي الْأَذَلِّ إِذَا قَصُرَتْ فَلَتْ فَلَا حَرَجَ وَالْكَثِيرُ أَنْ تَرِيدَ عَلَى يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِي حَدِّ التَّكْرَارِ وَالْجُنُونَ كَالْأَعْمَاءِ كَذَا ذَكَرَهُ أَبُو سَلَيْمَانَ بِخِلَافِ النَّوْمِ لِأَنَّ امْتِدَادَهُ نَادِرٌ فَلْيَحَقِّقْ بِالْقَاصِرِ ثُمَّ الزِّيَادَةُ تُعْتَبَرُ مِنْ حَيْثُ الْأَوْقَاتِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ التَّكْرَارَ يَتَحَقَّقُ بِهِ وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَيْثُ السَّاعَاتِ هُوَ الْمَسْأَلُورُ عَنْ عِيسَى وَابْنِ عُمَرَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ اور جس پر پانچ نمازوں تک یا اس سے کم بے ہوشی طاری ہوئی تو ان کی قضاء کرے اور اگر ان سے زیادہ تو قضاء نہ کرے اور یہ قضا کرنا ہے اور قیاس یہ ہے کہ اس پر قضاء نہ ہو جب کہ اغما نے نے ایک نماز کا پورا وقت کھیر لیا کیونکہ بخبر متحقق ہو گیا پس غما جنوں کے مشابہ ہو گیا اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مدت اغما جب دراز ہو جائے تو قضا نمازیں بہت ہو جائیں گی پس ان کی قضا کرنے میں حرج میں پڑ جائے گا۔ اور مدت تھوڑی ہوگی تو قضا میں تھوڑی ہوں گی اس سے حرج میں نہ پڑے گا۔ اور بشر یہ ہے کہ قضا نمازیں ایک دن رات سے بڑھ جائیں کیونکہ وہ تکرار کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں اور جنوں اغما کے مانند ایسا ہی ابو سلیمان نے ذکر کیا ہے۔ بخلاف غیبت اس لئے کہ غیبت کا اس قدر دراز ہونا نادر ہے تو غیبت کو مذکور قاصر کے ساتھ احق کیا جائے گا پھر زیارت اور کثرت امام محمد کے نزدیک اوقات کے شمار سے معتبر ہے کیونکہ تکرار اسی کے ساتھ متحقق ہوگا۔ اور شیخین کے نزدیک ساعات سے شمار ہے۔ یہی حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے واللہ اعلم بالصواب

تشریح مسدأ رکوعی شخص پانچ نمازوں سے زائد بے ہوش ہوا تو ان کی قضا واجب نہیں ہے یہ حکم بنظر استحسان ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بے ہوشی نے ایک نماز کا پورا وقت کھیر لیا تو اس پر قضا واجب نہ ہوگی۔ اسی کے قائل امام مالک اور امام شافعی ہیں جناب نے کہا ہے کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہے اگرچہ ایک ہزار نمازیں ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ جناب کے نزدیک اغما کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ ہر صورت قضا کرنا واجب ہے اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اگر اغما نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا اور ایک ہی نماز فوت ہوئی تو بھی قضا واجب نہ ہوگی یعنی اغما کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ دونوں صورتوں میں قضا واجب نہ ہوگی۔ ہمارے علماء نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اغما کی وجہ سے فوت شدہ نمازیں قلیل ہیں تو ان کی قضا کرنا واجب ہے۔ اور اگر کثیر ہیں تو قضا کرنا واجب نہیں ہے۔

منہ بلکہ دلیل یہ ہے کہ انما ایک قسم کا مرض ہے اور مرض کے اندر جس قدر نمازیں فوت ہو جائیں ان کی قضاء واجب ہوتی ہے لہذا اس صورت میں بھی قضاء واجب ہوگی خواہ فوت شدہ نمازیں کثیر ہی کیوں نہ ہوں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب انما نے نماز کا پورا وقت ٹھیر لیا تو بجز تحقق ہو گیا اور بقول بعض جنون کے مشابہ ہو گیا پس بعض حضرات کے نزدیک جس طرح ایک نماز کے پورے وقت کا جنون قضاء واجب نہیں کرتا اسی طرح انما کی صورت میں بھی قضاء واجب نہ ہوگی۔

وجہ استحسان جو علماء احناف کی دلیل ہے یہ ہے کہ مدت انما جب دراز ہو جائے گی تو قوت شدہ نمازیں کثیر ہو جائیں گی۔ اب اگر ان فوائد کثیرہ کی قضاء کا حکم دیا جائے گا تو وہ شخص حرج میں پڑ جائے اور چونکہ شریعت اسلام میں حرج کو دور کیا گیا ہے اس لئے فوائد کثیرہ کی قضاء واجب نہیں کی گئی۔ اور اگر مدت انما کم ہے تو فوت شدہ نمازیں قلیل ہوں گی اور فوائد قلیلہ کی قضاء کرنے میں چونکہ وہی حرج نہیں ہے اس لئے فوائد قلیلہ کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے احناف کی دلیل کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ عذر تین طرح کے ہیں اول ممتد جیسے بچپن تو یہ بابا جماع مانع فرضیت ہے دوم قصور جیسے نیند کہ وہ باعناحق مانع نہیں حتیٰ کہ نیند کی وجہ سے اگر نماز فوت ہوئی تو اس کی قضاء واجب ہے ہم جو درمیانی درجہ پر ہے جنون اور انما پر اگر یہ دراز ہو جائے تو ممتد کے ساتھ حق ہوں گے حتیٰ کہ قضاء ساقط ہو جائے گی اور اگر کم ہوں تو قاصر کے ساتھ لاحق ہو گئے حتیٰ کہ قضاء واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ کثیر کی حد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں ایک رات و دن سے بڑھ جائیں حتیٰ کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جائے کیونکہ جب چھٹی نماز کا وقت نکل گیا تو نمازوں میں تکرار شروع ہو گیا اور تکرار کے بعد اثرات کا ظہور ہونا امر لہدیہ ہے۔

صاحب ہدایہ نے ”وَالْجُنُونُ كَالْأَعْمَاءِ“ سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب دیا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ انما جنون کے مانند نہیں بلکہ جنون انما کے مانند ہے یعنی جنون اگر پانچ نمازوں سے زائد رہا تو قضاء ساقط ہوگی اور اگر کم ہے تو ساقط نہ ہوگی۔ ابوسلیمان نے یہی ذکر کیا ہے اس کے برخلاف نیند کہ اگر وہ زائد بھی ہو تب بھی قضاء ساقط نہ ہوگی کیونکہ نیند کا ممتد ہونا نادر ہے لہذا اس کو عذر قصور کے ساتھ لاحق کیا جائے گا نہ کہ عذر ممتد کے ساتھ۔

علماء احناف اس بات پر متفق ہیں کہ کثیر کی حد یہ ہے کہ قضاء نمازیں ایک رات و دن سے بڑھ جائیں لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ زیادتی من حیث الازقات معتبر ہے یا من حیث الساعات معتبر ہے؟ امام محمدؒ نے فرمایا کہ من حیث الازقات معتبر ہے یعنی اگرچہ چھ نمازیں فوت ہو گئیں اور چھٹی نماز کا وقت گزر گیا تو کثرت ثابت ہو جائے گی ورنہ کثرت فوائد کی وجہ سے قضاء واجب نہ ہوگی ورنہ چھٹی نماز کا پورا وقت نہیں گزرا بلکہ کچھ ساعتیں گزری ہیں تو امام محمدؒ کے نزدیک کثرت ثابت نہ ہوگی اور اس کے ذمہ سے قضاء ساقط نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تکرار چھ نمازوں کے فوت ہونے سے ہی متحقق ہوگا اور چھ نمازوں کا فوت ہونا ہی مفقض الی اخرج ہے جو قضاء کو ساقط کرنے والا ہے لہذا کثرت کی تحدید میں نمازوں کا فوت ہونا ہی معتبر ہے شیخین نے کہا ہے کہ کثرت دن حد میں ساعات معتبر ہیں نہ کہ وقت یعنی ایک دن رات سے اگر ایک دو ساعت بھی زیادہ ہو گئی تو کثرت ثابت نہ ہو جائے گی یہی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص پر چار شت کے وقت ب ہوش جاری ہوئی پھر اگلے دن زوال سے ایک ساعت پہلے افقہ ہو گیا (ہوش آ گیا) تو یہ ساعات کے اعتبار سے ایک دن رات سے زائد ہے لہذا شیخین کے نزدیک اس پر قضاء واجب نہ ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر قضاء واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں نمازوں کے

اندراج پر اضافہ نہیں ہوا ہے صحیح حکم کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جمیل احمد عثمانی عنہ۔

## بَابُ فِي سَجْدَةِ التَّلَاوَةِ

ترجمہ (یہ) بات تلاوت کے سجدہ (کے بیان) میں ہے۔

تشریح مناسب بات یہ تھی کہ سجدہ تلاوت کو سجدہ سہو کے فوراً بعد ذکر کیا جاتا اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سجدہ بے اثر چونکہ مریض کی نماز عارضہ سہو بھی عارض ہاوی سے ہوتا ہے اس مناسبت کی وجہ سے سجدہ سہو کے بعد صلوٰۃ مریض کو بیٹھنا پڑتا ہے جس سے مناسبت کی وجہ سے سجدہ سہو کے بعد صلوٰۃ مریض کو بیٹھنا پڑتا ہے تو سجدہ تلاوت کا بیان ازلہ منور ہو چکا گا۔

سجدہ تلاوت میں حکم کی اضافت سبب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تلاوت کے سجدہ کا سبب تلاوت ہی ہے لیکن اگر کوئی اعتراض یوں کہے کہ تلاوت کے علاوہ سماع بھی سجدہ کا سبب ہے تو اس طرح کہنا چاہئے تھا کہ سَجُودُ التَّلَاوَةِ وَالسَّمَاعِ اس کا جواب یہ ہے کہ تلاوت جس طرح سجدہ کا سبب ہے اسی طرح سماع کا بھی سبب ہے پس تلاوت کا ذکر من وجہ سماع کے ذکر کو بھی مشتمل ہے اس لئے تلاوت کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں کل کتنے سجدے ہیں اور کون کون سی سورت میں ہیں

قَالَ سُجُودُ التَّلَاوَةِ فِي الْقُرْآنِ أَرْبَعَةٌ عَشَرَ فِي أَحْرِ الْأَعْرَافِ وَفِي الرَّعْدِ وَالنَّحْلِ وَبَنِي إِسْرَافِيلَ وَمُؤْمِنٍ وَالْأَزْلَى مِنَ الْحَجِّ وَالْفُرْقَانِ وَالنَّمْلِ وَالْمُتَزِيلِ وَصَ وَحَمَّ السَّحَابَةِ وَالنَّحْمِ وَإِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَقْرَأَ كَذًا كُتِبَ فِي مِصْحَفِ عُثْمَانَ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ وَالسَّحَابَةُ الثَّابِتَةُ فِي الْحَجِّ لِلصَّلَاةِ عِنْدَنَا وَمَوْصِعُ السَّحَابَةِ فِي حَمَّ السَّحَابَةِ عِنْدَ قَوْلِهِ لَا يَسْأَمُونَ فِي قَوْلِ عُمَرَوُ هُوَ الْمَاحُودُ لِلْإِحْبَاطِ

ترجمہ صاحب قدوری نے کہا کہ قرآن میں تلاوت کے سجدے چودہ ہیں سورۃ اعراف کے آخر میں سورۃ رعد میں سورۃ نحل میں سورۃ بنی اسرائیل میں سورۃ مریم میں پہلا سجدہ سورۃ حج میں سورۃ فرقان میں سورۃ نمل میں سورۃ المیزیل میں سورۃ ص میں سورۃ نجم میں سورۃ النجم میں سورۃ اذا السماء انشقت میں اور سورۃ ابراہیم میں اسی طرح حضرت عثمان کے مصحف میں لکھا ہوا ہے اور وہی معتد ہے اور سورۃ نجم میں دوسرے سجدہ ہمارے نزدیک نماز کے لئے ہے۔ اور حم السجدہ میں موضع سجدہ حضرت عمر کے قول کے مطابق لَا يَسْأَمُونَ پر ہے اور یہی قول بنظر احتیاط لیا گیا ہے۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا ہے کہ قرآن پاک میں آیات سجدہ چودہ ہیں،

(۱) سورۃ اعراف کے آخر میں، اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَخُونَ لَهُ يَسْجُدُونَ (پ ۱۴۹)

(۲) سورۃ رعد میں ہے، وَلِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَطَلٰلَهُمْ بِالْفُؤَادِ وَالْاَصَالِ (پ ۱۳، ر ۸)

(۳) سورۃ نحل میں ہے، يَحَافَظُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ (پ ۱۳، ر ۱۲)

(۴) سورۃ بنی اسرائیل میں ہے، وَيَجْرُونَ لِلْاَذْقَانِ يَسْكُرُونَ وَيَرْيَدُهُمْ خُشُوعًا۔ (پ ۱۵، ر ۱۴)



سَجْدَهَا دَاوُدُ تَوْبَةً وَنَحْنُ نَسْجُدُهَا شُكْرًا یعنی آنحضرتؐ نے اپنے خطبہ میں سورۃ س کی تلاوت فرمائی (آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت) لوگوں نے سجدہ کرنے کی تیاری کی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ سجدہ کرنے کیوں تیار ہو گئے یہ تو ان کی توبہ ہے اور حضورؐ کا قول ہے کہ اس سجدہ سنت داود علیہ السلام نے سجدہ کیا ہے توبہ کے طور پر اور ہم سجدہ کرتے ہیں شکر کے طور پر ہماری طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ سجدہ شکر سجدہ تلاوت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس میں شکر کے معنی نہ ہوں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی اس حدیث کا حکم نے دوران خطبہ تلاوت کا سجدہ کیا ہے پس اس سے سورہ نمل کے اندر آیت سجدہ کا سجدہ تلاوت ہونا ثابت ہو گیا ہے اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپؐ نے اس موقع پر سجدہ نہیں کیا ہے تو یہ جواز تاجہ کی تعلیم کے لئے تھا نہ اس سے کہ اس سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ ہمارے مذہب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ صحابیؓ نے کہا کہ اللہ کے رسولؐ اس بارے میں آپؐ کی پیروی کرے گا۔ اس لئے کہ یہ سجدہ تلاوت میں واجب ہے کہ میں سورہ نمل پڑھ رہا ہوں پس جب موضع سجدہ پر پہنچا تو تلاوت اور قلم کے سجدہ کیا۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا کہ تلاوت اور قلم کی یہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں کہ سجدہ کریں پس آپؐ نے حکم دیا حتیٰ کہ آیت سجدہ پڑھنی کی اور آپؐ نے سجدہ کے ساتھ سجدہ کیا۔

مذہب بدایہ کہتے ہیں کہ تم سجدہ میں آیت سجدہ لَا يَسْأَلُ مُؤْتَىٰ بِہ جیسا کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے اور ان پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔

### ان تمام مواضع میں قاری اور سامع پر سجدہ تلاوت ہے

وَالسَّجْدَةُ وَاحِدَةٌ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّلَاتِي وَالسَّامِعِ سَرَاءً قَصْدًا سَمَاعِ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصُدْ لِقَوْلِهِ عَنِ السَّلَامِ السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ تَلَاهَا وَهِيَ كَلِمَةٌ اِيْحَابٍ وَهُوَ عَكْبَرٌ مُقْبِدٌ بِاِقْصَدِ

ترجمہ اور سجدہ کرنا ان مواضع میں واجب ہے تلاوت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی خواہ قرآن سننے ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو۔ چونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ سجدہ اس پر بھی ہے جس نے سن اور اس پر بھی ہے جس نے سنا کو پڑھا۔ اور یہ کلمہ ایحباب کا ہے اور وہ قصد کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

تشریح امام بو اسحق قدوسی نے کہا ہے کہ مذکورہ پہلو وہ مقامات پر سجدہ کرنا قاری اور سامع دونوں پر واجب ہے سامع نے سننے کا قصد کیا ہو یا قصد نہ کیا ہو۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ زید بن ثابتؓ نے نبی اکرمؐ کے سامنے سورہ النمل کی تلاوت کی لیکن زید بن ثابتؓ نے سجدہ کیا اور نہ آنحضرتؐ نے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ چونکہ اگر واجب ہوتا تو نہ آنحضرتؐ نے ترک فرمایا نہ زید بن ثابتؓ۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَعَلَى مَنْ تَلَاهَا وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث کے اندر لفظ "عَلَى" سے جواز امر پر دلالت ملتا ہے۔ یہ حدیث پہلے قصد کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے اس لئے کہ سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا خواہ سننے کا قصد کیا ہو یا قصد نہ کیا ہو۔ امام مالکؒ وغیرہ کی طرف سے پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے فوری طور پر سجدہ نہیں کیا اور فوری طور پر سجدہ نہ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ نیز فوری طور پر سجدہ کرنے سے علی الاطلاق سجدہ نہ کرنا لازم نہیں آتا۔ پس ہو سکتا ہے کہ

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے بعد میں سجدہ کر لیا ہو۔ اس احتمال میں موجودی میں سجدہ تلاوت کا عدم، خوب ثابت نہ ہو سکتا۔

امام نے آیت سجدہ تلاوت کی تو امام و مقتدی پر سجدہ تلاوت ہے، اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ کا حکم۔۔۔ اقوال فقہاء

وَرَدَا قَالَا الْإِمَامُ آيَةُ السَّجْدَةِ سَحَدُهَا وَ سَحَدُهَا الْمَامُودُ مَعَهُ لَا لِرَأْيِهِ مُتَابِعِهِ وَإِذَا قَالَ الْمَامُودُ لَهُ يَسْجُدُ الْإِمَامُ وَلَا الْمَامُودُ فِي الصُّلُوةِ وَلَا بَعْدَ الْفَرَاعِ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ وَ أَبِي يُونُسَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ يَسْجُدُ وَ يَهْدِي إِذَا قَرَعُوا لِأَنَّ السَّجْدَ قَدْ تَقَرَّرَ وَ لَا مَانِعَ بِخِلَافٍ حَالِ الصُّلُوةِ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى خِلَافٍ وَ ضَعُ الْإِمَامَةِ أَوْ التَّلَاوَةِ وَلَهُمَا أَنَّ الْمُقْتَدِيَ مَحْجُورٌ عَنِ الْقِرَاءَةِ لِإِقْفَادِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ عَلَيْهِ وَ تَصَرُّفُ الْمَحْجُورِ لَا حُكْمَ لَهُ بِخِلَافٍ الْحُسْبِ وَ الْحَزْبِ لَا يَتَّبِعَانِ مِنْهُمَا عَنِ الْفِرَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَحْتَ عَلَى الْحَابِصِ بِنِائِلَيْنَا كَمَا لَا يَحْتَ بِسَمَاعِنَا لِأَنَّهُ أَهْلِيَّةُ الصُّلُوةِ بِخِلَافٍ الْحُسْبِ

ترجمہ۔ اور جب امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو امام و مقتدی بھی سجدہ کرے۔ اس سے کہ مقتدی نے امام کی متابعت اپنے اوپر لازم کی ہے۔ اور جب مقتدی نے تلاوت کی تو ابو حنیفہ و ابو یوسف نے یہ نہیں کہا کہ امام و مقتدی نماز کے اندر اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور امام محمد نے فرمایا ہے جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو امام اور مقتدی سب سجدہ کریں کیونکہ سب متحرک ہو چکے ہیں اور مانع کوئی نہیں برخلاف نماز میں حالت کے وقت یہ پہلیا سے گا وضع امامت یا وضع تلاوت کے خلاف تک اور تنقیص کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کو قراءت سے روک دیا گیا ہے کیونکہ اس پر امام کا تصرف نافذ ہے اور محجور کے تصرف کا کچھ حکم نہیں برخلاف جنبی اور حائضہ کے کہ ان دونوں کو قراءت سے روک دیا گیا ہے مگر امام کی تلاوت سے واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس کے سننے سے واجب نہیں ہوتا کیونکہ نماز کی اہلیت معدوم ہے برخلاف جنبی کے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ امام نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو امام نماز میں ہے۔ اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے۔ یہ ہے کہ مقتدی نے اقتداء کی نیت کر کے امام کی متابعت اپنے آپ سے کیا ہے اور مقتدی نے امام کے ساتھ سجدہ تلاوت نہ کیا تو امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر مقتدی نے آیت تلاوت کی تو امام نے ایک امام اور مقتدی دونوں سجدہ نہ کریں نہ نماز کے اندر اور نہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہی مذہب امامیہ العلماء کا ہے حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں یہ ہے کہ سجدہ کا سبب یعنی مقتدی کا آیت سجدہ پڑھنا اور باقی حضرات کا اس کو سننا یا یہ اور مانع سجدہ یعنی ان کا نماز کے اندر ہونا دور ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ مذہب کی چیز کا سبب پایا جائے اور مانع دور ہو جائے تو وہ چیز باقی رہتی ہے جیسا کہ اس لئے نماز سے فراغت کے بعد امام و مقتدی دونوں پر سجدہ واجب وہ۔ اس کے برخلاف نماز میں حالت ہے جتنی نماز کے بعد امام و مقتدی دونوں سجدہ نہ کریں کیونکہ نماز کے اندر سجدہ کرنے کی صورت میں موضوع امامت کے خلاف لازم آئے گا یا موضوع تلاوت کے خلاف۔ اس لئے کہ مقتدی اس نے آیت سجدہ تلاوت کی ہے پہلے وہ سجدہ کرے گا یا امام پہلے سجدہ کرے گا۔ اگر مقتدی نے پہلے سجدہ کر لیا تو امام نے اس کی متابعت کی تو موضوع امامت کے خلاف لازم آئے گا جتنی امام جو موضوع تھا و مانع نہ ہو جائے گا۔ اور مقتدی جو تابع تھا و مانع نہ ہو جائے گا۔ اور اگر امام پہلے سجدہ کرے

اور تالیٰ میں مقتدی اس کی متابعت کرے تو موضوع تلاوت کے خلاف لازم آئے گا اس لئے کہ تالیٰ میں مع کا امام ہوتا ہے لہذا تالیٰ کے سجدہ کا مقدم ہونا واجب ہے حضور نے تالیٰ (تلاوت کرنے والے) سے فرمایا ہے کُنْتَ اِمَامًا فَلَوْ سَخَدْتَ لَسَخَدَ بَا مَعَكَ تو ہمارا امام ہے اگر تو سجدہ کرتا تو میرے ساتھ ہم بھی سجدہ کرتے حاصل یہ کہ تالیٰ پر سجدہ سجدہ کا وجہ ہوتا مقدم ہے۔ اور یہاں معاملہ برعکس ہو یہ کہ امام نے سجدہ پہلے کیا اور تالیٰ نے بعد میں کیا بہر حال نماز کی حالت میں سجدہ کرنے سے چونکہ کوئی خرابی لازم آتی ہے اس لئے نماز کی حالت میں امام سجدہ کرے ورنہ مقتدی۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے شرب قراءت برنامہ ممنوع ہے مقتدی کے لئے قراءت کرنا اس لئے ممنوع ہے کہ امام کا تصرف اس پر نافذ ہوتا ہے یعنی امام کی قراءت مقتدی کی طرف سے بھی قراءت شمار ہوتی ہے چنانچہ حبیب خدا کا ارشاد ہے "فَمَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔

بہر حال مقتدی ممنوع عن قراۃ ہے اور جو شخص کسی تصرف سے راکہ دیا گیا ہو اس تصرف کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ پس مقتدی چونکہ ممنوع عن قراۃ ہے اس لئے اس کی قراءت کا کوئی حکم نہ ہوگا اور جب اس کی قراءت کا کوئی حکم نہیں ہے تو اس پر سجدہ تلاوت بھی واجب نہ ہوگا اور جب تالیٰ پر سجدہ واجب نہیں ہوا تو اس کے سامع یعنی امام پر بھی سجدہ واجب نہ ہوگا۔

بِحلافِ الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ الخ سے ایک قیاس کا جواب ہے قیاس یہ ہے کہ مقتدی ممنوع عن قراۃ ہونے میں جنبی اور حائض کے مانند ہے اور سجدہ ان دونوں کی قراءت سننے سے واجب ہو جاتا ہے یعنی ان دونوں میں سے کسی نے اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی اور دوسرے کی آدمی نے سن لیا تو سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا پس اسی طرح مقتدی اگر مجبور عن قراۃ ہے لیکن اس کے باوجود اس نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور امام نے اس کی قراءت سن لی تو امام پر سجدہ تلاوت واجب ہونا چاہئے تھا حالانکہ شیخین امام پر بھی واجب سجدہ کے قائل نہیں ہیں۔

جواب جنبی اور حائض ممنوع عن قراۃ میں اور مقتدی مجبور عن قراۃ ہے اور ممنوع (منہی) اور مجبور سے درمیان فرق یہ ہے کہ مجبور عند العمل غیر معتبر ہوتا ہے نہ حرام ہوتا ہے ورنہ مکروہ اور ممنوع (جسکو منع کیا گیا ہے) کا فعل معتبر ہوتا ہے خواہ حرام ہو یا مکروہ مثلاً بیع فسد ممنوع (منہی) ہے لیکن اگر کسی نے بیع فسد کر دیا اور مشتری نے بیع پر قبضہ کر لیا تو مشتری کی ملک ثابت ہو جائے گی اور اگر مجبور عند العمل نابالغ یا مجنون نے عقد بیع کا معاملہ کیا اور مشتری نے بیع پر قبضہ بھی کر لیا تو مشتری کے لئے ملک ثابت نہ ہوگی پس چونکہ جنبی اور حائض ممنوع عن قراۃ ہیں نہ کہ مجبور عن القراءت اس لئے ان کی تلاوت سبب سجدہ ہوگی۔ اور اس کا یہ اثر ہوگا کہ جو شخص ان سے آیت سجدہ کی تلاوت کرے گا اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف مقتدی کہ وہ محجور عن القراۃ ہے نہ اس کی قراءت معتبر ہوگی اور نہ ہی سبب سجدہ ہوں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ممنوع عن القراۃ ہونے میں جنبی اور حائض دونوں برابر ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ حائض عورت پر نہ خواہ اپنی تلاوت سے سجدہ واجب ہوگا ورنہ دوسرے کی تلاوت سننے سے اور جنبی آدمی آیت سجدہ کی تلاوت کرے تب بھی سجدہ تلاوت واجب ہوگا اور اگر دوسرے سے سنے تب بھی واجب ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہونے میں نماز کی اہلیت معتبر ہوئی خواہ اور ہو خواہ قضاء ہو اور حائض عورت میں نماز کی اہلیت دونوں طرح نہیں ہے۔ اور جنبی کے اندر نماز کی اہلیت موجود

ہے بایں طور کہ اگر وقت کے اندر اندر غسل کر لیا تو ادا واجب ہوگی ورنہ قضاء واجب ہوگی۔

نماز سے باہر آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم ہے

وَلَوْ سَمِعَهَا رَجُلٌ خَارِجَ الصَّلَاةِ سَجَدَهَا هُوَ لَصَحِيحٌ لِأَنَّ الْحَجَرَ ثَبَتَ فِي حَقِّهِمْ فَلَا يَعْدُوهُمْ

ترجمہ اور اگر (امام یا مقتدی سے) آیت سجدہ کسی سے آدنی نے سنا جو خارج صلوٰۃ ہے تو وہ سجدہ تلاوت کرے یہی قول صحیح ہے کیونکہ مجبور ہونا مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے لہذا ان سے متجاوز نہ ہوگا۔

تشریح مسئلہ کسی ایسے آدمی نے جو نماز سے باہر ہے امام یا مقتدی سے سجدہ کی آیت سنی اور یہ شخص آیت سجدہ سن کر نماز میں شامل نہیں ہوا تو بالافتقار اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یہی قول صحیح ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حکم مختلف فیہ چنانچہ شیخین کے نزدیک یہ شخص سجدہ نہیں کرے گا اور امام محمد کے نزدیک سجدہ کرے گا۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ مجبور عن اقتراء ہونا مقتدیوں کے حق میں ثابت ہوا ہے لہذا ان سے متجاوز نہ ہوگا اور جب ان سے متجاوز نہ ہو تو ان کے ساتھ دوسرے آدمیوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوگا اور جب مقتدیوں سے دوسروں پر مجبور عن اقتراء ہونے کا اثر نہیں پڑتا تو آیت سجدہ سننے کی وجہ سے ان پر سجدہ واجب ہوگا۔

نماز میں کسی تیسرے شخص سے سجدہ تلاوت کی آیت سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے

نماز میں یا نماز کے بعد سجدہ کریں گے یا نہیں

وَأَنْ سَمِعُوا وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ سَجْدَةً مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَسْجُدُوا فِي الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِصَلَاةٍ لِأَنَّ سَمَاعَهُمْ هَذِهِ السَّجْدَةَ لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِ الصَّلَاةِ وَنَسَجَدُوهَا بَعْدَهَا لِتَحْقِيقِ سَبْطِهَا

ترجمہ اور اگر لوگوں نے درانحالیکہ وہ نماز میں ہیں کسی ایسے آدمی سے آیت سجدہ سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں تو یہ لوگ نماز میں سجدہ نہ کریں کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کا اس آیت سجدہ سننا نماز کے افعال سے نہیں ہے اور نماز کے بعد سجدہ کریں کیونکہ اس کا سبب متحقق ہو چکا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے بحالت نماز کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنی جو ان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے تو یہ لوگ نماز کی حالت میں سجدہ تلاوت نہ کریں کیونکہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے اور نماز کا سجدہ اس سے نہیں ہے کہ ان لوگوں کا اس آیت سجدہ کو سننا نماز کے افعال میں سے نہیں ہے کیونکہ نماز کے افعال یا توفض ہوتے ہیں یا واجب یا سنت اس آیت سجدہ کو سننا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ سجدہ نماز کے افعال میں سے نہیں ہے اور جو چیز نماز کے افعال میں سے نہ ہو اس کا نماز کے اندر ادا کرنا جہی جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ نماز کے اندر سجدہ تلاوت نہ کریں۔ ہاں بہت نماز کے بعد سجدہ تلاوت کرنا واجب ہوگا کیونکہ سجدہ کا سبب یعنی آیت سجدہ کا سننا پایا گیا۔



## نماز میں سجدہ کر لیا تو یہ سجدہ کافی نہیں

وَلَوْ سَجَدُوهُ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَحْزُهُمْ لِأَنَّهُ نَاقِصٌ لِمَكَانِ النَّهْيِ فَلَا يَتَأَدَّى بِهِ الْكَامِلَ

ترجمہ اور اگر ان لوگوں نے نماز کے اندر ہی سجدہ کر لیا تو ان کو کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ ادا ناقص ہے اس لئے کہ نبی موجود ہے۔ پس اس سے کامل دانہ ہوگا۔

تشریح مسد پت مسد میں مذکور ہے کہ ان عموں کے لئے نماز کے اندر سجدہ کرنا ممنوع ہے لیکن اس ممانعت کے باوجود اگر سجدہ کر لیا تو وہ معتبر نہ ہوگا بہتہ نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔ سجدہ معتبر نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ سجدہ ناقص ہے اس لئے کہ شریعت نے نماز کے اندر اس چیز کو غسل دینے سے منع کیا ہے۔ چیز نماز کے افعال سے نہ ہو۔ بہر حال یہ سجدہ ناقص ہے اور سماع کی وجہ سے جو سجدہ واجب ہوئے وہ کامل سے ارقی مدہ ہے کہ واجب کامل ناقص طور پر ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتا اس لئے ان حضرات کے نماز کے اندر سجدہ کرنے سے سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا۔

## سجدہ کا ادا وہ لازم ہے نماز کا اعادہ نہیں

قَالَ وَأَعَادُوهَا لِنَفْسِهِمْ وَلَمْ يُعِيدُوهُ الصَّلَاةَ لِأَنَّ مُحَرَّرَ السَّجْدَةِ لَا يَتَأَدَّى فِي حُرْمِ الصَّلَاةِ وَفِي التَّوَادُّعِ بِأَنَّهَا تُعِيدُ لِأَنَّهُمْ رَأَوْا فِيهَا مَا لَيْسَ مِنْهَا وَقَبْلَ هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ

ترجمہ مصنف نے کہا کہ اس سجدہ کا ادا وہ لازم ہے کیونکہ اس کا سبب ثابت ہو چکا ہے۔ اور نماز کا اعادہ نہ کریں اس لئے کہ محض سجدہ کرنا اور نماز کے منافی نہیں ہے اور تواتر میں ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنی نماز میں ایسا سجدہ بڑھایا ہے جو نماز میں سے نہیں ہے اور یہاں یہ ہے کہ یہ سجدہ قائل ہے

تشریح صاحب کتاب کہتے ہیں کہ ان عموں نے نماز کے اندر جو سجدہ تلاوت کیا ہے چونکہ وہ شرعاً معتبر نہیں ہے اس لئے نماز کے بعد اس سجدہ کا ادا نہیں کیا جائے گا۔ یہاں یہاں سجدہ تلاوت کا سبب (سماع) پایا گیا اور چونکہ نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نماز کا فاسد نہ ہونا اس لئے ہے کہ نماز زیادتی سے فاسد ہوتی ہے کسی رکن کو ترک کرنے سے اور یا فاسد ہوتی ہے منافی نماز چیز پیش آنے سے اور یہاں وہ منافی باتیں نہیں پائی گئیں کیونکہ سجدہ نماز کے منافی نہیں ہے نوادر کی روایت یہ ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس میں نماز کے اندر ایسی چیز کا اضافہ ہے کہ جو نماز کے افعال سے نہیں ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نماز کا فاسد ہونا امام محمد کا قول ہے شیخین کے نزدیک اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی بنیاداً اختلاف یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک سجدہ منافی زیادتی منسوخ ہے اور شیخین کے نزدیک ایک رکعت سے منافی زیادتی نماز فاسد نہیں کرتی۔

امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور ایسے شخص نے سنی جو نماز میں نہیں تھا

امام کے سجدہ کر لینے کے بعد نماز میں داخل ہوا اس پر سجدہ نہیں

فَإِنْ قَرَأَهَا الْإِمَامُ وَسَمِعَهَا رَجُلٌ يَسُّ مَعَهُ فِي الصَّلَاةِ فَدَخَلَ مَعَهُ مَا سَجَدَهَا الْإِمَامُ لَهُ يَكُنْ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَهَا لِأَنَّهُ صَارَ مُدْرِكًا لَهَا بِإِدْرَاكِ الرَّكْعَةِ وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ فَلَمْ يَسْجُدْهَا سَجَدَهَا مَعَهُ لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ يَسْمَعْهَا سَجَدَهَا مَعَهُ فَهِيَ أَوْلَى وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُ سَجَدَهَا لِتَحْقِيقِ السَّنَنِ

ترجمہ پھر اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی اور اس کو کسی ایسے آدمی نے سنا جو اس کے ساتھ نماز میں نہیں ہے۔ پھر امام کے سجدہ کرنے کے بعد وہ شخص امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو اس پر سجدہ کرنا واجب نہ رہا۔ کیونکہ یہ شخص رکعت دینے سے سجدہ پانے والا ہو گیا اور اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے وہ امام کے ساتھ داخل ہو گیا تو امام کے ساتھ سجدہ کرنے کی وجہ انہی اس نے آیت سجدہ کو سنا بھی نہ ہوتا تو امام کے ساتھ اس پر سجدہ واجب ہوتا پس اب درجہ اول واجب ہے اور اگر وہ امام کے ساتھ داخل نہ ہوتا تو یہ سجدہ ادا کرے اس لئے کہ سبب تحقق ہو چکا ہے۔

تشریح صورت مندرجہ یہ ہے کہ امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور اس ایسے آدمی نے سنا جو اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے پھر یہ شخص امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا تو اس کی صورت میں ہے۔ امام کے سجدہ کرنے کے بعد شامل ہوا۔ یا اس کے سجدہ کرنے سے پہلے اگر اول ہے تو اس پر سجدہ تلاوت کرنا واجب نہ رہا۔ کیونکہ اس رکعت کو پانے کی وجہ سے وہ شخص سجدہ پانے والا ہو گیا۔ اور اگر اس نے دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شرکت کی تو نماز سے فراغت کے بعد سجدہ تلاوت کرے کیونکہ جب اس شخص نے اس رکعت کو نہیں پایا جس میں آیت پڑھی گئی ہے تو اس نے نہ قراءت کو پایا۔ ورنہ اس کی تعلقات یعنی سجدہ کو پایا۔ اور جب سجدہ کو نہیں پایا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہوگا۔

اور اگر ثانی صورت ہے یعنی امام کے سجدہ کرنے سے پہلے امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو امام کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ یہ شخص اگر آیت سجدہ کو نہ سن پاتا یا سن طور کہ امام آہستہ پڑھتا تو بھی امام کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہوتا پس اس صورت میں جب کہ اس نے آیت سجدہ کو سنا بھی ہے بدرجہ اولیٰ امام کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہے۔ اور یہ شخص امام سے آیت سجدہ کو سن کر امام کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہوا تو نماز سے باہر اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ سجدہ کا سبب یعنی آیت سجدہ کو سننا پایا گیا۔

بروہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا غیر نماز میں سجدہ کرنا کافی نہیں ہوگا

وَكُلُّ سَجْدَةٍ وَجِبَتْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَسْجُدْهَا فَبُيِّنَ لَهُ تَفْصِيلُ خَارِجِ الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا صَلَاتِيَّةٌ وَلَيْسَ مَرِيَّةُ الصَّلَاةِ فَلَا تُنَادَى بِالنَّافِصِ

ترجمہ اور اگر وہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا ہے پھر اس کو نماز میں ادا نہ کیا تو پھر وہ نماز سے خارج میں ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سجدہ تو نماز کا ہو گیا ہے اور نماز کے سجدہ کو نماز کی فضیلت حاصل ہے تو وہ ناقص اسے ادا نہ ہوگا۔

تشریح صاحب قدوری نے ایک ضابطہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ سجدہ جو نماز کے اندر آیت سجدہ تلاوت کرنے کی وجہ سے واجب ہو تو نماز میں سجدہ نہیں کیا تو نماز سے باہر ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ ہے نماز کے سجدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آیت سجدہ کی تلاوت جو موجب سجدہ ہے نماز کے افعال میں سے ہے اور نماز کے سجدہ و نماز کی افضیت حاصل ہے۔ اس لئے نماز کے اندر سجدہ تلاوت کا وجوب کامل ہوا اور جو چیز کامل واجب ہوتی ہے وہ ناقص کے ساتھ ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نماز سے باہر چونکہ نماز کی فضیلت نہیں ہے۔ اس لئے نماز سے باہر جو سجدہ ادا کیا جائے گا وہ ناقص ہوگا۔

آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا پھر نماز میں داخل ہو کر دوبارہ وہی آیت پڑھی اور

سجدہ کیا یہ سجدہ دونوں تلاوتوں سے کفایت کرے گا

وَمَنْ نَلَا سَجْدَةً فَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتَّى دَخَلَ فِي صَلَوةٍ فَأَعَادَهَا وَ سَجَدَ أُخْرَاهُ السَّجْدَةُ عَنِ التَّلَاوَتَيْنِ لِأَنَّ النَّاسَ أَقْوَى لِكُوبِهَا صَلَاةً فَاسْتَبَعَبَ الْأُولَى وَفِي الْوَادِعِ يَسْجُدُ أُخْرَى نَعْدَ الْفَرَاغِ لِأَنَّ لِلْأُولَى قُوَّةَ السَّقِّ فَاسْتَوَقَا فَمَّا لِلثَّانِيَةِ قُوَّةَ اتِّصَالِ الْمُفْصُولِ فَمُرُوحَتْ بِهَا

ترجمہ اور جس شخص نے آیت سجدہ تلاوت کی پھر اس کو ادا نہ کیا حتیٰ کہ کسی نماز میں داخل ہوا پھر اسی آیت سجدہ دوبارہ (نماز میں) پڑھا اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ اس کو دونوں تلاوتوں سے کافی ہو گیا کیونکہ دوسرا سجدہ و اقویٰ ہے اس لئے کہ وہ نماز کا سجدہ ہے پس وہ پہلے سجدہ و متضمن ہو گیا اور نوادر میں سے کہ دوسرا سجدہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرے کیونکہ پہلے سجدہ کو تقدم کی قوت حاصل ہے اس سے دونوں برابر ہو گئے ہم جواب دیتے ہیں کہ دوسرے سجدہ کو تصدو سے متصل ہونے کی قوت حاصل ہے اس لئے دوسرے سجدہ کو ترجیح ہو گئی۔

تشریح اس عبارت میں سجدہ تلاوت کے تدخل کا بیان ہے چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے خارج صلاۃ آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا حتیٰ کہ کسی نماز میں داخل ہو گیا پھر اسی آیت سجدہ کی دوبارہ تلاوت کی اور نماز ہی میں سجدہ تلاوت کیا تو یہ دونوں تلاوتوں سے کافی ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ دوسرا سجدہ اقویٰ ہے اور اقویٰ اس لئے ہے کہ وہ نماز کا سجدہ ہے بہر حال دوسرا سجدہ جب اقویٰ ہے تو پہلے جو خارج صلاۃ تھا اس کے مانع ہے اور چونکہ متبوع مانع ہو متضمن ہوتا ہے اس لئے دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کو متضمن ہوگا اور دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلے سجدہ چکی دیا ہو جائے گا۔

نوادر میں سے کہ نماز کے اندر سجدہ تلاوت کرنے سے ایک سجدہ ادا ہوگا۔ اور سجدہ نماز سے فراغت کے بعد و اگر نہ ضروری ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ دوسرا سجدہ صلاۃ کی ہونے کی وجہ سے اگر اقویٰ ہے تو پہلے سجدہ کو تقدم کی وجہ سے قوت حاصل ہے پس قوت میں دونوں برابر ہوں گے۔ ان میں سے ایک دوسرے کے مانع نہیں ہوگا۔ اور جب ایک دوسرے کے مانع نہیں ہے تو ایک سجدہ ادا کرنے سے دوسرا سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

قدوری صرف سے جواب یہ ہے کہ دوم سجدہ کی قوت اس کی ہے کہ ایک قوت اور حاصل ہے اور وہ قوت یہ ہے کہ تلاوت ادا ہے سجدہ کے ساتھ متصل سے یعنی جب اور کسی یا نماز کے اندر آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے تو اس کے ساتھ ہی سجدہ ادا کر لیا ہے اس کے برخلاف

جب نماز سے باہر اسی آیت کی تلاوت کی گئی تھی تو سجدہ ادا نہیں کیا گیا تھا بہر حال یہ نسبت پہلے سجدہ کے دوسرے سجدہ اقویٰ شہر پس اس قوت کی وجہ سے دوسرے سجدہ کو ترجیح دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلے سجدہ بھی واجب ہو جائے گا۔

**آیت سجدہ کی تلاوت کی پھر سجدہ کیا نماز میں دوبارہ آیت سجدہ کی تلاوت کی اب پہلے والے سجدہ کافی نہیں**

وَإِنْ تَلَّاهُ فَسَجِدْ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ فَتَلَّاهَا سَجَدَ لَهَا لِأَنَّ الثَّانِيَةَ هِيَ الْمُسْتَتِيعَةُ وَلَا وَحْدَ إِلَى الْحَاقِهَا بِالْأُولَى لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى سَبْقِ الْحُكْمِ عَلَى السَّبَبِ

ترجمہ اور اگر (خارج صلوٰۃ) تلاوت کر کے سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہو کر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو اس کے واسطے سجدہ کرے کیونکہ دوسرا سجدہ کو تابع بنانے والا ہے اور اول سجدہ کے ساتھ اس کو، حق کرنے کی کوں وجہ موجود نہیں ہے اس لئے یہ سبب پر تقدم حکم کا باعث ہوگا۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز سے باہر آیت سجدہ کی تلاوت کر کے سجدہ تلاوت کر لیا پھر نماز میں داخل ہو کر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو اس پر نماز کے اندر تلاوت کرنے کی وجہ سے سجدہ تلاوت واجب ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں مذکور چکا ہے کہ دوسرا سجدہ نماز کا سجدہ ہونے کی وجہ سے اقویٰ ہے اور اقویٰ ہونے کی وجہ سے وہ پہلے سجدہ کو تابع بنانے والا ہے اور جب دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کو تابع بنانے والا ہے تو دوسرے سجدہ کو پہلے سجدہ کے ساتھ الحق کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر سجدہ ثانیہ و پہلے سجدہ کے ساتھ لاقی کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے سجدہ کے لئے تلاوت بعد میں کی گئی ہے اور سجدہ پہلے کر لیا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ سجدہ تلاوت کے وجوب کا سبب تلاوت ہے پس اس صورت میں سبب کا مؤخر ہونا اور غم کا مقدم ہونا رمت آئے گا۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اس صورت میں داخل معذور ہے۔ اور جب داخل معذور ہے تو سجدہ ثانیہ تلاوت ثانیہ کی وجہ سے واجب ہوگا۔

**ایک مجلس میں کئی بار آیت سجدہ کی تلاوت کی تو ایک ہی سجدہ کافی ہے**

وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَحْزَانُهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِنْ قَرَأَهَا فِي مَجْلِسِهِ فَسَجَدَهَا ثُمَّ ذَهَبَ وَرَجَعَ فَقَرَأَهَا سَجْدَةً ثَانِيَةً وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَجَدَ لِلْأُولَى فَعَيْنُهُ سَجْدَتَانِ وَالْأَصْلُ أَنَّ مَسَى السَّجْدَةِ عَلَى السَّادِحِ دَفْعًا لِلخَرْجِ وَهُوَ نَدَا حُلٌّ فِي السَّبَبِ دُونَ الْحُكْمِ وَهُوَ الْيَقِي بِالْعَادَاتِ وَالثَّانِي بِالْعُقُوبَاتِ وَرَأْمُكَ السَّادِحُ عَمْدَ اتِّحَادِ الْمَجْلِسِ لِكُورِهِ جَمِيعًا لِلْمُسْتَفْرَقَاتِ فَإِذَا اخْتَلَفَ عَادَ الْحُكْمُ إِلَى الْأَصْلِ وَلَا يَحِلُّ سَجْدَةُ الْقِيَامِ بِحِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ لِأَنَّهُ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ وَهُوَ الْمُطْلُ هَذَا لَكَ وَفِي تَسْدِيَةِ التَّوْبِ يَتَكَرَّرُ الْوُجُوهُ وَفِي الْمُتَّفِقِ مِنَ عَصْنِ إِلَى عَصْنٍ كَذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ وَكَذَا فِي الدِّيَّانَةِ لِلْإِحْيَاطِ

ترجمہ اور جس شخص نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کی تلاوت کر لی تو اس کو ایک سجدہ کافی ہو جائے گا۔ اور اگر اپنی مجلس میں اس کو پڑھ پھر سجدہ کیا پھر نہیں جائے اور اس آیت سجدہ کو پڑھا تو دوبارہ سجدہ کرے اور اگر اس نے پہلے مجلس کا سجدہ نہیں کیا۔ تو اس پر

نہیدے واجب ہوں گے۔ اور انہیں یہ ہے کہ دفعِ عذر سے لئے جہدہ دوم رتدِ اخل پر ہے اور یہ سبب میں تداخل ہے نہ کہ حکم میں اور عبادت میں۔ یہی تداخل یہ وہ مناسب ہے ورنہ ثانی مقبولات سے زیادہ مناسب ہے اور تداخل کا ممکن ہونا اتحادِ مجلس کے وقت ہے اس لئے کہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرتی ہے پس جب مجلس مختلف یعنی وقلمِ اصل کی طرف عود کرے گا اور مجلس محض کھڑے ہونے سے متکثر نہیں ہوتی۔ برخلاف مختار کے اس وجہ سے کہ کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے۔ وراعراض کرنا یہاں اختیار کو باطل کرتا ہے۔ اور تداخل آمد و رفت میں، جو بجدہ دوم ہوگا اور اصح قول کی بنا پر ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف منتقل ہونے میں بھی یہی حکم ہے اور احتیاط کی وجہ سے یہی حکم کھیاں روند لئے میں ہے۔

**تشریح** صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں یہ آیت جہدہ دوبارہ تلاوت کیا تو مدتوں سے یہ ایک جہدہ کافی ہو جائے گا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں آیت جہدہ تلاوت کر کے جہدہ تلاوت کر لیا پھر کہیں جا کر واپس آیا پھر اسی آیت ویدھا تو دوبارہ جہدہ تلاوت کرے اور اگر اس نے پہلی مجلس کا جہدہ ادا نہ کیا تو اس پر دو جہدے واجب ہوں گے۔

صاحبِ ہدایہ نے کہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ استسنا جہدہ کی بنا تداخل پر ہے ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر تلاوت کی مدت سے جہدہ واجب ہو، مجلس خواہ متحد ہو، مختلف ہو، کیونکہ جہدہ تلاوت کا حکم ہے اور حکم سبب کے مکرر ہونے سے مکرر ہو جاتا ہے اس لئے تلاوت کے مکرر ہونے سے جہدہ مکرر ہونا چاہئے تلاوت کا مکرر ایک مجلس میں ہو یا مختلف مجلس میں ہو۔

وجہ استسنا لوگوں سے حرج کو دور کرنا ہے۔ یونکہ مسلمان قرآن کی تعلیم و تعلم کے محتاج ہیں اور تعلیم و تعلم بغیر تکرار کے حاصل نہیں ہوگا۔ پس ایک مجلس میں ایک آیت جہدہ دوبارہ پڑھنے کی وجہ سے اگر تکرار جہدہ لازم کیا گیا تو مفسر الی الحرج ہوگا ورنہ حرج کو مٹا دیا گیا ہے اس لئے کہا گیا کہ اس صورت میں ایک ہی جہدہ واجب ہوگا۔ حدیث بھی اسی کی شہادت ہے چنانچہ مروی ہے جبریل امین آئینہ سے صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آیت جہدہ پڑھتے اور اس دوبارہ پڑھتے میں آپ نے اس کی وجہ سے ایک جہدہ کرتے تھے۔ جہدہ تلاوت کا سبب اس طرح تلاوت ہے اسی طرح تلاوت بھی ہے نیز حضرت یوموی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے مسجد کوفہ میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے اور اگر آیت جہدہ کہتی تو اس کو بھی بار بار پڑھتے مگر چونکہ مجلس ایک ہوتی تھی اس لئے ایک جہدہ کرتے تھے۔ (الکفایہ۔ عنایہ)

تداخل کی اقسام صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ تداخل کی دو قسمیں ہیں ایک تداخل فی السبب دوم تداخل فی النظم عبادات کے مناسب تداخل فی السبب ہے مقبولات کے مناسب تداخل فی اعم ہے سبب کے اندر تداخل عبادات کے مناسب اس لئے ہے کہ اگر خود کے اندر تداخل ہو اور سبب کے اندر تداخل نہ ہو تو اسباب کا تعدد پاتی رہے گا اور جب اسباب کا تعدد پاتی رہا تو وہ سبب جو موجب للعبادۃ ہے بغیر عبادت کے پایا جائے گا اور اس میں ترک احتیاط ہے حالانکہ عبادات کو ادا کرنے میں احتیاط ہے نہ کہ ترک کرنے میں اس لئے ہم نے کہا کہ عبادت کے اندر اسباب میں تداخل ہے تاکہ تمام اسباب بمنزلہ ایک سبب کے ہوں اور پھر اس پر اس کا حکم مرتب ہو جائے۔ اس کے برخلاف مقبوبات کہ ان کو ادا کرنے میں احتیاط نہیں ہے بلکہ ان کو دفع کرنے میں احتیاط ہے اس لئے مقبوبات کے اندر حکم میں تداخل ہوگا نہ کہ سبب میں تاکہ سبب موجب کے پائے جانے کے باوجود حکم نہ پایا جائے اور سبب موجب کے موجود ہونے کے باوجود مقبوبات کا نہ پایا جائے۔ مثلاً سبب موجب کے پائے جانے کے باوجود عبادت کے پائے جانے کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔

اختلاف کا ثمرہ ثمرہ اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص نے زنا یا اس کو حد گناہ کی گئی پھر دوبارہ زنا یا دوبارہ حد جاری کی جائے گی۔

اور اگر آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کر یا پھر اسی آیت کی اسی مجلس میں تلاوت کی تو اس پر دوسرے سجدہ واجب نہ ہوگا کیونکہ سبب کے اندر داخل کی وجہ سے دونوں تلاوتیں بمنزلہ ایک سبب کے ہوتی ہیں۔

مداخل کی شرط وَامَّا مَكَانُ التَّدَاخُلِ اَلْحَقُّ مَدْخُلُ كِي شَرْطُ بَتَاكِي كِي بے چہاں نہ فرمایا ہے کہ تداخل کی شرط آیت سجدہ اور مجلس کا متحد ہونا ہے کیونکہ نص اجماع اور حرج مجلس واحدہ اور آیت واحدہ کی صورت میں پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ تمام صورتیں اصل قیاس پر باقی رہیں گی دوسری دلیل یہ ہے کہ تداخل اس وقت درست ہوگا جب کوئی ایسا جامع پیدا جائے جو تمام اسباب کو جمع کرے اور تمام اسباب کو سبب واحد کے مرتبے میں ردے۔ اور ایسا جامع مجلس ہے کیونکہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرنے والی ہے مثلاً ایک مجلس میں اگر ایجاب اور قبول دونوں پائے جائیں تو کہا جاتا ہے کہ قبول ایجاب سے متصل ہے حالانکہ حقیقتہً منفصل ہے پس معلوم ہو کہ مجلس ایجاب و قبول کو جامع ہے اسی طرح ایک مجلس میں اگر تھوڑی تھوڑی متعدد بارے کی تو وہ ایک ہی تھے شمار ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مجلس جامع متفرقات ہے جس جب تک اتنی مجلس ہے تو تلاوت کے تکرار کے باوجود ایک ہی سجدہ واجب ہوگا لیکن اگر مجلس بدل گئی تو حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گا یعنی ایک ہی آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کرنے سے بار بار سجدہ واجب ہوگا۔

اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس کب متحقق ہوگا یہ بات کی مجلس کا بدنا کب متحقق ہوگا تو اس بارے میں صاحب کفایہ کہتے ہیں کہ پہلی مجلس سے اٹھ کر کہیں دور چلا گیا تو مجلس بدلنے کا حکم لگادیا جائے گا اور اگر قریب میں یہ تو اتنی مجلس باقی رہے گا ورنہ قریب اور بعید میں فیصل یہ ہے کہ دو یا تین قدموں کی مقدار تو قریب ہے اور اس سے زائد بعید ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ محض قیام سے مجلس مختلف نہیں ہوتی برخلاف بخیرہ کے بخیرہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس نے شوہر نے اس کو اِحْتَارَیْ نَفْسَکَ کہہ کر طلاق کا اختیار دیا ہو۔ پس بخیرہ اغواظ خیار سن کر اگر کھڑی ہو گئی تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا مگر خیار کا باطل ہونا اس لئے نہیں ہے کہ مجلس بدل گئی بلکہ اس لئے ہے کہ ہٹا ہونا اعراض کی دلیل ہے اور اعراض صراحۃً ہو یا دلالتاً بخیرہ مخیر ہو باطل کر دیتا ہے۔

فیصل مصنف نے کہا ہے کہ تانا تنے کی آمد و رفت میں وجوب سجدہ مکرر ہو جائے گا یعنی تانا تنے وقت اگر ایک آیت سجدہ کو بار بار تلاوت کیا تو جتنی بار تلاوت کی ہے اسی قدر سجدے واجب ہوں گے کیونکہ اس آمد و رفت میں مجلس بدل جاتی ہے اسی طرح اگر درخت کی ایک شاخ پر بیٹھ کر ایک آیت سجدہ تلاوت کی پھر دوسری شاخ کی طرف منتقل ہو کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھا تو دوسرے سجدے واجب ہوں گے۔ یہی صحیح قول ہے۔ یہی حکم اس وقت ہے جب کہ جانوروں سے انجان کو گاہ جائے ہمارے ملاقات میں اس کو دائیں چلنا کہتے ہیں پس دائیں چلتے وقت یعنی اناج گاہتے وقت اگر ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھتا رہا تو بار بار سجدہ واجب ہوں گے۔ یہ قول احتیاط پر مبنی ہے۔

سامع کی مجلس بدل گئی تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو سامع پر

مکرر سجدہ ہے نہ کہ تلاوت کرنے والے پر

وَلَوْ سَدَلَ مَجْلِسُ السَّامِعِ دُونَ لَتَأْتِي يَتَكَرَّرُ الْوُجُوهُ عَلَى السَّامِعِ لِأَنَّ السَّبَبَ فِي حَقِّهِ السَّمَاعُ وَكَذَا إِذَا سَدَلَ مَجْلِسُ التَّالِي دُونَ سَامِعٍ عَلَى مَقِيلٍ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ الْوُجُوهُ عَلَى السَّامِعِ بِنَاءً فَلَمَّا

ترجمہ اور اگر سننے والے کی مجلس بدل گئی نہ کہ تلاوت کرنے والے کی تو سامع پر وجوب مکرر ہوگا کیونکہ سجدہ واجب ہونے کا سبب اس کے حق میں تلاوت کا سننا ہے اور اسی طرح اگر بغیر سامع کے تالی کی مجلس بدل گئی اسی بنا پر جو کہا گیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ سننے والے پر وجوب مکرر نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے۔

**تشریح** مسد یہ ہے کہ اگر آیت سننے والے کی مجلس بدل گئی اور تلاوت کرنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو بالاتفاق وجوب سجدہ سامع پر مکرر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ سامع کے حق میں سجدہ تلاوت واجب ہونے کا سبب سماع ہے اور چونکہ مجلس بدلنے کی وجہ سے سماع مکرر ہو گیا ہے اس سے وجوب سجدہ بھی مکرر ہوگا۔ اور اگر تلاوت کنندہ کی مجلس بدل گئی لیکن سامع کی مجلس نہیں بدلی تو علامہ فخر الاسلام کے قول کے مطابق اس صورت میں بھی سجدہ کا وجوب سامع پر مکرر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ آیت سجدہ کا سننا تلاوت پر مبنی ہے اور مجلس تلاوت بدل گئی ہذا سماع کو بھی تلاوت پر قیاس کیا جائے گا یعنی یوں کہہ جائے گا کہ جب تلاوت کی مجلس بدل گئی تو حکم سماع کی مجلس بھی بدل گئی بعض حضرات نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ سجدہ تلاوت کا سبب تان اور سامع دونوں کے حق میں تلاوت ہے اور تہل مجلس کی وجہ سے تلاوت مکرر ہوتی ہے۔ اس لئے سجدہ کا وجوب تان اور سامع دونوں پر مکرر ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس صورت میں سامع پر وجوب سجدہ مکرر نہیں ہوگا کیونکہ سامع کے حق میں سجدہ واجب ہونے کا سبب سماع ہے اور سماع کی مجلس میں تکرار نہیں ہوا لہذا اس پر وجوب سجدہ بھی مکرر نہ ہوگا۔

### سجدہ کرنے کا طریقہ

وَمَنْ أَرَادَ السُّجُودَ كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأْسَهُ رَاعِيًا بِسَجْدَةِ الصَّلَاةِ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَلَا تُشْهَدُ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامٌ لِأَنَّ ذَلِكَ لِلتَّحْلُلِ وَهُوَ يَسْتَدْعِي سَقَى التَّحْرِيمَةِ وَهِيَ مُعْدِمَةٌ

ترجمہ اور جس نے سجدہ تلاوت کرنے کا ارادہ کیا تو وہ تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھالے مگر اسے سجدہ پر قیاس کرتے ہوئے اور ابی ابن مسعود سے مروی ہے اور اس پر نہ تشہد ہے اور نہ سلام ہے کیونکہ سلام تو نماز سے نکلنے کے لئے ہے اور وہ تقاضا کرتا ہے سبقت تحریمہ کا اور تحریمہ معدوم ہے

**تشریح** اس عبارت میں سجدہ تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے سو کیفیت یہ ہے کہ جب سجدہ تلاوت کرنے کا ارادہ ہو تو بغیر دونوں ہاتھوں اٹھائے تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر زمین سے اٹھائے۔ دلیل نماز کے سجدہ پر قیاس ہے یہی عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یہ ذہن میں رہے کہ یہ دونوں تکبیریں مسنون ہیں واجب نہیں ہیں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کر کے سامع پر نہ تشہد ہے نہ سلام ہے کیونکہ تشہد اور سلام نماز سے نکلنے کے لئے شروع ہوتے ہیں اور نماز سے نکلنا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے تحریمہ ہو اور تحریمہ اس جگہ معدوم ہے پس جب تحریمہ معدوم ہے تو تحلیل بھی نہیں ہوگا مگر جب تحلیل نہیں ہے تو تشہد اور سلام بھی نہیں ہوں گے۔

**قوائد** قدوری اور ہدایہ کی عبارت اس بارے میں خاموش ہے کہ سجدہ تلاوت میں کیا پڑھے۔ سو اس سلسلے میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ نماز کے سجدہ میں جو پڑھا جاتا ہے وہی تلاوت میں پڑھے اور بعض کا قول ہے کہ سجدہ تلاوت میں یہ کہے سُبْحَانَ رَبِّنا اِنْ كَانَ وَعْدُ

رَبَّالْمَفْعُولَا۔

نماز یا غیر نماز میں سورت پڑھنے کے دوران آیت سجدہ، سجدہ چھوڑنا مکروہ ہے

قَالَ وَيُكْرَهُ أَنْ يَقْرَأَ السُّورَةَ فِي صَلَوةٍ أَوْ غَيْرِهَا وَيَدْعُ آيَةَ السَّجْدَةِ لِأَنَّهُ يُشَبَّهُ الْإِسْتِكَافَ عَلَيْهَا وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْرَأَ آيَةَ السَّجْدَةِ وَيَدْعُ مَا سِوَاهَا لِأَنَّهُ مُبَادِرَةٌ إِلَيْهَا قَالَ مُحَمَّدٌ حَتَّىٰ أَلِيَّ أَنْ يَقْرَأَ قَبْلَهَا آيَةٌ أَوْ ابْتَيْنَ دَفْعًا لِيُوْهِمَ النَّفْصِيلَ وَاسْتَحْضُوا إِخْفَاءَهَا شَفَقَةً عَلَى السَّامِعِينَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ امام محمد نے کہا کہ نماز یا غیر نماز میں سورت پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑنا مکروہ ہے کیونکہ یہ فعل سجدہ سے منہ موڑنے کے مشابہ ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آیت سجدہ کو پڑھے اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تو سجدہ کی طرف پیش قدمی ہے۔ امام محمد کا قول ہے کہ میرے نزدیک محبوب بات یہ ہے کہ آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیتیں پڑھے تفصیل کے وہم و گور سے بچنے کے لئے اور علماء نے اس کے اختفاء کو مستحسن سمجھا ہے سننے والوں پر شفقت کے پیش نظر۔ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے۔

تشریح امام محمد نے فرمایا ہے کہ نماز یا غیر نماز میں پوری سورت کو پڑھنا اور آیت سجدہ کو چھوڑ دینا مکروہ ہے وجہ براہت یہ ہے کہ یہ عمل آیت سجدہ سے اعراض کرنے کے مشابہ ہے و قرآن پاک کی کسی آیت سے اعراض کرنا حرام ہے کیونکہ یہ تو کفر ہے۔ پس جب حقیقتاً اعراض کرنا حرام ہے تو جو چیز اس کے مشابہ ہو وہ مکروہ ضرور ہوگی اور اگر کسی نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور باقی پوری سورت کو چھوڑ دیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ سجدہ کی طرف مبادرت اور پیش قدمی ہے۔ ابہت امام محمد نے فرمایا ہے کہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ آیت سجدہ سے پہلے ایک یا دو آیتیں پڑھے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ آیت سجدہ کو اوروں پر فضیلت ہے۔ حالانکہ قرآن ہونے میں سب آیات برابر ہیں۔ علماء نے اس بات کو مستحسن قرار دیا ہے کہ آیت سجدہ کو آہستہ پڑھے تاکہ سننے والوں پر گراں نہ گذرے۔ صاحب حناہ نے محیط کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر تلاوت کرنے والے تنہا ہے تو جس طرح چاہے پڑھے خواہ سراخواہ جہرا اور اگر اس کے ساتھ اور لوگ ہیں تو مشائخ احناف نے کہا ہے کہ وہ لوگ اگر با وضو ہیں اور ان پر سجدہ کرنے میں کچھ گرتی نہ ہوگی تو جبر سے پڑھنا چاہئے اور اگر وہ لوگ بے وضو ہیں یا یہ سمجھے کہ وہ سن کر سجدہ نہ کریں گے یا ان پر گراں ہوگا تو آہستہ پڑھے۔ واللہ اعلم بالصواب جمیل احمد ثقفی عنہ۔

## بَابُ صَلَوةِ الْمُسَافِرِ

ترجمہ یہ باب مسافر کی نماز (کے بیان میں) ہے۔

تشریح چونکہ تلاوت کی طرح سفر بھی ان عوارض میں سے ہے جن کا انسان کسب کرتا ہے اس لئے سجدہ تلاوت کے احکام بیان کرنے کے بعد سفر کے احکام ذکر کئے گئے اور چونکہ تلاوت اور سجدہ تلاوت عبادت ہے اور سفر عبادت نہیں اس لئے سجدہ تلاوت کو مقدم اور سفر کے احکام کو مؤخر کیا گیا۔

مسافر کے لغوی معنی مسافت طے کرنے کے ہیں اور شریعت کی صلاحت میں سفر وہ ہے جس سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں مثلاً نماز کا قنہ، رمضان کے اندر انفرادی اجازت مدت مسح کا تین دن تک دراز ہو جانا بعد عیدین اور قربانی کے وجوب کا ساقط ہو جانا، بغیر محرم کے آزار



نہرت کے نکلنے کا حرم ہونا۔ خیال رہے کہ سفر کا شرعاً اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ سفر کی نیت ہو اور عملاً سفر موجود ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے تین دن و مسافت کی نیت کے بغیر پوری دنیا کا چکر لگایا تو یہ شخص شریعت کی نظر میں مسافر نہیں رہا۔ گے گا اور اگر مسافت کی نیت کی لیکن عمدتاً نہیں کیا تو ابھی مسافر نہیں ہوگا۔ سفر کی وجہ سے احکام کے اندر تغیر اسی وقت ہوگا جب کہ نیت سفر اور فعل سفر دونوں علیحدہ نہ ہوں۔ اجتماع موجود ہو۔

**سوال** اقامت کے لئے محض نیت کافی ہے لیکن سفر کے لئے محض نیت کافی نہیں ہے بلکہ فعل سفر بھی ضروری ہے۔ ایسا کیوں ہے؟  
**جواب** سفر فعل ہے اور فعل کے اندر محض ارادہ اور قصد کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً نماز ایک فعلی چیز ہے اس میں انتہائی نیت کافی نہیں ہوتی بلکہ نیت کے ساتھ قیام رکوع سجدہ وغیرہ ہوں۔ تو نماز ہونے والی نہیں۔ اور اقامت ترک فعل کا نام ہے اور ترک فعل محض نیت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

### سفر شرعی کی مسافت

السَّفَرُ الَّذِي يَتَغَيَّرُ بِهِ الْأَحْكَامُ أَنْ يَقْضَىٰ مَسِيرُهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا بِسَيْرِ الْإِبِلِ وَمَشْيِ الْأَقْدَامِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمْسَحُ الْمُضَيِّقُ كَمَا لَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا عَمَّتِ الرَّحْصَةُ الْجِسِّ وَمِنْ صُرُورَتِهِ عُمُومٌ لِّلْقَبْرِ وَقَدَرُ أَبُو يُوسُفَ يَوْمًا مِّنْ وَأَكْثَرُ الْيَوْمِ الثَّالِثِ وَالشَّافِعِيُّ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ فِي قَوْلٍ وَكَفَىٰ بِالسَّفَرِ حُجَّةً عَلَيْهِمَا

**ترجمہ** وہ سفر جس سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ اونٹ کی رفتار کے ذریعہ یا قدموں کی چال سے تین دن اور تین رات کی رفتار کا ارادہ کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مقیم پورا ایک دن ایک رات مسح کرے اور مسافر تین دن اور تین رات (یہ) رخصت جس کو عام ہے اور اس کے عوارضات میں سے عموم تقدیر ہے۔ اور امام ابو یوسف نے سفر کی مقدار دو یوم اور تیسرے دن کا انٹر قرار دی ہے اور امام شافعی نے ایک قول کے مطابق ایک دن اور ایک رات مقرر کی ہے اور حدیث مذکور دونوں کے خلاف حجت ہونے کے لئے کافی ہے۔

**تشریح** صاحب تدویر نے فرمایا ہے کہ جس سفر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں وہ سفر یہ ہے کہ انسان تین دن تین رات کے چنے کا ارادہ کرے چال کے اندر اونٹ کی چال معتبر ہے یا پیدل کی یا بیل گاڑی کی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر ملک کے سال میں سب سے چھوٹا دن معتبر ہے۔ جیسے ہمارے یہاں شامی منہ میں خوب جا رہے ہیں سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے نیز رات دن ۲۴ گھنٹہ کا چھن مراد نہیں بلکہ ہر روز صبح سے زوال کے وقت تک کا چھن مراد ہے کیونکہ ۲۴ گھنٹہ چنے رہنا انسان کے بس میں ہے اور نہ ہی سواری کے جانور کی طاقت میں۔ بہرحال ہر روز صبح سے زوال تک کسی منزل پر پہنچ کر آرام کر کے تین رات تین دن میں جو مسافت طے ہو وہ مسافت سفر ہے۔

تین دن اور تین رات کی تقدیر پر حدیث رسول ﷺ "يَمْسَحُ الْمُضَيِّقُ كَمَا لَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا" سے استدلال کیا گیا ہے کہ المسافر کا الف لام استغراقی ہے پس مسافت کو شامل ہوگی یعنی ہر مسافر تین دن اور تین رات کے لئے پر قادر ہوگا اور ہر مسافر تین رات دن کے لئے پر قادر ہوگا۔ ہذا اقل مدت غرض تین رات دن۔  
 قل یہ تین دن سے مراد ہوتی ہے کہ مسافر کا تین دن اور تین رات کے لئے پر قادر ہونا ممکن نہیں رہے گا۔ حالانکہ حدیث کے یہ الفاظ تین دن اور تین رات کے لئے کی تقدیر ثابت ہے تاہم ثابت ہو گیا کہ سفر کی مسافت تین دن اور تین رات میں ہے۔

ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے لَا تَسَافِرُ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْهَا إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو رَجُلٍ مَحْرُومٍ مِنْهَا۔ حدیث میں غلط فوق زائد ہے جیسے فَاصْطِرْ بُوَافَوْقِ الْأَعْمَاقِ میں لفظ فوق زائد ہے اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی عورت تین دن اور تین رات سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو یا کوئی زوی رحم محرم ہو یہ بات مسلم ہے کہ عورت کے سے مدت سفر سے کم بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت ہے پس چونکہ حدیث میں تین دن اور تین رات عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے مدت سفر تین دن اور تین رات ہوگی۔

ماہ احناف میں سے امام ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ اقل مدت سفر دو دن کا ہے اور تیس دن کا آٹھ حصہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ایک دن اور ایک رات کم از کم سفر کی مدت ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ چار فرسخ اقل مدت سفر ہے۔ یہی ایک قول امام شافعی کا ہے، صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ حدیث دونوں مخالف اقوال کے خلاف محض ہے۔

### متوسط رفتار معتبر ہے

وَالسَّيْرُ الْمَدْكُورُ هُوَ الْوَسْطُ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ الْقَدِيرِ لِمَوَاجِلٍ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنَ الْأَوَّلِ وَلَا مُعْتَسَرٍ بِالْمَوَاسِجِ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ اور جس رفت کا ذکر کیا گیا ہے وہ اوسط درجہ کی رفتار ہے۔ وراہ حنیفہ ہے مرحلوں کے ساتھ اندازہ مروی ہے۔ اور یہ قول اول سے قریب ہے اور فرسخوں کے ساتھ اندازہ کرنا معتبر نہیں ہے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اونٹ یا قدموں کی رفتار میں معتدل اور اوسط درجہ کی رفتار مراد ہے نہ بہت تیز ہو اور نہ بہت سست بدھرمیانی چال ہو۔ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ اقل مدت سفر تین منزل ہیں یعنی اگر کسی نے تین منزل کے ارادے سے سفر شروع کیا تو وہ شرعاً مسافر کہلائے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کا یہ قول بھی قول اول سے قریب ہے۔ کیونکہ انسان عادیۃً ایک دن میں ایک منزل کا سفر کرتا ہے بالخصوص چمکے دنوں میں لہذا مدت سفر تین دن بیان کرنا یا تین منزل بیان کرنا ایک ہی بات ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صحیح قول کے مطابق مدت سفر تین عینین میں فرسخ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے عامۃً المشائخ نے فرسخوں کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ نے گیارہ فرسخوں کا ذکر کیا ہے بعض نے اٹھارہ کا بعض نے پندرہ۔ (والعلم عند اللہ)

### دریا میں خشکی کی رفتار معتبر نہیں

وَلَا يُعْتَسَرُ السَّيْرُ فِي الْمَاءِ مَعَاهُ لَا يُعْتَبَرُ بِهِ السَّيْرُ فِي النَّوْرِ، فَأَمَّا الْمُعْتَسَرُ فِي السَّحْرِ فَمَا يَبْقَى بِحَالِهِ كَمَا فِي الْجَبَلِ

ترجمہ اور دریا میں رفتار معتبر نہیں ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دریا کی رفتار خشکی کی رفتار معتبر نہیں ہوگی رہا دریا کے اندر اعتبار مسووم نے جو اس کے حال کے مناسب ہو۔ جیسے کہ پہاڑ کے اندر ہے۔

تشریح صورت مسند یہ ہے کہ دریا کے اندر خشکی سے سفر کیا جائے تو اس کے حال کے مناسب کا اعتبار کیا جائے گا یعنی ہوا مارنے

موافق ہونہ مخالف تو اس میں تین دن و تین رات میں جس قدر مسافت طے کرے گا وہ مدت سفر کہلے گی جس طرح پہ زوں کے سفر میں تین دن و تین رات کی مسافت معتبر ہے اگرچہ ہموار زمین میں تین مسافت اس سے کم مدت میں طے ہو جاتی ہو۔

متن کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دریائی سفر میں نشئی کی رفتار معتبر نہ ہوگی مثلاً ایک مقام پر پہنچنے کے دو راستے ہیں ایک دریا کا دوسرا خشکی کا خشکی کے راستے میں اس قدر تک پہنچنے کے لئے تین دن اور تین رات کی مسافت ہے اور دریا کے راستے سے دو یوم کی مسافت ہے پس اگر کوئی شخص یہ مسافت خشکی کے راستے سے طے کرے گا تو اس کے لئے مسافروں کی رخصت حاصل ہوگی اور اگر دریائی راستے سے گیا تو رخصت سفر حاصل نہ ہوگی۔

### قصر نماز کی شرعی حیثیت

قال وفرض المسافر في الركعتين لا يزيد عليهما وقال الشافعي فريضه الاربع والقصر رخصة اعتبارا بالصوم ولنا ان الشفع الشافعي لا يقضي ولا يثبت على تركه وهذا آية النافلة بخلاف الصوم لانه يقضى

**ترجمہ** شیخ قدوری نے کہا ہے کہ مسافر کی رباعی نماز دو رکعت ہیں۔ ان پر زیادتی نہ کرے اور امام شافعی نے فرمایا کہ اس کا فرض تو چار ہی رکعت ہیں۔ اور قصر کرنا رخصت ہے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شفع ثانی کی نہ تو قضاء کی جاتی ہے اور نہ اس کے ترک کرنے پر گنہگار ہوتا اور یہ عامت ہے اس کے نخل ہونے کی برخلاف روزہ کے کیونکہ اس کی قضاء کی جاتی ہے۔

**تشریح** قدوری نے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک رباعی نماز مسافر پر دو رکعت فرض ہیں۔ ان پر اضافہ جائز نہیں ہے حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک مسافر کے حق میں قصر رخصت استقط ہے۔ یعنی رباعی نماز میں دو رکعت ساقط ہو کر دو رکعت رہ گئیں ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ مسافر کے حق میں قصر رخصت ترفیہ ہے اور اتمام افضل ہے یعنی مسافر کی سہوت کے پیش نظر اس کو دو رکعت پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے ورنہ رباعی نماز میں اس پر چار رکعت ہی فرض ہیں۔ اور چار ہی کا پڑھنا افضل ہے اس کے قائل امام احمد ہیں اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام شافعی کی دلیل روزہ پر قیاس ہے۔ یعنی جس طرح مسافر کے لئے رمضان المبارک میں افطار کی اجازت ہے اور روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی طرح رباعی نماز میں قصر کی اجازت دی گئی ہے ورنہ اتمام افضل ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خداوند قدوس نے فرمایا ہے **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ** (البقرہ ۱۰) یعنی نماز کا قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ آیت سے استدلال اس طور پر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قصر شرط لا جنساح کے ساتھ مشروط کیا ہے اور یہ لفظ اباحت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ وجوب کے لئے جیسا کہ آیت میں ہے **لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ** (البقرہ ۲۳۶) پس ثابت ہو کہ قصر مباح ہے۔ واجب نہیں اور جب قصر کا مباح ہونا ثابت ہو تو دوسرے مباحات کی طرح قصر کے اندر بھی مسافر کو اختیار ہوگا کہ قصر کرے یا اتمام کرے۔ تیسری دلیل حدیث عمر سے مروی ہے کہ یہ آیت مجھ پر مشتبہ ہو گئی تو میں نے رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم قصر کریں؟ حالانکہ ہم مامون ہیں ہمیں کسی چیز کا خوف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اِنْ جُفْتُمْ فرمایا ہے۔ یعنی خوف کو قصر کے ساتھ شرط کیا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ خداوند قدوس کی طرف سے صدقہ ہے اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کرو۔

حدیث میں قصر و قبول کے ساتھ معلق کیا ہے اور قصر کا نام صدقہ رکھا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس پر صدقہ کیا جاتا ہے اس کو صدقہ میں اختیار

ہوتا ہے اس پر قبول کرنا۔ زمزم نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر) ہماری دلیل یہ ہے کہ مسافر اگر قصر کرے اور آخری دو رکعتوں کو ترک کر دے تو مقیم کے بعد ان کی قضا کی جاتی ہے اور نہ ہی ان کے چھوڑنے پر گنہگار ہوتا ہے اور قضا کا واجب نہ ہونا اور گنہگار نہ ہونا شفع ثانی سے نکلنے کی علامت ہے پس ثابت ہوا کہ مسافر پر پابائی نماز میں فقط دو رکعتیں واجب ہیں۔ دوسری عقلی دلیل عن عائشہ قالت فی صلب الصلوۃ رکعتین رکعتین فأقربت صلوۃ السفر وزیدت فی الحصر۔ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نماز دو رکعت فرض کی گئی ہے پس سفر کی نماز کو (اسی حال پر) باقی رکھا گیا اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ عن ابن عباس قال قرأ اللہ الصلوۃ علی لسان نبيکُم فی الحصر أربع رکعات وہی لسفر رکعتین ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے رسول کی زبان پر تھریں چار رکعتیں فرض میں اور سفر میں دو رکعت طہران کی روایت ہے۔ افسر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین فی السفر کما افسر عن فی الحصر أربعاً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعتیں فرض کی ہیں جیسا کہ حضر میں چار رکعت فرض کی ہیں اسی وابن ماجہ میں ہے عن ابن عباس عن عمر قال صلوۃ السفر رکعتین وصلوۃ الاضحی رکعتان وصلوۃ الفطر رکعتان وصلوۃ الجمعة رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمدؐ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سفر کی نماز دو رکعت ہیں عید الفطر کی نماز دو رکعت ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعت ہیں۔ اور یہ پوری نماز ہے بغیر قصر کے پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی۔

بخاری شریف میں ابن عمرؓ سے مروی ہے صحبت رسول اللہ ﷺ فی السفر لم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحبت عمرؓ فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ لقد کن لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا آپ ﷺ نے دو رکعت پر زیادتی نہیں کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کا دھماکا ہو گیا اور والد محترم حضرت عمرؓ کے ساتھ سفر میں رہا نہوں نے بھی دو رکعت پر اضافہ نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کا دھماکا ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا آپ نے بھی تاجین حیات دو رکعت پر اضافہ نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اسوۃ حسنہ فرمایا ہے۔ اس نے اسی کا اتباع کیا جائے۔ ان تمام احادیث سے سفر کی نماز کا دو رکعت ہونا ثابت ہوتا ہے اگر سفر کی نماز میں چار رکعت پڑھنا افضل ہوتا جیسا کہ امام شافعی کا خیال ہے تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ اس فضیلت کو کبھی ترک نہ فرماتے۔

حضرت امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ مسافر کی قصر نماز کو اس کے روزہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس کے بلاشبہ مسافر کو رمضان میں انظار کی اجازت دی گئی ہے لیکن فرق ہے وہ یہ کہ مسافر پر پابائی ہے نہ قصر کرنے کی صورت میں آخرین کی قضا واجب نہیں ہے۔ اگر روزہ کی قضا واجب ہے پس اس فرق کے ساتھ ایک دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔ حاصل یہ کہ کسی چیز کو اس حال میں چھوڑنا کہ اس کا بدلہ واجب ہو نہ اس کے ترک پر گنہگار ہو تو یہ اس چیز کے نکل ہونے کی علامت ہے بہار روزہ تو اس کا ترک بلا بدلہ نہیں ہے بلکہ اس کا بدلہ موجود ہے یعنی قضا۔ امام شافعیؒ کی طرف سے پیش کردہ آیت کا جواب یہ ہے کہ آیت میں اوصاف کا قصر مراد ہے یعنی خوف دشمن کی وجہ سے قیام کو چھوڑ کر قعود اختیار کرنا رکوع و سجود کو چھوڑ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا اور ہمارے نزدیک خوف کے وقت اوصاف کا قصر مباح ہے واجب نہیں ہے۔ پس جب آیت میں اوصاف کا قصر مراد ہے تو اس سے رکعت کے قصر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر

تسبیح کرنا ہے۔ کہ آیت میں صل نماز کا قصر مراد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ماہر شافعی کا یہ بہن کہ غلط لا جراح اہانت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے وجوب کے نہیں غلط ہے یونکہ آیت "ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما" (بقرہ ۵۸) میں لا جناح سے معنی بین الصفا والمروة کے وجوب کو ذکر کیا گیا ہے۔ خود ماہر شافعی بھی اس موقع پر اہانت مراد نہیں لیتے جیسا کہ جلالین میں مذکور ہے۔

ماہر شافعی کی پیش کردہ حدیث عمر کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہماری دلیل ہے نہ کہ آپ کی اس سے کہ حدیث کے اندر فاقبلوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے پس قصر جس کو صدقہ کہیں ہے اس کا ثبوت کرنا واجب ہوا نہ کہ مباح دوسرا جواب یہ ہے کہ صدقہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک تمہیکات کے قبیلہ سے جیسے مال کا صدقہ دوم استقاعات کے قبیلہ سے جیسے عتاق (آزاد کرنا) اور قصاص کو معاف کرنا، قاعدہ یہ ہے کہ جو صدقہ تمہیکات کے قبیلہ سے ہوا اس کو رد کر دیا جائے تو وہ رد ہو جائے گا۔ اہتہ جو استقاعات کے قبیلہ سے ہو وہ رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ پس قصر صلوٰۃ ایسا صدقہ ہے جو از قبیل استقاعات ہے۔ لہذا یہ رد کرنے سے رد نہیں ہوگا اور جب متصدق علیہ کے رد کرنے سے رد نہیں ہوا تو گویا واجب ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ قصر واجب ہے۔

### اگر قصر کے بجائے اتمام کیا تو کیا حکم ہے

وان صلی اربعاً وفعد فی الثانیۃ قدر التّشہد اخزانہ الاولیان عن الفرض والاخریان لہ نافلة باعتباراً بالفجر ویصیرُ نسئلاً لآخر السلام وان لم یفعد فی الثانیۃ قدرها بطلت لاحتیاط لنافلہ بها قبل اكمال اركانها

**ترجمہ** اور اگر مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر تشہد کی مقدمہ پر بیٹھ گیا تو پہلی دور رکعتیں فرض سے اس کو کافی ہو جائیں گی اور بعد کی دور رکعتیں اس کے لئے نفل ہوں گی فجر پر قیاس کرتے ہوئے اور تاخیر سلام کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر دوسری رکعت پر تشہد نہیں بیٹھا تو یہ نماز باطل ہوئی یونکہ نفل فرض کے ساتھ اس کے ارکان مکمل ہونے سے پہلے مخلوط ہو گیا۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے بچے دور رکعت کے چار رکعت پڑھیں اور تشہد کی مقدمہ اور دوسری رکعت پر بیٹھ بھی گیا تو پہلی دور رکعتیں فرض اور بعد کی دور رکعتیں نفل شمار ہوں گی۔ صاحب ہدایہ نے فجر کی نماز پر قیاس یہ ہے جتنی اگر فجر کی چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر بیٹھ گیا تو فجر کی دور رکعت فرض اور بچے نہیں گی۔ لہذا سلام میں تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور اگر یہ مسافر دوسری رکعت پر تشہد کی مقدمہ نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ ارکان فرض مکمل ہونے سے پہلے فرض کے ساتھ نفل مخلوط ہو گیا ہے۔ ارکان اس سے مکمل نہیں ہوئے کہ قعدہ اخیرہ جو رکعت ہے اس کو ترک کر دیا۔ اور فرض کے ارکان مکمل ہونے سے پہلے فرض کو نفل کے ساتھ مخلوط کر دینا مبطل صلوٰۃ ہے۔ اس لئے اس کی نماز باطل ہو گئی۔

### قصر نماز کہاں سے شروع کرے

واذا فارق المسافر نبوت المضر صلی رکعتین، لان الاقامة تعلق بدحو لها فيتعلق السفر بالخروج عنها وفيه الاثر عن علي لو جاوزنا هذا النقص لقصرنا

**ترجمہ** اور جب مسافر نے نبوت المضر صلی رکعتیں، لان الاقامة تعلق بدحو لها فيتعلق السفر بالخروج عنها وفيه الاثر عن علي لو جاوزنا هذا النقص لقصرنا

متعلق ہوتا ہے لہذا سفر (کا حکم) ان گھروں سے نکلنے کے ساتھ متعلق ہو گا۔ اور اس باب میں حضرت علی کا اثر ہے کہ اگر ہم ان چھوٹی چیزوں سے تجاوز کر جائیں تو قصر پڑھیں۔

**تشریح** سوال یہ ہے کہ آغاز سفر کے بعد قصر پڑھنا کب شروع کرے؟ اس کا حکم یہ ہے کہ جب آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر پڑھنا واجب ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ مسافر جب اپنے وطنی شہر یا گاؤں میں داخل ہوتا ہے تو اقامت کا حکم متعلق ہو جاتا ہے جس جب اس آبادی سے باہر نکل گیا تو سفر کا حکم متعلق ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں حضرت علی کا اثر بھی منقول ہے لَوْ جَاوَزْنَا هَذَا الْحَصَّ لَقَصَرْنَا۔ خصل کہتے ہیں بس یہ ٹکڑی کی جھونپڑی کو۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت علی نے فرمایا ہے کہ اگر ہم ان چھوٹی چیزوں سے آگے بڑھ جائیں تو قصر پڑھیں۔ اسی کی تائید حدیث انس سے ہوتی ہے قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔ حضرت انس نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ میں صبح کی چار رکعتیں پڑھیں اور عصر و الخلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

### مقیم بننے کے لئے کتنے دن کی اقامت کی نیت ضروری ہے

وَلَا يَرَأَى عَلَى حُكْمِ السَّفَرِ حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَيْتِهِ أَوْ قَرْيَةٍ حَمْسَةَ عَشْرَ يَوْمًا أَوْ كَثَرَ زَوَارٍ نَوَى أَقَلُّ مِنْ ذَلِكَ قَصْرًا لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ إِعْتِبَارِ مُدَّةٍ لِأَنَّ السَّفَرَ يُحَامِلُهُ اللَّيْلُ فَقَدَّرَ نَاهَا بِمُدَّةِ الطَّهْرِ لِأَنَّهُمَا مُدَّتَانِ مُوَحَّدَتَانِ وَهُوَ مَا نُورِّثُ عَنْ أَبِي عُبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَالْأَثَرُ فِي مِثْلِهِ كَالْحَرِّ وَالْتَّقْيِيدُ بِالسُّدَّةِ وَالْقَرْيَةُ بِسَيْرٍ إِلَى أَنَّهُ لَا تَصِحُّ نِيَّةُ الْإِقَامَةِ فِي الْمَعَارِزَةِ وَمَوْ الطَّاهِرِ

**ترجمہ** اور سفر کے حکم پر ہمیشہ باقی رہے گا یہاں تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کرے۔ اور اگر اس سے کم کی نیت کی تو قصر کرے کیونکہ قیام کے اندر مدت کا اعتبار پندرہ دن یا اس سے کم نہ کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی ٹھہرا، موجود ہوتا ہے جس کام نے مدت اقامت کا مدت طہر کے ساتھ اندازہ کیا کیونکہ یہ دونوں مدتیں واجب کرنے میں ہیں۔ اور یہی مستدر بن عباس اور ابن عمر سے منقول ہے۔ اور اس جیسے باب میں صحابی کا قول رسول اکرم ﷺ کے قول کے مانند ہوتا ہے شر اور گاؤں کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جنگل کے اندر اقامت کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ سفر کا حکم اس وقت باقی رہے گا جب تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے۔ پس جب پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کرے گا تو سفر کا حکم ختم ہو جائے گا۔ اور یہ شخص مقیم کہلائے گا۔ ورنہ اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو ہمارے نزدیک یہ شخص مقیم نہیں ہوگا۔ بلکہ قصر نماز پڑھے گا۔

حضرت امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ چار دن قیام کی نیت سے مقیم ہو جائے گا۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ جب چار دن سے زیادہ قیام کیا تو یہ مقیم ہو گیا۔ خواہ نیت کرے یا نیت نہ کرے حاصل یہ کہ ہمارے اور امام شافعی کی درمیان درجہ اختلاف ہے۔ ایک یہ کہ مقیم ہونے سے پہلے نماز کم کتنے دن کے قیام کی نیت ضروری ہے سو ہمارے نزدیک پندرہ دن کی نیت سے مقیم ہو جائے گا۔ اور ان کے نزدیک چار دن کی نیت سے مقیم ہو جائے گا۔ امام شافعی نے اپنے اس قول پر قرآن سے استدلال کیا ہے ارشاد خداوندی ہے اِذَا صُمِرْتُمْ فَمَنْ

الارض فليس عليكم حرج ان تقصروا من الصلوه س آیت میں اللہ تعالیٰ نے ضرب فی الارض یعنی چھنے سے قصہ کو مباح کیا ہے اس کا منہوم مخالف یہ ہے کہ اگر ضرب فی الارض نہ ہو تو قصر مباح نہیں ہے پس جب مسافر نے اقامت کی نیت کی تو اس نے ضرب فی الارض کو چھوڑ دیا۔ اور جب ضرب فی الارض کو چھوڑ دیا تو اس کے واسطے قصر کرنا مباح نہ رہا۔ یکن س پر سوال ہوگا کہ اگرچہ ردائے مرقومہ نیت سے توھی قصہ کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے کیونکہ ضرب فی الارض اس صورت میں بھی نہیں پایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قصہ کا تعلق تھا تو یہی ہے کہ چہ ردائے مرقومہ کرنے سے قصہ کا حکم باقی نہ رہے۔ مگر ہم نے اس میں اجماع کی وجہ سے چہ ردائے مرقومہ میں قصہ کو ترک کر دیا ہے اس لئے کہ اس میں مرقومہ کی نیت سے مستثمن ہونے کا کوئی قول نہیں ہے۔

اقامت کے لئے نیت شرط ہے دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اقامت کے لئے ہمارے نزدیک اصل نیت شرط ہے چنانچہ ہمارے نزدیک با نیت اقامت مقیم نہیں ہوگا۔ خواہ پندرہ دن سے زائد قیوم کرے۔ امام شافعی کے نزدیک مقیم ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے۔ امام شافعی دہیل حضرت عثمان کا قول مَنْ اَقَامَ اَرْبَعًا تَمَّ ہے یعنی جو شخص چار دن قیوم کرے وہ پوری نماز پڑھے اس قول میں نیت لازم نہیں ہے مذاثابت ہوا کہ مقیم ہونے کے لئے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ قامت کے لئے پندرہ یوم کا اعتبار کرنے میں امام ائٹھمائی دہیل یہ ہے کہ مسافر کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ شب و روز ۲۴ گھنٹے چلتا رہے۔ بلکہ وہ ہر اوقات ٹھہرتا بھی ہے ورہانی دیر تک ٹھہرتا ہے پس معلوم ہوا کہ سفر اور ہٹ (ٹھہرنا) دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بھی ائٹھم من ائٹھس ہے کہ ٹھہرنے کا نام ہی قامت اور مقیم ہونا ہے پس چونکہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے سے ایسے مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ اس لئے ممکن مدت طہر پر قیاس کرے۔ مدت قامت پندرہ یوم مقرر کی ہے۔ یہی بات یہ کہ قیاس مدت مشترک کیا ہے۔ سو اس بارے میں صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مدت طہر و مدت اقامت دونوں کا موجب ہونا علت مشترکہ ہے۔ یعنی حیض کی وجہ سے جو عبادت ساقط ہوگئی تھی مدت طہر و وجہ سے جس طرح ادعو کر آتی ہے اسی طرح سفر کی وجہ سے ساقط شدہ عبادت بھی مدت اقامت کی وجہ سے عود کر آتی ہے پس اس قیاس کی بنیاد پر اس طرح اولی مدت طہر پندرہ دن میں اسی طرح دن مدت اقامت بھی پندرہ یوم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ طہر کی ضد حیض کی ادنی مدت تین دن ہیں۔ تو قامت کی ضد سفر کی ادنی مدت بھی تین دن ہیں۔

ساحب ہر یہ فرماتے ہیں کہ مدت اقامت کا پندرہ دن ہونا حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔  
 پانچویں حدیث کے روایت کے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَا إِذَا دَخَلْتَ بِلَدَةً وَأَنْتَ مُسَافِرٌ رَوَيْتَ  
 عَنْكَ أَنْ تُقِيمَ بِهَا حَمْسَةَ عَشْرَ يَوْمًا فَأَكْمِلِ الصَّلَاةَ وَإِنْ كُنْتَ لَا تَذَرِي مَتَى تَطْعَنُ فَأَقْصِرْ یعنی ان دونوں حضرات  
 صحابہ نے فرمایا کہ جب تو کسی شہر میں داخل ہو جائے تو مسافر ہے۔ اگر یہ ارادہ پندرہ دن قیام کا ہے تو نماز پوری پڑھ اور اگر تجھ کو یہ علم  
 نہیں کہ کب سفر کرے گا تو قصر کرتا رہ۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ پندرہ دن کی تحدید مقتدرت شریعہ میں سے ہے اور یہ ماقہ تقدیر و تحدید  
 کی چیز ہے جس کی طرف عقل بھی رہا ہے نہیں ہے۔ اور فقہاء نے کہا مَا لَا يُعْقَلُ کے اندر اثر ہی بی منزلہ خبر اور حدیث کے ہوتے۔ ابو  
 ابن عباس اور ابن عمر نے پندرہ روز کی تعیین تصور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کی ہے پ

صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ امام ابو الحسن قدوری کا اقامت سے بعد یہ قریہ کی قید گانا اس طرف مشیر ہے کہ جنگل میں اقامت کی  
یت نہ رہا۔ اقامت نہیں ہے۔ یہی ظاہر لروایت ہے۔ اگرچہ قاضی ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ چرواہے گرگھس پانی کی جگہ خیمہ زن ہو جائیں

اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لیں تو مقیم ہو جائیں گے۔

ایک شہر سے آج کل نکلنے کا ارادہ کیا مدت اقامت کی نیت نہ کی یہاں تک کہ دو سال تک ٹھہرا رہا تو نماز قصر پڑھے گا

وَلَوْ دَخَلَ مِصْرًا غَلَى عِزْمٍ أَنْ يُخْرَجَ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ وَلَمْ يَنْوِ مَدَّةَ الْإِقَامَةِ حَتَّى بَقِيَ عَلَى ذَلِكَ سِتِينَ قَصْرًا لِأَنَّ  
ابْنَ عُمَرَ أَقَامَ بِأَذْرَ بِنِجَانِ سِتَّةَ أَشْهُرٍ وَكَانَ يَقْصُرُ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصُّحَابَةِ مِثْلَ ذَلِكَ

ترجمہ اور اگر کوئی مسافر شہر میں اس ارادہ کے ساتھ داخل ہوا کہ کل یا پرسوں کوچ کرے گا اور مدت اقامت کی نیت نہیں کی یہاں تک کہ اسی ارادہ کے ساتھ چند سال ٹھہرا رہا تو قصر کرتا رہے گا۔ کیونکہ ابن عمرؓ نے آذر بيجان میں چھ ماہ قیام کیا حالانکہ قصر پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے اسی کے مثل مروی ہے۔

تشریح پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ اقامت کے واسطے پندرہ دن کے قیام کی نیت کرنا ضروری ہے اسی پر متفرع کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسافر کسی شہر میں اس نیت کے ساتھ داخل ہوا کہ کل یا پرسوں روانہ ہو جاؤں گا۔ مدت اقامت یعنی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی حتیٰ کہ اسی آج کل میں چند سال گذر گئے تو یہ قصر پڑھتا رہے گا مقیم نہیں کہلائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مقام آذر بيجان میں چھ ماہ قیام کیا مگر چونکہ حضرت بن عمرؓ نے بیک وقت پندرہ دن قیام کرنے کی نیت نہیں کی تھی اس لئے وہ قصر نماز ہی پڑھتے رہے۔ اسی کے مثل دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کے بارے میں مروی ہے۔ کہ انہوں نے غیشاپور کے کسی گاؤں میں دو ماہ قیام کیا اور قصر پڑھتے رہے اسی طرح علقمہ بن قیس نے خوارزم میں دو سال قیام کیا اور قصر نماز پڑھی۔

### لشکر کی دارالحرب میں اقامت کی نیت معتبر ہے یا نہیں

وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ فَوَرَّاءَ الْقَامَةِ بِهَا قَصْرُوا وَكَذَا إِذَا خَاصَرُوا فِيهَا مَدِينَةً أَوْ حِصْنَ لِأَنَّ الدَّخَلَ  
بَيْنَ أَنْ يَهْزَمَ فَيَفْرُو بَيْنَ أَنْ يَهْزَمَ فَيَقْرَ فَلَمْ تَكُنْ دَارًا قَامَةً

ترجمہ اور جب اسلامی لشکر کفار کے ملک میں داخل ہوا اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تو بھی قصر کریں گے۔ اور یوں ہی جب دارالحرب میں کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کیا ہو۔ کیونکہ داخل ہونے والا لشکر (دو باتوں کے درمیان) متردد ہے ایک یہ کہ شکست کھا کر بھاگ جائے۔ دوم یہ کہ شکست دے کر قیام پذیر ہو جائے اس لئے یہ دارا قامت نہیں ہوگا۔

تشریح اسلامی لشکر نے دارالحرب میں داخل ہو کر پندرہ دن کے قیام کی نیت کی تو بھی حکم یہ ہے کہ یہ فوجی مسلمان قصر نماز پڑھیں۔ یہی حکم اس وقت ہے جبکہ اسلامی فوج نے دارالحرب میں گھس کر کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہو۔ حاصل یہ کہ دارالحرب کے اندر اسلامی لشکر کی اقامت کے سلسلہ میں نیت معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ اقامت کی نیت کا کل وہ جگہ ہوتی ہے جہاں انسان کو حتمی طور پر قرار اور ٹھہراؤ میسر ہو۔ اور یہاں صورت یہ ہے کہ اسلامی لشکر قرار اور قرار کے مابین متردد ہے۔ اس لئے کہ شکست کی صورت میں راہ فرار اختیار کرنی پڑے گی۔ اور فتح کی صورت میں قرار نصیب ہوگا۔ پس قرار اور قرار کی کشمکش میں دارالحرب کو اسلامی لشکر کے لئے دارا قامت نہیں کہا جاسکتا۔ جیسے دارالاسلام میں جنگل دارا قامت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے۔



دارالاسلام میں اسلامی لشکر نے باغیوں پر حملہ کیا اور اقامت کی نیت کی تو ان کی نیت معتبر ہوگی یا نہیں

وَكَيْدًا إِذَا حَاصِرُوا أَهْلَ النُّعْيِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فِي غَيْرِ مَضِيرٍ أَوْ حَاصِرُواهُمْ فِي الْبَحْرِ لِأَنَّ حَالَهُمْ مُبْطِلٌ غَيْرُ يَمِينِهِمْ وَعِنْدَ رُفْرِ يَصْحُ فِي لَوْحَيْهِمْ إِذَا كَانَتْ الشُّوْكَةُ لَهُمْ لِلنَّمَكِ مِنَ الْقَرَرِ ظَاهِرًا وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَصْحُ إِذَا كَانُوا فِي بُيُوتِ الْمُدْرِ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ إِقَامَةٍ وَنَبِيَّةُ الْإِقَامَةِ مِنْ أَهْلِ لُكَلَاءَ وَهُمْ أَهْلُ الْأَحْبَةِ قُلْ لَا تَصِحُّ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُمْ مُقِيمُونَ يُزَوَّى دَلِيلٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْإِقَامَةَ أَصْلٌ فَلَا تَبْطُلُ بِالْإِتْقَالِ مِنْ مَرْعَى إِلَى مَرْعَى

ترجمہ۔ اور یونہی جب لشکر اسلام نے دارالاسلام کے اندر شہر کے علاوہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا یا یہ سمندر میں ان کا محاصرہ کیا۔ کیونکہ ان کی حالت ان کے ارادہ کو باطل کرتی ہے۔ دارالمزفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے بشرطیکہ شہر سد موصول ہو۔ کیونکہ بناء ان ٹھہرنے پر قبضہ حاصل ہے۔ اور ابو یوسف کے نزدیک اس وقت صحیح ہے جبکہ اسلامی لشکر کا قیام مٹی کے گھروں میں ہو اس لئے۔ ٹھہرنے کی جگہ ہیں اور اقامت کی نیت کرنا گھروں والوں کا اور انہی کے وہ خیمہ برداروں ہیں کہ صحیح نہیں ہے۔ دراصل یہ ہے کہ یہ خیمہ ہیں۔ امام ابو یوسف سے یوں ہی روایت کیا جاتا ہے کیونکہ قومت اصل ہے لہذا ایک چرگاہ سے دوسری چرگاہ کی طرف منتقل ہونے سے باطل نہیں ہوتی۔

تشریح۔ مسد آرا اسلامی لشکر نے دارالاسلام کے اندر شہر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا یا یہ سمندر کے اندر کی جزیرہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا اور اسلامی لشکر نے پندرہ دن قومت کی نیت کی تو ان کی یہ نیت معتبر نہیں ہوگی۔ بلکہ ان پر قبضہ نماز پڑھنا لازم ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اسلامی لشکر اس صورت میں بھی قرار اور فرار کے درمیان متردد ہے۔ پس ان کی حالت تردوان کے غرض اور اقامت کی نیت باطل کرتی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح فتح پا کر اسلامی لشکر کا قرار ممکن ہے اسی طرح شکست کھ کر فرار کا بھی امکان ہے۔ صاحب بدیع بیان کردہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت میں فی غیر مضیر اور فی البحر قید اتفاقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی لشکر اگر باغیوں کے شہر میں قیام پذیر ہو اور قلعہ کے اندر ان کا محاصرہ کیا تو بھی اسلامی لشکر کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ باغیوں کا شہر حصول مقصود (فتح) کے بعد جنگل کے مانند ہے۔ کیونکہ اسلامی لشکر اس میں مقیم نہیں ہوگا بلکہ واپس چل جائے گا۔

امام مزفر نے فرمایا ہے کہ سدئی لشکر نے حریوں کا محاصرہ کیا ہو یا باغیوں کا دونوں صورتوں میں اقامت کی نیت کرنا صحیح ہے۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جبکہ سدئی لشکر کو ملک کے اندر قوت و شہرت حاصل ہو کیونکہ اس صورت میں بظاہر قرار پر قدرت حاصل ہے۔ امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ اسلامی لشکر کا اہل حرب یا باغیوں کا محاصرہ کرنے کی صورت میں اقامت کی نیت کرنا اس وقت صحیح ہے جبکہ اسلامی لشکر کا قیام مٹی کے گھروں اور عمارتوں میں ہو۔ اور اگر خیموں میں قیام ہو تو ان کی نیت معتبر نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قومت کی جد و محال مکانات اور عمارتیں ہیں۔ خیمے اقامت کی جگہ نہیں ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کی معاش کا دار و مدار جانوروں پر ہے وہ جہاں گھاس اور پانی دیکھتے ہیں خیمہ گاڑ کر ٹھہرتے ہیں پھر جب وہاں گھاس ختم ہوگئی تو روانہ ہو کر کسی موقع پر یونہی ٹھہر جاتے ہیں۔ ان کی نیت اقامت کے صحیح اور غیر صحیح ہونے میں تماہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ جنس تماہ کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی نیت اقامت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قومت کی جد نہیں ہیں اس لئے قول یہ



نماز میں سبب یعنی وقت گزر جانے کی وجہ سے یہ اتصال نہیں پایا گیا۔ اس لئے مسافر کا فرض دو رکعت سے چار رکعت کی طرف متبدل بھی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قضاء نماز میں اتنا مت سے نہیں بدلتی حالانکہ نیت اقامت بھی دو رکعت کو چار رکعت میں تبدیل کرنے والی ہے فَتَكُونُ اِقْدَاءُ الْمُقْتَدِرِ بِالْمُتَقِلِّ اِلْح سے ماقبل کا نتیجہ مذکور ہے۔ حاصل یہ کہ وقت نماز نکلنے کے بعد اگر مسافر نے ربائی قضاء نماز میں مقیم کی، اقتداء کی تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضروری لازم آئے گی۔ یا تو اپنے امام کی مخالفت کرنا لازم آئے گا۔ یا اقتداء مختصر ضابطہ مقتدی کے لئے لازم آئے گا اس لئے کہ مسافر نے اگر قضاء ربائی نماز میں مقیم کی اقتداء کی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ مسافر مقتدی دو رکعت پر سلام پھیرے گا یا چار پر اگر مسافر نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو وہ اپنے امام کے مخالف ہوا۔ اور مخالفت امام مفسد نماز ہے۔ اور اگر مسافر آخر تک امام کے ساتھ شریک رہا تو بے اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ مسافر نے شروع ہی سے اقتداء کی ہے یا آخر کی دو رکعتوں میں اگر اول صورت ہے تو دو رکعت پر قعدہ مسافر کے حق میں فرض ہے۔ اس لئے کہ اس کے حق میں یہ قعدہ اخیرہ ہے۔ اور امام مقیم کے حق میں فرض نہیں ہے کیونکہ اس کے حق میں یہ قعدہ اولیٰ ہے اور قعدہ اولیٰ فرض نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں قعدہ کے حق میں فرض ادا کرنے والے نفل ادا کرنے والے کا مقتدی ہوگا ورنہ آخر آخر کی دو رکعتوں میں اقتداء کی گئی ہے تو آخر میں امام یعنی مقیم کی قرات نفل ہے اور مقتدی یعنی مسافر کی فرض ہے۔ پس اس صورت میں قرات کے حق میں فرض ادا کرنے والے کا نفل ادا کرنے والے کی اقتداء کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ ہمارے نزدیک اقتداء مختصر ضابطہ مقتدی ناجائز ہے۔

حاصل یہ ہے کہ وقت نفل جانے کے بعد مسافر کو مقیم کا مقتدی بننے میں جب دونوں صورتوں میں فساد ہے تو وقت کے بعد یہ قعدہ ہی جائز نہ ہوگی۔

### مسافر مقیمین کا امام بن سکتا ہے

وَاِنْ صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِمْ وَكَعَيْنَ سَلَّمَ وَاتَمَّ الْمُقِيمُونَ صَلَاتَهُمْ لَانَ الْمُقْتَدِيَ التَّزَمَ الْمَوَافَقَةَ فِي الرَّكَعَتَيْنِ فَيَنْفَرِدُ فِي الْبَاقِي كَالْمَسْبُوقِ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَقْرَأُ فِي الْاَصْحَ لَانَّهُ مُقْتَدٍ تَحْرِيمًا لَا فِعْلًا وَالْفَرْضُ حَرَامٌ مُؤَذَى فَيَسْرُ كَهَا اَحْيَاطٌ بِخِلَافِ الْمَسْبُوقِ لَانَّهُ اَذْرَكَ قِرَاءَةَ نَافِلَةٍ فَلَمْ يَتَأَذَى الْفَرْضُ فَكَانَ الْاِتْيَانُ اُولَى

ترجمہ۔۔۔ اگر مسافر نے مقیموں کو دو رکعت نماز پڑھائی تو امام مسافر سلام پھیر دے اور مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔ کیونکہ مقتدی نے دو رکعت میں موافقت کا التزام کیا ہے تو باقی دو رکعت میں وہ مسبوق کی مانند تھا ہوگا مگر اصح قول کی بناء پر وہ قراعت نہ کرے۔ کیونکہ وہ تحیر کے اعتبار سے مقتدی ہے نہ کہ فعل کے اعتبار سے اور فرض تو ادا ہے چکا ہے لہذا احتیاطاً قراعت کو چھوڑ دے برخلاف مسبوق کے کیونکہ مسبوق نے نفل قراعت پائی ہے لیکن ابھی تک فرض قراعت ادا نہیں ہوئی ہے اس لئے قراعت کرنا اولیٰ ہوگا۔

تشریح۔۔۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقیم لوگوں نے مسافر کی اقتداء کی تو مسافر نے دو دو رکعت پڑھا کر قعدہ کے بعد سلام پھیر دے۔ اور مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔ دلیل یہ ہے کہ مقیم مقتدی نے امام کو مسافر جان کر دو رکعت میں موافقت کا التزام کیا تھا۔ اور جس کا التزام کیا تھا وہ ادا کر چکا۔ حالانکہ مقیم مقتدی کی نماز بھی پوری نہیں ہوئی ہے اس لئے مقیم مقتدی باقی دو رکعتوں میں منفرد ہوگا۔ جیسے امام نے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد ہوتا ہے مگر ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ مقیم مقتدی اصح قول کی بناء پر ان رکعتوں میں قراعت



مسافر شہر میں داخل ہو جانے تو مکمل نماز پڑھے گا اگر چہ اقامت کی نیت نہ کی ہو

وَإِذَا دَخَلَ الْمَسَافِرُ فِي مَضَرِهِ أَمَّا الصَّلَاةُ وَإِنْ كُنْهُ يَبُوءُ الْمَقَادَ فِيهِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابُهُ رَضَوْنَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
كَأَنَّهُمْ يُسَافِرُونَ وَبَعُودُونَ إِلَى أَوْطَانِهِمْ مُقِيمِينَ مِنْ غَيْرِ عَزْمٍ جَدِيدٍ

ترجمہ اور جب مسافر اپنے وطن میں داخل ہوا تو نماز پوری پڑھے چہ اس میں قیام کی نیت نہ کی ہو۔ اس لئے کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ فرمایا کرتے اور اپنے وطنوں کی جانب واپس آتے ہی بغیر کسی عزم جدید کے مقیم ہو جاتے۔

تشریح صورت مسد یہ ہے کہ جب مسافر نے تین دن کی مسافت سے برکے فرمیں کر لیا پھر وہ اپنے وطن اصلی میں داخل ہوا تو آبادی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو گیا۔ چہ اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ ایسی یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفیر کرتے تھے اور تخیل نہ کہ بعد جب وطن واپس آتے تھے بغیر اقامت کی نیت کے مقیم ہو جاتے۔

### وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے

وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَاتَّقَلَ مِنْهُ وَاسْتَوطَنَ غَيْرَهُ سَافِرًا فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْأَوَّلَ قَصَرَ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَّقَ وَطَنًا لَهُ إِلَّا يُرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الْهَجْرَةِ عَدَّ نَفْسَهُ بِمَكَّةَ مِنَ الْمَسَافِرِينَ وَكَهَذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ الْوَطَنَ الْأَصْلِيَّ تَطْلُ بِمِثْلِهِ دُونَ السَّفَرِ وَالْوَطَنُ الْإِقَامَةُ تَطْلُ بِمِثْلِهِ وَبِالسَّفَرِ وَبِالْأَصْلِي

ترجمہ اور جس شخص کا کوئی وطن تھا پھر اس وطن سے منتقل ہو گیا اور اس کے علاوہ وطن بنا یا پھر سفر کیا۔ اور اپنے پہلے وطن میں داخل ہو یا تو نماز قصر کرے کیونکہ وہ اب اس کا وطن نہیں رہا۔ یہ ایسی نہیں جاتا کہ حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد مکہ میں اپنے آپ کو مسافروں میں شمار کیا ورنہ اس سے کہ ضابطہ یہ ہے کہ وطن اسی ہے جس (وطن اصلی) سے باطل ہوتا ہے نہ کہ سفر سے اور وطن قامت باطل ہو جاتا ہے اپنے وطن قامت سے اور سفر سے اور وطن اصلی سے۔

تشریح عامۃ المشایخ نے وطن کی تین قسمیں بیان کی ہیں وطن اصلی، وطن قامت، وطن سکنی، وطن اصلی انسان کی پنی جانے پیدا شدہ یہ وہ شہر جس میں اس کے مل و عیال رہتے ہوں۔ ورنہ اس سے منتقل ہونے کا ارادہ نہ ہو۔ وطن قامت وہ شہر یا گاؤں ہے جس میں مسافر نے پندرہ دن قیام کیا اور یہاں اس کا دوسرا وطن سفر بھی ہے۔ وطن سکنی وہ شہر ہے جس میں مسافر نے پندرہ دن سے کم قیام کیا اور یہاں مسکینین نے وطن کو تقسم پر منقسم کیا ہے۔ وطن اصلی اور وطن اقامت ان حضرات نے وطن سکنی کا اعتبار نہیں کیا ہے اس سے کہ وطن سکنی میں قامت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سفر کا حکم باقی رہ جاتا ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے نہ کہ وطن اقامت سے باطل ہوتا ہے۔ ورنہ ایسا سفر سے۔ وطن اقامت وطن قامت سے بھی باطل ہو جاتا ہے سفر سے بھی اور وطن اصلی سے بھی اصل کی یہ ہے کہ اپنے لئے بڑی چیز سے باطل ہوتی ہے یہ مسافروں کی چیز سے اور یہ بات مسلم ہے کہ وطن اصلی سے ورنہ چیز نہیں ہے لہذا وطن سکنی اپنے مسافروں کی یعنی وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا۔ صورت اس کی یہ ہے کہ یہ شخص کا ایک وطن ہے اور اس سے منتقل ہو گیا اور وہاں وطن بنا یا تو پہلا وطن اصلی اس کا پہلا وطن تھا اور اس کے بعد وہ اپنے پہلے وطن میں داخل ہوا تو مقیم

نہیں ہوگا۔ بلکہ قصر پڑھے گا یہی وجہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ السلام کا وطن اصلی مکہ مکرمہ تھا لیکن آپ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور مدینہ کو اپنا وطن بنالیا تو مکہ وطن اصلی نہیں رہا چنانچہ ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے خود کو مسافر قرار دیا۔ اور فرمایا اَتَمُّوْا صَلَاتِکُمْ حِرَآئًا قَوْمَ سَفَرٍ۔

اور چونکہ وطن اصلی وطن اقامت سے مافوق ہے اس لئے وطن قامت وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا۔ اور وطن اقامت وطن قامت کا مساوی ہے اس لئے وطن اقامت وطن قامت سے بھی باطل ہو جائے گا۔ اور وطن اقامت سفر سے اس لئے باطل ہو جائے گا۔ کہ سفر وطن اقامت کی ضد ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ شے اپنی ضد سے باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر سوا کیا جائے کہ سفر وطن اصلی کی بھی ضد ہے لہذا وطن اصلی بھی سفر سے باطل ہونا چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب۔ وطن اصلی کا سفر کی وجہ سے عدم بطلان اثر کی وجہ سے ہے کیونکہ مدینہ ہے حضور ﷺ غزوات کے لئے مدینہ منورہ سے نکل کر دور دراز تشریف لے جاتے۔ لیکن اس کے باوجود مدینہ منورہ آپ کا وطن اصلی رہا چنانچہ آپ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اقامت کی نیت نہ فرماتے۔ اگر وطن اصلی سفر سے باطل ہو جاتا تو واپسی پر آنحضرت ﷺ اقامت کی نیت ضرور فرماتے۔

### مسافر کے لئے دو شہروں میں اقامت کی نیت کا اعتبار نہیں

وَإِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ أَنْ يُقِيمَ بِمَكَةَ وَمِنَى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يَتِمَّ الصَّلَاةُ لِأَنَّ اِغْتِبَارَ الْبَيْتِ فِي مَوْضِعَيْنِ يَفْتَضِلُ اِغْتِبَارُهَا فِي مَوَاضِعٍ وَهُوَ مُمْتَنِعٌ لِأَنَّ السَّفَرَ لَا يَغْرَى عَنْهُ إِلَّا إِذَا نَوَى أَنْ يُقِيمَ بِاللَّيْلِ فِي أَحَدِهِمَا قَبْضًا مُقِيمًا بِدَحْوَلِهِ لِأَنَّ إِقَامَةَ الْمَرْءِ مُضَافَةً إِلَى مَبِيتِهِ

ترجمہ۔ اور جب مسافر نے مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن کی قامت کی نیت کی تو وہ نماز پوری نہ پڑھے کیونکہ دو مقام میں نیت کا معتبر ہونا مقتضی ہے کہ چند جگہوں میں نیت معتبر ہو اور یہ ممتنع ہے کیونکہ سفر اس سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک میں رات میں قیام کی نیت کرے تو اس مقام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی مقیم ہو جائے گا۔ کیونکہ آدمی کا مقیم ہونا اس کی شب باشی کے مقام کی جانب منسوب ہوتا ہے۔

تشریح۔۔۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسافر نے ایسے مقامات میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی جن میں سے ایک نہیں مستثنیٰ ہے۔ مثلاً یہ کہ مکہ اور منیٰ میں اقامت کی نیت کی تو یہ مقیم نہ ہوگا۔ بلکہ مسافر ہی رہے گا۔ اور نماز قصر پڑھے گا۔ کیونکہ دو مقام میں قامت کی نیت کا معتبر ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ دو سے زائد مقامات میں بھی نیت معتبر ہو ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا۔ اور مسافر کا بہت سے مقامات پر قیام کی نیت کرنا ممتنع ہے کیونکہ سفر متعدد مقامات پر قیام کرنے سے خالی نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مقامات پر قیام کرنا ضروری ہوتا ہے پس اگر متعدد مقامات میں اقامت کی نیت کا اعتبار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کبھی مسافر ہی نہ ہوگا بلکہ ہر صورت یہ ہے کہ دو مقام میں پندرہ یوم اقامت کی نیت کی اور ان دونوں میں سے ایک متعین مقام میں رات گزارنے کی نیت کی تو یہ نیت معتبر ہوگی اب اگر یہ شخص پہلے اس جگہ یا جہاں دن گزارنے کی نیت کی ہے تو یہ مقیم نہ ہوگا۔ اور اگر پہلے اس جگہ یا جہاں رات گزارنے کا ارادہ کیا ہے تو اس ہستی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا۔ پھر اس ہستی کی طرف نکلنے سے مسافر نہ ہوگا جہاں دن گزارنے کی نیت کی ہے کیونکہ آدمی کی اقامت اس کی

شب ہشتی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے جو شخص بازار میں کاروبار کرتا ہے اس سے اُردو ریافت کیا جائے کہ اس وقت تم کہاں رہتے ہو تو وہ اس محلہ کا پتہ بتلائے گا جہاں وہ رات گزارتا ہے۔

## سفر کی نماز حضر میں قصر پڑھی جائے گی اور حضر کی نماز سفر میں مکمل پڑھی جائے گی

وَمِنْ فَائِتِهِ صَلَوةٌ فِي السَّفَرِ قِصَاها فِي الْحَضَرِ رُكْعَتَيْنِ وَمِنْ فَائِتِهِ فِي الْحَضَرِ قِصَاها فِي السَّفَرِ اَرْبَعًا لَانَ الْقِصَاءَ بِحَسَبِ الْاَدَاءِ وَالْمُعْتَمِرُ فِي ذِكِّ أَحْزِ الْوَقْتُ لِانَّهُ الْمُعْتَمِرُ فِي النَّسِيَةِ عِنْدَ عَدَمِ الْاَدَاءِ فِي الْوَقْتُ

ترجمہ اور جس شخص کی کوئی نماز غر میں فوت ہوگئی تو حضر میں اس کو دو رکعت قضا کرے اور جس کی نماز حضر میں فوت ہوگئی تو اس کو سفر میں چار رکعت قضا کرے۔ کیونکہ قضا ادا کے موافق ہوتی ہے اور اس میں معتبر آخر وقت ہے کیونکہ آخری وقت ہی سبب ہونے میں معتبر ہوتا ہے جبکہ وقت کے اندر ادا نہ کی ہو۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں اگر رہائی نماز فوت ہوگئی اور حضر میں اس کو قضا کرنا چاہا تو دو رکعت قضا کرے۔ حضر کے زمانے میں کوئی رہائی نماز فوت ہوگئی پھر سفر کی حالت میں اس کو قضا کرنا چاہا تو چار رکعت قضا کرے۔ دلیل یہ ہے کہ قضا کے موافق واجب ہوتی ہے یعنی جس شخص پر ادا چار رکعت واجب ہوئی تو وہ قضا بھی چار رکعت کرے گا۔ اور جس پر دو رکعت واجب ہو اس پر قضا بھی دو رکعت کی واجب ہوگی۔ اور ادا کے اندر وقت کا آخر معتبر ہے آخر وقت سے مراد مقدار تجزیہ ہے مثلاً اگر طلبہ کے اول وقت میں مقیم تھے پھر وقت ختم ہونے سے پہلے سفر کے لئے نکلے اور آبادی سے باہر اس وقت واجب کہ وقت صرف ایک رکعت کا یا کم باقی ہے تو اس پر دو رکعت کی قضا واجب ہوگی کیونکہ آخر وقت میں وہ مسافر ہو چکا۔ اور یہی معتبر ہے۔ اور ادا کے اندر وقت کا آخر اس سے معتبر ہے کہ وقت کے اندر ادا کرنے کی صورت میں وجوب ادا کا سبب ہونے میں آخر وقت معتبر ہے۔ اس موقع پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ہمارا حکم قضا نماز میں ہے۔ اور نماز جب اپنے وقت سے فوت ہوگئی تو اصول فقہ کے بیان کے مطابق پورا وقت نماز کا سبب ہوتا ہے نہ کہ آخری چیز جو اب پیش متابع کے نزدیک نماز فوت ہونے کی صورت میں وقت کا آخری جزء سبب ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مصنف ہدایہ نے کسی کو اختیار کیا ہو۔

## سفر کی رخصت مطیع اور عاصی دونوں کے لئے ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَالْعَاصِي وَالْمُطِيعُ فِي سَفَرِهِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ سَفَرُ الْمَغْصِيَةِ لَا يُفِيدُ الرُّخْصَةَ لِأَنَّهَا تُنْتِجُ تَحْقِيقًا فَلَا تَعْلُقُ بِمَا يُؤْخِذُ الْعَلِيظَ وَلَا اِطْلَاقَ الْخُرُوجِ وَلَآنَ نَفْسُ السَّفَرِ لَيْسَ بِمَغْصِيَةٍ وَأَمَّا الْمَغْصِيَةُ مَبْكَوْنٌ بَعْدَهُ أَوْ لَحْظًا وَفَصْلُحٌ مُعْلَقٌ لِرُّخْصَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ اور جو شخص اپنے زمانے میں ہر حال میں اپنے سفر میں رہتا ہے۔ وہ دونوں رخصت میں برابر ہیں۔ اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ رخصت کا کافی مدہ نہیں دیتا کیونکہ رخصت تو تخفیف ثابت ہوتی ہے پس رخصت ایسی چیز ہے جس سے متعلق نہ ہوں جو سختی واجب کرتی ہے۔ ہمارے دلیل خصوص کا اطلاق ہے اور اس سے کہ نفس سفر کن نہیں ہے اور رہی معصیت تو وہ چیز ہے جو ہر

کے بعد پیدا ہوگی یا سفر کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ پس سفر اس کو لائق ہوا کہ رخصت اس سے متعلق ہو۔

**تشریح**۔ فقہاء کے بیان کے مطابق سفر کی تین قسمیں ہیں۔ سفر حرامت جیسے حج اور جہاد سفر مباح جیسے تجارت، سفر معصیت جیسے ذاکہ زنی کے ارادہ سے سفر کرنا یا عورت کا بغیر محرم کے حج کے لئے سفر کرنا۔ اول کی دو قسمیں بالاثاق رخصت کا سبب ہیں اور تیسری قسم ہرگز ایک تو رخصت کا سبب ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک سبب نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رخصت مکلف پر تخفیف دہاتی ہے اور جو چیز مکلف پر تخفیف کرتی ہے وہ ایسی چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی جو سختی کو واجب کرتی ہے اس لئے رخصت ایسی چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوگی جو سختی کو واجب کرتی ہے یعنی معصیت اور نافرمانی تو سختی اور عذاب واجب کرتی ہے اس کے ساتھ رخصت اور تخفیف متعلق نہیں ہو سکتی۔ آپ اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ رخصت تو رحمت و انعام ہے، عذاب کے مستحق کو نہیں ملتا۔

ہماری دلیل نصوص کا مطلق ہونا ہے یعنی جن نصوص میں رخصت ملی ہے وہ اطلاق بہ مسافر کو شامل ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ت  
وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ مَرْثَاةٍ أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ حضور سنی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَرَضَ الْمُسَافِرُ رَكْعَتَيْنِ دُورَى جَدِّ  
اِرْشَادِ بَيِّنَاتٍ يَمَسُّحُ الْحَقِيمُ يَوْمًا "وَلَيْلَةً" وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا ان نصوص میں مطہر اور عاصی کی کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ  
بہ مسافر کو شامل ہے خواہ اپنے سفر میں مطہر ہو یا عاصی ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نفس سفر معصیت نہیں ہے کیونکہ سفر نامہ ہے قطع مسافت کا،  
اور اس معنی میں کوئی معصیت نہیں معصیت تو وہ ہے جو قطع مسافت کے بعد ہوگی مثلاً ذاکہ زنی یا چوری یا معصیت سفر کے ساتھ ساتھ ہوتی  
ہے جیسے عام کا بھاگ جانا۔ پس جب ذات سفر معصیت نہیں ہے تو اس کے ساتھ رخصت متعلق ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بحقیق احمد القاہمی  
منہ

## بَابُ صَلَوةِ الْجُمُعَةِ

ترجمہ (یہ) باب جمعہ کی نماز (کے بیان میں) ہے

**تشریح**۔ یہ باب پہلے باب کے مناسب ہے اس لئے دونوں میں تنصیف ہے البتہ قصر کے اندر سفر کے واسطے تنصیف کی گئی ہے  
اور جمعہ کے اندر خطبہ کے واسطے ہے مگر چونکہ سفر ہر رباعی نماز کے لئے تنصیف کر دیتا ہے۔ اور خطبہ جمعہ فقط ظہر کی نماز کی تنصیف کرتا ہے  
اس لئے سفر ہر رباعی نماز کی تنصیف کو عام ہوا اور خطبہ فقط ظہر کی نماز کی تنصیف کو خاص ہے۔ اور خاص کا ذکر چونکہ عام کے بعد ہوتا ہے اس  
لئے صلوٰۃ سفر کے بعد صلوٰۃ جمعہ کا بیان ہوا۔

جمعہ جماعت سے ہے جیسے فرقت افتراق سے ہے غلط جمعہ میم کے ضم کے ساتھ ہے ورسون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بعض حضرات  
نے میم کے فتح کے ساتھ بھی نقل کیا ہے جمعہ و جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس دن میں اسٹھ ہوتے ہیں۔ نماز جمعہ کی فرضیت کتاب سنت  
الہیہ اور دلیل عقلی چاروں سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا يٰۤاَيُّهَا الدِّينُ اٰمِنُوْا اَدِیْ لِلصَّلٰوةِ  
مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ مُشْبِهَةً اَلْ كے مطابق ذِکْرُ اللّٰہ سے مراد خطبہ ہے۔ اور اِسْعَوْا امر کا صیغہ  
وجوب سے لئے ہے۔ پس آیت سے خطبہ کی طرف سعی کا واجب ہونا ثابت ہوا اور سعی الی الخطبہ جمعہ کی نماز کے شرائط میں سے ہے پس جب  
جو ارجمند شریعتی سعی الی الخطبہ کا واجب ہونا ثابت ہوا تو نماز جمعہ جو تصدق شدہ وجہ اولی واجب (فرض) ہوگی اس وجوب کو مؤکد کرنے کے



نے فرمایا **وَاذْكُرُوا الْمُبْعَ** یعنی اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کو حرام کیا یا حالانکہ خرید و فروخت مباح ہے اور یہ اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ امر مباح کو کسی امر واجب کی وجہ سے ہی حرام کرتے ہیں پس ثابت ہوا کہ جمعہ جس کی وجہ سے اذان کے بعد بیع کو حرام کیا گیا واجب (فرض) ہے۔ علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ ذکر اللہ سے نماز مراد ہوا اس صورت میں براہ راست نماز جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوگا۔ مفسرین نے ذکر اللہ کی تفسیر نماز اور خطبہ دونوں سے کی ہے علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں آیت نماز و خطبہ دونوں پر صادق آئے گا۔

حدیث جس سے نماز جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے **إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْجُمُعَةَ فِي يَوْمِي هَذَا فِي شَهْرِي هَذَا** یعنی ہذا جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے میرے اس دن میں میرے اس مہینہ میں میرے اس مقام میں۔ دوسری حدیث **الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاحِدٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً مَمْلُوكٌ أَوْ مَرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ** رواہ ابو داؤد جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا حق و واجب یعنی فرض ہے مگر چار آدمیوں پر عذر عورت نابالغ بچہ اور بیمار پر تیسری حدیث **قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعَاتٍ مِنْ غَيْرِ عَذْرٍ كُتِبَ مِنَ الْمُدْرِفِقِينَ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے تین جمعہ بغیر عذر چھوڑے اس کا شمار منافقین میں ہوگا۔ چوتھی حدیث **مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ جُمُعَاتٍ جُمِعَ مَتَوَالِيَاتٍ فَقَدْ نَدَا إِلَى السَّلَامِ وَرَأَوْهُمْ** جس نے مسلسل تین جمعوں کو ترک کر دیا اس نے اسلام پس پشت ڈال دیا۔ ان دونوں حدیثوں میں ترک جمعہ پر سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وعید فرض چھوڑنے پر آتی ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں سے بھی جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوا۔ چونکہ پوری امت مسلمہ جمعہ کے فرض ہونے پر متفق ہو گئی اس لئے اجماع سے بھی جمعہ کی نماز کا فرض ہونا ثابت ہوا۔ جمعہ کی فرضیت پر عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم کو جمعہ قلم کرنے کے لئے نمبر کی ضرورت چھوڑنے کا مکیا گیا ہے اور طلبہ کی نماز پانچویں فرض ہے۔ اور یہ بات بھی سمجھات میں سے ہے کہ فرض کو فرض بنانے کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے غل کی وجہ سے نہیں پس اس سے بھی جمعہ کا فرض ہونا ثابت ہوا۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے قباء کے اندر مرو بن عوف کے محلہ میں چودہ شب قیام فرمایا۔ اسی دوران آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد بنائی ہے جس کو قرآن حکیم نے **لِمَسْجِدِ أُسَسِ عَلَى التَّقْوَى** سے تعبیر فرمایا ہے پھر جب آپ قباء سے بجانب مدینہ جمعہ کے دن روانہ ہوئے تو راستہ میں سالم بن عوف کے محلہ میں نماز جمعہ کا وقت آ گیا تو آپ نے سواری سے اتر کر اس مسجد میں نماز جمعہ کی جو طعن وادی میں ہے یہ اسد میں را کیا جائے۔ سب سے پہلے جمعہ تھا۔ اس جمعہ میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے۔ اسد میں سب سے پہلے جمعہ اور خطبہ کی پوری تفصیل اصح اسیر سیرت مصطفیٰ شریف میں یہاں مذکور ہے۔

جمعہ فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں۔ چھ شرطیں تو ایسی ہیں جن کا وقت مصطفیٰ کے اندر پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) آزاد ہونا۔ پنا نچھٹا ہونا۔ پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ (۲) مذکر ہونا۔

(۳) متیمر ہونا۔ پنا نچھٹا عورت اور ساف پر فرض نہیں ہے۔ (۴) تندرست ہونا۔ یعنی یہاں رہنا ہو کہ جمعہ میں حاضر ہونا باعث طیف ہو۔

(۵) پاؤں کا سلامت ہونا (۶) آنکھوں کا سلامت ہونا

پنہ پچا پانچ اور نامین پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ چھ شرطیں ایسی ہیں جن کا تعلق مصلیٰ کی ذات سے نہیں ہے۔

- |                |               |
|----------------|---------------|
| (۱) شہر ہونا ، | (۲) جماعت     |
| (۳) سلطان ،    | (۴) وقت       |
| (۵) خطبہ ،     | (۶) عام اجازت |

### شرائط صحت جمعہ

لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ أَوْ فِي مِصْرٍ وَلَا تَحُوزُ فِي الْقَرْيَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقًا وَلَا فِطْرًا وَلَا أَضْحَى إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ وَالْمِصْرُ الْجَامِعُ كُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ أَمِيرٌ وَقَاضٍ بِهَذَا الْأَحْكَامَ وَيُقِيمُ الْحُدُودَ وَهَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَعَنْهُ أَنَّهُ إِذَا اخْتَمَعُوا فِي أَكْبَرِ مَسَاجِدِهِمْ لَمْ يَسْعَهُمُ وَالْأَوَّلُ اخْتِيَارُ الْكَرْجِيِّ وَهُوَ الظَّاهِرُ وَالثَّانِي اخْتِيَارُ التَّلْحِجِيِّ وَالْحُكْمُ غَيْرُ مَقْصُورٍ عَلَى الْمَصْلِيِّ بَلْ يَجُوزُ فِي جَمِيعِ أَلْسِنَةِ الْمِصْرِ لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَتِهِ فِي خَوَائِجِ أَهْلِهِ

ترجمہ جمعہ صحیح نہیں ہوتا مگر شہر جامع میں یا شہر کی فن، میں ورمعدہ کافوں میں جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ تشریق، نماز عید اور نماز بقر عید جائز نہیں مگر شہر جامع میں۔ اور شہر جامع ہر وہ موضع کہ اس کا ایک امیر ہو اور قاضی ہو جو احکام کو نافذ کرتا ہو اور حدود کو قائم کرتا ہو۔ اور یہ ابو یوسف سے مروی ہے۔ اور ابو یوسف سے یہ بھی مروی ہے کہ جب لوگ وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو سب لوگوں کی اس میں سمائی نہ ہو۔ قول اول کو امام کرخی نے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ اور قول ثانی کو امام تلحجی نے اختیار کیا ہے۔ اور جواز کا حکم مسجد فن، پر منحصر نہیں ہے بلکہ شہر کے تمام فنوں میں جائز ہے۔ کیونکہ اہل شہر کی ضروریات کے سلسلہ میں شہر کی فناء کی تمام جوائب بمنزلہ مصلیٰ کے ہیں۔

تشریح متن میں دو نقطہ مصر جامع اور مصلیٰ المصر قبل تشریح ہیں۔ مصر جامع کی تعریف مصر جامع کی تعریف میں اختلاف ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مصر جامع وہ ہے جہاں سرکیں ہوں بازار ہوں حکم ہو جو نظام اور مظلوم کے درمیان انصاف کرے اور عالم ہو جو پیش آمدہ حوادث میں فتویٰ دے۔ حضرت امام ابو یوسف سے اس بارے میں تین روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مصر جامع ہر وہ موضع ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو۔ یُسْفِلُ الْأَحْكَامَ کے بعد یُقِيمُ الْحُدُودَ کی قید کا ترجمہ (جس کو حکم اور فیصلہ بنایا گیا ہے) اور عورت قاضیہ سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ عورت کی قضاء جائز ہے مگر اس کو حدود و قصاص قائم کرنے کی قدرت شرعیہ نہیں ہوتی۔ مصر جامع کے سلسلہ میں یہی ظاہر مذہب ہے اور اسی کو امام کرخی نے اختیار کیا ہے دوسری روایت یہ ہے کہ مصر جامع وہ موضع ہے کہ اس موضع کی سب سے بڑی مسجد میں اگر اس موضع کے وہ لوگ جمع ہو جائیں جن پر جمعہ فرض ہے تو اس میں لوگ سمانہ سمیں ہندہ جمعہ کے لئے دوسری مسجد بنانے کی ضرورت محسوس ہو۔ اس روایت کو ابو عبد اللہ تلحجی نے اختیار کیا ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اس بزرگ آبادی کا موضع مصر جامع ہے سفیان ثوری کہتے ہیں کہ مصر جامع وہ ہے جس کو وہ شہروں کے تذکرہ کے وقت شہر سمجھیں۔

دوسرا غلط مصلیٰ ہے۔ شہر کا مصلیٰ عید گاہ ہوتا ہے لیکن یہاں مصلیٰ سے فن، شہر مراد ہے۔ فن، شہر شہر کے اس ماحول (رُود) کو کہتے ہیں جو

شہر سے متصل اہل شہر کے مصالح سے بنایا ہو جیسے قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، چراگاہ، عید گاہ، مذبح دربارے زمانہ میں پارک وغیرہ۔  
 فن، شہر کی تحدید فن، شہر کی تقدیر اور تحدید کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام محمد نے ایک نحو کے ساتھ مقید کیا ہے اور غلو کا  
 اطلاق تین سو ذرا سے چار سو ذرا تک ہوتا ہے یعنی آبادی سے باہر چار سو ذرا تک فن شہر کہا جائے گا۔ امام ابو یوسف نے ایک میل یا  
 دو میل کی تحدید بیان کی ہے چنانچہ ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر امام کی ضرورت کے پیش نظر اہل شہر کے ساتھ شہر سے نکل کر دو میل باہر  
 تک چل گیا یہاں تک کہ جمعہ کا وقت ہو گیا تو اس کو جائز ہے کہ اسی جگہ جمعہ کی نماز ادا کرادے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مروی شخص  
 شہر میں ہڈی سوڑ چکی ہو تو وہاں سے تو جہاں تک آواز نیچے رہے وہاں تک فن شہر کہا جائے گا۔

صورت مسئلہ: اس تفصیل کے بعد ملاحظہ ہو کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ نماز جمعہ شہر اور فن، شہر دونوں جگہ پڑھے۔ ابہتہ گاؤں  
 میں جائز نہیں ہے۔ امام مالک اور امام شافعی گاؤں کے اندر بھی جواز جمعہ کے قائل ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ جس گاؤں میں چار بیس  
 آزاد متیم لوگ آباد ہوں خانہ بدوش کی طرح گرمی اور سردی کے موسم میں کوچ نہ کرتے ہوں تو ان پر جمعہ فرض ہوگا۔ کہ جب جمعہ کے دن  
 بعد کی ان ہوتا ہوگئے اور حاضر ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی ہستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر جگہ  
 جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ خواہ شہر ہو یا گاؤں خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں۔ دوسری دلیل ابن عباس سے مروی ہے **أَوَّلُ حُجْمَةٍ**  
**جُمِعَتْ فِي الْإِسْلَامِ بَعْدَ الْمَدِينَةِ مَا جُمِعَتْ بِجَوَائِزِ قَرْيَةٍ فِي الْحَرِّ** یعنی اسلام میں مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلا  
 جمعہ جو ٹامیں پڑھا گیا اور جو ان بحرین کا ایک قریہ (گاؤں) ہے۔

تیسری دلیل قیاس ہے وہ یہ کہ جمعہ ایک نماز ہے پس دوسری نمازوں کی طرح اس کا بھی ہر جگہ پڑھنا جائز ہے۔  
 بھارتی دلیل حضور ﷺ کا قول **لَا جُمُعَةَ وَلَا نَشْرِيْقَ** احادیث ہے۔ یعنی جمعہ کی نماز تکبیرات تشریف عید الفطر و عید النحر صاف  
 شہر میں جائز ہے۔ اس قول کو صاحب ہدایہ نے آنحضرت ﷺ کا قول قرار دیا ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ آنحضرت کا قول نہیں بلکہ حضرت  
 علی کا قول ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے تحریر کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اس قول کو حضرت علی پر موقوف کیا ہے۔  
 امام مالک اور امام شافعی کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت **فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** آپ کے نزدیک بھی اپنے اطلاق پر  
 نہیں ہے کیونکہ آیت کا اطلاق تقاضا کرتا ہے کہ جمعہ ہر جگہ جائز ہو آبادی میں بھی اور جنگل میں بھی حارائے خود آپ کے نزدیک جمعہ نہ  
 جنگل میں جائز ہے۔ ورنہ ایسی ہستی میں جس کے باشندے رومی یا سرحدی کے زمانے میں کوچ کر جاتے ہوں۔ پس آیت  
 میں بالاتفاق مخصوص جگہ مراد ہے آپ نے مخصوص جگہ سے گاؤں مراد لیا اور ہم نے شہر مراد لیا ہے۔ شہر مراد لینا انسب ہے۔ کیونکہ  
 حضرت علی کا قول اس کا مؤید ہے۔

دوسری دلیل یعنی حدیث ابن عباس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں قریہ سے مراد شہر ہے۔ اس سے کہ ابتدا زمانہ میں قریہ کا اطلاق شہر  
 پر یا جاتا تھا جیسا کہ خود قرآن حکیم میں ہے **وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْشِ عَظِيمٍ** قریش سے مراد  
 مدینہ تھیں اور مدینہ یقیناً شہر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث کے اندر قریہ سے مراد شہر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو تابعین کے ایک  
 قریہ ہے۔ اور قریہ کے حکم اور عام کا موازنہ دینی ہے۔ پس اس سے بھی اس کا شہر ہونا ثابت ہوا۔ اسی وجہ سے جیسے ط میں کہاتے  
 کہ جو تابعین کے شہر کا نام ہے۔

تیسری دلیل یعنی قیاس کا جواب یہ ہے کہ آیت ہجۃ جمعہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؑ نے بخش جہوں پر جمعہ کے جواز کی نفی کی ہے مثلاً گاؤں میں ورنہ بظاہر میں حضرت علیؑ کا بعض جگہوں پر جمعہ کو جائز نہ رہتا۔ بعض جگہوں پر جواز کی نفی نہایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ خلاف قیاس ہے۔ پس جب شہر کے اندر جمعہ کا جواز اور گاؤں میں عدم جواز خلاف قیاس ہو تو اس کو دوسری نمازوں پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

وَالْحُكْمُ عِبْرَةُ مَقْصُورٍ عَلَى الْمُصْطَلَحِ کا مصدب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جس طرح عید گاہ میں جائز ہے یہاں بھی شہر ہے۔ اسی طرح شہر کے چاروں طرف جہاں جہاں تک قریب شہر کا اطلاق ہوتا ہے نماز جمعہ جائز ہے کیونکہ اہل شہر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے شہر میں قریب شہر کے مرتبہ میں ہے۔

### منی میں جمعہ کا حکم

وَيَجُوزُ بِمَنَى إِنْ كَانَ الْأَمِيرُ أَمِيرَ الْحِجَازِ أَوْ كَانَ الْخَلِيفَةُ مُسَافِرًا أَيْ خَلِيفَةً وَأَبُو يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا حُمُوعَ بِمَنَى لِأَنَّهَا مِنَ الْقُرَى حَتَّى لَا يُعَدَّ بِهَا وَبُهَا أَنَّهَا تَمُصَّرُ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ وَعَدَمُ الْعَبْدِلِ الْخَفِيفِ وَلَا جُمُعَةٍ بِعَرَافَاتٍ هِيَ قَوْلُهُمْ جَمِيعًا لِأَنَّهَا فَصَاءٌ وَبِمَنَى أُنْبِيَةُ وَالتَّقْيِيدُ بِالْحَدِيثَةِ وَأَمِيرُ الْحِجَازِ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لَهَا أَمَّا أَمِيرُ الْمَوْسِمِ فَبِلَيْ أُمُورِ الْحَقِّ لَا غَيْرَ

ترجمہ۔ اور منی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ اگر امیر حجاز کا میر ہو۔ یا خلیفہ المسلمین خود مسافر کے طور پر یہاں موجود ہو (یہ جواز) یوسفؑ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؑ نے فرمایا ہے کہ منی میں جمعہ نہیں ہے کیونکہ منی تو گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے حتیٰ کہ اس میں بقر عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ منی موسم حج میں شہر بن جاتا ہے اور نماز عید وہاں نہ ہونا آسانی دینے کے پیش نظر ہے۔ اور عرفات میں بافتفاق جمعہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عرفات تو خان میدان ہے اور منی میں مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور خلیفہ اور میر حجاز کے موجود ہونے کی قید گانا اس لئے ہے کہ ولایت تو انہیں دونوں کی ہے۔ رہا امیر موسم تو فقط حج کے مور کا متولی ہے۔

تشریح۔ مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایام حج، منی کے اندر جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ امیر حج وہ شخص ہو جو صوبہ حجاز کا حاکم ہے صرف حج کرانے کے لئے میر نہ بنایا گیا ہو یا خلیفہ المسلمین بذاتِ خود حج کے لئے اس سے سفر کرے یہاں موجود ہو۔ خلیفہ کے ساتھ مسافر ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ خلیفہ اگر منی میں مقیم ہو تو بدرجہ اولیٰ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ دوم اس وجہ سے کہ دور کرنے کے لئے کہ امیر موسم اگر مسافر ہو تو وہ جمعہ قائم نہیں کر سکتا پس اسی طرح خلیفہ بھی مسافر ہونے کی صورت میں جمعہ قائم نہیں کر سکتا۔ حسبِ قدوری نے اس وجہ سے دور کرنے کے لئے فرمایا کہ امیر موسم مسافر ہونے کی صورت میں بلاشبہ جمعہ قائم نہیں کر سکتا لیکن خلیفہ المسلمین مسافر ہونے کے باوجود جمعہ قائم کر سکتا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ خلیفہ یا بادشاہ اپنی مملکت میں دورہ کرے تو ہر شہر میں اس پر جمعہ واجب ہوگا۔ پس جس شہر میں جمعہ کا ان پر جائز ہے وہیں جمعہ ادا کرنا جائز ہے کہ جب اس کے حکم سے دوسرا امام جمعہ مقرر نہ جائے تو خود اس کو جمعہ کی امامت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا یہ مسافر ہو۔ بہر حال شیخین کے نزدیک اس شرط کے ساتھ منی میں جمعہ جائز ہے۔ حضرت امام محمدؑ نے فرمایا ہے کہ منی میں قطعاً جمعہ جائز نہیں ہے

اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ منیٰ نہ تو شہر ہے اور نہ قبا شہر ہے بلکہ ایک گاؤں ہے اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ اس لئے منیٰ میں جمعہ جائز نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ منیٰ میں بقرعید کی نماز نہیں ادا ہوتی۔

امام محمد کے نزدیک منیٰ قبا شہر (مکہ) میں اس لئے داخل نہیں ہے کہ اس سے نزدیک قبا کا اطلاق ایک نحوۃ (چار سو فارسان) تک ہوتا ہے اور منیٰ ایک تلوۃ کی مقدار سے زائد ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ منیٰ بڑا شہر شہر نہیں ہے بلکہ منیٰ قبا کے موسم میں شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں موسم حج میں ہزاروں جاہل جاتے ہیں اور بادشاہ یا اس کا نائب اور قاضی اس موسم میں وہاں موجود ہوتے ہیں۔ چونکہ موسم حج کے علاوہ وہاں یہ سب شرطیں نہیں پائی جاتیں اسی لئے موسم حج کے علاوہ وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ اسی یہ بات کہ منیٰ کے اندر بقرعید کی نماز نہیں پڑھی جاتی تو اس کی وجہ منیٰ کا موسم حج میں شہر نہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روز حاجی دُک من سہ حج ری ذی الحجۃ وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور وقت تنگ ہوتا ہے اس لئے آسانی کے پیش نظر حج کو عید الاضحیٰ کی نماز نہ پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ اور منیٰ میں یہ بات کہ منیٰ چونکہ حرم میں شامل ہے اس لئے منیٰ قبا میں سے ہے۔ بعد رب العزت کا ارشاد ہے ”ہذینا بالبع الکفۃ“ اس آیت میں منیٰ کو حرم کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے باہر طور پر قربانی اور ہدیٰ کے چاروں مکہ میں ذبح نہیں کئے جاتے بلکہ منیٰ میں ذبح کئے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ منیٰ مکہ کے حکم میں ہے یا قبا، مکہ کے ور جمعہ ادا کرنا جس طرح شہر کے اندر جائز ہے اسی طرح قبا شہر کے اندر بھی جائز ہے۔ میدان عرفات میں ہر تھاق جمعہ جائز نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرفات و فقط میدان ہے۔ آہائی وغیرہ پڑھتے نہیں اور قبا، مکہ میں بھی داخل نہیں ہے۔ اس لئے عرفات احرام میں ہے نہ حرم میں نہیں جب عرفات نہ شہر ہے اور نہ قبا شہر تو وہاں جمعہ قمر کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

ساحب قدوری نے منیٰ کے اندر جواز جمعہ کے لئے امیر حج ثریا خلیفہ ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جمعہ قائم کرنے کی وایت انہیں دونوں کو ہے۔ اور رباوہ امیر جس کو امیر موسم کہتے ہیں وہ تو حج کے امور کا متولی ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ اس لئے اس کو وایت جمعہ حاصل نہیں ہے۔

### شرائط صحت اداء پہلی شرط سلطان ہے

وَلَا يَحُورُّ إِقَامَتُهَا إِلَّا لِسُلْطَانٍ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ لِأَنَّهُ تَقَامُ بِجَمْعٍ عَظِيمٍ وَقَدْ تَقَعُ الْمَسَاعِدَةُ فِي التَّقْدِيمِ وَالتَّقْدِيرِ وَقَدْ تَقَعُ فِي غَيْرِهِ فَلَا بُدَّ مِنْهُ تَتِمُّمَا لِأَمْرٍ هَا

ترجمہ اور جمعہ قائم کرنا جائز نہیں مگر خلیفہ کے یا اس کے لئے جس کو خلیفہ نے اجازت دیدی ہو۔ کیونکہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے اور بھی آگے بڑھنے اور آگے بڑھانے میں جھڑا واقع ہو جاتا ہے لہذا اس کے علاوہ اور بات میں جھڑا پڑ جاتا ہے تو جمعہ کا کام پورا کرنے کے لئے خلیفہ یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح ادا جمعہ کے لئے سلطان کا ہونا بھی شرط ہے۔ سلطان وہ الٰہی ہوتا ہے جس کے اوپر کوئی دوسرا واپس نہ ہو۔ جیسے خلیفہ یا وہ شخص جس کو سلطان نے حکم اور اجازت دیدی ہو۔ جیسے امیر قاضی یا خطیب بڑا طویل ان کو جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہو۔ حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ ادا جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (عنایہ) امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جس زمانے میں خلیفہ





۱۰۔ شفعی کی دلیل ان کے اس قول پر کہ بیٹھے کر خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے یہ ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے پس جس طرح نماز



کے لئے قیام شرط ہے اسی طرح خطبہ کے لئے بھی قیام شرط ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل اس بات پر کہ طہارت خطبہ کے لئے شرط ہے یہ ہے کہ خطبہ نصف نماز کے مرتبہ میں ہے چنانچہ مروی ہے کہ اَنَّ اَبْنَ عُمَرَ وَعَانِشَةَ قَالَا اِنَّمَا قُصِرَ الْجُمُعَةُ لِمَكَانِ الْخُطْبَةِ بِسُجُودِ طَرَحِ نَازِكٍ دَائِمٍ طَهَرَتْ شَرْطُ بَیِّنَةٍ اِذَا طَرَحَ خُطْبَهُ كَيْفَ بَیِّنَةٍ شَرْطُ بَیِّنَةٍ۔

خطبہ میں ذکر پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

فَإِنْ اَقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ جَارِعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ طَوِيلٍ يُسَمَّى خُطْبَةً لِأَنَّ الْخُطْبَةَ هِيَ الزَّائِجَةُ وَالتَّسْبِيحُ وَالتَّحْمِيدُ لَا تُسَمَّى خُطْبَةً وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ حَتَّى يَخْطُبَ خُطْبَتَيْنِ اِغْتَارًا اِلْمُتَعَارِفِ وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّهُ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ فَارْتَحَّ عَلَيْهِ قُرْآنٌ وَصَلَّى

ترجمہ پس اگر خطیب نے ذکر اللہ پر اکتفاء کیا تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ طویل ذکر جس کا نام خطبہ رکھا جاتا ہے ضروری ہے کہ نہ واجب و خطبہ ہے اور ایک تسبیح یا ایک تحمید خطبہ نہیں ہوتا۔ اور امام شافعی نے کہا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ دو خطبہ پڑھے عبادت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول "فاسعوا الی ذکر اللہ" ہے بغیر تفصیل کے۔ اور حضرت عثمانؓ کا حال مروی ہے کہ آپ نے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہا آپ کی زبان رک گئی تو آپ منبر سے ترے اور نماز پڑھائی۔

تشریح خطبہ کی مقدار میں خود علماء احناف مختلف ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اگر خطبہ کے ارادہ سے فقط اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہا جائے تو جائز ہے اور اگر چھیننے کی وجہ سے خطیب نے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہا یا تحبب کی وجہ سے جان اللہ کہا تو بال تقاق خطبہ جائز نہ ہوگا۔ صاحبین نے فرمایا کہ اس قدر طویل کا ہونا ضروری ہے جس کو عرف خطبہ کہا جاسکے۔ متعارف خطبہ یہ ہے کہ خطیب اللہ کی حمد بیان کرے، رسول اللہؐ پر درود بھیجے اور تمام مسلمانوں کے لئے خیر کی دعا کرے۔ امام ربیعؒ کے نزدیک متعارف خطبہ کی مقدار تین آیات ہیں اور بعض کے نزدیک شہد کی مقدار ہے یعنی التَّحِیَّاتُ سَے عُنْدُهُ وَرَسُوْلُهُ تَحْتَ۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب تو وہ ہے جس کو خطبہ کہا جاسکے اور الحمد لله منہ ینسیحان لله کہن ینالہ الا اللہ کہنا اس کا نام خطبہ نہیں ہے پس اگر خطیب نے فقط یہ کلمہ کہا تو خطبہ واجب ادا نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ دو خطبہ واجب ہیں پہلے خطبہ اللہ کی حمد، صلوٰۃ علی انبی تقویٰ کی وصیت اور مازم ایک آیت پر مشتمل ہو۔ اور دوسرے خطبہ میں آیت کی جگہ مسماں مردوں اور عورتوں کے لئے دعا ہو۔ امام شافعیؒ کی دلیل عرف اور عبادۃ الناس ہے یعنی اس سے کم کو لوگوں کی عبادت اور عرف میں خطبہ نہیں کہا جاتا اور بالعموم خطیب حضرت اس سے کم خطبہ نہیں پڑھتا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول "فاسعوا الی ذکر اللہ" ہے باری حور کہ تمام مفسرین کے نزدیک ذکر اللہ سے خطبہ مراد ہے اور اس میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل بھی نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مطلقاً ذکر اللہ سے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو خطبہ واجب ادا ہو جائے گا۔ حضرت عثمانؓ کا حال مروی ہے کہ خطبہ ہونے کے بعد جب پہلی خطبہ جمعہ پڑھنے کے لئے منبر پر چڑھے اور الحمد لله کہا تو آپ کی زبان بند ہوئی۔ آپ منبر سے اتر گئے۔ در دوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس وقت صبح بے ابھی موجود تھے مگر کسی نے حضرت عثمانؓ کے اس فعل پر تکیہ نہیں فرمائی۔ پس صبح بڑے اجماع سے بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ کے ذکر پر اکتفاء کرنے سے خطبہ جائز ہو جائے گا۔ رہا صاحبین کا یہ کہنا کہ لفظ الحمد لله کو عرفاً خطبہ نہیں کہا جاتا۔ بلاشبہ اس کو عرفاً خطبہ نہیں کہا جاتا مگر لفظ خطبہ کہا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے اس شخص سے

وَمِنْ شَرَايِطِهَا الْجَمَاعَةُ لِأَنَّ الْجُمُعَةَ مُشْتَقَّةٌ مِنْهَا وَأَقْلَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ثَلَاثَةُ سَوَى الْإِمَامِ وَقَالَا إِنَّمَا سِوَاهُ قَالَ  
وَالصَّحِيحُ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَحَدَّثَهُ لَهُ أَنَّ فِي الْمَشَى مَعْنَى الْاِحْتِمَارِ وَهِيَ مُبْنِيَّةٌ عَنْهُ وَلَهُمَا أَنَّ الْجَمْعَ  
الصَّحِيحَ إِنَّمَا هُوَ الثَّلَاثُ لِأَنَّهُ جَمْعٌ تَسْمِيَةٌ وَمَعْنَى وَالْجَمَاعَةُ شَرْطٌ عَلَى حَدِّهِ وَكَذَا الْإِمَامُ فَلَا يُعْتَرُ مِنْهُمْ

تشریح جماعت، ہا اتفاق جمعدن شرط ہے، ابستہ افردی قعداد میں ختلاف سبب۔ پن نچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے ملوہ کہ از  
متمین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

عدد جمعیت کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے لغوی معنی جمع ہونے کے ہیں اور دو میں اجتماع کے معنی موجود ہیں۔ یہی طور کہ اس میں ایک کا دوسرے کے ساتھ اجتماع ہوتا ہے۔ پس جب جمعہ کے لغوی معنی دو کے عدد سے متحقق ہو گئے تو امام کے یہ وعدہ آدمیوں کا ہونا جواز جمعہ کے لئے کافی ہے۔

صرفین و دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ جموعاً اجتماع کے معنی پر دلالت کرتا ہے لیکن باری تعالیٰ کے قول **فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** میں **وَاسْعَوْا** کے ذریعہ خطاب جمع سے ہے، یعنی خطاب کے لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور جمع صحیح کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے کیونکہ تین کا عدد عام اور معنی دونوں اعتبار سے جمع ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ عام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

[illegible]

میں جمع تین افراد کا متقاضی ہے اور البی ذکیر اللہ ایک ذاکر (امام) کا متقاضی ہے۔ پس آیت سے چار آدمیوں کا ہونا ثابت ہوا۔ یعنی ایک امام ہو اور اس کے علاوہ تین مقتدی ہوں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام کا شمار ان تین میں نہیں ہوگا بلکہ امام کے علاوہ تین آدمیوں کی جماعت کا ہونا شرط جمعہ ہے۔

امام کے رکوع اور سجدہ سے پہلے لوگ چل دیئے اور صرف عورتیں اور بچے

رہ گئے تو ظہر کی نماز کا کیا حکم ہے۔۔۔ احوال فقہاء

وَلَا يَنْصَرُّ النَّاسُ قَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ الْإِمَامُ وَيَسْجُدَ إِلَّا السَّاءُ وَالصَّيَّانُ اسْتَقْبَلَ الظُّهَرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا إِذَا نَعَرُوا عَنْهُ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ صَلَّى الْجُمُعَةَ فَإِنْ نَعَرُوا عَنْهُ بَعْدَ مَا رَكَعَ وَسَجَدَ سَجْدَةً بَنَى عَلَى الْجُمُعَةِ خِلَافًا لِرَفَرَهُ يَقُولُ إِنَّهُ شَرَطُ فَلَا بُدَّ مِنْ دَوَامِهِ كَلَوْ قُتِ وَلَهُمَا أَنْ الْجُمَاعَةَ شَرَطُ الْإِنْعِقَادِ فَلَا يَشْتَرِطُ دَوَامُهَا كَالْحُطْبَةِ وَالْأَبِيُّ حَنِيفَةَ أَنَّ الْإِنْعِقَادَ بِالشَّرُوعِ فِي الصَّلَاةِ وَلَا يَتِمُّ ذَلِكَ إِلَّا بِتِمَامِ الرُّكْعَةِ لِأَنَّ مَا دُونَهَا لَيْسَ بِصَلَاةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ دَوَامِهَا إِلَيْهَا بِخِلَافِ الْمُحْطَبَةِ فَإِنَّهَا تَأْتِي الصَّلَاةَ فَلَا يَشْتَرِطُ دَوَامُهَا وَلَا مُعْتَبَرٌ بِبَقَاءِ السَّائِرِينَ وَكَذَا الصَّيَّانُ لِأَنَّهُ لَا تَعَقُّدَ بِهِمُ الْجُمُعَةُ فَلَا يَتِمُّ بِهِمُ الْجُمَاعَةُ

ترجمہ اور اگر امام کے رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے لوگ چل دیئے ملاوہ عورتوں اور بچوں کے تو ابو حنیفہ کے نزدیک امام ازمہ نو ظہر پڑھے اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ اگر امام کے نماز جمعہ شروع کرنے کے بعد لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو امام جمعہ پڑھے اور شروع اور ایک سجدہ کرنے کے بعد امام کو چھوڑ بھاگے تو امام جمعہ پر بناء کرے برخلاف امام زفر کے امام زفر فرماتے ہیں کہ جماعت تو شرط ہے لہذا اس کا آخر تک برابر رہنا ضروری ہے جیسے وقت۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے۔ اس لئے جماعت کا آخر تک رہنا شرط نہیں ہے جیسے خطبہ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کا انعقاد نماز شروع کر کے ہوتا ہے ورنہ انعقاد پورا نہیں ہوگا مگر ایک رکعت پوری کرنے سے کیونکہ ایک رکعت سے کم تو نماز ہی نہیں ہے اس لئے ایک رکعت تک جماعت کا دوام ضروری ہے۔ برخلاف خطبہ۔ کیونکہ خطبہ تو نماز کے منافی ہے پس خطبہ کا رکعت تک دوام شرط نہیں ہوا اور عورتوں اور بچوں کے ہٹنے کا چھ اعتبار نہیں۔ اس سے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ جمعہ منعقد نہیں ہوتا۔ پس ان کے ساتھ جماعت (ن شرط بھی) پوری نہ ہوگی۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز جمعہ شروع کرنے سے پہلے لوگ امام کو تہہ چھوڑ کر فرار ہو گئے تو بالا جماع امام ظہر کی نماز پڑھے جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اگر نماز جمعہ شروع کرنے کے بعد امام کے رکوع اور سجدہ کرنے سے پہلے لوگ امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو امام صاحب کے نزدیک امام اس صورت میں بھی ازمہ نو ظہر پڑھے و صاحبین کے نزدیک امام جمعہ پر بناء کرنے یعنی جمعہ ہی کی نماز پڑھے ظہر پڑھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ و اگر امام کے رکوع اور ایک سجدہ کرنے کے بعد لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو امام صاحب (ابو حنیفہ، صاحبین) کے نزدیک جمعہ پر بناء کرے۔ یعنی جمعہ کی نماز پوری کرے۔ و امام زفر کے نزدیک اس صورت میں بھی سجدہ پڑھے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ جماعت اور جمعہ کی شرط ہے جیسے وقت شرط ادا ہے پس جس طرح وقت کا ول تا آخر پایا جانا ضروری ہے اسی طرح اول تحریمہ سے آخر تک جماعت کا پایا جانا ضروری ہے مذکورہ صورت میں چونکہ اول تا آخر جماعت نہیں پائی گئی بلکہ درمیان میں

جماعت فوت ہوئی۔ اس لئے جمعہ فاسد ہو جائے گا اور امام پر ظہر پڑھنا لازم ہوگا۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت کا ہونا ادا کے جمعہ کی شرط نہیں ہے بلکہ جمعہ منعقد ہونے کی شرط ہے جیسے خطبہ انعقاد جمعہ کی شرط ہے۔ اور شرط انعقاد کا اول تا آخر پایا جائے ضروری نہیں ہوتا بلکہ منعقد ہونے کی حد تک پایا جائے ضروری ہے۔ اس کے بعد ضروری نہیں۔ پس جب تک یہ کہ وقت جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا۔ اس کے بعد جماعت کا باقی رہنا شرط نہیں ہے۔ لہذا انعقاد جمعہ کے بعد جماعت کے فوت ہونے سے جمعہ فوت نہیں ہوگا۔ اور جب جمعہ فوت نہیں ہوا تو امام اسی کو پورا کر کے ظہر کی نماز نہ پڑھے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے جیسا کہ تم بھی کہتے ہو لیکن نماز کا انعقاد نماز شروع کرنے سے ہوتا ہے اور نماز کا اطلاق ایک رکعت مکمل ہونے سے ہوگا کیونکہ ایک رکعت سے کم ہونا نہیں جائز ہے کیونکہ ایک رکعت سے کم ہونا نہیں جائز ہے۔ چھوڑ دیا تو وہ لا یتطلوا اعمالکم کے تحت نہیں آتا۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ جماعت انعقاد جمعہ کی شرط ہے اور جمعہ منعقد ہوتا ہے نماز جمعہ شروع ہونے سے اور نماز کا اطلاق کم از کم ایک رکعت پر ہوتا ہے تو کیا نماز جمعہ ایک رکعت پوری ہونے سے شروع ہوئی۔ پس ایک رکعت پوری ہونے تک جماعت کا پایا جانا شرط ہوگا۔ اور رکعت پوری ہوتی ہے رون ورجہ دے تو پہلی رکعت کے رون ورجہ تک اگر جماعت پائی گئی تو جمعہ منعقد ہو گیا۔ اب امام کے رون ورجہ کرنے کے بعد ٹوکے جائے۔ اور جماعت فوت ہو گئی تو جمعہ فوت نہیں ہوگا۔ اور اگر اس سے پہلے بھاگے تو جماعت فوت ہو جائے گی تو چونکہ نماز جمعہ منعقد ہونے سے پہلے شرط انعقاد یعنی جماعت ہو گئی اس لئے جمعہ فی سبب ہو جائے گا اور امام پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا۔ رہا یہ کہ خطبہ جمعہ کی انعقاد جمعہ کی شرط ہے لیکن ایک رکعت پوری ہونے تک اس کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ خطبہ جمعہ انعقاد جمعہ کی شرط ہے مگر چونکہ خطبہ نماز کے منافی ہے۔ اگر نماز میں خطبہ پڑھا دیا تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے ایک رکعت پوری ہونے تک اس کی بقاء شرط قرار نہیں دی گئی۔

سبب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ کو چھوڑ کر رک فرائض اور عورتیں اور بچے باقی رہ گئے تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ تنہا عورتوں اور بچوں سے جب جمعہ منعقد نہیں ہوتا تو ان کے ساتھ شرط جماعت جی پوری نہ ہوں۔

فوائد صاحب کی دلیل پر ایک اشکال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جب ایک رکعت سے کم سے نماز منعقد نہیں ہوتی تو نفل شروع کرنے سے قضا واجب نہ ہوتی چاہئے۔ جب تک کہ رکعت تک یہ ضروری نہ ہو۔

جواب رکعت سے کم نماز میں اوجاست ہیں۔ اول یہ کہ خطبہ پڑھا گیا پس اس جہت سے قضا نماز ہے اور چونکہ نماز کا مقرات ورون ہو گا ہے یہ نہیں پڑھا تو اس جہت سے نماز نہیں پھر نفل قز نے کے مسئلہ میں ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اول جہت کا اعتبار کر کے قضا واجب کی کہ اس میں بالیقین تصور ہے صحیح آیا۔ اور جمعہ کے مسئلہ میں ہم نے دوسری جہت کا اعتبار کیا۔ کیونکہ ظہر پڑھنے سے بالیقین قضا ادا ہوگا۔

### کن افراد پر جمعہ فرض نہیں

وَلَا يَجِبُ الْحُمْفَةُ عَلَى مَسَاكِينٍ وَلَا أَمْرًا وَلَا مَرِيضٍ وَلَا سَدْرًا عَمِيٍّ لَّأَنَّهُ سَبَّحَ بِحَرْجٍ فِي الْحَضَرِ وَكَدَّ

الْمَرِيضُ وَالْأَعْمَى وَالْعِنْدَ مَسْغُورٍ بِحَدْمَةِ الْمَوْلَى وَالْمُرُفُ بِحَدْمَةِ الرُّوحِ فَعَدِّرُوا أَدْفَعَالِ الْحَرَجِ وَالصَّرَدِ

ترجمہ اور جمعہ الپ نہیں ہی مسافر پر اور نہ عورت پر اور نہ غلام پر اور نہ اندھے پر کیونکہ مسافر کو ضروری جمعہ سے حرج نہیں اور عورت پر اور نہ غلام پر آپنا حق کی خدمت میں مشغول ہے اور عورت اپنے شاہر کی خدمت میں مشغول ہے۔  
ہیں یہ کہ حرج اور نہ روئے ہوئے ہے، ہے معذور قرار دیتے ہیں۔

تشریح: اہل بیتؑ میں فریاد واجب ہے نہ عورت پر نہ یہاں نہ مہینہ وار نہ ناچینا نہ میل یہ ہے کہ مسافر بیمار اور تائبین و جمہور میں جائز ہے نہ نیک نہ حق نہ کا اور عام اپنے آقا کی خدمت میں اور عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول ہے۔ پس حرج اور ضرر و دور کرنے کے لئے ان حضرات کو حائضہ کی جماعت سے معذور قرار دیا گیا۔

جن پر جمعہ فرض نہیں اگر انہوں نے جمعہ پڑھا تو وقتی فرض ادا ہو جائے گا

فَإِنْ حَصَرُوا فَاصْذُوبُوا مَعَ النَّاسِ أَنْحَرَاهُمْ عَنْ فَرَصِ الْوَقْتِ لِأَنَّهُمْ تَحْمِلُونَهُ فَنَارُوا كَالْمُسَافِرِ إِذَا ضَامَ

ترجمہ: بچہ یہ دیکھ کر حاضہ ہوئے اور انہوں نے دُعا کی۔ ساتھ ہی ہوا تو اس وقت کے فرض سے ان کو جمعہ کافی ہو گیا۔ کیونکہ ان دُعاؤں نے عین اور شہادت و برداشت یا تو ایسے مسافر کے مانند ہو گئے جس نے روزہ رکھا۔

تشریح: لیکن وہاں جو جمعہ سے معذرتہ روز یا ایسا ہے اور انہوں نے جمعہ میں حاضر ہو کر لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو ان کا فریضہ وقت ادا ہو گیا۔ لیکن یہ ہے کہ ان دنوں سے جمعہ کا ساقط ہونا کسی ایسے معنی کی وجہ سے نہیں تھا جو نماز میں پایا جائے بلکہ ان سے حرج اور ضرر دور کرنے کے لئے فریضہ جمعہ ان سے ٹھالی گئی ہے۔ لیکن جب ان لوگوں نے حرج اور مشقت کو برداشت کیا اور ہمت کر کے نماز جمعہ دہرائی تو یہ دن ان مسافر کے ہند ہوا گئے جس نے حالت سفر میں روزہ رکھا۔ حالانکہ بظاہر مشقت مسافر کو رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو بڑا ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ اس نے مقیم کی بنیست زیادہ مشقت اٹھائی۔ اسی طرح اگر ان دنوں سے مشقت بھاری جمعہ کی نماز پر حرجی تو جائز ہے۔

کون کون جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے

وَبَحُورٌ لِلْمَسَافِرِ وَنَعْدٌ وَالْمَرِيضِ أَنْ يَوْمَ فِي الْجُمُعَةِ وَقَالَ زُفَرٌ لَا يُجْزِيهِ لِأَنَّهُ لَا فَرَضَ عَلَيْهِ فَأُشْبِهَ الصَّبِيَّ  
وَالْمَرْأَةَ وَلَمَّا أَنَّ هَذِهِ رُحَصَةٌ فَإِذَا حَضَرُوا يَقَعُ فَرَحًا عَلَى مَا يَأْتِي مَا الْقِسِيُّ فَمَسْلُوبُ الْأَهْلِيَّةِ وَالْمَرْأَةُ لَا تَصُحُّ  
لِلْإِمَامَةِ الرَّحَالِ وَتُعْقِدُ بِهِمُ الْجُمُعَةَ لَا تَهْمُ صَلَاحُ الْإِمَامَةِ فَيَصْلُحُونَ لِلْإِقْتِدَاءِ بِطَرِيقِ الْأُولَى

ترجمہ اور مسلمانوں کے لئے جو میں امام بننا چاہتا ہوں۔ اور امام زعفران نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ پس (جہاں) چاہے اور عورت سے مشابہ ہو یا مرد بہاری، میل یہ ہے کہ یہ فرض نہ ہونا رخصت ہے۔ لیکن جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو یہ نماز فرض واقع ہوئی جیسے کہ تم نے بیان کیا ہے۔ رہا بچہ (اس میں) امامت کی اہلیت نہیں ہے۔ اور عورت مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور مسلمانوں کے لئے جو میں امام بننا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ امامت کے لائق ہیں پس اقتداء کے واسطے

بطریق اولیٰ لائق ہوں گے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ مسافر بچہ اور غلام پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے لیکن ان کو جمعہ میں امام بنانا جائز ہے۔ امام شافعی کا اس قول بھی یہی ہے۔ امام زفر نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کسی کا امام جمعہ ہونا جائز نہیں ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ فرض نہ ہونے میں یہ تینوں نابالغ بچہ اور عورت کے مشابہ ہیں پس جس طرح بچہ اور عورت کی امامت جمعہ جائز نہیں ہے اسی طرح ان کی امامت بھی جائز نہ ہوگی۔

بہارنی دلیل یہ ہے کہ مسافر غلام اور بچہ پر جمعہ کا فرض نہ ہونا بطور رخصت ہے یعنی جمعہ تو ہر ایک پر فرض ہیں سے کیونکہ خطاب ”اذنودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ عام ہے لیکن مسافر وغیرہ کو حرج دور کرنے کے لئے جمعہ میں حاضر نہ ہونے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ مگر جب یہ لوگ آدا جمعہ کے لئے حاضر ہو گئے اور حرج ضرر کی مشقت برداشت کر لی تو یہ نماز فرض ہوئی نہ کہ نفل جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ پس جب مسافر وغیرہ کی نماز جمعہ فرض واقع ہوئی تو ان کو امام بنانا بھی جائز ہوگا۔ رہا بچہ اور عورت پر قیاس تو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نابالغ بچہ میں امامت کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ اور امامت کی ہدیت اس لئے نہیں کہ خطاب ہری اس کو شامل نہیں ہے پس جب بچہ امامت کی اہلیت ہی نہیں رکھتا تو اس کو امام بنانا کیسے درست ہوگا۔ اور ہری عورت تو اس میں عورتوں کی امامت کی اہلیت تو ہے مگر مردوں کی امامت کی اہلیت نہیں ہے تو عورت کو مردوں کی امامت کا حکم جواز بھی حاصل نہ ہوگا۔ حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ مسافر غلام اور بچہ کی امامت جمعہ تو درست ہے لیکن اگر جمعہ منعقد کرنے کے لئے فقط یہ لوگ اس تعداد کے مطابق بھی ہوں جس تعداد سے جمعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ تو جمعہ منعقد نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے امام شافعی کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ مسافر غلام اور بچہ کے جمع ہونے سے جماعت جمعہ منعقد ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ جب یہ لوگ امامت کے لائق ہیں تو اقتداء کے لائق بدرجہ اولیٰ ہوں گے۔

کسی نے جمعہ کے دن ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی اور کوئی عذر مانع بھی نہیں تھا۔

تو ایسا کرنا مکروہ ہے آیا ظہر کی نماز ہوئی یا نہیں، اقوال فقہاء

وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَلَا عُذْرَ لَهُ كَرِهَ لَهُ ذَلِكَ وَجَازَتْ صَلَاتُهُ وَقَالَ رُفْرُو لَا جُزْأَ لَهُ لِأَنَّ عِندَهُ الْجُمُعَةُ هِيَ الْفَرِيضَةُ أَصَالَهُ وَالظُّهْرُ كَالْبَدَلِ عَنْهَا وَلَا مَصِيرَ إِلَى الْبَدَلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ وَمَا أَصْلُ الْفَرِيضِ هُوَ الظُّهْرُ فِي حَقِّ الْكَافَّةِ هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِإِسْقَاطِهِ بِإِدَارِ الْجُمُعَةِ وَهَذَا لِأَنَّهُ مُمْكِنٌ مِنْ أَدَاءِ الظُّهْرِ بِنَفْسِهِ دُونَ الْجُمُعَةِ لِتَوْفِيقِهَا عَلَى شَرَابِطٍ لَا يَتِمُّ بِهِ وَحْدَهُ وَعَلَى الْمُتَمَكِّنِ بِدَوْرِ التَّكْيِيفِ

ترجمہ اور جس شخص نے جمعہ کے روز اپنی امت میں نماز سے پہلے ظہر پڑھ لیا، اگر اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے تو اس سے حق نہیں ہے۔ اور اگر امام زفر سے کہے جائیں کہ یہ نہیں ہے۔ کیونکہ امام زفر کے نزدیک یہی صلی فرض تو ہے اور ظہر اس سے بدتر ہے۔ اور اصل یہ قدرت ہے کہ اس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ اور یہی دلیل یہ ہے کہ تمام کے حق میں

فرض اصلی تو نہیں ہے۔ یہی ظاہر ہے مگر جمعہ اور کر کے اس کو ماقہ کردینے کا حکم دیا گیا ہے اور ظہر کا اصل ہونا اس سے ہے کہ شخص ظہر واداء کرنے پر بندہ خود قادر ہے نہ کہ اسے جمعہ پر کیونکہ جمعہ ایسی شے ہے پر موقوف ہے جو تہا آدمی ہے ساتھ پوری نہیں ہوتی۔ حالانکہ قدرت ہی پر مکلف ہونے کا مدد ہے۔

**تشریح** صورت مسند یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعہ کے دن امام نے نماز جمعہ پڑھانے سے پہلے اپنے گھر میں نماز جمعہ پڑھی۔ حالانکہ اس دعویٰ حذر بھی نہیں ہے تو اس کی یہ نماز چار نماز ہو گئی نہیں ٹکڑی ہے۔ اور امامزقہ نے فرمایا ہے کہ نماز نہیں ہوئی یہی امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ ہی اصلاً فرض ہے۔ اور ظہر اس کا بدل ہے کیونکہ نماز جمعہ کی طرف بھی کا مکیا گیا ہے اور جب تک جمعہ فوت نہ ہو جائے ظہر پڑھنے سے منع کیا گیا ہے پس نماز جمعہ کا معرکہ ہوا اور ظہر کا ممنوع ہونا نماز جمعہ کے فرض اصلی ہونے کی دلیل ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ جب تک اصل پر قدرت ہو تو بدل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ لہذا نماز جمعہ پر قادر ہونے کی صورت میں ظہر کا ادا کرنا درست نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اصلاً تو ظہر فرض ہے جیسا کہ اوپر ہے یہ میں نماز فرض ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول **أَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ حِينَ تَرَوْنَ السَّمْسَ** ہے۔ پھر طور کہ حدیث مطلق ہے کی دن کی تخصیص نہیں ہے۔ لہذا زوال شمس کے بعد تمام یہ میں بالاستشاف ظہر کا وقت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تکلیف بحسب قدرت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے **لَا يَكْلَفُ اللَّهُ بَعْسًا الْأَوْسَعَهَا** اور اس وقت کے نماز کا مکلف بذات خود ظہر ادا کرنے پر قادر ہے نہ کہ جمعہ ادا کرنے پر کیونکہ جمعہ ہی شریعت پر موقوف ہے جو تہا ایک آدمی کے ساتھ پوری نہیں ہوتی مثلاً امام کا ہونا جماعت کا ہونا وغیرہ پس جمعہ کا مکلف نہ تکلیف، یہ حق کے قبیل سے ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جمعہ کے دن جمعہ دائرے ظہر کی نماز ماقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس قدرت ہے۔ اور جمعہ کے احکام اس کے ظہر ادا کرنا جائز کر رہا ہے۔

**ظہر پڑھنے والا جمعہ کی طرف چل پڑے تو ظہر باطل ہو جائے گی یا نہیں، اقوال فقہاء**

**فَإِنْ بَدَأَ لَهُ أَنْ يَحْضُرَ مَا تَوَجَّهَ إِلَيْهَا وَ لَأَمَامَ فِيهَا نَظَلَ ظُهُرُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِالسَّعْيِ وَقَالَ لَا يَبْطُلُ حَتَّى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ لِأَنَّ السَّعْيَ دُونَ الظُّهْرِ فَلَا يَنْقُصُهُ بَعْدَ تَمَامِهِ وَ لِحُمُومَةٍ فَوَلَّيْتُهَا فَيَقْصُصُهَا وَ صَارَ كَمَا إِذَا تَوَجَّهَ بَعْدَ فَرَاعِ الْإِمَامِ وَلَهُ أَنْ السَّعْيَ إِلَى الْحُمُومَةِ مِنْ حَضَائِرِ الْحُمُومَةِ فَيَرْكُزُ مَرَّتَهَا فِي حَقِّ ارْتِقَاصِ الظُّهْرِ إِنْ خِطَا بِحِلَافٍ مَا بَعْدَ الْفَرَاعِ مِنْهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِسَعْيٍ إِلَيْهَا**

**ترجمہ** پھر اگر اس کی رائے میں ظاہر ہوا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے پس جمعہ کی طرف متوجہ ہوا حال یہ کہ امام نماز جمعہ میں سے قدام ابو حنیفہ کے نزدیک چلنے کے ساتھ ہی اس کی ظہر باطل ہو جائے گی اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ ظہر باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ اصل ہو جائے کیونکہ سعی ظہر سے کٹے تو ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ لہذا جمعہ ہی سے نہ کٹے گا۔ اور جمعہ نہیں سے بڑھتا ہے۔ یہ بعد از قیاس ہے اور ایسا ہو گیا جیسے امام کے فارغ ہونے کے بعد ہر کسی کی طرف متوجہ ہو۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ سعی الی الجمعۃ بعد از قیاسیات میں سے ہے پس ظہر قورنے کے حق میں استیحا سعی و جمعہ کے ساتھ میں تاربا ہونے کا برخلاف ہے کہ امام جمعہ

سے فارغ ہو گیا ہے اس لئے کہ یہ جمعہ کی طرف سعی کرنا نہیں ہے۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس نے جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر پڑھی درانحالیکہ ابھی تک نماز جمعہ ادا نہیں کی تھی۔ پھر اس کو خیال آیا کہ نماز جمعہ میں شرکت کرنی چاہئے۔ اس ارادہ کے ساتھ یہ شخص جامع مسجد صرف چھدیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یہ تو یہ امام کی ساتھ نماز جمعہ میں شریک ہو جائے گا یا شریک نہ ہو سکے گا۔ اگر اس نے امام کے ساتھ نماز جمعہ کو پالپ تو اس کی نماز ظہر باطل ہو جائے گی اور نفل میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور اگر یہ شخص جمعہ کے لئے روانہ تو اس وقت ہو تھا جبکہ امام نماز جمعہ میں تھا سینہ سر کے پہنچتے پہنچتے امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا اور یہ شخص نماز جمعہ کو امام کے ساتھ نہیں پاسکا تو اس بارے میں امام الہمام قدوة انما انما کا مذہب یہ ہے کہ ہر سے چھنے کے ساتھ ہی اس کی نماز ظہر باطل ہو گئی اب چونکہ اس کو نماز جمعہ تو طل نہیں مکی اور ادا کی ہوئی ظہر باطل ہوئی اس سے نماز ظہر اعادہ کرے۔ اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ محض چھنے سے ظہر باطل نہ ہوگی بلکہ نماز جمعہ میں شرکت کرنے سے باطل ہوگی۔ حتیٰ اس شخص کے پہنچنے سے پہلے ہی اگر امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا تو اس کی ظہر باطل نہ ہوگی۔ ہاں اگر امام کے ساتھ نماز جمعہ کے کسی حصہ میں شریک ہو گیا تو اس کی ظہر باطل ہو جائے گی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ سعی الی الجمعہ چونکہ بذاتہ مقصود نہیں ہے بلکہ ادا جمعہ کا وسیلہ ہے اور ظہر فرض مقصود ہے۔ اس لئے سعی ان الجمعہ بہ نسبت ظہر کے دینی اور کمتر ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ سعی اونی کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا اس لئے محض سعی ان الجمعہ سے ظہر باطل نہیں ہوگی اور جمعہ چونکہ ظہر سے اعلیٰ اور برتر ہے اس لئے جمعہ کی نماز ظہر کو باطل کرے گی۔ رہا یہ کہ جمعہ اعلیٰ کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سمع و شریعت اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کو ساقط کر کے جمعہ ادا کیا جائے پس جمعہ کی وجہ سے ظہر کا ساقط ہونا جمعہ کے اعلیٰ اور برتر ہونے کی دلیل ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ ایسا ہو گیا جیسے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد جمعہ کی طرف متوجہ ہوا کہ اس صورت میں بال تفاق سعی ظہر کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ بیکار سعی ہے سی طرح سعی الی الجمعہ ظہر کو اس صورت میں باطل نہیں کرے گی جبکہ سعی لی الجمعہ رتے وقت امام نماز جمعہ میں تھا لیکن اس کے پہنچنے تک امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ سعی یعنی جمعہ کے لئے چلنا جمعہ کے خصائص میں سے ہے۔ کیونکہ جمعہ ایسی نماز ہے جس کو ہم جگہ ادا نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے واسطے مخصوص مکان کا ہونا ضروری ہے لہذا بغیر سعی لی الجمعہ کے جمعہ کا ادا کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ پس ثابت ہو گیا کہ سعی الی الجمعہ، جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جب سعی جمعہ کے خصائص میں سے ہے تو سعی الی الجمعہ، جمعہ کے مرتبہ میں ہوگی۔ پس جس طرح ظہر ادا کرنے کے بعد نماز جمعہ میں شریک ہونا ظہر کو باطل کر دیتا ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کی طرف سعی کرنا بھی ظہر کو باطل کر دے گا۔ بشرطیکہ جس وقت سعی کی ہے اس وقت امام نماز جمعہ میں ہو۔ اس کے برخلاف اگر امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کی تو یہ سعی ظہر کو باطل نہیں کرے گی۔ کیونکہ یہ سعی جمعہ کے مرتبہ میں نہیں ہے اور جمعہ کے مرتبہ میں اس لئے نہیں کہ یہ جمعہ کی طرف سعی نہیں ہے۔

امام صاحب اور صاحبین کے درمیان شرف اختلاف اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک شخص اپنے گھر میں ظہر ادا کرنے کے بعد جمعہ سے اس وقت چلا جبکہ امام نماز جمعہ میں مشغول ہے سینہ سر کے پہنچنے تک امام نماز جمعہ سے فارغ ہو گیا۔ تو امام صاحب کے یہاں چونکہ سعی الی الجمعہ سے ظہر باطل ہوئی ہے اس لئے ظہر کا اعادہ کرے اور صاحبین کے نزدیک چونکہ ظہر باطل نہیں ہوئی اس لئے





نقصہ نے فرمایا ہے کہ تم جس قدر پیاؤ اس کو پڑھو اور جو فوت ہوئی اس کی قضا کرو۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعہ کے دن امام و نماز جمعہ میں پایا اور دوسری رکعت سے روئے میں امام کے ساتھ شریک ہو کر قضا یا تحقق یہ شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے اور ایک رکعت جو فوت ہوئی اس کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرے اس کی یہ نماز جمعہ نماز شمار ہوگی نہ کہ ظہر کی۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مَا أَذْرُكُمْ كُنْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَانَكُمْ فَاقْضُوا۔ حدیث کے اندر صاحب حدیث کی مراد ہے مَا فَانَكُمْ مِنْ صَلَوةِ الْإِمَامِ۔ کیونکہ مَا أَذْرُكُمْ كُنْتُمْ فَصَلُّوا اس معنی میں صَلَوةِ الْإِمَامِ جتنی امام کی نماز کا جو حصہ پایا اس کو پڑھو۔ اور جو حصہ فوت ہو گیا اس کو قضا کرو۔ جتنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھو یہ بات ظاہر ہے کہ امام کی نماز کا جو حصہ فوت ہو گیا ہے وہ جمعہ ہے۔ لہذا امتدادی جمعہ ہی پڑھے گا نہ کہ اور دوسری نماز۔

اگر امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو جمعہ کی بنا درست ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَأِنْ كَانَ أَذْرَكَ فِي الشَّهْرِ أَوْ فِي سَحْوَةِ الشَّهْرِ نَسِيَ عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِدَهُمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ أَذْرَكَ مَعَهُ أَكْثَرَ الرُّكْعَةِ النَّبِيَّةِ نَسِيَ عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَإِنْ أَذْرَكَ أَقْلَهَا نَسِيَ عَلَيْهَا الظُّهْرَ لِأَنَّهُ جُمُعَةٌ مِنْ وَجْهِ ظُهُرٍ مِنْ وَجْهِ لِقَاةِ نَعِيسِ الشَّرِيطِ فِي حَقِّهِ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا غَيْرَ مُتَعَدٍّ وَلَا مَحَالَةَ عَلَى رَأْسِ الرُّكْعَتَيْنِ إِغْتَارَا الْجُمُعَةَ وَيَقْرَأُ فِي الْأَخْرَافِ لَا حِمَاةَ الْقَلْبِ وَلَهُمَا أَنَّهُ مَذْرُوكٌ لِلْجُمُعَةِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ حَتَّى يُشْتَرِطَ نِيَّةُ الْجُمُعَةِ وَهِيَ رَكْعَتَانِ وَلَا وَحْدَةً لِمَا ذَكَرَ لِأَنَّهُمَا مُخْتَلِفَتَانِ فَلَا يَتَنَبَّأُ أَحَدُهُمَا عَلَى تَحْرِيمَةِ الْآخِرِ

ترجمہ اور اگر امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پایا ہے تو اس پر جمعہ کی بنا کرے۔ اور اگر دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو اس پر ظہر کی بنا کرے۔ کیونکہ اس کی یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں بعض شرطیں فوت ہو گئیں۔ پس ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعت پر بالیقین بیٹھے اور آخر کی دو رکعتوں میں قرأت کرے نفل کا احتمال ہونے کی وجہ سے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس حالت میں وہ جمعہ کا پانے والا ہے حتیٰ کہ اس پر جمعہ کی نیت کرنا شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور جمعہ دوسری رکعت ہے۔ اور جو امام محمد نے ذکر کیا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں نمازیں مختلف ہیں اس لئے ایک کو دوسرے کے تحریم پر مبنی نہیں کر سکتے۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے امام کو نماز جمعہ کے تشہد میں پایا یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک یہ شخص جمعہ کی نماز پوری کرے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر اس نے اکثر رکعت ثانیہ کو پایا مثلاً دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو گیا تو جمعہ کی نماز پوری کرے اور اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہیں پایا مثلاً رکوع کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا تو ظہر کی نماز پوری کرے۔ یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ تشہد یا سجدہ سہو میں امام کے ساتھ شریک ہونے والے کی یہ نماز من وجہ جمعہ ہے اور من وجہ ظہر ہے جمعہ تو اس لئے ہے کہ جمعہ کی نیت کرنا ضروری ہے اور ظہر اس لئے کہ اس کے حق میں جمعہ کی بعض شرطیں مثلاً جماعت فوت ہو چکی ہے کیونکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ شخص تنہا نماز جمعہ ادا کرے گا۔ پس اس شخص کی نماز جب ایک اعتبار سے جمعہ ہے اور ایک اعتبار سے ظہر۔ تو ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے دو رکعت پر بالیقین بیٹھے۔ اور

چونکہ آخری دو رکعتوں میں نفل ہونے کا احتمال ہے اس لئے ان میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ ساری قرأت بھی رہے۔ امام محمد نے مذہب کی تائید شارح نقایہ مدعی قری کی پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ سے بھی ہوتی ہے حدیث کے الفاظ میں: **مَنْ أَدْرَكَ اسْتِرْكَوعَ مِنَ الرَّكْعَةِ إِلَّا حَيْرَةً يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا الْآخَرَى وَمَنْ لَمْ يَدْرِكِ الرَّكْعَةَ مِنَ الرَّكْعَةِ إِلَّا حَيْرَةً فَلْيُضِلَّ الصُّبْرَ رُحَا** یعنی جس نے جمعہ کے اس دوسری رکعت کا رکوع پایا تو اس نے ہاتھ دوسری رکعت ملائے اور جس نے دوسری رکعت کا رکوع نہیں پایا تو ٹکڑی چار رکعت پڑھے۔

شخص کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص اس حالت میں جمعہ کا پانے والا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے جمعہ کی نیت کرنا شرط ہے۔ اگر جمعہ کی نیت نہ ہو تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوں۔ حاصل یہ کہ شہد یا جدہ ہو میں امام کے ساتھ ٹریک ہو کر اس نے جمعہ کو پایا ہے اور جمعہ پانے والا جمعہ کی امام کے ٹکڑے اور جمعہ کی چونکہ دو رکعت ہیں۔ اس لئے یہ شخص دو رکعت پڑھے گا نہ کہ چار رکعتیں۔ رہا امام محمد کا: **نظر احتیاط جمعہ اور ظہر دونوں پر عمل کرنا سواہ غلط ہے۔** کیونکہ جمعہ اور ظہر دو مختلف نمازیں ہیں۔ ہذا ان میں سے ایک کا دوسرے کی تحریم پر بنا کرنا اس طرح درست ہوگا۔ شخص کے مذہب کی تائید ابو ہریرہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے **قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُجِئْتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوا تَسْعُونَ وَأَتُواهَا وَعَلَيْكُمْ الشَّكِيَّةُ فَمَا دَرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا أَوْفَى لَفْظٍ فَافْصَلُوا** یعنی جب نماز جمعہ قلم کی جائے تو اس کی طرف دوڑ کر مت آؤ بلکہ وقار اور سکون کے ساتھ آؤ پس جو تم نے (امام کے ساتھ) پایا اس کو پڑھو اور جو فوت ہو گیا اس کی قضا کر دو یعنی امام کے سامنے پھرنے کے بعد اس کو پورا کر لو۔ رہا امام محمد کی طرف سے پیش کردہ حدیث ابو ہریرہ کا جواب تو اس کو محمد ثین نے ضعیف کہا ہے۔ (عنایہ)

امام جب خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام ترک کریں گے یا نہیں، اقوال فقہاء

**وَرَدَا حَرَّحَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرْكَ النَّاسِ الصَّلَاةَ وَالْكَلامَ حَتَّى يَمْرُغَ مِنَ الْخُطْبَةِ قَالَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَفَالَا لَا بَأْسَ بِالْكَلامِ إِذَا حَرَّحَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ نَحْطُبَ وَإِذَا نَزَلَ قِيلَ أَنْ يُكَبِّرَ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِلْإِحْلَالِ بِفَوْضٍ لَا اسْتِمَاعَ وَلَا اسْتِمَاعَ هَذَا بِخِلَافِ الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا قَدْ تَمَّتْ وَلَا يُبَيِّنُ حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا حَرَّحَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَاةَ وَلَا كَلَامَ مِنْ غَيْرِ فَضَّلَ وَلِأَنَّ الْكَلامَ قَدْ يَمْتَدُّ طَعْنًا فَاشْبَهَ الصَّلَاةَ**

ترجمہ اور جب جمعہ کے روز امام نکلے تو لوگ نماز کو بھی چھوڑ دیں اور کلام کو بھی یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو مصنف نے کہا کہ یہ ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین نے کہا ہے کہ جب امام نکلے رہا یہ آیا تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جب منبر سے ترے تو تکبیر کہنے سے پہلے (کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) کیونکہ کراہت تو سننے کے فوس میں ختم کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہاں پہلے سنا نہیں ہے۔ برخلاف نماز کے کہ نماز بھی دراز ہو جاتی ہے۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب امام نکلے تو نہ نماز سے اور نہ کلام بغیر کسی تفصیل کے اور اس لئے کہ بھی کلام طبعاً دراز ہو جاتا ہے پس نماز کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جمعہ کے روز امام خطبہ دینے کے لئے جب اپنے حجرہ سے نکلا اور منبر کی طرف چلا تو

۱۔ مکہ مکرمہ میں پڑھیں اور نہ بات چیت کریں یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو۔ ہاں قصداً نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اسی صورت میں تو اس پر بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔ بعض نے کہا کہ مطلق کلام ممنوع ہے۔ خواہ تسبیح ہو یا غیر تسبیح۔ مصلحتاً زمین نے فرمایا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ کے بعد کبھی سے پہلے گفتگو اور کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ ان اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کلام فی نفسہ تو مباح ہے۔ لیکن خطبہ کے وقت کلام کرنا خطبہ کے غٹے میں خلل پیدا کرے گا۔ حالانکہ خطبہ کا سننا فرض ہے۔ پس چونکہ کلام فرض استماع (سننے) میں خلل پیدا کرتا ہے۔ اس لئے میں خطبہ کے وقت کلام کرنا ممنوع قرار دیا گیا اور یہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور خطبہ ختم کرنے کے بعد کبھی سے پہلے کسی چیز کا سننا فرض نہیں اس لئے ان دونوں وقتوں میں کلام و خلل اتنی پیدا نہ کرے گا۔ اور خلل پیدا نہیں ہوا تو ان دونوں اوقات میں کلام کرنا بھی ممنوع نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کبھی دراز ہو جاتی ہے مثلاً امام حجرہ سے نکل کر منبری طرف چلائے کسی نے اس وقت سنتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پس امام نے منبر پر چڑھ کر خطبہ شروع کر دیا اور ان صاحب کی سنتیں ختم نہیں ہوئیں تو اس صورت میں خطبہ سننے میں خلل واقع ہوا۔ اس لئے ہم نے ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی البتہ کلام کرنے کی اجازت دی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی دس ابن عمر اور ابن عباس کی روایت ہے عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَوةَ وَلَا كَلَامَ اس حدیث میں خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اس کے امام کے خطبہ کے واسطے جو سے نکلنے کے بعد صلوٰۃ وکلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور خطبہ ختم ہونے کے بعد بھی سے پہلے بھی صلوٰۃ وکلام کی ممانعت کی گئی۔

ابن تیمیہ دوسری حدیث اس کے معارض ہے وہ یہ ہے کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا نَزَلَ عَنِ الْمَرْكَبِ سَأَلَ النَّاسَ عَنْ حَوَائِجِهِمْ وَعَنْ أَسْعَادِ السُّوقِ ثُمَّ صَلَّى . یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر سے اترتے تو لوگوں سے ان کی ضروریات اور بازار کے بھانڈوں کے بارے میں دریافت فرماتے پھر نماز پڑھتے اس حدیث سے خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے کلام کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ جواب یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز کے اندر بھی کلام کرنا مباح تھا۔ اور خطبہ کے اندر بھی پھر ان دونوں حالتوں میں کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اس وجہ سے یہ حدیث حجت نہ ہوگی۔ صاحبین فی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نماز کی طرح کبھی کلام بھی دراز ہو جاتا ہے پس جس طرح خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ ختم ہونے سے بعد تکبیر سے پہلے نماز مکروہ ہے۔ اسی طرح ان اوقات میں کلام کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

بیع شراء اذان اول پر ختم کر دیں

وَإِذَا أَدَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَحَّهُوا إِلَى الْجُمُعَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ وَإِذَا صَعِدَ الْإِمَامُ الْمَسْرُورُ جَلَسَ وَأَدَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ بَيْنَ يَدَيِ الْمُنْبَرِ بِدَلِكْ جَرَى النَّوَارِثِ وَلَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَّا هَذَا الْأَذَانُ وَلِهَذَا قِيلَ هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي وَجُوبِ السَّعْيِ وَحُورَةِ السَّعْيِ وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْمُعْتَبَرُ هُوَ الْأَوَّلُ إِذَا كَانَ بَعْدَ لِرَوَائِ لِحُصُونِ الْإِعْلَامِ بِهِ

ترجمہ: اور جب مومنوں نے پہلی اذان سن کر لوگ خرید و فروخت کو چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اللہ کے ذکر کی طرف چلو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ اور جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھا تو مؤذن لوگ منبر کے سامنے اذان دیں۔ اسی فصل کے ساتھ توارث جاری ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہی اذان تھی۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ سعی واجب ہونے اور بیع حرام ہونے میں یہی اذان معتبر ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اذان اس معتبر ہے جبہ زوال کے بعد ہو۔ اس لئے کہ اعلان اسی کے ساتھ حاصل ہوگا۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن لوگ جب پہلی اذانیں تو بوقت خرید و فروخت کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ دیکھنا کہ قرآن کا قول اِذَا سُوِّدَ لِلصُّلُوِّ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ہے۔ صاحب قدوری نے مؤذن کو بیعت جمعہ سے کہنا کہ اذان جمعہ کے سلسلہ میں دعوت یہ تھی۔ بہت سے مؤذن اذان دیتے تاکہ ان کی آوازیں شہر کے اطراف و جواب میں پہنچ جائیں۔ یہی بات کہ وہ دن کی اذان ہے جس کے بعد بیع حرام و سعی واجب ہو جاتی ہے اس بارے میں اختلاف ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرمت بیع اور سعی الی الجمعہ کے وقت ہوئے میں وہ اذان معتبر ہے۔ جو امام کے حجرے سے نکلنے کے بعد منبر کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ عہد رسول اللہ ﷺ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں جمعہ کے لئے یہی اذان اصل تھی۔ پس جب خلیفہ سوم حضرت عثمان کے عہد مبارک میں وگوں کی کثرت ہو گئی تو اذان اول کو ایسا دیا گیا جس پر قرآن پاک میں جس اند کا ذکر آیا ہے اس سے اذان ثانی مراد ہے۔ نہ کہ اذان اول حسن بن زیاد امام ابو حنیفہ سے روایت کر کے فرماتے ہیں کہ حرمت بیع اور سعی الی الجمعہ میں اذان اول معتبر ہے۔ دیکھنا کہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اذان ثانی پر خرید اور فروخت چھوڑ کر سعی الی الجمعہ کرے گا تو جمعہ سے پہلے کی سنتیں فوت ہو جائیں گی خطبہ کا سننا فوت ہو جائے گا۔ اور اگر عہد جمعہ سے دور ہو تو جمعہ ہی فوت ہو سکتا ہے۔ اس لئے اذان اول ہی معتبر ہے۔ بشرطیکہ زوال کے بعد دینی گئی ہو کیونکہ مقصد اعلان اس سے حاصل ہو گیا ہے واللہ اعلم۔ جمیل حمد علی اللہ عندہ۔

## بَابُ الْعِيدَيْنِ

ترجمہ یہ باب عید الفطر اور عید الانبیاء کی احکام کے بیان میں ہے۔

**تشریح** نماز جمعہ اور نماز عیدین میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں دنوں میں نمازیں ہیں۔ دونوں کو شیر جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے دونوں کے اندر جہری قراوت نیز جو شرطیں جمعہ کی ہیں انہی شرطیں عیدین کی ہیں۔ سوائے خطبہ کے کہ خطبہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے۔ مگر عیدین کے لئے شرط نہیں ہے۔ اور جس پر جمعہ واجب ہے اس پر عیدین کی نماز بھی واجب ہے۔ مگر چونکہ جمعہ فرض ہونے کی وجہ سے قوی ہے۔ اور عیدین کی نماز فرض نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مقابلہ میں اضعف ہے۔ اس لئے احکام جمعہ پہلے ذکر کئے گئے اور عیدین کے احکام بعد میں یہ کہ بعد شہادۃ و قنوت ہے۔ اس لئے جمعہ کو عیدین کے باب پر مقدم کیا گیا ہے۔

عید کی وجہ تسمیہ۔

عید نام عید اس سے لیا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حسان کا عہد فرماتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ عید وجود کے معنی عود کرنا واپس آنے۔ چونکہ یہ مقدس دن بھی مسلمان عود کرتا ہے اس لئے اس کا نام عید رکھا گیا عید الفطر کی نماز سب سے پہلے لئے میں پڑھتی گئی۔ (شہادتاً یہ) مشروعیت عیدین:

عیدین کی بارشروع ہونے میں صل ابو داؤد کی روایت ہے عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوا كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْأَهْلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَمِعَ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أُنْذِرَكُمْ بِهَذَا حَيْرًا مِنْهَا يَوْمَ الْأَصْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ أَسْفَرَتْ جَنَابَاتُ مَدِينَةِ كَلْبَةَ وَأَنَّ تَحِيَّاتِ يَوْمِ كَلْبَةَ جَبَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدِينَةَ مَنْوَرَةَ تَشْرِيفَ لَائِكَ تَوْفَرُ مَا كَلَّ اللَّهُ تَعَالَى تَعْمَارَهُ دَائِعَتُهُ أَنْ دُونَ مَدِينَةِ كَلْبَةَ  
۱۰۰۰ دن ہیں۔ یہ۔ ایک عید الاضحیٰ اور دوسرا عید الفطر۔

### عید الفطر مقرر ہونے کا راز

(۱) ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں ماطور سے خوشی منائی جاتی ہے۔ بہت عرصہ لباس پہنا جاتا ہے اور مرد و عورت ہائے جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدٌ وَهَذَا عِيدُ قَوْمِ بَنِي إِسْرَءِيلَ اور یہ عید کی عید ہے۔  
(۲) یہ دن ہے جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہو پتے ہیں اور ایک طرح کی عید الفطر چلتے ہیں اس دن ان کے دل خوشی و خیریاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان واسطے حاصل ہوتی ہے کہ روزوں کی عبادت شاق سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے۔ اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبادت منورہ کے واسطے ان کو توفیق عطا فرمایا اور ان کے اہل و عیال کو اس سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اس لئے ان خوشیوں سے غبار کا ختم ہوا۔

### عید قربان کے مقرر ہونے کی وجہ

عبادت کے اوقات مقرر ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقت میں انبیاء کرام نے جو طاعت و عبادت الہی کی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا ہو اس وقت کے لئے ان دنوں میں عید کی عبادت کی طرف رغبت ہو پس یہ عید الاضحیٰ ہے۔ دن ۱۰۰۰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کر دیا اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا اور ارادہ فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی جان سے بدلہ میں ایک ذبیحہ عظیمہ عنایت کیا اس لئے اس عید میں قربانی اس مصیبت سے مقرر کی گئی کہ اس میں ملت ابراہیمی نے امر (حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے حالات اور ان کے جان و مال و خدا تعالیٰ کی قربانی میں خرچ کرنے اور ان کی عنایت و رحمت سے بہرہ کرنے کی عبادت کی اور ان کی عبادت کی اور ان کے ساتھ تہنیت اور ان کی عظمت ہے۔ اور جس کام میں وہ باقی مصروف ہیں۔ اس کی طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب ہے۔

(امعان عید)

### نماز عید کی شرعی حیثیت

وَتَحِبُّ صَلَاةَ الْعِيدِ عَلَى كُلِّ مَنْ نَحَبُ عَلَيْهِ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ وَفِي الْحَامِ لَصَغِيرِ عِيدَانِ أَحْمَمَا فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ فَالْأَوَّلُ سُكَّةٌ وَالتَّانِي فَرِيضَةٌ وَلَا يُتْرَكُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا قُلْ وَهَذَا نَصَبُ عَلَى السُّكَّةِ وَالْأَوَّلُ عَلَى الْوُحُوبِ وَهُوَ بِرَوَايَةِ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ وَحَدَّثَ الْأَوَّلُ مَوَاضِعَ النَّبِيِّ وَوَحْدَهُ النَّبِيُّ قَوْلَهُ خَرَجَ بِلِي حَدِيثِ الْأَعْرَابِيِّ عَفِيبَ سُوَالِهِ هَلْ عَلَيَّ عِبْرَتُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ يَصُوحَ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ وَتَسْتَنْدُ سُنَّةٌ لِرُجُوبِهِ بِالسُّكَّةِ

ترجمہ۔ اور عید کی نماز واجب ہوتی ہے۔ اس شخص پر جس پر جمعہ کی نماز واجب ہوتی ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ ایک روز میں دو عیدیں جمع ہوں تو پہلی سنت ہے۔ اور دوسری فرض ہے۔ اور دونوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا جائے۔ فاضل مصنف نے کہا کہ یہ عید کی نماز سنت ہے نہ واجب کی بیان ہے اور اول واجب ہونے کا یہ بیان ہے اور دوسری روایت ہے۔ قول اول کی وجہ یہ ہے کہ

سند۔ اس پر مبنی ثابت فرمائی ہے۔ اور قول ثانی کی وجہ حدیث اعرابی میں اس کے سوا کرنے کے بعد کہ کیا مجھ پر ان کے ... جی وئی نماز ہے۔ منسور کا یہ قول ہے کہ نہیں مگر یہ کہ اپنی طرف سے ٹیک کام کے طور پر کرے۔ اور قول اول اصح ہے اور اس کا سنت نام رکھنا اس لئے ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔

**تشریح** قدوری کے بیان کے مطابق نماز عید واجب ہے کیونکہ قدوری نے فرمایا کہ نماز عید اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس پر نماز بعد از ادب ہوئی ہے جامع صغیر کے بیان کے مطابق عید کی نماز سنت ہے۔ کیونکہ امام محمد نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ اگر ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو جائیں یعنی جمعہ کے دن عید الفطر یا عید الانبیاء کا دن پڑ جائے تو اول یعنی عید کی نماز مستنون اور جمعہ کی نماز فرض ہے۔ شارح تہذیبی قاری نے تحریر فرمایا ہے کہ اصح قول کے مطابق ہمارے نزدیک عید کی نماز واجب ہے۔ یہی ابوحنیفہ سے مروی ہے امام مالک امام شافعی و ربیع بن کاف کے نزدیک عید کی نماز سنت ہے۔ امام احمد فرض کفایہ کے قائل ہیں۔

### صلوٰۃ عیدین کے واجب ہونے کی دلیل

عیدین کی نماز پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر ترک کے ماحضت اور ہمیشگی فرمانا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت دلیل واجب ہوتی ہے۔ قول ثانی یعنی مستنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہل نجد میں سے یہ اعرابی شخص یریشان حال تھا۔ اس کا مقصد سفر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا چنانچہ حضور ﷺ نے سدر کے ایک جزو کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ میں نے کہا اہل علی غیر ہیں کیا مجھ پر ان پانچ نمازوں کے سوا بھی کوئی نماز ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا لا الا ان تَطَوُّعَ نہیں مگر یہ کہ بطور نفل پڑھے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں کے بعد وہ باقی تمام نمازیں غیر فرض ہیں حتیٰ نفل ہیں پس عیدین کی نماز کا واجب نہ ہونا ثابت ہو گیا ہماری طرف سے اس کا جواب تو یہ ہے کہ سائل گاؤں کا باشندہ تھا اور گاؤں میں پر عید کی نماز واجب نہیں ہوتی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حسب حال جواب ارشاد فرمایا۔ اور جواب یہ دیا گیا کہ بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو نماز عید کے واجب ہونے سے پہلے کی ہو نماز عید کے واجب ہونے پر باری تعالیٰ کا قول وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰكُمْ بھی درست رہتا ہے کیونکہ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ تَنْسِيَةً صلوٰۃ عید کے ساتھ جو فی سے اور یہ امر کا صیغہ ہے جس کا موجب وجوب ہے۔ ربنا امام محمد کا جامع صغیر میں صلوٰۃ عید کو سنت کہنا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز کا وجوب سنت سے ثابت ہے یہ مطلب ہم نے نہیں کہ عید کی نماز سنت ہے۔

### عیدین میں مستنون اعمال

وَسَبَّحْتَ فِي يَوْمِ الْمَطَرِ أَنْ يَطْعَمَ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمَصَلَّى وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَأْكُ وَيَتَطَيَّبَ لِمَا رَوَى أَنَّهُ كَانَ يَطْعَمُ فِي يَوْمِ الْمَطَرِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْمَصَلَّى وَكَانَ يَغْتَسِلُ فِي الْعِيدَيْنِ وَالْأَنَّهُ يَوْمُ احْتِمَاجٍ فَيُسْنُ فِيهِ الْغَسْلُ وَالتَّطَيُّبُ كَمَا فِي الْجُمُعَةِ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَهُ حُنَّةٌ فَكَانَ أُصُوفُ بَلَسُهَا فِي الْأَعْيَادِ

ترجمہ مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن مصلی عید کا دن نہایت پہلے چھوٹا اور غسل کر کے مسواک کر کے خوشبو لگانے





یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فطر یعنی صدقۃ الفطر کا حکم فرمایا کہ اس کو لوگوں کے نماز کی طرف سے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔  
 ۱۰۔ آپ نے یہ حدیث سے ایک نیا بیان پہلے آ کر تے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں منسارعت الی الخیر اور فقیر کے دل کو نماز سے رغبت دینا ہے۔ نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **أَعْنُوهُ عَنِ الْمَسْأَلَةِ فَقَرَاءُ** و سوال کرنے سے بے نیاز کرو۔  
 ۱۱۔ یہاں وقت ہوگا جب تک صدقۃ الفطر اچھا ہو ان کو داریں یہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے **قَدْ أَفْلَحَ مَنْ بَرَكَتِ** ائی اعطی رکوة التصور ذکر اسم ربه تنكسر العبد فی الطريق فصلی صلوة العبد یعنی وہ شخص فلاں یاب ہو یا جس نے صدقۃ الفطر ادا کیا اور تمہارے پاس اپنے رب کا ذکر کیا پھر عید کی نماز پڑھی صدقۃ الفطر ادا کرنے کے بعد عید گاہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ واضح ہو کہ عید گاہ باہر سے نہیں چلنا مستحب ہے۔ چونکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ عید گاہ کو پیدل جانا سنت ہے اور اگر کچھ لوگ اپنے ضعف کی وجہ سے یہ نہ کر سکیں تو امام وقت کسی کو مقرر کر دے کہ وہ شہر کے اندر مسجد میں ان کو نماز پڑھائے۔ اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے **ان عید لما قدم لکوفة استخلف من یصلی بالضعیف صلوة العیدین فی الجامع وخرج الی الجبانة مع حمیسین سبحا یضیی ویمشون** یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوفہ شریف آئے تو آپ نے ایک ایسے شخص کو ضعیفہ مقرر کیا جو سردیوں میں جامع مسجد میں عیدین کی نماز پڑھائے اور آپ خود بچوں اور بوزخوں کو لے کر صحرائ کی طرف نکلتے آپ خود بھی پیادہ پاتھے۔  
 ۱۲۔ چنانچہ اس شخص کی پیدل چل رہے تھے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ جاتے وقت راستہ میں تکبیر یا آواز بلند پڑھنے یا آہستہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ یہ آواز بلند نہ پڑھئے اور صاحبین نے فرمایا کہ یہ آواز بلند پڑھے۔ صاحبین کی دلیل عید الاضحیٰ پر قیاس ہے یعنی جس طرح عید الاضحیٰ میں تکبیر یا آواز بلند شروع ہوتا ہے اسی طرح عید الفطر میں بھی یہ آواز بلند شروع ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذکر کے اندر اصل تواضع سے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَإِذْ نَادَىٰ نَحْنُ فِی بَعْسِکَ نَصْرًا وَخِیْفَةً وَذُوقِ الْجَهَنَّمَ مِنَ الْقَوْلِ (۱۱۵)** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **حَبِزُوا الذِّکْرَ الْحَقِّ وَحَبِزُوا الرِّزْقَ مَا یُکْفِی عَمَّ ذِکْرُکُمْ خَفِی** ہے اور عمدہ رزق بقدر کفایت ہے نہ ضرورت سے زائد اور نہ کم۔ ایک اور شاہد حرکت ہے مجھے جو بھی دے وہ قبول ہے مرا تجاہ یہ ضرور ہے میرے طرف سے بھی سو مندے میری آرزو سے بھی کم نہ ہے۔ ہم حال کر کے اندر اصل افتاء ہے عید الاضحیٰ کے ایام میں باجمہر تکبیر پر خلاف قیاس نص وارد ہوئی ہے اللہ نے فرمایا۔ **وَإِذْ نَادَىٰ لِلَّهِ فِی آیَاتِ مَعْدُودَاتِ (۱۱۶)** مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں عید قربان کے ایام میں تکبیر جہری مراد ہے اور عید الفطر عید الاضحیٰ کے ہم معنی ہیں نہیں عید الاضحیٰ ارکان حج میں سے ایک رکن کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اس دن میں بعض ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں اور عید الفطر میں یہ بات نہیں پائی جاتی ہے جب عید الفطر عید الاضحیٰ کے معنی میں نہیں ہے۔ تو عید الفطر و عید الاضحیٰ پر قیاس کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔  
 اس کے بعد ایک احتیاط کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ حضرت امام صاحب کا یہ فرمان کہ عید الفطر میں تکبیر جہری پر شریعت وارد نہیں ہوئی یہ بات تسلیم نہیں ہے اس لئے خدا نے **لَمْ یُؤَرْ وَّلَایُوا لَیْلَ فَرَمَیَابَ وَلَتُکْمَلُوا الْعِدَّةَ وَلَتُکْتَبُوا اللّٰهُ عَلٰی مَا هَذَا کُمْ (۱۱۷)** اس آیت میں رمضان المبارک کے روزے پورے کر لینے کے بعد تکبیر کی خبر دی ہے اور تکبیر کا علم اس وقت ہوگا جب کہ یہ آواز بلند تکبیر کہی جائے۔ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے **رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کَانَ یُخْرِجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَیَوْمَ الْاَضْحٰی رَافِعًا صَوْتَهُ بِالتَّكْبِیْرِ** یعنی رسول خدا ﷺ عید الفطر اور عید قربان کے دن تکبیر کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے نکلتے تھے پس ثابت ہو گیا کہ عید الفطر کے دن بھی تکبیر

جمعی پر نفل موجود ہے۔

جواب آیت میں نماز کے اندر کی تکبیر مراد ہے آیت کے معنی یہ ہیں کہ صَلُّوا صَلَوةَ الْعِيدِ وَ كَبِّرُوا اللہَ فِیْهَا اِنِّیْ مِیْرَاثُہُمْ کی نماز اور اس میں یہ ہے اور زبند تکبیر کہو یہی حدیث ابن عمر تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں وید بن محمد عن ابن عباس ہے۔ اور ولید متروک الحدیث ہے۔ اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہ ہوگی۔

### عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا حکم

وَلَا یَسْقُلُ فِی الْمُصَلِّی قَبْلَ صَلَوةِ الْعِيدِ لِأَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَفْعَلْ دَلَّكَ مَعَ حُزْنِهِ عَلَى الصَّلَوةِ ثُمَّ قِيلَ الْكَرَاهَةُ فِی الْمُصَلِّی خَاصَّةً وَقِيلَ فِیْہِ وَفِی غَیْرِہُ عَامَّةً لِأَنَّهُ ﷺ لَمْ یَفْعَلْہُ

ترجمہ اور عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے یہ نہیں کیا وہ جو آپ نماز کے حرم میں تھے چاہے یہ کہ راست مخصوص طور پر عید گاہ میں ہے۔ اور کہا گیا کہ عید گاہ اور اس کے علاوہ میں عام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کیا ہے۔

تشریح مسجد نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے عید گاہ میں بھی اور عید گاہ کے علاوہ بھی امام کے لئے بھی مکروہ ہے۔ مقتدی کے واسطے بھی ابن عباس کا قول ہے أَنَّ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَصَلَّى بِہُمْ الْعِيدَ لَمْ یُصَلِّ قَبْلُہَا وَلَا بَعْدَہَا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے نکل کر کونوں عید کی نماز پڑھائی آپ نے نہ عید سے پہلے نفل نماز پڑھی اور نہ عید کے بعد نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی بنیاد پر جس تھی۔ اگر عید سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھنے کی اجازت ہوتی تو اللہ کے رسول ضرور پڑھتے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک عید گاہ اور مسجد دونوں جگہ براہت عام ہے اور بعض نے فرمایا کہ عید کی نماز کے بعد عید گاہ کے اندر یا شبہ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن گھر آ کر نفل پڑھنا براہت عام ہے۔ ابو عید خدری کی حدیث ہے قَالَ كَانَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُصَلِّی قَبْلَ الْعِيدِ شَیْئًا فَإِذَا رَجَعَ إِلَى مَوَاطِنِہِ صَلَّی وَ کَعْبِیْرَ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن جب اپنے گھر واپس آجاتے تو دو رکعت نفل پڑھتے۔

### نماز عید کا وقت

وَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَوةُ بِإِزْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُہَا إِلَى الزَّوَالِ وَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُہَا لِأَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یُصَلِّی الْعِيدَ وَالشَّمْسُ عَلَی قِدْرٍ مَرْمُوحٍ أَوْ رُمْحَیْنِ وَلَمْ شَہِدُوا بِالْإِهْلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ أَمْرًا بِالْحُرُوحِ إِلَى الْمُصَلِّی مِنَ الْعِيدِ

ترجمہ اور جب سورج کے بلند ہونے سے نماز حلال ہو گئی تو نماز عید کا وقت داخل ہو گیا زوال آفتاب تک اور جب سورج اتر گیا تو عید کی نماز کا وقت ختم کیا۔ اس لئے حضور ﷺ عید کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیا دیدہ و نیزہ بلند ہوگا۔ اور جب زوال کے



**تشریح** صاحب قدوری نے نماز عید کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔ کہ دو ملوگوں و دو رکعت ہوں طور پر اس کے پہلے تکبیر تحریر کئے پھر شاہ چڑھ کر تین زائد تکبیریں کہے پھر قرات فاتحہ اور ضم سورت زمرے پھر تکبیر روع کہہ کر روع کرے اور بعد اس میں رعت اولی پوری ہو جائے گی دوسری رعت میں پہلے قرات فاتحہ و ضم سورت زمرے پھر تین زائد تکبیریں کہے اور روع کرے تکبیرات روع کے بعد اس میں تفصیل کے مطابق دونوں رعتوں میں نو تکبیریں ہوں پھر زائد و تکبیرات روع اور ایک تکبیر تحریر صاحب ہدیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن مسعود کا قول ہے وہ ابن مسعود کے نزدیک عید کی دونوں رعتوں میں کل ۹ تکبیریں ہیں یہی علماء احناف کا مذہب ہے۔ ابن مسعود کا قول اس لئے ہے کہ روایت یہ کہی ہے کہ کان ابن مسعود خالسا و عندہ حذیہ و ائو موسیٰ الأشعری فسألہم عن عدد السجود عن التکبیر فی صلوة لعید فقال حذیہ سب لاشعری فقال الأشعری سب عبد اللہ فابہ اقدمنا و اعلمنا فسأله فقال نس مسعود یکثر اربعاً ثم یقرأ ثم یقرأ فی الثانیہ فیقرأ ثم یکثر اربعاً بعد الفراء و من ابن مسعود حذیفہ اور ابو موسیٰ اشعری تشریف فرما تھے کہ ان سے سعید بن احمر نے نماز عید کی تکبیروں کے بارے میں دریافت کیا حذیفہ نے کہا اشعری سے پوچھو اشعری نے کہا کہ عبد اللہ سے پوچھ لو اس لئے عبد اللہ محمد میں قدیم عبد بھی ہیں اور صاحب عمر بھی چنانچہ ابن مسعود سے دریافت کیا تو ابن مسعود نے کہا کہ چار تکبیروں کے پھر قرات زمرے پھر تکبیر روع کرے۔ چار دوسری رعت کے بعد چار تکبیریں کرے پھر قرات کرے پھر چار تکبیریں کرے پہلی رعت میں جن چار تکبیریں کہے وہ یہ روایات ان میں ایک تکبیر تحریر اور تین زائد ہیں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں ہیں اس سے ایک تکبیر و روع اور تین زائد ہیں یہ حال ابن مسعود کے زمانہ سے ۹ تکبیروں کا ثبوت ملتا ہے نیز مسروق سے مروی ہے قال عبد اللہ بن مسعود یعلمنا التکبیر فی العید من تسع و سبعمائے خمس فی الأولى و اربع فی الاخیرة و یوالی بس الفراء من عیدین ابن مسعود و محمد بن یونس میں ۹ تکبیروں کی تعمیر روایت ہے پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں اور دونوں قراتوں کے درمیان سب ملے تھے۔ روایت میں پانچ تکبیریں اس سے مراد تکبیر تحریر و تکبیر روع اور تین زائد ہیں۔ اور چار سے مراد تین زائد اور ایک تکبیر روع ہے۔ اس لئے بھی تکبیرات عید کا ۹ ہونا ثابت ہوتا ہے چہ زائد اور تین تکبیرات نماز (شرح نقایہ) حاصل یہ کہ احناف کے مذہب کی بنیاد عبد اللہ بن مسعود کے قول پر ہے۔ صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریر کہے اور پانچ تکبیریں اس کے بعد کہے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہے چہ قرات کرے اور ایک روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہے۔

پس ابن مسعود اور ابن عباسؓ کے قول کے درمیان دو جہد اختلاف ہو ایک تکبیرات زائد کی تعداد میں وہاں کے محل میں۔ چنانچہ ابن مسعود کے نزدیک تکبیر روع نہ چھ ہیں۔ تین رکعت والی میں اور تین رکعت ثانیہ میں اور ابن عباسؓ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق اس میں زائد تکبیریں ہیں پانچ رکعت اولیٰ میں اور پانچ رکعت ثانیہ میں اور ایک روایت کے مطابق تکبیرات زائد نہ ہیں۔ پانچ رکعت اولیٰ میں اور چار رکعت ثانیہ میں دوسری بات کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ ابن مسعود کے نزدیک دوسری رکعت میں تکبیر زائد کا محل قرات سے فراغت کے بعد ہے اور ابن عباسؓ کے نزدیک قرات سے پہلے ہے۔ فضل مصنف علامہ برہان الدین نے زائد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج کل ہر ملوگوں کا عمل حضرت ابن عباسؓ کے قول پر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ زائد نہ خنداں وہاں کے عروج کا زمانہ ہے۔ خلفاء و نو عباسؓ تکبیرات عید کے سلسلہ میں اپنے جہد حضرت ابن عباسؓ کے قول پر عمل کرنے کا امر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے

کہ ایک بار حضرت امام ابو یوسف نے بغداد میں دونوں کو عید کی نماز پڑھائی اور کہا کہ ان کے سلسلہ میں ابن عباسؓ کے قول پر عمل کیا۔ کیونکہ شیخہ مارون رشید عباسی آپ کا متقدمی تھا اس نے آپ کو اس کا حکم کیا تھا اسی طرح امام محمدؒ سے ابن عباسؓ کے قول پر عمل کرنا مروی ہے لیکن یہ عمل مذہباً اور اعتقاداً نہیں تھا بلکہ خلفاء بنو عباس کے حکم سے پیش نظر تھا ورنہ مذہب قول اول یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے قول اول کے مذہب ہونے کی عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ تکبیر اور ہاتھوں کا اٹھانا مجموعہ من حیث المجموعہ نمازوں کے اندر خلاف معمول ہے۔ اس سے اقل و اختیار من اولیٰ و افضل ہوگا۔ کیونکہ اقل اور کمتر کا ثبوت بالیقین ہوتا ہے۔

ثم التکبیرات ان سے تکبیرات زوائد کے محل وقوع پر بالذیل کلام کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ تکبیرات دین کے اعلام اور علامتوں سے ہیں حتیٰ کہ ان میں جہر یا جہاں جاتا ہے تاکہ دین کا جھنڈا بلند ہو اور ان تکبیرات زوائد میں اصل یہ ہے کہ اصلی تکبیرات کے ساتھ مجتمع ہوں پس رکعت اولیٰ میں تکبیرات زوائد کو تکبیر تحریرہ کے ساتھ لاحق یا گیا ہے ورنہ تکبیر رکوع کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا، کیونکہ تکبیر تحریرہ فرض ہونے کی وجہ سے قویٰ بھی ہے اور تکبیر رکوع سے مقدم بھی اور چونکہ دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے سوا کوئی تکبیر نہیں ہے۔ اس لئے دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے ساتھ لاحق کرنا واجب ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو اختیار کیا ہے اور ابن عباسؓ کے قول میں تکبیرات کی جو تعداد روایت کی گئی ہے ان کو زوائد پر محمول کیا ہے اس طرح امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیرات کل پندرہ ہوں گی یا سولہ ہوں گی۔

مصنف کی عبارت الا انہ حمل المزوی ثلثہ علی الزوائد میں قدرے اشتباہ ہے وہ یہ کہ المزوی سے مراد یا تو وہ ہے جو ہدایہ میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے وقال ابن عباسؓ بکسری الاولیٰ للافتاح وحنسنا بغدادی الثانیہ یکبر خمساً ثم یقرأ وفی رواية یکبر اربعاً اور یا اس کے مدوہ مراد ہے اربعانی ہے تو کلام میں تعقید ہوگی کیونکہ جو چیز کتاب میں مذکور نہیں ہے اس کا حوالہ دے کر خواہ مخواہ قارئین و پریشان کیا گیا ہے اور اگر اول ہے تو تکبیرات اس مقدمہ کو نہیں پہنچتیں۔ کیونکہ مذکورہ روایت کے مطابق زوائد نو ہیں یا دس ہیں۔ اور تین اصلی تکبیروں (تکبیر تحریرہ رکعت اولیٰ کے رکوع کی تکبیر اور رکعت ثانیہ کے رکوع کی تکبیر) کے ساتھ مل کر بارہ ہوں گی یا تیرہ ہوں گی۔

نیز صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے وظهر عمل العامة اليوم بقول ابن عباسؓ پھر کہاوا الشافعی اخذ بقول ابن عباسؓ یہ عبارت تقاضا کرتی ہے کہ صاحب ہدایہ نے زمانے میں عام لوگوں کا عمل پندرہ تکبیروں پر تھا یا سولہ پر حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس زمانے میں تیرہ تکبیروں پر یا بارہ تکبیروں پر عمل تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے دور روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ عیدین میں بارہ تکبیریں ہیں۔ دوم یہ کہ تیرہ تکبیریں ہیں۔ امام مالکؒ اور امام حمادؒ نے کہا کہ بارہ یا تیرہ اصلی تین تکبیروں کے ساتھ مل کر ہیں یعنی تکبیر تحریرہ اور دونوں رکعتوں کی تکبیر رکوع کے ساتھ مل کر بارہ یا تیرہ ہیں۔ بائیں طور کہ پہلی اور دوسری رکعت میں پانچ پانچ تکبیریں زوائد تکبیرہ یہ اور دونوں رکعتوں سے رکعت کی دو تکبیریں اس طرح کل تکبیریں تیرہ ہوں گی اور دوسری روایت کے مطابق پہلی رکعت میں پانچ زوائد اور دوسری رکعت میں چار زوائد اور تین اصلی تکبیریں تو اب کل تکبیریں بارہ ہوں گی۔ ابن عباسؓ کی انہیں روایت پر ان روایت میں عام لوگوں کا عمل تھا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ بارہ یا تیرہ مقدم کی تہ زوائد تکبیریں ہیں اب ظاہر ہے کہ مذہب سے یہ سات تین اصلی تکبیریں تیرہ یا بارہ دونوں رکعتوں سے رکعت کی دو تکبیریں ہیں تو بارہ یا تیرہ ان روایت کی صورت میں کل

تکبیریں پندرہ ہوں گی اور تیرہ تکبیر والی روایت کی صورت میں کل تکبیریں سو نہ ہوں گی پس مروی سے مراد وہ ہے جو ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے اب حاصل یہ ہوا کہ احناف کے نزدیک عید کی دونوں راتوں میں تکبیرات زوائد چھ ہیں۔ اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک دس ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک بارہ یا تیرہ ہیں۔ (شرح فقہیہ)

حناف کے مذہب کی بنیاد ابن مسعودؓ کے قول پر ہے۔ اور امام مالکؓ اور امام احمدؓ کے مذہب کی بنیاد ابن عباسؓ کی تیرہ تکبیروں کی روایت پر ہے۔ اس طرح کہ دس تکبیریں زائد ہیں اور تین اصلی ہیں اور امام شافعی کے مذہب کی بنیاد ابن عباسؓ کی دونوں راتوں (بارہ تیرہ کی) پر ہے لیکن ان تمام کو زائد قرار دیتے ہیں۔ اسی تین ان کے علاوہ ہیں۔ واللہ اعلم

### تکبیرات عیدین میں رفع یدین کا حکم

قَالَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي كُتُبَاتِ الْعِيدَيْنِ يُرِيدُ بِهِ مَا يَسُوكِ التَّكْبِيرُ فِي الرُّكُوعِ لِقَوْلِهِ صَلَّى ﷺ لَا تَرْفَعُ الْيَدَيْنِ إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا كُتُبَاتِ الْأَعْيَادِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَرْفَعُ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا

ترجمہ قدری نے کہا کہ عیدین کی تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھانے اس سے مراد تکبیر رکوع کے علاوہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات جگہوں میں منجملہ ان میں سے عیدین کی تکبیروں کا ذکر کیا ہے اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں اور امام ابو یوسفؒ پر حجت وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے۔

تشریح ہمارے نزدیک تکبیرات عیدین میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے جائیں گے یہی امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا قول لَا تَرْفَعُ الْيَدَيْنِ إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ ہے۔ ان سات جگہوں میں عیدین کی تکبیرات زوائد بھی ہیں۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ تکبیرات عیدین میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھوں کا اٹھانا افتتاح کی سنت ہے چونکہ تمیزت زوائد میں افتتاح صدقہ نہیں اس سے رفع یدین بھی نہ ہوگا جیسا کہ رکوع کی تکبیر کے اندر رفع یدین نہیں ہے امام ابو یوسف کے خلاف حدیث لَا تَرْفَعُ الْيَدَيْنِ حجت ہوئی یہی بات کہ تکبیرات زوائد کوئی مستنون ذکر ہے یا نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیحات کی مقدار سنت کرے۔ کیونکہ عید کی نماز جم غفیر کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اگر تکبیرات کے درمیان موات اور وصل کیا گیا تو جو لوگ امام سے دور ہوں گے ان پر امام کا حال مشتبہ ہو جائے گا کہ امام کون سی تکبیر کہہ رہا ہے یا اتنی مقدار گن رہا ہے اس سے اشتباہ دور ہو جاتا ہے اس سے تکبیرات کے درمیان تین تسبیحات کی مقدار رخاموش رہنے کا حکم یا یہ ہے۔

### نماز کے بعد عیدین کے خطبے دیئے جائیں

قَالَ وَحُطِبَ بَعْدَ الصَّوَةِ خُطْبَتَيْنِ بِذَلِكَ وَرَدَ الْفُلُّ الْمُسْتَقْبِضُ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَأُحْكِمَهَا لِأَنَّهَا مُرَعَّتٌ لَا جِلْهَ

ترجمہ کہ نماز عید کے بعد امام دو خطبہ پڑھے اسی پر نقل جو شریعہ سے وارد ہوئی خطبہ عید میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام سے آگاہ کرے کہ یہ خطبہ ایسی مبعوت شروع کیا گیا ہے۔

**تشریح** صاحب کتاب نے کہا کہ نماز عید سے فارغ ہو کر امام دو خطبہ پڑھے گا اسی پر نقل اور عمل شائع ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلمہ میں حدیث ابن عمر کے الفاظ ہیں کہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ اور ابن عباس کا قول ہے سَهَّدْتُ الْعِيدَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي نُكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كُلُّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ (رواہ الشیخین) دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ اور خلفاء ثلاثہ عیدین کی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں پڑھا کرتے تھے۔ اب تک عید کا خطبہ جمعہ سے دو ہفتوں میں بخالف ہے اوس یہ کہ جمعہ بغیر خطبہ کے جائز نہیں ہے۔ اور عید کی نماز بغیر خطبہ کے جائز ہے۔ دوم یہ کہ جمعہ کا خطبہ نماز جمعہ پر مقدم ہے اور عیدین کا خطبہ نماز سے مؤخر ہے۔ لیکن اگر عید کا خطبہ نماز سے مقدم کر دیا گیا تو بھی جائز ہے۔ نماز عید کے بعد عید کی ضرورت نہیں۔ واضح ہو اگر عید الفطر کے خطبہ میں صدقۃ الفطر اس کے ادا کرنے کی تعلیم دی جائے گی کیونکہ یہ خطبہ اسی مقصد کے پیش نظر شروع ہوا ہے۔

### مفرد کے لئے عید کی نماز قضاء کرنے کا حکم

وَمَنْ فَاتَهُ صَلَوةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا لِأَنَّ الصَّلَاةَ بِهَدْيِ الصِّفَةِ لَمْ تُعَرَفْ قُرْبَةً إِلَّا بِسَرَايِطٍ لَا تَمُتُهُ بِالْمُفْرَدِ ترجمہ: اور وہ شخص جس کی نماز عید امام کے ساتھ فوت ہوئی تو وہ اس کی قضاء نہیں کرے گا کیونکہ نماز عید کا اس صفت کے ساتھ عبادت ہونا معلوم نہیں ہوا مگر ایسی شرطوں سے ساتھ جو تنہا آدمی سے پوری نہیں ہوتیں۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام اگر عید کی نماز ادا کر چکا اور ایک آدمی باقی رہ گیا۔ اس نے عید کی نماز ادا نہیں کی ہے تو اس وقت قضاء کرنے کی جازت نہیں ہے یہی امام، لک کا قول ہے امام شافعی نے فرمایا کہ یہ شخص تنہا نماز عید پڑھ سکتا ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک جواز عیدین کے لئے نہ جماعت شرط ہے اور نہ سلطان کا ہونا۔ اس لئے ان کے نزدیک نماز عید کی قضاء کرنا مستحب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز عید قائم کرنے کے لئے کچھ ایسی شرطیں ہیں جو تنہا آدمی سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً جماعت سلطان وقت پس چونکہ منفرد میں یہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لئے اس کے واسطے تنہا نماز عید پڑھنا بھی جائز نہ ہوگا۔

چاند ابر میں چھپ گیا دوسرے دن زوال کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی گئی تو نماز عید کا حکم

فَإِنْ عَمَّ الْهَلَالُ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَا الْهَلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ، صَلَّى الْعِيدَ مِنَ الْعَدْلِ لَأَنَّ هَذَا تَأْخِيرٌ بَعْدُ وَرَدَ فِيهِ الْحَدِيثُ، فَإِنْ حَدَّثَ عِدْرٌ يَمْنَعُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ أَنَّ لَا نَقْضَ كُلِّ جُمُعَةٍ إِلَّا أَنْ تَرَكَاهُ بِالْحَدِيثِ وَقَدْ وَرَدَ بِالتَّأْخِيرِ إِلَى الْيَوْمِ الثَّانِي عِنْدَ الْعِدْرِ

ترجمہ: پھر اگر چاند ابر میں چھپ گیا اور لوگوں نے زوال کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو امام دوسرے دن نماز عید پڑھے۔ کیونکہ یہ تاخیر مذکور کی وجہ سے ہے۔ اور اس میں حدیث وارد ہوئی ہے۔ اور اگر ایسا مذکور پیدا ہوا جو دوسرے دن بھی نماز عید سے روکتا ہے تو اس کے بعد یہ نماز نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ نماز عید میں اصل تو یہی ہے کہ اس کی قضاء کی جائے مگر ہم نے اس اصل کو حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا اور مذکور کے وقت دوسرے دن تک مؤخر کرنے پر حدیث کا ورد ہوا ہے۔

**تشریح** صورت مسئلہ یہ ہے کہ ۲۹ رمضان کو اگر چاند ابر میں چھپ گیا اور ۳۰ رمضان کو زوال کے بعد لوگوں نے امام کے سامنے چاند

دیکھنے کی گواہی دی اور امام نے ان کی گواہی قبول بھی کر لی تو روزہ توڑ دیں اور امام دوسرے دن لوگوں کو نماز پڑھائے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے اس لئے اس تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس تاخیر کے سلسلہ میں حدیث بھی موجود ہے چنانچہ ہدایہ کے گذشتہ صفحہ پر یہ حدیث اس طرح ذکر کی گئی ہے وَلَمَّا شَهِدُوا بِالْهَلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ أَمَرَ بِالْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى مِنَ الْعَدَةِ۔

اور اگر دو شواہ کو بھی کوئی ایسا عذر پایا گیا جو نماز عید کے لئے مانع ہو تو اب اس کے بعد ۳ شواہ کو نماز عید پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ نماز عید میں اصل تو یہی کہ اس کی قضاء نہ کی جائے جیسے جمعہ فوت ہونے کی صورت میں اس کی قضاء نہیں کی جاتی لیکن عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک مؤخر کرنے میں حدیث مذکور کی وجہ سے اس اصل کو ترک کر دیا گیا ہے پس چونکہ حدیث کے اندر فقط دوسرے دن تک مؤخر کرنے کی تصریح کی گئی ہے اس لئے ۲ شواہ تک نماز عید مؤخر کرنے کی اجازت ہوگی اس کے بعد اجازت نہ ہوگی۔

### عید الاضحیٰ کے مستحبات

وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ لِمَا ذَكَرْنَاهُ وَيُؤَخِّرَ الْأَكْلَ حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ لِمَا رَوَى النَّبِيُّ ﷺ كَانَ لَا يَطْعَمُ فِي يَوْمِ النَّحْرِ حَتَّى يَرْجِعَ فَيَأْكُلَ مِنْ أَضْحِيَّتِهِ

ترجمہ اور بقر عید کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور کھانے کو مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے کیونکہ مروی ہے حضور ﷺ بقر عید کے دن کھاتے نہ تھے یہاں تک کہ نماز سے واپس ہوتے پھر اپنی قربانی سے کھاتے تھے۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا ہے کہ بقر عید کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔ دلیل سابق میں گذر چکی ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ کھانا نماز کے بعد کھائے اور اپنی قربانی سے کھائے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا عمل ہے کہ آپ بقر عید کے دن نماز عید کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے اور اپنی قربانی سے تناول فرماتے تھے اگر کسی نے قربانی نہیں کی تب بھی نماز عید سے پہلے نہ کھائی کیونکہ عید سے پہلے نہ کھانا لگ سنت ہے اور اپنی قربانی سے کھانا لگ سنت ہے ہاں گاؤں والوں کے لئے جائز ہے کیونکہ وہاں نماز واجب نہیں ہے۔

### راستہ میں جہراً تکبیر کہنے کا حکم

وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُصَلَّى وَهُوَ يُكَبِّرُ لِأَنَّهُ ﷺ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الطَّرِيقِ وَيُصَلِّي رَكَعَتَيْنِ كَالْفِطْرِ كَذَلِكَ يُقَالُ وَيَحْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ لِأَنَّهُ ﷺ كَذَلِكَ فَعَلَ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا الْأُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيرَ التَّشْرِيقِ لِأَنَّهُ مَشْرُوعُ الْوَقْتِ وَالْخُطْبَةُ مَا شَرَعَتْ إِلَّا لِتَعْلِيمِهِ

ترجمہ اور عید گاہ جائے درانحالیکہ تکبیر کہتا ہو کیونکہ حضور ﷺ راہ میں تکبیر کہتے تھے اور امام عید الفطر کی طرح دو رکعت پڑھے۔ ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور نماز کے بعد دو خطبہ پڑھے کیونکہ مدنی آقا نے ایسا ہی کیا ہے اور دونوں خطبوں میں قربانی اور تکبیر تشریق کی تعلیم کرے کیونکہ اس وقت مشروع یہی ہے۔ اور خطبہ نہیں مشروع ہوا مگر اسی تعلیم کے واسطے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ عید گاہ ہوتے ہوئے راستہ میں باواز بلند تکبیر کہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ عمل فرمایا کرتے تھے





دونوں جمع کر کے ایسا کیا ہے تو ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ابن عباس کا یہ عمل بغرض دعا تھا نہ کہ اہل عرفہ کے ساتھ تشبیہ کے طور پر  
واللہ اعلم بحیل عقلی عندہ۔

## فصل فی تکبیرات التشریق

(یہ فصل تکبیرات تشریق کے بیان میں ہے)

تکبیرات تشریق کا بیان..... تکبیر تشریق کا آغاز کب ہوگا اور اختتام کب ہوگا

وَبَدَأَ التَّكْبِيرَ التَّشْرِيقَ بَعْدَ صَوْتِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَيَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ ابْنِ حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا  
يَخْتِمُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ آيَاتِ التَّشْرِيقِ وَالْمَسْأَلَةُ مُخْتَلِفَةٌ بَيْنَ الصَّحَابَةِ فَأَخَذَ يَقُولُ عَلِيٌّ أَخَذًا بِلَا تَكْرَارٍ أَذْهَوُ  
الْإِحْتِيَاظِ فِي الْعَادَاتِ وَاحِدٌ يَقُولُ ابْنُ مَسْعُودٍ أَخَذَ بِالْأَفْلَ لَأَنَّ الْحَجَرَ بِالتَّكْبِيرِ بَدْعَةٌ وَالتَّكْبِيرُ أَنْ يَقُولَ مَرَّةً وَاحِدَةً اللَّهُ  
أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ هَذَا هُوَ الْمَأْثُورُ عَنِ الْحَلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ

ترجمہ اور عرفہ کے دن نماز فجر کے بعد تکبیر تشریق شروع کرے اور یوم نحر کو نماز عصر کے بعد ختم کرے (یہ حکم) ابو حنیفہ کے نزدیک  
ہے اور صحابین نے فرمایا کہ آخری ایام تشریق کو عصر کی نماز کے بعد ختم کرے اور یہ مسئلہ صحابہ کے درمیان مختلف پایا گیا ہے پس  
صحابین نے اکثر احتیاط کرتے ہوئے حضرت علی کے قول کو لیا ہے کیونکہ عبادت میں یہی احتیاط ہے اور ابو حنیفہ نے اقل کو اختیار کرتے  
ہوئے ابن مسعود کے قول کو لیا ہے کیونکہ جبر کے ساتھ تکبیر کرنا بدعت ہے اور تکبیر یہ ہے کہ ایک بار کہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ  
الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہے۔

تشریح تشریق خود تکبیر ہی تو اب معنی یہ ہوں گے کہ ان تکبیرات کے بیان میں جن کا نام تشریق ہے عنایہ میں ہے کہ تکبیر تشریق  
یونکہ ایام غنیمہ کیسے تہم مخصوص ہے اس سے بیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے کفایہ میں ہے کہ تکبیرات کی اضافت تشریق کی طرف صحابین کے  
قول پر درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک بعض تکبیریں ایام تشریق یعنی یہاں رہیں بارہویں اور تیرہویں تاریخ میں بھی واقع ہوتی ہیں۔  
لیکن ابو حنیفہ کے نزدیک یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تکبیر ختم ہو جاتی ہے حالانکہ ایام تشریق کا آغاز گیارہویں ذی الحجہ  
سے ہوتا ہے جیسا کہ خلاصہ کے حوالہ سے صاحب عنایہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایام نحر تین ہیں۔ اور ایام تشریق بھی تین ہیں اس طرح پر کہ ذی  
الحجہ کی دسویں تاریخ خاص طور پر یوم نحر سے اور تیرہویں تاریخ خاص طور پر یوم تشریق ہے اور گیارہویں اور بارہویں نحر اور تشریق دونوں  
کے سے ہیں، ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیرات تشریق کا عنوان اس طرح درست ہوگا کہ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ اگرچہ یوم نحر  
ہے، یوم تشریق نہیں ہے۔ مگر یوم تشریق یعنی یہاں رہیں ذی الحجہ سے قریب ہے۔ اس قرب کی وجہ سے تشریق کی طرف تکبیرات کی  
اضافت کی گئی ہے جیسا کہ جامع صفیہ میں ہے قَالَ يَغْفُوبُ صَيْتُ بِهِمُ الْمَغْرِبُ يَوْمَ عَرَفَةَ يَعْتَوِبُ نَعْمَ كَمَا هِيَ كَيْسُ نَعْمَ نَعْمَ  
عرفہ کے دن مغرب کی نماز پڑھانی جائے گا آفتاب غروب ہوتے ہی عرفہ کا دن ختم ہو گیا مگر چونکہ مغرب کا وقت عرفہ کے دن سے قریب ہے اس  
لئے یوم عرفہ ہی دیا گیا۔ دوسرے جواب یہی کہ تشریق سے مراد عید الاضحیٰ کی نماز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مَضَرٍ  
جامع اور دوسری حدیث میں ہے لَا دَبْحَ إِلَّا بَعْدَ التَّشْرِيقِ دونوں حدیثوں میں تشریق سے مراد نماز عید ہے پس اس صورت میں

بالاتفاق اضافت درست ہوگی۔ رہی یہ بات کہ تکبیر تشریق واجب ہے یا سنت ہے تو اکثر علماء وجوب کے قائل ہیں اور بعض مسنون ہونے کے قائل ہیں دلیل وجوب ہاری تعالیٰ کا قول **وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيّامٍ مَّعْذُوْرَاتٍ** (البقرہ ۲۰۳) ہے اور سنیّت کے قائلین نے اس پر حضور ﷺ کی مداومت اور ہمیشگی فرمانے کو دلیل بنایا ہے۔

تکبیرات تشریق کی ابتداء اور انتہا میں چونکہ صحابہؓ کا اختلاف ہے اس لئے ائمہ کے درمیان بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے کبر صحابہؓ مثلاً حضرت عمرؓ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ تکبیرات تشریق کی ابتداء عرفہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ سے کی جائے گی اس کو بالاتفاق علماء احناف نے اختیار کیا ہے اور صفار صحابہؓ مثلاً عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ نے کہا کہ یوم نحر یعنی بقیعہ عید کے دن کی ظہر سے تکبیرات کا آغاز کیا جائے گا۔ انتہا کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ ایام نحر کا پہلا دن چنی دسویں ذی الحجہ کی نماز عصر ہے۔ مطلب یہ کہ دسویں ذی الحجہ کو عصر کی نماز کے بعد تکبیرات کہہ کر ختم کر دے پس عبداللہ بن مسعود کے نزدیک کل آٹھ نمازوں کے بعد یقینی نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھی جائے گی۔ یہی مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ تکبیر تشریق ایام تشریق کے آخری دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز پر ختم کی جائے گی۔ پس حضرت علیؓ کے نزدیک کل ۲۳ نمازوں کے بعد یعنی نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر پڑھی جائے گی اسی قول کو حضرات صاحبین نے اختیار کیا ہے۔

صاحبین نے اکثر کو اختیار کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے قول پر اعتماد کیا ہے کیونکہ تکبیر بھی عبادت ہے اور عبادات کے اندر احتیاط اسی میں ہے کہ اکثر کو اپنا جائے امام ابوحنیفہؒ کا کثر اور اقل کو اختیار کرنا اس وجہ سے ہے کہ بآواز بلند تکبیر کہنا بدعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً وَ ذُوْنَ الْجَهْرِ“ (الاقفال ۲۰۵) اور حدیث ہے **رَأَى النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَقْوَامًا یُرْفَعُوْنَ اَصْوَاتُہُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فَقَالَ اَنْتُمْ لَنْ تَدْعُوْا اَصَمَّ وَلَا غَابًا** یعنی رسول اللہ نے ایک قوم کو دیکھا کہ دعا کے وقت وہ لوگ اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نہ تو بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو، آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو تم پکار رہے ہو نہ تو وہ بہرہ ہے اور نہ غائب ہے بلکہ سمیع (بہت سننے والا) ہے اور ہر جگہ موجود ہے اس لئے بآواز بلند اس کو پکارنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس آیت اور روایت سے معلوم ہوا کہ دعا اور ذکر میں اصل اخفاء اور جہر خلاف اصل اور بدعت ہے۔ امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تکبیر کی ابتداء ایسے دن میں کی جاتی ہے جس کے اندر حج کا ایک رکن یعنی وقوف عرفہ ادا کیا جاتا ہے۔ پس اس کو منقطع کرنا بھی اس یوم نحر میں مناسب ہوگا جس میں حج کا دوسرا رکن یعنی طواف زیارت ادا کیا جاتا ہے تاکہ تکبیر کی ابتداء اور انتہا دونوں برابر ہو جائیں۔ یہ یاد رہے کہ عمل اور فقہان صحابین کے قول پر ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ تکبیر مذکور کلمات اللہ اکبر اللہ اکبر الخ کا ایک مرتبہ کہنا ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تین بار کہے یا پانچ بار یا سات بار کہے۔ یہ کلمات سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں ان کلمات کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب ہم خداوندی ابراہیم نے اپنے لخت جگر اسماعیل کو ذبح کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر پیتانی کے بل لٹا دیا اور چھری

چنانچہ کئی ادھر جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اسے عیسیٰ کی جگہ وہ دنبہ لے جا کر رکھ دو جس کو پہل نے نذر اللہ کے لئے پہاڑ پر رکھا تھا اور وہ مقبول ہوا کہ اب تک جنت میں چرتا پھرتا تھا جبرائیل نے جب دیکھا کہ ابراہیم اطاعت باری کے لئے ذبح میں بہت عجلت فرما رہے ہیں تو فرمایا اللہ اکبر، اللہ اکبر ابراہیم نے گردن اٹھ کر دیکھا اور جبرائیل کی آواز کو سنا تو بے ساختہ زبان سے نکلا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ كَبَرُ ذِيكَ اللَّهُ جب معلوم ہوا اور والد بزرگوار اور جبرائیل کے کلمات کو سنا تو حمد باری کے لئے ان کی زبان گویا ہو گئی اور کہنے لگے اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْد یہ کلمات قیامت تک کے لئے ایک صالح بیٹے اور عشق خدا میں سرمست باپ کی یاد دلاتے رہیں گے۔

قرآن حکیم کس قدر بلیغ انداز میں کہتا ہے کہ،

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشِّرْنَاهُ بِقَلَامٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَٰأَنَّتِي إِنِّيَارِي فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَدْبَحُكَ فَأَنْظِرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَحْدِثُنِي أَنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَٰأَبْرَاهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَبُكَ نَجْزِي الْمُخْسِبِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾

(الصافات ۹۹-۱۰۸)

## تکبیر تشریق کہنے کا وقت

وہو عقیب الصلوة المفروضة على المقيمين في الأمصار في الجماعات المستحبة عند أبي حنيفة وليس على جماعات النساء إذا لم يكن معهن رجل ولا على جماعة المسافرين إذا لم يكن معهم مقيم وقالوا هو على كل من صلى المكتوبة لأنه تبع للمكتوبة وله ما روي من قبل والتشريق هو الجهر بالتكبير كذا نقل عن الحلبي بن أحمد ولأن الجهر بالتكبير خلاف السنة والشرع ورد به عند استجماع هذه الشرائط لا أنه يجب على النساء إذا اقتدين بالرجل وعلى المسافرين عند اقتدائهم بالمقيم بطريق التبعية قال يعقوب صليت بهم المغرب يوم عرفة فسهوت أن أكبر فكبر أبو حنيفة دل أن الإمام وإن ترك التكبير لا يتركه لمقتدى وهذا لأنه لا يؤذى في حرمة الصلوة فلم يكن الإمام فيه حتما وإنما هو مستحب

ترجمہ یہ تکبیر بوضیفہ کے نزدیک مستحب جماعتوں میں شہر کے اندر مقیم لوگوں پر فرض نمازوں کے بعد ہے۔ اور عورتوں کی جماعتوں پر تکبیر نہیں ہے جبکہ ان عورتوں کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو اور مسافروں کی جماعت پر تکبیر نہیں اگر ان کے ساتھ کوئی مقیم نہ ہو۔ اور صاحبین نے کہا کہ تکبیر ہر ایسے شخص پر ہے جو فرض نماز پڑھے کیونکہ تکبیر فرض نماز کے تابع ہے اور امام ابو حنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور تشریق تکبیر کے ساتھ جبر کہنا ہے ایسا ہی غلیل بن احمد سے منقول ہے اور اس لئے کہ تکبیر کے ساتھ ہر کرنا سنت کے خلاف ہے اور شریعت ان شریعوں کے جمع ہونے کے وقت ورد ہوئی ہے مگر یہ تکبیر عورتوں پر واجب ہو جائے گی جبکہ وہ کسی مرد کی اقتداء کریں اور مسافروں پر واجب ہوگی ان کے مقیم کی اقتداء کرنے کے وقت بطریق تبعیت یعقوب نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرفہ کے روز ان کو مغرب کی نماز پڑھائی یہ میں تکبیر تشریق کہنا بھول گیا تو ابو حنیفہ نے تکبیر کہی یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ امام نے اگر تکبیر چھوڑ دی تو مقتدی اس میں نہیں چھوڑے گا کیونکہ یہ تکبیر تحریمہ نماز کے اندر داخل نہیں کی جاتی پس تکبیر کہنے میں امام کا ہونا واجب نہیں بلکہ فقط مستحب ہے۔

تشریح: حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نزدیک ہر فرض نماز کے بعد تکبیر پڑھنا واجب سے بشرطیکہ وہ تکبیریں شہ کے اندریوں اور مستحب سے پڑھنا عت کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہو۔ حضرت امام صاحب نے عقیب الفرض کی قید اس سے کافی کہ ہر فرض نماز کے بعد وہ ساری تکبیریں پڑھیں یا مثلاً مبد سے کل یہ باتوں میں مشغول ہو گیا تو یہ شخص تکبیر نہ پڑھے اور مفروضات کی قید سے نماز جنازہ فوت نہ ہو مبد اور نفل کل کے۔ ہاں معنی کے کہ بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہے۔ مگر قید سے مسافر خارج ہو گیا کیونکہ مسافر پر بھی تکبیر نہیں ہے۔ مگر قید سے دیہات کے اندر تکبیر تشریق کا عدم واجب ثابت ہو گیا جماعت کی قید سے منفی خارج ہو گیا اور مستحب کی قید سے تہ عورتوں کی جماعت خارج ہو گئی یعنی اگر عورتوں نے جماعت کی قید پر بھی تکبیر نہیں پڑھیں اور عورتوں کا امام مہم وہاں ہوں اور امام مہم وہاں عورتوں اور مسافروں پر تکبیر واجب ہوں۔ صاحبین نے فرمایا ہے کہ ہر اس شخص پر تکبیر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے خواہ شہ کی ہو یا دیہاتی اور مسافر ہو یا قیام جماعت ہو یا منفی اور ہو یا عورت ہو یا قیام جماعت ہو یا شہ کی ہو یا دیہاتی اور امام مہم وہاں ہوں اور امام مہم وہاں عورتوں اور مسافروں پر تکبیر واجب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے: **لَا تُسَبِّحُ وَلَا تَسْتَبِيحُ وَلَا تَقْرَأُ وَلَا تَكْبُرُ وَلَا تُصَلِّيُ إِلَّا فِي مَقَرِّ حَاجِبٍ**۔ حدیث سے تکبیر تشریق کے لئے شہ کا شرط ہے، معلوم ہوا کہ وقت تکبیر بنیاد سے منقول ہے۔ تشریق ہر کی تکبیر کا نام ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر کو ہر بار بلند بن خداف سے یعنی ہر وقت ہے یا استثناء اس جگہ کے جہاں شریعت و روہی ہے اور نہ کی تکبیر سے بلند ہیں شریعت و روہی اس صورت میں ہوا ہے جس میں یہ تمام شرطیں جمع ہوں۔ یعنی شہ جماعت مستحب اقامت وغیرہ ہوں اور عورتوں کی مہم کی اقتداء کر لیں یا مسافر متیم کی قید کر لیں تو عورتوں اور مسافروں پر بھی تکبیر واجب ہو جائیگی یہ وجہ ہے۔ بطریق جمعیت ہو گا یعنی امام جو کہ مقبوع ہے چونکہ اس پر تکبیر واجب ہے لہذا اس کے تابع پر بھی واجب ہوگی جیسے متیم کی اقتداء کرنے سے مسافر پر چار رکعت لازم ہوتی ہیں۔

صاحب ہدایہ نے ایک واقعہ کے ذریعہ تمبیہ فرمائی ہے کہ اگر امام تکبیر نہ پڑھیں تو مقتدی تکبیر نہ چھوڑے بلکہ ہر بار بلند تکبیر پڑھے امام کو بھی یا خبر کر دے۔ اس کے برخلاف اگر امام نے سجدہ پہنچا دیا تو مقتدی بھی اس کو ترک کر دے۔ وجہ یہ ہے کہ سجدہ سہو درمیان نماز آیا جاتا ہے اس سے سجدہ ہو کر نہ کرنے میں امام کا اتباع ضروری ہو گا اور تکبیر درمیان نماز آدھیں کی جاتی ہے نماز سے فارغ ہو نے کے بعد پڑھی جاتی ہے اس سے تکبیر کہے میں امام کا موجود ہونا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے پس اگر امام نہ بھی تکبیر کہے تو مقتدی ضرور ہے۔ (یہ واقعہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ) نے بیان کیا کہ ایک بار میں نے لوگوں کو عرف کے دن مغرب کی نماز پڑھانی اتفاق سے میں تکبیر تشریق نہ پڑھا تو امام ابو حنیفہؒ نے پیچھے سے تکبیر پڑھ کر مجھے متنبہ کیا تب میں نے تکبیر کی۔ اس واقعہ سے امام ابو یوسفؒ کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام صاحب نے آپ کو امام بنایا اور خود اقتداء کی واللہ علم جمیل حمد عظیم۔

## بَابُ صَلَوةِ الْكُسُوفِ

ترجمہ: یہ بات سورج گہن کی نماز کے بیان میں ہے۔

تشریح: نماز عید نماز کسوف اور نماز استسقاء تینوں نمازوں میں مناسبت ظاہر ہے اس طور پر کہ تینوں نمازیں دن میں بغیر اذان،



روح سے متہ تھا پھر آپ نے سرائٹھاتے ہوئے سمیع اللہ لَمَسْ حَمْدُهُ رَبَّكَ وَلَكَ الْحَمْدُ کہا پھر سجدہ کیا اور دوسری رکعت میں  
تہی عمل کیا جس آپ نے چار رکعت (روعات) چار سجدوں کے ساتھ پورے کے اور آپ کی فراغت سے پہلے سورج روشن ہو گیا  
پھر کھڑے ہو کر دو خطبہ سنایا پس حمد و ثناء اللہ کی شان کے من سب بیان کر کے فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب تو اللہ کی آیات میں سے  
و نشانیں ہیں ان کو کسی کے مہ جانے یا کسی کے پیدا ہونے پر گہن نہیں لگتا ہے پھر جب تم اس کو نکھو تو نماز کی طرف مہدرت کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا آنحضرت ﷺ نے نمازِ سوف کے اندر ایک رکعت میں دو رکوع کئے ہیں۔

ہماری دلیل عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ہے قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكْذِبْ رُكْعُهُ ثُمَّ رَكَعَ فَلَمْ يَكْذِبْ رُفْعُهُ ثُمَّ رَفَعَ فَلَمْ يَكْذِبْ سَجْدَهُ ثُمَّ  
سَجَدَ فَلَمْ يَكْذِبْ رُفْعُهُ ثُمَّ رَفَعَ فَلَمْ يَكْذِبْ سَجْدَهُ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكْذِبْ رُفْعُهُ ثُمَّ رَفَعَ وَفَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَى كَذَلِكَ  
ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فِي آفَتِ بَنِي نَدِيٍّ تَوَرَّعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي طَوِيلِ قِيَمٍ فَرَأَى أَنَّهُ لَتَا تَهْتَدُ بِرَأْسِهِ رُكْعًا ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ  
قَدْ رَطَوِيلُ رُكْعٍ كَمَا مَعْلُومٌ هُوَ تَهْتَدُ بِرَأْسِهِ رُكْعًا ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ رَفَعَ  
اتھانے میں امکان نظر نہیں آتا تھا پھر سر اٹھایا تو دوسرے سجدہ کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا پھر آپ نے سجدہ کیا تو ایسا لگتا تھا آپ نے نہیں  
اٹھائیں گے لیکن آپ نے سر اٹھایا یہی عمل آپ نے دوسری رکعت میں یا سب۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ آپ نے ایک  
رکعت میں ایک ہی رُکوع یا سب اُسر چہ رُکوع اور سجدہ انتہائی طویل تھا۔

اب حدیث عائشہ اور حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص متعارض ہوئیں ہیں تو ابن عمر کی روایت کی ترجیح ہونی چاہئے کیونکہ مردِ پختہ امام  
سے قریب ہوتے ہیں اس لئے ان پر امام کا حل زیادہ واضح ہوگا۔

امام محمد نے حدیث میں تائید کی ہے کہ آنحضرت نے ممکن ہے کہ رُکوع بہت طویل کر دیا ہو جس کی وجہ سے پہلی صف کے  
لوگوں نے یہ مان کر کے اپنا سر رُکوع سے اٹھایا ہو تو سب جو لوگ صفِ اولیٰ کے پیچھے تھے ان کو دیکھ کر انہوں بھی اپنا سر اٹھایا ہو۔ پھر جب  
صفِ اولیٰ کے لوگوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ تو ابھی تک رُکوع ہی میں ہیں تو یہ بھی رُکوع میں چلے گئے اور جو وہ ان کے پیچھے تھے وہ بھی  
وہاں رُکوع میں چلے گئے جس صف والی سے پیچھے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے دو رُکوع کئے ہیں اسی روایت پر نا شروع کر دیا۔ اب  
آپ اندازہ لگایے کہ مشرق و بائیں پیچھے عورتوں کی صف میں ہوں ان پر معاملہ کا مشتبہ ہونا تو یک امر بدیہی ہے اس لئے حدیث میں  
اس طرح بہت ہوسکتی ہے۔

### لمبی اور سرائقِ قرأت کرنے کا حکم

و يُطَوَّرُ الْفِرَاءُ فِيهِمَا وَ يُحْمَى عِنْدَ ابْنِ حَبِيبَةَ وَ قَالَ يَجْهَرُ وَ عَنْ مُحَمَّدٍ مِثْلَ قَوْلِ ابْنِ حَبِيبَةَ أَمَّا انْطِلَافُ  
الْفِرَاءِ فَفِيهِمَا الْأَفْطُحُ وَ يُخَفَّفُ إِنْ شَاءَ لَأَنَّ لِسَانَهُ إِسْتِغَابَ لَوْ قُبِ بِالصُّوْرَةِ وَالْعَاءُ فَإِذَا أَخَفَّفَ أَحَدُهُمَا  
هَرَّ الْآخَرَ وَأَمَّا الْإِخْفَاءُ وَالْجَهْرُ فَلَهُمَا رَوِيَّةُ عَائِشَةَ أَنَّهَا جَهَرَ فِيهَا وَلَا بِنِي حَبِيبَةَ رَوَاةُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ  
سَمَرَةَ ابْنِ حَنْدَلٍ وَ التَّرْجِيحُ قَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلِ كَيْفَ وَ إِنَّمَا صَلَوَةُ السَّهَارِ وَ هِيَ عَجَبٌ

ترجمہ اور دونوں رکعتوں میں قراءت کو دراز کرے اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک اخفاء کرے اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ جہر کرے اور امام محمدؒ سے ابو حنیفہؒ کے قول کے مثل ہے۔ بہر حال قراءت میں طول دینا تو فضیلت کا بیان ہے اور اگر چاہے تو قراءت میں تخفیف کرے کیونکہ مسنون تو وقت کسوف کو نماز اور دعا کے ساتھ گھیرتا ہے پس جب ان دونوں میں ایک کو بلا کر دوسرے کو طول دے دے رہا اخفاء اور جہر تو صاحبینؒ کی دلیل ابن عباسؓ اور سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے اور ترجیح پہلے گزری چکی ہے کیونکہ اخفاء متعین نہ ہوگا حالانکہ نماز کسوف دان کی نماز ہے اور دن کی نماز عموماً بلا قراءت مسموحہ کے ہوتی ہے۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ نماز کسوف کی دونوں رکعتوں میں طویل قراءت کرے چنانچہ بعض احادیث میں اول رکعت بقدر سورہ بقرہ اور دوسری رکعت بقدر آل عمران ہے اس میں اختلاف ہے کہ قراءت جہری کرے یا سری چنانچہ حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ نماز کسوف میں سری قراءت کرے اسی کے قائل امام مالکؒ امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء ہیں۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جہری کرے یہی قول امام احمد کا ہے اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام محمدؒ سے ایک روایت امام ابو حنیفہؒ کے مانند ہے اس صورت میں طرفین اخفاء اور سری قراءت کے قائل ہوں گے اور ابو یوسفؒ جہری قراءت کے قائل ہوں گے حاصل یہ کہ یہاں دو باتیں ہیں قراءت میں طول دینا اور قراءت میں جہر یا اخفاء کرنا۔ سو قراءت کو طویل دینا تو افضل ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ رکعت اولیٰ میں رسول اللہؐ کا قیام بقدر بقرہ اور رکعت ثانیہ میں بقدر آل عمران ہوتا تھا پس قراءت کو طول دینے میں رسول اکرمؐ کی متابعت ہے اور جی چاہے تو قراءت میں تخفیف کرے یعنی قراءت مختصر کرے کیونکہ مسنون تو یہ ہے کہ گہن کا وقت نماز اور دعا میں گھیر جائے ہذا اگر ایک کو تخفیف کرے تو دوسرے کو طویل دیدے۔ عدم ان الہمام نے فرمایا ہے والحق ان السنۃ التطویل و المندوب مجوز استیعاب الوقت یعنی حق یہ ہے کہ قراءت کو طول دینا مسنون ہے اور وقت کسوف کا استیعاب کرنا مستحب ہے جیسا کہ حدیث مغیرہ بن شعبہؓ میں ہے فاذا رايت کسوفاً فادعوا للہ و صلوا حتی تنجلي (صحیحین) پھر جب تم ان چیزوں کو دیکھو (کسوف وغیرہ) تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے۔ دیکھئے سورج روشن ہونے تک نماز کو طویل دینا حکم کیا گیا ہے اور یہ ان وقت ہوگا جب کہ قراءت کو طویل دیا جائے پس معلوم ہوا کہ قراءت کو طول دینا مسنون ہے۔

قراءت کے جہری ہونے پر صاحبینؒ یا فقط امام ابو یوسفؒ کی حدیث ہے۔ ہے قال جہر النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوة الکسوف بقراءتہ (صحیحین) مائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ نے نماز کسوف میں بالجہر قراءت کی ہے امام ابو حنیفہؒ یا طرفین کی دلیل ابن عباسؓ اور سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں عن ابن عباسؓ قال صلی اللہ علیہ وسلم الکسوف فلم نسمع منہ حزفا من القراءۃ یعنی ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ کسوف کی نماز پڑھی ہے لیکن میں نے آپ کی قراءت سے کوئی حرف نہیں سنا۔ اسی کے ہم معنی سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے صلی بنابی کسوف الشمس لانسمع منہ صوتاً یعنی ہم کو کسوف شمس کی قراءت میں نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کی آواز نہیں سنی۔ صاحب ہدایہ نے قراءت کے جہری اور سری ہونے میں تعرض حدیث کو اس طرح دور کیا ہے کہ ابن عباسؓ اور سمرہ بن جندبؓ کی روایت کو حضرت مائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پر ترجیح دی ہے ورنہ ترجیح یہ ہے کہ نماز کے اندر مرد چونکہ امام سے قریب ہوتے ہیں اس لئے عورتوں کی بہ نسبت ان کا حال زیادہ واضح ہوگا اور امام کی کیفیت نماز اور قراءت کے بالجہر اور ہاں خفاء ہونے میں مردوں کا ہی قول



رائج ہوگا صاحب ہدایہ اس صاحب کے مذہب کو مضبوط کرنے کے لئے زوردار الفاظ بیان فرماتے ہیں کہ نماز کسوف میں اختفاء قراءت کیسے نہیں ہوگا۔ اگر نماز کسوف ان کی نماز ہے اور دن کی نمازوں کے بارے میں رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے صلوٰۃ النہار عجمائے عین دن کی نماز کوئی ہے مرا یہ ہے کہ ان کی نمازوں میں قراءت آہستہ کی جاتی ہے نہ کہ باواز بلند۔

### نماز کے بعد دعا کا حکم

وَبَدْعُوْا بَعْدَهَا حَتّٰی نُنْحِیَ الشَّمْسَ لِقَوْلِهِ ۖ اِذَا رَاَيْتُمْ مِنْ هٰذِهِ اَفْرَاحٌ شَيْئًا فَاَرْغُوا اِلٰی اللّٰهِ بِالْذِّعَاءِ وَالسُّنَّةِ فِی الْاَذْعِیَةِ تَاخِیْرُهَا عَنْ الصَّلٰوةِ

**ترجمہ** اور نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو جائے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم ان گھبراہٹیں وان چیزوں میں سے کچھ دیکھو تو دعا کے ساتھ اللہ کی طرف رغبت کرو۔ وردعاؤں میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد ہو۔

**تشریح** فرمایا ہے کہ نماز کسوف کے بعد آفتاب روشن ہونے تک دعا کی جائے۔ دعا قبلہ رخ بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہو کر کرے خواہ عورتوں کی طرف منہ کرے۔ اور لوگ قبلہ رخ بیٹھیں اور امام کی دعا پر آمین کہتے رہیں۔ دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے اِذَا رَاَيْتُمْ مِنْ هٰذِهِ اَفْرَاحٌ شَيْئًا فَاَرْغُوا اِلٰی اللّٰهِ بِالْذِّعَاءِ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ دعاؤں میں مستنون یہ ہے کہ نماز کے بعد ہو۔ ابوالامہ سے مروی ہے قیل یا رسول اللہ انّی الذِّعَاءُ اَسْمَعُ قَالَ خَوْفُ اللَّیْلِ الْاَجِیْرُ وَذُبُّ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوبَةِ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ مقبول ہے فرمایا کہ آخری رات کا درمیانی حصہ و فرض نماز کے بعد۔ اس حدیث سے فقط فرض نماز کے بعد دعا کا مستنون ہونا معلوم ہوا۔ اس کے ساتھ وہ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ حضور ﷺ نماز کے بعد دعا کرتے تھے۔ (بخاری فی التاریخ الاوسط)

### امام جمعہ صلوٰۃ الکسوف کی امامت کرے

وَيُصَلِّيْ بِهُمْ الْاِمَامُ الَّذِیْ يُصَلِّيْ بِهِنَّ الْجُمُعَةُ وَاِنْ لَّمْ يَحْضُرْ صَلَّی النَّاسُ فِرَادٰی تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ

**ترجمہ** اور نماز کسوف لوگوں کو وہ امام پڑھائے جو ان کو جمعہ پڑھاتا ہے اور اگر امام حاضر نہ ہو تو لوگ تنہا نماز پڑھیں تاکہ فتنہ پیدا ہونے سے بچا رہے۔

**تشریح** مسد یہ ہے کہ نماز کسوف میں اس کو امام مقرر کیا جائے جو لوگوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتا ہے اور اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو ایک تنہا نماز پڑھائیں کیونکہ اس میں فتنہ کا امکان نہیں ہے اور جماعت کی صورت میں فتنہ کا غالب امکان ہے بایں طور کہ ہر شخص امام بننے کی کوشش کرے گا یا اپنی سبقت یا امام کو آگے بڑھائے گا۔ اس خفشار سے بہتر یہی ہے کہ فراوی فرلاوی نماز کسوف ادا کریں۔

### چاند گرہن میں جماعت کا حکم

وَلَيْسَ فِیْ خُسُوفِ الْقَمَرِ حُمَاعَةٌ لِّتَعْذَرَ الْاِجْتِمَاعُ فِی اللَّیْلِ اَوْ لَخَوْفِ الْفِتْنَةِ وَاِنَّمَا یُصَلِّيْ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ لِقَوْلِهِ ۖ اِذَا رَاَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْاَهْوَالِ فَافْرَعُوا اِلٰی الصَّلٰوةِ وَلَيْسَ فِی الْكُسُوفِ خُطْبَةٌ لَّاَنَّهُ لَمْ یُقْل

ترجمہ اور چاند کے کہیں میں جماعت نہیں ہے یا تو اس وجہ سے کہ رات میں لوگوں کا مجمع ہونا مسجد رہے یا اس وجہ سے کہ فقہ کا خوف ہے اور ملامتی بذات خود اپنی نماز پڑھے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم ان بدعتوں میں سے چھو تو جیسا کہ نماز میں رکعت پڑھو اور سواف میں خطبہ نہیں ہے کیونکہ خطبہ پر سنا منقوس نہیں ہوا۔

[illegible]

امام ابو الحسن قدس سرہ نے کہا کہ سوف اور خسوف کی نماز میں خطبہ نہیں ہے اور متنافی ہے فرمایا ہے کہ سیدم کے بعد عیدین کی طرح وہ خطبہ ہیں اور دلیل میں حدیث کا شرعاً پیش کیا تھا قَالَتْ كَرِهَ النَّبِيُّ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى ثُمَّ حَطَبَ فَحَمْدُ اللَّهِ وَانْشَأَ عَلَيْهِ تِلْكَ طَرَفٌ مِنْ جَوَابِ يَدَيْهِ كَيْفَ شَرَعَ يَا سَيِّدِي يَا تَوْخِطُّهُ جَوْزُ صَلَواتِہِ مِنْ شَرَعٍ جَيْسَ نَمَازِ جَمْعٍ مِیں ہے یا تعلیم احکام کے لئے ہے جیسے عیدین کی نماز میں ہے نماز سوف کے اندر دونوں باتوں میں سے کوئی نہیں ہے اس سے نماز سوف کے لئے خطبہ شروع نہ ہوگا اور حدیث کا شرعاً جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں سوف آفتاب کے ٹوٹنے سے ہو جاتا تھا کہ یہ حدیث صحابہ اور محدثین حضرت ابراہیم کے ساتھ ارتجال کی وجہ سے پیش آیا ہے پس نماز سوف کے بعد خطبہ کے بارے میں آپ ﷺ نے اس وجہ کا ازالہ فرمایا اور بَيَّنَّ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اَبْتَانِ مِنْ بَيِّنَاتٍ لِلَّهِ تَعَالٰی لَا يَكْفُرُ بِهَا يَتُوبُ اَحَدٌ وَلَا لِحَبَابَةٍؕ ذٰلِكَ جَانِبُ الرَّسُولِ الْعَدُوِّ لِلنَّبِيِّؕ مِیں سے وہ نشانیاں ہیں یہ کسی کے مرنے اور جینے سے کہیں نہیں ہوتے۔

صاحبِ کفر یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے قول حسبِ کفر معنی یہ ہے کہ میں نے کوئی خطبہ نہیں جاتا ہے یہ صاحبِ ہدایہ نے کہا ہے۔ بشریقِ شہادت حدیث خطبہ منقول نہیں ہے اس کے حدیث کا شریعتی اعتبار نہ ہو بلکہ یہ عقلِ حنفی عند

بَابُ الْإِسْتِشْقَاءِ

ترجمہ: (پ) باب استفتاء، (کے احکام میں) ہے

تشریح مصنف نے باب صلوٰۃ الاستسقاء نہیں کہا ہے جیسا کہ گذشتہ ابواب میں مصنف کی عادت رہی ہے وجہ یہ ہے کہ امام صاحب سے یہ سب میں نماز ستون نہیں ہے اسلئے عنوان میں صلوٰۃ کا لفظ نہیں آیا۔ استسقاء کے معنی سیراب ہونا و انحراف ہوا کہ استسقاء ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں دریا جھیل اور چشمہ وغیرہ مومن جن سے خود پانی نہیں رہا اپنے چاہروں و پانیوں سے یہ چیزیں مومن کمران نہ ورت وہ پانی نہ دے اور اگر یہ چیزیں کافی نہ ہوں تو اگر استسقاء کے سے نہیں کہیں گے۔ کیونکہ استسقاء شدت نہ ورت کے وقت ہوتا ہے پھر جب

استسقاء کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ امان تو تین روزہ تک روزہ رکھنے اور توبہ کرنے کا حکم کرے پھر چوتھے روز ان کو لے کر نکلے۔

## نماز استسقاء کی جماعت کا حکم

قال أبو حنیفۃ لیس فی الاستسقاء صلوۃ منسۃ فی جماعۃ فإن صلی الناس وخذ أنا جازاً وإنما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالیٰ فقلت استغفروا ربکم إنه کان عفاراً الا یہ ورسول اللہ ﷺ استسقی ولتم تروا عۃ الصلوۃ

ترجمہ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ کوئی نماز منسوخ نہیں ہے پھر اگر لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی تو جائز ہے اور استسقاء تو فقط دعا اور استغفار ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے کہا کہ تم رب سے مغفرت مانگو وہ تو غفار ہے اور اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کیا حالانکہ آپ سے نماز مروی نہیں ہے۔

**تشریح** اس بارے میں اختلاف ہے کہ استسقاء کیا چیز ہے صاحب قدوری نے کہا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک استسقاء فقط دعا اور استغفار کا نام ہے استسقاء میں جماعت کے ساتھ کوئی نماز منسوخ نہیں ہے ہاں اگر تنہا تنہا نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول فقلت استغفروا ربکم <sup>کان</sup> إنه عفاراً ایوسل السناء علیکم بملوازا (نور ۱۱۰) ہے ترجمہ تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے تم پر بھیج دیا آسمان سے موسلا دھار بارش۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کا اترنا استغفار پر معلق کیا ہے نہ کہ نماز پر پس معلوم ہوا کہ استسقاء (سیرابی چاہئے) میں اصل دعا اور استغفار ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استسقاء کیا ہے مگر آپ ﷺ سے نماز مروی نہیں ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں حدیث انسؓ ہے أن دخل المسجد فی یوم الخمعة ورسول اللہ ﷺ قائم یخطب فقال یا رسول اللہ هلکت الاموال وانقطعت السب فادع اللہ یغیننا فقال فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیه ثم قال اللهم اغثنا اللهم اغثنا (شرح نقایہ) یعنی ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول مال ہلاک ہو گیا اور راستہ بند ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ہم کو باران رحمت عطا فرمائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اللهم اغثنا اللهم اغثنا اس روایت سے بھی استسقاء میں دعا کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ نماز کا۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔

## صاحبین کا نقطہ نظر

وقالایضی الإمام رکعتین لما روی ان النبی ﷺ صلی فیہ رکعتین کصلوۃ العید رواہ ابن عباس قلنا فعلہ مرۃ وترکہ أخری فلم یکن منۃ وقد ذکر فی الاصل قول محمد وخذہ

ترجمہ اور صاحبین نے کہا ہے کہ امام دو رکعت پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء میں عید کی طرح دو رکعت پڑھی ہیں۔ اس رواہ ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ کبھی کیا اور کبھی چھوڑا تو نماز پڑھنا سنت نہ ہوا۔ اور مبسوط میں فقط امام

محمد کا قول مذکور ہے۔

**تشریح** استسقاء میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت پڑھانے میں قول امام مالک امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ دلیل ابن عباس کا قول ہے خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَدِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَضَرِّعًا حَاطِي أَمَى الْمُصَلِّي فَلَمْ يَخْطُبْ حُطَّتْكُمْ هَذِهِ وَلَكِنْ كَمْ يَزُلُ فِي الدُّعَا وَالتَّصَرُّعِ وَالتَّكْبِيرِ وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدَيْنِ (رواہ صحیح السنن) یعنی رسول اللہ انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ نکل کر عید گاہ تشریف لے گئے لیکن آپ نے خطبہ نہیں پڑھا اور برابر دعا اور یہ وزاری میں گئے رہے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ میدین میں پڑھی جاتی ہے دوسری روایت عبداللہ بن زید بن عاصم کی ہے أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي بِهِمْ فَصَلَّى بِهِمْ رَكَعَتَيْنِ وَحَوْلَ دَاءِهُ وَرَفَعَ يَدَيْهِ قَدَعًا وَاسْتَسْقَى الْفَيْلَةَ (متفق علیہ) یعنی رسول اللہ لوگوں کو لے کر استسقاء کے لئے نکلے پھر ان کو دو رکعت پڑھائی اور اپنی چادر کو اٹھ دیا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور استسقاء کیا اور استقبال قبلہ کیا۔ ان دونوں روایتوں سے سنت کے لئے نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ آپ نے استسقاء میں کبھی نماز پڑھی ہے اور کبھی اس کو ترک کر دیا ہے۔ اس لئے اس سے نماز استسقاء کا جواز تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن مسنون ہونا ثابت نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جواز کا ہم بھی انکار نہیں کرتے بلکہ کلام نماز استسقاء کے مسنون ہونے اور نہ ہونے میں ہے۔ اور سنت وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے ہمیشگی فرمائی ہو۔ سوال اس جگہ مصنف کی عبارت پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مصنف نے پہلے کہا لَمْ تَرْوِعْهُ الصَّلَاةُ اور پھر فرمایا لِمَارُوِي ظاہر ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء میں نمازی روایت چونکہ شاذ اور نادر ہے اس لئے النادر کا لمعدوم کے قہرہ سے اس مردی کو بھی غیر مردی قرار دیدیا ہے پس اب کوئی تعرض نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ استسقاء میں نماز کا مسنون ہونا فقط امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف امام صاحب کے ساتھ ہیں اسی طرح مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے۔

### جہر اقرأت کا حکم

وَيَحْهَرُ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ عِبَارًا بِصَلَاةِ الْعِيدِ ثُمَّ يَخْطُبُ لِمَارُوِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ ثُمَّ هِيَ كَحُطْبَةِ الْعِيدِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعِنْدَ أَبِي يَوْسُفَ خُطْبَةٌ وَاحِدَةٌ

**ترجمہ** اور صاحبین نے کہا کہ دونوں رکعت میں جہر سے قرأت کرے عید کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے پھر خطبہ پڑھے کیونکہ روایت ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے خطبہ پڑھا ہے پھر یہ خطبہ عید کے خطبہ کے مانند ہے۔ امام محمد کے نزدیک اور ابو یوسف کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے۔

**تشریح** صاحبین نے کہا کہ نماز عید کی طرح استسقاء کی دونوں رکعتوں میں قرأت بالجہر کرے پھر خطبہ پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے خطبہ پڑھنا ثابت ہوا ہے لیکن امام محمد کے نزدیک عید کی طرح دو خطبہ ہیں دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرے۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک ہی خطبہ ہے زمین پر کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پڑھے۔



اس نے نکار نہیں فرمایا اس لئے ثابت ہوگا کہ لوگ قلبِ رواہ کریں جب اب اس موقع پر لوگوں کا قلب رواہ کرنا ایسا تھا جیسے کہ حضور ﷺ کو نماز کی حالت میں جوتے نکالتے دیکھ کر صحابہ نے اپنے جوتے تارے تارے کر دیے اور جوتے اتارنا حجت نہیں تھا پس اسی طرح یہاں بھی قلب رواہ حجت نہ ہوگا اور آپ نے انکار اس سے نہیں فرمایا کہ قلب رواہ بتلوق حرام نہیں ہے بلکہ اس سے سنون ہونے میں ہے۔

صاحبِ قدوری نے کہا ہے کہ استسقاء میں ذمی لوگ حاضر نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کا ممکن نزول رحمت کی حالت سے ہے اور اگر کفار میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما دعاء الكافرين الا في ضلال یعنی کفار کی دعا ضلالت و خسران سے۔ امامِ شافعی اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ ذمیوں کو استسقاء کے واسطے نکلنے کا حکم نہ دیا جائے اور اگر وہ از خود نکلیں تو منع بھی نہ کیا جائے لیکن یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ ذمی لوگ کبھی تنہا نہ نکلیں بلکہ جب وہ نکلیں تو کچھ مسلمان ان کے ساتھ ضرور نکلیں کیونکہ استسقاء کے ذریعہ طلبِ رزق مقصود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب کو رزق دیتا ہے پس اگر کفار کسی دن تنہا نکلیں اور پارگاہِ ایزدی میں دعا کی اور اذان سے اس روز بارش ہوگئی تو بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ واللہ اعلم، جمیل حمد مافی عندہ۔

## بَابُ صَلَوةِ الْخَوْفِ

ترجمہ: یہ باب نمازِ خوف کے بیان میں ہے۔

تشریح: استسقاء اور خوف کی نماز کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں کی شروعات عارضِ خوف کی وجہ سے ہے مگر اتنا فرق ہے کہ استسقاء میں عارض یعنی بارش کا منقطع ہو جانا سہوی اور غیر اختیاری ہے ورنہ رزق میں عارض اختیار کی ہے یعنی جہد جس کا سبب کفر کا کفر اور ظلم کا ظلم ہے پس چونکہ غیر اختیاری چیز مقلد کی مقلد ہے اس سے استسقاء کو مقدم کیا گیا۔

### صلوة الخوف پڑھنے کا طریقہ

إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ حَعَلَ لِإِمَامٍ آسَاسَ طَائِفَتَيْنِ صَانِعَةً عَلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَ صَانِفَةً خَلْفَهُ فَيُصَلِّي بِهَذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هَذِهِ الطَّائِفَةُ إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَخَانَتْ بِلَاكِ الطَّائِفَةِ فَيُصَلِّي بِهِيَ الْإِمَامُ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشْهَدُ وَسَلَّمٌ وَلَمْ يُسَلِّمُوا وَدَهَوْا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَخَاءَتِ الطَّائِفَةُ لِأُولَى فَصَلُّوا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَخَدَانَا بَعْدَ قِرَاءَةِ لِأَنَّهُمْ لَا حَقُّونَ وَتَشْهَدُ وَأَسَلِّمُوا وَمَضُوا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَخَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى وَصَلُّوا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةِ لِأَنَّهُمْ مُسَوِّفُونَ وَتَشْهَدُ وَأَسَلِّمُوا وَالْأَصْلُ فِيهِ رَوَايَةُ أَنَسٍ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى صَلَوةٌ لِّلْخَوْفِ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي قُلْنَا وَابْنُ يَوْسُفَ وَإِنْ أَنْكَرَ شَرَعِيَّتَهَا هِيَ زَمَانًا فَهِيَ مُحْجُوجٌ عَلَيْهِ بِمَا رَوَيْتَ

ترجمہ: جب خوف بڑھ جائے تو امام دو گروہوں کو دو گروہ کر دے ایک گروہ کو دشمن کے سامنے چھوڑے اور ایک گروہ کو اپنے پیچھے کرے۔ پس اس گروہ کو ایک رکعت اور دو جہد نماز پڑھائے۔ پس جب اس نے دوسرے جہد سے اپنا سر اٹھایا تو یہ گروہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے اور وہ گروہ کے پس امان کو ایک رکعت اور دو جہد پڑھائے و تشہد پڑھ کر سامنے پیچھے آئے اور اس گروہ کے لوگ سامنے پیچھے آئے امان میں (دشمن کے رو برو آئے جائیں اور پہلا گروہ آجائے۔ اس گروہ کے لوگ ایک رکعت اور دو جہد پڑھیں اور پیچھے آجائیں۔

قرأت پڑھیں۔ یونکہ یہ دُک، حق ہیں اور شہد پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے میں چلے جائیں اور دوسرا رُوہ آئے اور ایک رُعت اور دوسرا رُعت پڑھیں۔ کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں۔ اور شہد پڑھ کر سلام پھیر لیں۔ اور اصل اس میں عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز خوف کو اسی صفت پر پڑھ جو ہم نے بیان کی ہے اور ابو یوسف نے اُسرچہ ہمارے زمانے میں نماز خوف کی شروعات سے انکار کیا ہے مگر ابو یوسف پر حجت ان روایات سے قائم ہے جو ہم نے روایت کیں۔

**تشریح** قدوری کی عبارت اِذَا اُشْتُدَّ الْحَوْفُ سے بطور معصوم ہوتا ہے کہ نماز خوف کے جواز کے لئے اشد خوف شرط ہے نہ عامۃً مثلاً کے لئے نہ ایک اشد خوف شرط نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ خوف کے جواز کے لئے دشمن کا قس قرب کافی ہے اسی وجہ سے مبہوط میں کہا گیا کہ بعض لوگوں کے لئے نماز خوف سے حقیقتہً خوف مراد نہیں ہے بلکہ دشمن کا حاضر ہونا مراد ہے پس دشمن کا موجود ہونا خوف کے قیام کے لئے جیسے کسی غم مشقت کے قیام کے لئے مقدم ہو کر رخصت صلوٰۃ اور رخصت افطروغیرہ کا سبب ہے نماز خوف کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے وقت لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دے، ایک رُوہ و دشمن کے رو برو کھڑا کر دے اور ایک رُوہ و ایک رُعت پڑھ لے۔ پس جب امام نے اس رُعت کے بعد سے سر اٹھایا تو یہ رُوہ پیدل چل کر دشمن کے مقابلے پر چل جائے۔ اور وہ رُوہ جو دشمن کے رو برو تھا وہ امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے، امام ان کو ایک رُعت پڑھا کر سلام پھیر لے لیکن یہ دُک سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے مقابلے پر چل جائیں، اب پہلا رُوہ آرتہا تھا اپنی ایک رُعت پڑھ لیں۔ یہ رُعت بغیر قرأت کے ہوئی، کیونکہ یہ دُک تحریر سے امام کے ساتھ ایک شریک ہونے کی وجہ سے اُحق ہیں اور اُحق پر قرأت نہیں ہے اس رُوہ کی نماز پوری ہوئی ہے۔ لہذا یہ رُوہ سلام پھیر کر دشمن کے مقابلے پر چلا جائے اور دوسرا رُوہ وہ اپنی ایک رُعت پوری کر کے سلام پھیر دے۔ ان کی یہ رُعت قرأت کے ساتھ ہے یونکہ یہ دُک پہلی رُعت میں امام کے ساتھ شریک نہ ہونے کی وجہ سے مسبوق ہیں اور مسبوق پر قراوت کرنا واجب ہوتا ہے اس لئے یہ دُک قرأت کریں گے، صاحب بدیع کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کے اندر اصل عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے الفاظ حدیث میں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ صَلَّی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلَوةَ لِحَوَافٍ فَقَامُوا صَفًّا حَتَّى رَافَعُوا مُسْتَقْبِلَ الْعَدُوِّ وَفَضَّلِي بِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ حَآءَ الْآخَرُونَ فَقَامُوا فِي مَقَامِهِمْ وَاسْتَقْبَلَ هَؤُلَاءِ الْعَدُوَّ فَضَّلِي بِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ هَؤُلَاءِ الْعَدُوَّ فَضَّلُوا أَنْفُسَهُمْ رَكْعَةً وَسَلَّمُوا، ثُمَّ دَهَبُوا، فَقَامُوا مَقَامَ أُولَئِكَ مُسْتَقْبِلِي الْعَدُوِّ، وَرَخَعَ أُولَئِكَ إِلَى مَقَامِهِمْ فَضَلُّوا أَنْفُسَهُمْ رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمُوا

ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھی پس ایک رُوہ آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک دشمن کے مقابلے میں، آپ ﷺ نے ان کو ایک رُعت پڑھائی۔ پھر دوسرا رُوہ ان کی جگہ آکر کھڑا ہوا، اور یہ دشمن کے مقابلے پر چلے گئے، آپ ﷺ نے ان کو بھی ایک رُعت پڑھائی پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا، پھر ان لوگوں نے خود ایک رُعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، اور جاکر ان کی جگہ دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے اور وہ ان کی جگہ آئے، اور تنہا ایک رُعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔

ساحب مانیہ نے تخریف کیا ہے کہ اس طرح نماز خوف کی اجازت اس وقت ہے جب کہ ایک امام ہو، اس کے علاوہ کے پیچھے دُک نماز پڑھنے کو تیار نہ ہوں لیکن اگر چند امام ہیں اور ان پر کسی کو اختلاف بھی نہیں ہے تو افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک رُوہ کو پوری نماز پڑھا دے، اور ان کو دشمن کے مقابلے میں بھیج دے اور دوسرا رُوہ جو دشمن کے مقابلے پر تھا ان میں سے ایک شخص کو حکم دے کہ وہ ان کو

پوری نماز پڑھئے۔

## کیا حضور کے وصال کے بعد صلوٰۃ خوف مشروع ہے

بقول صاحب ہدایہ کے حضرت امام ابو یوسفؒ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نماز خوف کی مشروعیت کا انکار کیا ہے امام ابو یوسف ابتداء میں طرفین کی طرح نماز خوف کے مشروع ہونے کے قائل تھے، پھر اپنے اس قول سے رجوع فرما کر کہتے تھے کہ نماز خوف کا مشروع ہونا حیات نبی کے ساتھ خاص ہے، اور دلیل یہ ہے کہ نماز خوف کے بارے میں خداوند قدوس نے فرمایا ہے وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتُ لَّهُمُ الصَّلٰوةَ (النساء ۱۰۲) اس آیت میں خاص طور سے رسول اللہ ﷺ کو نماز خوف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس جب آپ امام ہو گئے تو ہر گروہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت و حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ جھگڑا مرفوع ہو گیا اور ہر گروہ امام کے ساتھ پوری نماز ادا کرنے پر قادر ہے لہذا آمد و رفت کی صفت کے ساتھ ایک ایک رکعت ادا کرنا جائز نہ ہو گا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت امام ابو یوسف کے خلاف حجت ہے کیونکہ ابن مسعود کی روایت جو آپؐ کی زندگی میں با تفصیل رسول اللہ ﷺ کا نماز خوف پڑھنا ذکر کیا گیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ امام ابو یوسف نے رسول اللہ کی حیات میں نماز خوف کے مشروع ہونے کا کہاں انکار کیا ہے۔ امام ابو یوسف تو آپ کی حیات میں نماز خوف کے مشروع ہونے کے قائل ہیں اب بعد وفات کے بعد کے قائل نہیں ہیں۔ پس جب ابو یوسف رسول اللہ کے زمانے میں نماز خوف مشروع ہونے کے قائل ہیں تو رسول اللہ کا صلوٰۃ خوف پڑھنا ابو یوسف کے خلاف کیسے حجت ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ابن مسعود کی روایت من حیث العبائر اگرچہ ابو یوسف کے خلاف حجت نہیں ہے مگر من حیث الدلائل حجت ہے۔ ہاں طور کہ نماز خوف کا سبب خوف ہے اور خوف جس طرح آنحضرت ﷺ کی حیات میں متحقق ہے اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی متحقق ہے پس جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خوف کی وجہ سے نماز خوف مشروع تھی اسی سبب کی وجہ سے آپ کے بعد بھی مشروع ہوگی دوسرا جواب یہ ہے حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کا نماز خوف پڑھنا ثابت ہے چنانچہ سعد بن ابی وقاص، ابوبییدہ بن الجراح اور یوموسیٰ اشعری نے اصفہان میں نماز خوف پڑھی ہے نیز سعد بن ابی وقاص نے طبرستان میں مجوسیوں سے جنگ کی اور آپ کے ساتھ حسن بن علی، حذیفہ بن اسحاق اور عبد اللہ بن مرہ بن اعص تھے تو سعید بن ابی العاص نے ان حضرات صحابہ کو نماز خوف پڑھائی، اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ پس یہ عدم انکار بمنزل جماع کے ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نماز خوف کے جواز پر صحابہ کے اجماع کرینے کے بعد حضرت امام ابو یوسف کا نماز خوف کی مشروعیت سے انکار کرنا اچھا سا نہیں لگتا۔

## امام مقیم ہو تو نماز کا کیا طریقہ ہے

فَاِنْ كَانَ الْاِمَامُ مُقِيْمًا صَلَّى بِالسَّائِفَةِ الْاُولٰٓئِ رَكَعَتَيْنِ وَبِالسَّائِفَةِ الثَّانِيَةِ رَكَعَتَيْنِ كَمَا رَوٰى اَبُو صَالِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ  
بِالسَّائِفَتَيْنِ رَكَعَتَيْنِ رَكَعَتَيْنِ وَبِالسَّائِفَةِ الْاُولٰٓئِ مِنَ الْمَغْرِبِ رَكَعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكَعَةً وَاحِدَةً لِاَنَّ تَصِيْفَ  
الرَّكَعَةِ الْوَاحِدَةِ غَيْرُ مُمَكِّنٍ فَجَعَلَهَا فِي الْاُولٰٓئِ بِحُكْمِ السَّقِ

ترجمہ پھر اگر امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کے ساتھ دو رکعت اور دوسرے گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھے کیونکہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے خیمہ کی نماز دونوں گروہوں کے ساتھ دو دو رکعت پڑھی ہے اور پہلے گروہ کے ساتھ مغرب کی دو رکعت اور دوسرے گروہ کے ساتھ یک رکعت پڑھی۔ کیونکہ ایک ایک رکعت کو آدھا آدھا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور پہلے گروہ کے سابق ہونے کی وجہ سے اس ایک رکعت کو اس



— حصہ میں روایات ہیں —

**تشریح** مسند یہ ہے کہ امام اہل تشیع سے روئے دو روئے دو رکعت پڑھائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت اقامت ظہر کی نماز کی طرح پر حاتی ہے اور مغرب کی نماز کو اس طرح پورا کرے کہ پہلے گروہ کو اور رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے کیونکہ نماز خوف میں حکم یہ ہے کہ امام پہلے گروہ کو نصف نماز پڑھائے۔ اور مغرب کی نماز کا نصف ایک پوری رکعت اور نصف رکعت ہے اور یہ بات مستحکم ہے کہ ایک رکعت و آدھ نہیں کیا جاسکتا۔ تو ہم نے کہا کہ پہلے گروہ کو مقدم کی وجہ سے دو رکعت پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ اور دوسری رکعت میں قرات فرض ہے اور مناسب یہ ہے کہ ہر گروہ کو اس میں سے حصہ ملے۔ اس لئے کہا گیا کہ پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے گروہ کو دو رکعت پڑھائے تاکہ دونوں گروہ فرض قرات میں امام کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

### حالت نماز میں قتال کا حکم

وَلَا سَفَاتِلُونَ فِي حَالِ الصُّوَرَةِ فَإِنْ فَعَلُوا بَطَلَتْ صَلَاتُهُمْ لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْغَدَقِ، وَلَوْ جَارَ الْأَدَاءُ مَعَ الْقِتَالِ لَمَّا فَرَكَهَا

**ترجمہ** اور ان گروہ کے لوگ نماز کی حالت میں قتال نہ کریں اگر انہوں نے قتال کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ حضور ﷺ غنڈہ کے دن چار نمازوں سے مشغول ہوئے گئے اور قتال کے ساتھ ادا کرنا جائز ہوتا تو آپ ان نمازوں کو نہ چھوڑتے۔

**تشریح** مسند یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نماز کی حالت میں کوئی گروہ قتال نہ کرے، اگر قتال کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ از سرے نو پڑھنا لازم ہوگا۔ امام مالک کی دلیل باری تعالیٰ کا قول۔ وَلْيَا خُذْ وَاجْذِرْهُمْ وَاسْلُحْهُمْ (نساء، ۱۰۲) ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت میں نماز کے اندر ہتھیار رکھنے کا امر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز کی حالت میں ہتھیار لینا قتال ہی کے واسطے ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کی حالت میں قتال کرنا جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے چار نمازیں فوت ہو گئیں تھیں، جنکو آپ نے بعد میں قضاء کیا ہے اور نماز کی حالت میں قتال جائز ہوتا تو آپ ان نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا نہ چھوڑتے، معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالک کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نماز کی حالت میں ہتھیار ساتھ رکھنے کا امر اس لئے کیا گیا کہ تاکہ کفار مسلمانوں کو غیر مستعد جان کر ان پر حملہ آور نہ ہوں یا اگر قتال کی ضرورت پیش آجائے تو قتال کریں اور نماز کا احادہ کر لیں۔

### سواری پر نماز پڑھنے کا حکم

فَإِنْ أَسَدَ أَسْخُوفٌ صَلُّوا رُكُوعًا فَرَادَى يُؤْمُونَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ إِلَى أَيْ جِهَةٍ شَاءُوا وَإِذَا لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى الرُّكُوعِ إِلَى الْقِبْلَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكُوعًا وَسَفْطُ التَّوَجُّهِ لِلضَّرُورَةِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ بِجَمَاعَةٍ وَنَاسٍ صَحِيحٌ لَا يُعْذَرُ إِلَّا بِإِتِّحَادِ الْمَكَانِ

**ترجمہ** چنانچہ خوف میں شدت ہو تو سواری کی حالت میں تنہا تنہا نماز پڑھیں، رکوع اور سجدہ کا اشارہ کریں، جس طرف ممکن ہو، جبکہ قید

کی طرف متوجہ ہونے پر ق در نہ ہوں کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو خوف ہو تو پیادہ نماز پڑھو۔ یا سوار ہو کر، اور قبلہ کی جانب متوجہ ہونا ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو گیا وراہ محمد سے مروی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، اور یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اتنی مکانی معدوم ہے۔

**تشریح** مسئلہ یہ ہے کہ اگر دشمن کا خوف اس قدر شدید ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو سواری سے تر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے سواری ہی پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدہ کے اشارے کے ساتھ تہاتہ نماز ادا کرنا جائز ہے اور استقبال قبلہ کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ استقبال قبلہ نہ ہو تو جس طرف چاہیں رخ کر لیں۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول، فَاِنْ خِفْتُمْ فَرُجَاْ اَوْ رُكْبَانًا الْفَرَّةُ ۲۳۹ ہے اور استقبال قبلہ ضرورت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے، وراہ محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ سواری پر رہ کر با جماعت نماز پڑھنا مستحسن ہے اس کے قائل امام شافعی ہیں لیکن یہ حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت اقتداء کے لئے مکان کا متحد ہونا شرط ہے اور وہ اس حالت میں معدوم ہے ہاں اگر کوئی آدمی امام کے ساتھ اس کی سواری پر ہو تو اس کی اقتداء کرنا صحیح ہے۔

## بَابُ الْجَنَائِزِ

**ترجمہ** یہ باب جنازوں کے احکام کے بیان میں ہے

**تشریح** جنازہ جنازہ کی جمع ہے جناہ جیم کے فتح کے ساتھ میت کے لئے مستعمل ہے اور سرہ کے ساتھ اس تحت کے لئے مستعمل ہے پس پر میت ورہا جاتا ہے۔ موت چونکہ آخری عارض ہے اس لئے نماز جنازہ کو سب سے آخر میں بیان کیا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہہ دے کہ صلوٰۃ فی الجنائز اس سے پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا۔ حالانکہ اس کے بعد ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ فی الجنائز کو کتاب الصلوٰۃ سے آخر میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ کتاب صلوٰۃ کا خاتمہ یہی چیز سے ہو جسے ساتھ حال اور مکان کا تہک حاصل کیا جاتا ہے۔

### میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ:

عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لے جا کر اس کے لئے سفارش کریں اور اس کی معافی کی درخواست کریں اور اس کے لئے زمرہ آرا تیار کریں تو پھر آخر اس کا تصور معاف ہو جاتا ہے۔ یہی نماز جنازہ کا راز ہے یعنی نماز جنازہ اس سے مقصدی ہے کہ موتیں کے ایک گروہ کا میت کی سفارش میں شریک ہونا اس پر رحمت الہی کے نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُفَوِّمُ عَلَى حِسَارَتِهِ، اَرْبَعُونَ رَحْلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا سَمِعَتْهُمْ اللّٰهُ فِيْهِ، یعنی کوئی آدمی مسلمان ایسے مرتا ہے۔ اس سے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں پھر اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے تو اس کی پس پشت سے غیہ دوس اور ادا رہتی رہتا ہے اور جو خیالات اور رسوم اس کے ساتھ تھے مرنے سے بعد اس کے ہم ادھر رہتے ہیں اور پھر عام باب سے وراہ محمد کا اس پر ترجیح ہوتا ہے جن کی وجہ سے بہت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عام قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت سے وہ زلزلہ سردھا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں تو حکم الہی سے میت کے حق میں دو مانع نہ رہتا ہے۔

## نماز جنازہ کے فرض علی الکفایہ ہونے کا راز

بعض فراموش اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک مقام کے بعض افراد اس عوداء کریں وہ سب کی طرف سے ادا ہو جائیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ سب ان دو متفقہ طور پر کرتے نہیں تو انتظام معاش درہم برہم ہو جائے، ان کی تدابیر نافعہ معطل ہو جائیں پس ایسا امور کے لئے ایک شخص ہونی چاہئے، چنانچہ بیماروں کا عبادت جنازہ کی نماز اسی طور پر شروع ہوتی ہیں کہ بیماروں اور مردوں کی تیفیع بھی نہ ہو اور بعض ایک آراء میں دو پرار میں تو مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں)

## قریب المرگ کو کس ہیئت پر لٹایا جائے

اِذَا اخْتَصَرَ الرَّحُلُ وَجْهَهُ إِلَى الْقَبْلِ عَلَى سِقَةِ الْأَيْمَنِ اخْتِيارًا بِحَالِ الْوَضْعِ فِي الْقَبْرِ لِأَنَّهُ اشْرَفَ عَلَيْهِ وَالْمُحْتَارُ فِي بِلَادِنَا الْأَسْتِلْفَاءُ لِأَنَّهُ أَيْسَرُ لِحُرُوجِ الرُّوحِ وَالْأَوَّلُ هُوَ السَّيَّةُ وَلَقَدْ الشَّهَادَتَيْنِ لِقَوْلِهِ ﴿لَقِصُوا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْمُرَادُ أَسَدَى قُرْبٍ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا مَاتَ شَدَّ لِحْيَاهُ وَعَمَصَ عَيْنَاهُ بِدَلِكِ حَرَى النَّوَارِثِ ثُمَّ فِيهِ تَحْسِينُهُ فَسَتَحْسَنُ

ترجمہ جب کسی قریب المرگ کو داییں کروٹ پر قبہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے قبہ میں رکھے جائے کی ہیئت پر قیاس کرے کیونکہ یہ شخص اس کے قریب لگ گیا ہے اور ہمارے دیر میں پتہ اٹانا اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ روح نکلنے کے واسطے بہت آسان ہیئت ہے سنت تو اول ہی صورت ہے اور اس کو شہادتیں کی تلقین کی جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مردوں کو شہادت ان لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ اور حدیث میں مردوں سے مراد وہ ہے جو موت کے قریب ہو گیا۔ پھر جب مر گیا تو اس کے جنازہ باندھ دیئے جائیں۔ اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ اسی کے ساتھ توارث جاری ہے پھر اس میں مردے کی صورت کو اچھا بنا، والہذا یہ کرنا بہتر ہوگا۔

تشریح قدوری نے قرب موت و تجیر کرنے کے لئے اِخْتَصَرُوا لِرُجُلٍ کا لفظ بولا ہے۔ یعنی مرنے والے شخص کو مختصر کہا ہے۔ یہ تو اس لئے کہ موت اس کے پاس حاضر ہوتی ہے یا ملائکہ موت حاضر ہوتے ہیں عبادت موت میں کہ قریب المرگ کے دونوں قدم ڈھیلے ہو جاتے ہیں کھڑے نہیں ہو پاتے تاکہ ٹیز بھی ہو جاتی ہے اور نصیب کی کھال راز ہو جاتی ہے۔ بہر حال قرب موت کا عمل یہ ہے کہ مرنے والے کو داییں کروٹ پر قبہ رو کر دیا جائے کیونکہ مردے کو قبر میں رکھنے کی یہی کیفیت مسنون ہے لہذا اس پر قیاس کر کے قریب المرگ کو بھی اسی کیفیت پر رکھا جائے اس لئے کہ یہ شخص قبہ کے قریب ہی لگ گیا ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں ہمارے دیر، دور، الہر وغیرہ میں پتہ اٹانا مقرر سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت روح نکلنے کے واسطے بہت آسان ہے۔ اس صورت میں مرنے والے کے سر کے نیچے مکہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ دی جائے تاکہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو، آسمان کی طرف نہ ہو لیکن اس کیفیت میں کوئی نص نہیں ہے صرف انکل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس وجہ سے مصنف نے کہا کہ اول سنت ہے یعنی بروٹ پر ٹانا مسنون ہے۔

عمل یہ ہے کہ مرنے والے کو شہادتیں کی تلقین کرے۔ یعنی اس کے پاس بیٹھ کر پاؤں بندہ اُشْہِدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہُ وَاُشْہِدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ پڑھے۔ مرنے والے اس کلمہ کے پڑھنے کا علم نہ دے۔ اس لئے کہ اس پر یہ انتہائی سختی کا وقت ہے خواہ باندھ کر

اس نے انکار کر دیا تو کفر برحق تھا ہوگا۔ ویل آنحضرت ﷺ کا قول لَقَبُوا مَوْتَنَا كُمْ شَهَادَةٌ أَنِّي لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ اور موتی سے مراد وہ ہے جو موت کے قریب آگیا۔ بالکل مردہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ یقین اس کے حق میں کارآمد ثابت نہ ہوگی۔ تیسرا عمل یہ ہے کہ میت کے جیزوں کو پیڑ سے وغیرہ سے باندھ دیا جائے۔ اور اس کی دونوں آنکھیں بند کر دیں جائیں۔ یہی طریقہ متواتر ہے اور اس طرح کرنے میں مردے کی تسخیم اور ترنمین بھی ہے اس لئے یہ عمل مستحسن اور مندوب ہوگا۔

## فَصْلٌ فِي الْغُسْلِ

ترجمہ یہ فصل میت کو غسل دینے کے احکامات بیان میں ہے

تشریح مصنف ہدایہ نے میت کے احوال کے چند فصول پر ذکر رکھے ہیں سب سے پہلے غسل کو بیان کیا ہے کیونکہ مرنے کے بعد سب سے پہلے اسی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ غسل میت کے سبب میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ غسل میت کا سبب وہ حدث ہے جو استرخاء، مفاسل کی وجہ سے میت کے اندر حلول کر گیا ہے۔ یونکہ موت کی وجہ سے انسان ناپاک نہیں ہوتا ہے رہا یہ کہ غسل میت کا سبب جب حدث ہے تو اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء کیوں نہیں کیا گیا درانحالیکہ حدث کی صورت میں اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ جواب زندگی میں حدث کی وجہ سے اعضاء وضو پر اکتفاء کرنا دفع حرج کے لئے تھا اس لئے کہ حدث ہر روز پیش آتا ہے بلکہ ایک دن میں کئی بار پیش آتا ہے پس اگر زندگی میں اعضاء وضو کے دھونے پر اکتفاء نہ کیا جاتا بلکہ پورے بدن کا غسل ضروری ہوتا ہے تو لوگ حرج اور ضرر میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لئے زندگی میں حدث کی وجہ سے اعضاء وضو دھونے پر اکتفاء کرنے کا حکم کیا گیا ہے اور رہا وہ حدث جو موت کی وجہ سے واقع ہوتا ہے تو وہ کمر نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی بار پیش آتا ہے پس چونکہ موت کی وجہ سے حدث ایک بار پیش آنے کی وجہ سے حرج و ضرر کا احتمال نہیں ہے، اس لئے اس صورت میں پورے بدن کے دھونے کا حکم کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ غسل میت کا سبب میت کا موت کی وجہ سے نجس اور ناپاک ہونا ہے جیسے دوسرے حیوانات موت کی وجہ سے نجس ہو جاتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے مردہ انسان کو اپنے بدن پر لے کر نماز پڑھی تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اور اگر کسی محدث کو لے کر پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان نجس ہے اور نجاست کا زوال غسل سے ہوتا ہے اس لئے غسل میت کو لازم قرار دیا گیا ہے یہ دھین رہے کہ مردہ جانور کو اگر غسل دیدیا گیا تو وہ پاک نہیں ہوگا کیونکہ مردہ انسان کا غسل کی وجہ سے پاک ہو جانا محض اس کی تکریم اور تعظیم کی وجہ سے ہے۔

غسل میت زندہ لوگوں پر بالاتفاق فرض علی الکفایہ ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مردہ آدمی پانی میں پیا گیا تو اس کو بھی غسل دیا جائے گا۔ اور اگر چھال پھٹ یا تو اس پر پانی بہا دیا جائے گا۔

واللہ اعلم۔ بحسب احمد غنی عنہ

## میت کو غسل دینے کا طریقہ

فَإِذَا ارْتَدَّ عَنْهُ وَصَّوهُ عَلَى سَرِيرٍ لِيَصَّبَ الْمَاءُ عَنْهُ وَجَعَلُوا عَلَى عَوْرَتِهِ حِرْقَةً لِوَاحِبِ الشَّرِّ وَيُكْتَفَى بِشَرِّ الْعَوْرَةِ الْغَلِيظَةِ هَرًا لِمَصْحَبِ تَبْسِيرٍ وَتَرَعُوا نِيَابَهُ لِيَمَكِّنَهُمُ السَّطِيفُ وَوَضَوْهُ مِنْ غَيْرِ مَضْمُصَةٍ وَاسْتَسَاقُوا لِأَنَّ الْوُضُوءَ سَهْلٌ الْإِغْتِسَالُ عَسِرٌ أَوْ أَحْوَاخَ الْمَاءِ مِنْهُ مُتَعَدِّ قَبِيرٌ كَأَنَّهُ يُفِيضُونَ الْمَاءَ عَلَيْهِ إِعْبَارًا بِحَالِ الْحَيَوَةِ وَيُحْمَرُ سَرِيرُهُ وَتُرَا الْمَافِيهِ مِنْ تَعْظِيمِ الْمَيِّتِ وَأَنَّمَا يُؤْتَرُ لِقَوْلِهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَرْضَانِ الْوُضُوءَ







اعضاء مجیدہ میں خوشبو لگانے کا حکم، میت کو کنگھی کرنے، ناخن اور بال کاٹنے کا حکم

وَيَجْعَلُهُ أَيْ الْمَيِّتَ هِيَ أَكْفَافُهُ وَيَجْعَلُ الْحُوطَ عَلَى رَأْسِهِ وَلِيَحْتَبَهُ الْكَافِرُ عَلَى مَسَاحِدِهِ لِأَنَّ النَّصِيبَ سِتْرٌ  
وَالْمَسَاحِدُ أُولَى بزيادة الكرامة وَلَا يُسْرَحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ وَلَا لِحْيَتُهُ وَلَا يَقْصُ ظُفْرُهُ وَلَا شَعْرُهُ لِقَوْلِ عَائِشَةَ عَلَامَ  
نُصُصُونَ مَيِّتَكُمْ وَلَئِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءُ لِلزَّيْبَةِ وَقَدْ اسْتَعْيَى الْمَيِّتُ عَلَيْهَا وَلِئِي الْحَيِّ كَانَ تَطْلِيفًا لِاحْتِمَارِ الْوَسْخِ  
نَحْتَهُ وَصَارَ كَالْحَيَّانِ

ترجمہ اور میت کو س کے کفن کے کپڑوں میں رکھ دے۔ اور میت کے سر پر حنوط لگا دے اور اس کے اعضاء مجیدہ پر ہنود لگایا جائے کیونکہ خوشبودار کرنا سنت ہے۔ اور اعضاء مجود زیادت کی کرامت ہے زیادہ حق ہیں اور میت کے بال اور اس کی دائری میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال کاٹ جائیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اس وجہ سے میت سب مرے کی پیشانی پکڑ کر کھینچتے ہو اور اس لئے کہ یہ چیزیں تو زیارت کے واسطے ہیں۔ اور میت زینت سے ہے پر وہاں ہو چکا اور زندہ ہے نہ مر نظافت تھی کیونکہ اس کے نیچے میل کچیل جمع ہو جاتا ہے اور یہ ختنہ کرنے سے منع ہو گیا۔

تشریح۔ میت کو غسل دینے کے بعد اس کو کفن پہنایا جائے اور میت کے سر پر حنوط لگا دے۔ حنوط پندرہ خوشبودار چیزوں سے مرکب عطر کا نام ہے اور جو اعضاء مجیدہ میں زمین پر نکلتے ہیں (پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں کھنکھنے، دونوں قدم) ان پر کافور لگایا جائے۔ میل یہ ہے کہ میت کے بدن کو خوشبودار کرنا سنت ہے۔ اور چونکہ مذکورہ اعضاء پر مجیدہ یا نباتات اس سے اعضاء مجیدہ کرامت کے زیادہ حق ہیں۔ ورسنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے كَانَ آدَمُ السَّبْيُ رَحُلًا أَشْعَرُ طَرًا كَأَنَّهُ لَحْلَةٌ سَخُوفِي فَلَمَّا حَصَرَهُ الْمَوْتُ كَرِهَتْ الْمَلَائِكَةُ بِحُوطٍ وَ كَفَنَ مِنَ الْحَبِّ فَلَمَّا فَتَّ غُلْبًا لَسْلَاةً عَسَلَوْهُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ ثَلَاثًا وَ حَصَوُّهُ فِي الثَّلَاثَةِ كَافُورًا وَ كَفَنُوهُ فِي وَتْرٍ مِنَ الشَّيْبِ وَ حَضَرُوا لِحْدَاهُ فَمَسُوا عَيْنَيْهِ قَالُوا هَذِهِ سِتَّةٌ وَلَدِ آدَمَ مِنْ بَعْدِهِ وَ فِي رِوَاةٍ قَالُوا يَا نَبِيَّ آدَمَ هَذِهِ سِتُّكُمْ مِنْ بَعْدِهِ بِكَدِّكُمْ فَافْعَمُوا رَوَاهُ الْحَاكِمُ (شرح تفسیر) حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم گھنے بالوں والے لائے قد والے انسان تھے۔ یہاں تک کہ جب مر گیا تو فرشتوں نے اس کا رخت ہٹا لیا۔ پس جب موت کا وقت آیا تو فرشتے خوشبو اور جنت سے کفن لے کر اترے۔ پس جب آدم مر گئے تو فرشتوں نے آدَمَ سے پتوں سے جوش دیئے ہوئے پانی سے تین بار غسل دیا اور تیسری مرتبہ میں کافور لگایا اور تین پٹروں میں کفن دیا۔ اور ان کے لئے حد (قبر) کھودی اور ان پر نم، بنارہ پر بھی اور کہا کہ آدم کے بعد یہ واد آدم کی سنت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ اے واد آدم، آدم کے بعد یہ تمہاری سنت ہے یہی طرح تم بھی کرنا اور معصیہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا وَ حَصَوُّوا فِي الْأَجْرِ كَافُورًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ یعنی آخر میں میت کے بدن کو کافور لگاؤ۔

امام قدوری نے کہا کہ میت کے بالوں میں کنگھی کی جائے اور نہ اڑھی میں۔ اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال کاٹیں یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے میت کے بالوں اور کنگھی کرنے کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا عَلَامَ نُصُصُونَ مَيِّتَكُمْ، فقط علامہ اصل میں ہی ما ہے یعنی ما استفہامیہ پر صی حرف جرد خل یہاں ہے پھر اس کا صواب برادیا گیا۔ جیسے باری تعالیٰ کے قول



عمہ بتسا لؤں میں ہے۔ لصا بنصو بصو امتی ہیں پیشانی پٹڑ پھینچنا، بہر حال حضرت عائشہؓ نے جو ب میں فرمایا کہ تم اپنے مردہ کی پیشانی پٹڑ کریں کھینچتے ہو۔ گویا حضرت عائشہؓ نے مردہ کے ہاں میں کنگھی کرنے پر ناراضگی ورنہ گواہی کا ظہار فرمایا ہے اور کنگھی کرنے کو پیشانی پٹڑ کر کھینچنے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ تمام باتیں زیئت کے لئے ہیں اور مردہ زیب و زیئت سے بے پرواہ ہو چکا ہے۔ اس لئے ان چیزوں کا قطعاً ضرورت نہیں اور مردہ زندہ لوگوں کا ان چیزوں پر عمل پیر ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ناخن اور باں وغیرہ کے نیچے میل چیل جمع ہونے کی وجہ سے ازراہ مخالفت ان کو اس کی جائزت دی گئی ہے اور یہ ختنہ کے مانند مایہ ہے چنانچہ زندہ آدمی کا ختنہ مسنون ہے اور مردہ اگر بغیر ختنہ تھا تو بھروسہ اور اہم شافعی نے نزدیک ہا اتفاق ختنہ نہیں کیا جائے گا اور مردہ اہم۔ جمیل احمد عفی عنہ

## فَصْلٌ فِي التَّكْفِينِ

ترجمہ (یہ) فصل کفن دینے کے بیان میں ہے

تشریح مسندوں پر کفن دینا فرض علی الکفا یہ ہے اس لئے فرض پر مقدم ہوتا ہے۔ پس میت اگر مامدار ہو تو اسی کے مال سے واجب ہے۔ ورنہ جس پر اس کا نفع ہو یا ابو یوسف کے نزدیک بیوی کا کفن شوہر پر ہے اگرچہ عورت مامدار ہو۔ اور اسی پر فتویٰ ہے اور مامدار بیوی پر شوہر مفلس کا کفن نہیں ہے۔

### مرد کے لئے مسنون کفن

النَّسَاءُ أَنْ يَكْفَرَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ أَوْ رَوْقَمِيصٍّ وَلِغَاةٍ لِمَا رَوَى أَنَّهُ ۖ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ يُصْبِحُ مَحْوِلِيَّةً ۖ وَلِأَنَّهُ أَكْثَرُ مَا يَلْبَسُهُ عَادَةً فِي حَيَاتِهِ ۖ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ

ترجمہ سنت یہ ہے کہ مرد و تین پٹروں زرقمیس اور غلافہ میں کفن دیا جائے۔ کیونکہ روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جو یہ تین سفید پٹروں میں کفن دیا گیا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ ازراہ روایت یہ مقدم اس کی زندگی میں پہننے کی اکثری ہے۔ قومیت کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔

تشریح کفن تین قسم کا ہوتا ہے۔ کفن مسنون، کفن کفایہ، کفن ضرورت، اس عبارت میں کفن سنت کا بیان ہے۔ کفن سنت مردوں کے حق میں تین پٹڑ ہیں۔

(۱) از ریعنی تہہ بند پٹین سر سے پیر تک مراد ہے۔ (۲) کرتہ اردن سے قدم تک بغیر آستین اور کلی کے۔

(۳) غلافہ سے پیر تک اوپر سے پھینا جاتا ہے۔

تین پٹروں کے مسنون ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جو ایہ کے سفید تین پٹروں میں کفن دیا گیا ہے۔ انھوں ہمیں کے فتویٰ ضرور نے ساتھ ہمیں کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ بوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ کو تین پٹروں میں کفن دیا گیا ہے۔ ایک توہرے تھے جس میں آپ ﷺ کی دفات ہوئی اور ایک نجرانی حد اور حلد دو پٹروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور باب بن سمرہ نے کہا ہے کُفِّنَ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ قَمِيصٌ وَإِزَارٌ وَلِفَافَةٌ۔ بہر حال ان احادیث سے آپ کے کفن میں تین کپڑوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ انسان زندگی میں ہر موسم تین پہنہ پھرتا ہے۔ ہذا امر نے کے بعد بھی اس کو تین پہنہ پڑے۔ یہ باتیں ہیں۔

### دو کپڑوں پر اکتفاء کرنے کا حکم

فَإِنْ أَقْصَرُوا عَمَى نَوْبِي حَاذَ وَالتَّوْبَانِ إِزَارٌ وَلِفَافَةٌ وَهَذَا كَفُّ الْكِفَايَةِ لِقَوْلِ أَبِي كَبُرٍ اَعْمَلُوا ثَوْبِي هَذَيْنِ وَكَمْسُوْنِي فِيهِمَا وَلَئِنَّهُ أَدْنَى لِبَاسِ الْأَحْيَاءِ وَالْإِزَارُ مِنَ الْقُرْنِ إِلَى الْقَدَمِ وَاللِفَافَةُ كَذَلِكَ وَالْقَمِيصُ مِنْ أَصْلِ الْعُقَى إِلَى الْقَدَمِ

ترجمہ۔ چہ اگر انہوں نے دو پہنوں پر اکتفاء کیا تو جائز ہے اور یہ دو کپڑے۔ زرار اور لفافہ ہوں گے۔ اور یہ کفایہ ہے۔ کیونکہ صدیق ابن ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ ان دو پہنوں کو دھو کر مجھے انہیں میں کفن دینا۔ اور اس کے کہ یہ زندوں کا ادنی لباس ہے۔ اور ازار سرت قدم تک ہوتا ہے اور لفافہ ایسی ہی ہوتا ہے اور رتہ مردن سے قدم تک ہوتا ہے۔

تشریح۔ اس عبارت میں مراد کے کفن کفایہ کا بیان ہے۔ مرد کے حق میں کفن کفایہ دو پہن ہے۔ جس ایک ازار اور لفافہ۔ کفن کفایہ پر صدیق ابن ابی ہریرہ سے قول ہے۔ سند اس بیان ہے۔ چنانچہ مصنف بن مبارز ازاق میں ہے عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ أَبُو بَكْرٍ لِرَبِيعِ بْنِ الْخَدَّاجِ كَانَ يَصْرِفُ فِيهِمَا اَعْمَلُوهُمَا وَكَمْسُوْنِي فِيهِمَا فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَلَا نَسْتَوِي لَكَ جَدِيدًا فَقَالَ لَا اَلْحَيُّ اَحْوَجُ اِلَى الْخَدِيدِ مِنَ الْمَيِّتِ۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ واد محمد ابو بکر نے فرمایا اپنے ان دو پہنوں کے بارے میں جن میں آپ بیمار تھے کہ ان دونوں کو دھوؤ انہیں اور مجھ کو ان دونوں کپڑوں میں کفن دینا۔ عائشہ نے کہا کہ یہ تم آپ کے لئے نیا کپڑا نہ خرید لیں۔ فرمایا نہیں۔ زندہ آدمی نے کپڑے کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت مراد کے۔ (فتح القدیر) دوسری دلیل حدیث ابن عباس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جو بے ست حرام میں تھا وہ اونٹنی سے رزم مر گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وَ كَمْسُوْهُ هِيَ ثَوْبِي یعنی اس کو دو کپڑوں میں کفن دے دو۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ زندوں کا ادنی لباس دو کپڑے ہیں ہذا امر نے کے بعد بھی دو کپڑوں پر اکتفاء کرنا جائز ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے ان تینوں کی تفصیل بیان کی ہے کہ ازار سرت قدم تک ہوتا ہے اور لفافہ بھی اتنی کے بقدر ہوتا ہے۔ اور رتہ مردن سے قدم تک ہوتا ہے۔ لیکن اس میں نہ جیب ہوتی ہے نہ کلی ورنہ آستین۔

### کفن لینے کا طریقہ

وَإِذَا أَرَادُوا لَفَ الْكَفْسِ ابْتَدَأُوا بِجَانِبِهِ الْأَيْسَرِ فَلَقَّوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْأَيْمَنِ كَمَا فِي حَالِ الْحَيَوَةِ وَبَسْطَهُ أَنْ تَبْسُطَ اللَّفَافَةُ رَأْسَهُ ثُمَّ يَبْسُطُ عَلَيْهَا الْإِزَارَ ثُمَّ يَقْمِصُ الْمَيِّتَ وَيُوضَعُ عَلَى الْإِزَارِ ثُمَّ يُعْطَفُ الْإِزَارُ مِنْ قَبْلِ الْبَسَارِ ثُمَّ مِنْ قَبْلِ الْيَمِينِ ثُمَّ اللَّفَافَةُ كَذَلِكَ وَإِنْ خَافُوا أَنْ يُتَشَبَّهَ الْكَمْنُ عَنْهُ عَقْدُوهُ بِحَرْفَةِ صَبَانَةٍ عَنْ الْكُشْفِ

ترجمہ۔ اور جب کفن لینا چاہیں تو اس کی بائیں جانب سے شروع کریں۔ پس بائیں کو میت پر لپیٹ دیں پھر دائیں کو لپیٹیں۔ جیسا

کہ ننگ کی حالت میں لپ جاتا ہے اور شن چھانے کی صورت یہ ہے کہ پہلے غافہ بچھایا جائے پھر اس پر تہہ بند بچھایا جائے چرمیت کو قیصر پہنا کر راز پر رکھا جائے پھر بائیں طرف سے اور اوڑھنا لپکے پھر دائیں طرف سے پھر اسی طرح غافہ کو لپکے اور میت سے غن منقشر ہونے کا خوف ہو تو اس کو پنی سے باندھ دیں تاکہ کھٹنے سے محفوظ رہے۔

**تشریح** میت پر شن پیٹنے کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے غافہ بچھا دیں اس سے اوپر ازار بچھا دیں اور میت و رت پہنا کر ازار پر لپک دیں پھر ازار پر بائیں جانب کو پیٹیں پھر دائیں جانب ہوتا کہ دائیں حصہ اوپر رہے۔ اسی طرح غافہ کو پیٹا جائے۔ صاحب ہدایہ نے مرد کے شن سے کپڑوں میں عمامہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کیونکہ بعض حضرات نے شن میں عمامہ کو شامل کرنا مکروہ قرار دیا ہے اس لئے کہ عمامہ شامل کرنے کی صورت میں شن کے کپڑے ہفت عدد ہو جائیں گے۔ حالانکہ مسنون طاق عدد یعنی تین ہیں اور بعض نے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے اور وہیں میں بہا ہے کہ بن عمر میت و عمامہ پہنا کر رت سے وراں کا شمد میت کے چہرے پر ڈال دیتے تھے۔ لیکن یہ قول حضرت عائشہ کے قول کَفَّنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ أَتْوَابٍ بِحُصْنٍ خَلْفَ بَهِوْگ۔

فائدہ شن کے لئے سوتلی سفید کپڑے استعمال افضل ہے۔ یونہی رسول پاک ﷺ کا ارشاد لَا يَسُوْا مِنَ الْبَيَاصِ فَإِنَّهُ مِنْ خُبْرٍ بَسَكُمْ وَ كَفُّوْا فِيْهَا مَوْنَكُمْ رَوَاهُ ابُو دَاوُدَ جینی فرمایا سفید کپڑے پہناؤ اس لئے کہ یہ بہترین کپڑے ہیں اور انہیں میں اپنے مردوں کو شن دو۔

### عورت کا مسنون کفن

وَتُكْفَى الْمَرْأَةُ فِيْ خَمْسَةِ أَتْوَابٍ دِرْعٌ وَرِارٌ وَحِمَارٌ وَلِفَافَةٌ وَحِزْفَةٌ تُرْبِطُ فَوْقَ نَدْيِهَا لِحَدِيثِ أُمِّ عَصِيَّةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَى الْكُرَاتِيَّ عَمْسَ أَلْتَةِ خَمْسَةِ أَتْوَابٍ وَلِأَنَّهَا تَحْرُجُ فِيْهَا حَالَةُ الْحَيَوَةِ فَكَذَا بَعْدَ لَفْظَاتٍ ثُمَّ هَذَا يَكُنْ كَفْنُ السُّنَّةِ وَإِنْ اِفْتَصَرُوا عَلَى ثَلَاثَةِ أَتْوَابٍ جَارَ رَهْيَ ثَوْبَانِ وَحِمَارٌ وَهُوَ كَفْنُ الْكُفَايَةِ وَيُكْرَهُ أَقْلٌ مِنْ ذَلِكَ وَفِي الرَّجُلِ يُكْرَهُ الْاِفْتِصَارُ عَلَى ثَوْبٍ وَاحِدٍ إِلَّا فِيْ حَالَةِ الصَّرُورَةِ لِأَنَّ مُصْعَبَ بْنَ عَمِيْرٍ حَبِشَ اسْتَشْهَدَ كَفْنٌ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَهَذَا كَفْنُ الصَّرُورَةِ

**ترجمہ** عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ رتی، ازار اور ہنسی، غافہ اور ایک پٹی جو اس کی چھتوں پر باندھی جائے اور اس میں عمامہ کی حدیث ہے۔ جس عورتوں نے حضور ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دیا، ان کو آپ ﷺ نے شن کے لئے پانچ کپڑے دیے ہیں اور اس سے کہ عورت ننگی کے اندر ان پانچ کپڑوں میں نکلتی ہے۔ تو یونہی مرنے کے بعد بھی، پھر یہ کفن سنت کا بیان ہے ورنہ اگر کتفا کیا تو تین کپڑوں پر تو ہی جائز ہے اور دو کپڑوں پر نہ اور غافہ میں اور اوڑھنی ہے اور یہ کفن کفایہ ہے اور اس سے کم مکروہ ہے اور مرد کے حق میں ایک کپڑے پر اتھارنا مکروہ ہے مگر ضرورت کی حالت میں کیونکہ مصعب بن عمیر جب شہید ہوئے ہیں تو ایک ہی کپڑے میں کفن دینے کے ور یہ کفن ضرورت ہے۔

**تشریح** اس عبارت میں عورت کے کفن سنت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ عورت کا مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں۔

(۱) کرتی ، (۲) ازار ، (۳) اوڑھنی ، (۴) غافہ

(۱) پہننے کی وہ پٹی جس سے اس کی چھاتیوں و بندھا ہوا ہوتا ہے، اس کی پٹا بند

• دلیل ام عطیہ کی حدیث ہے کہ جب حضور ﷺ کی صاحبہ کی نسب کی وفات ہوئی تو جن عورتوں نے ان کو غسل دیا۔ حضور ﷺ نے ان کو کفن کے لئے بھی پانچ کپڑے منیت فرمائے تھے۔ ثقیل، میں یہ ہے کہ زبردستی میں بالعموم عورت پانچ کپڑے میں راقی ہے۔ ان پر قیاس کرتے ہوئے مرنے کے بعد بھی اس کو پانچ کپڑے دیئے گئے ہیں۔ وَإِنْ أَقْصَرُوا عَلَى ثَلَاثِ أَتَوَابٍ مِّنْ عَوْرَتِ الْمَرْءِ كَفَاءٌ لَّهَا۔

عورت کا کفن کفایہ: عورت کا کفن کفایہ تین کپڑے ہیں

(۱) ارر (۲) لفافہ (۳) اور مٹی

تین سے کم کپڑوں میں عورت کو کفنا اگر بوجہ عورت ہے تو مکروہ ہے اگر نہ ہو تو یہ کفن عورت ہونے کا ہی طرح مرد کے کفن میں ایک کپڑے پر اکتفا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر عورت کی میت ہے تو ہر رت اور ایک کپڑے کا کفن عورت ہے۔ دلیل ابوب بن اریث کی حدیث ہے قَالَ هَاخِرُنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَرِيْدٌ وَرَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فَوَقَعَ أَخْرُنَا عَلَى اللَّهِ فَمَيَّا مِنْ مَضَى وَلَمْ يَأْخُذْ بِسُ أَخْرَهُ سَيْنَا مِنْهُمْ مَصْعَبُ بْنُ عَمِيرٍ قَبْلَ يَوْمِ أُحُدٍ وَتَرَكَ بَصْرَةَ فَكُنَّا إِذَا عَطَيْنَا بِهَا رَأْسَهُ نَدَّتْ رَحْلَاهُ. وَإِذَا عَطَيْنَا بِهَا رَحْلَهُ بَدَأَ رَأْسَهُ فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَغْطِي رَأْسَهُ وَأَنْ نَحْمَلَ عَلَى رَحْلِهِ شَيْئًا مِنَ الْإِذْحَرِ۔

خباب بن اریث نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کنش آمدن خوشنودی کے لئے ہجرت کی پس ہمارا اجر اللہ پر ہے ہم میں سے جو وفات پزیر ہوئے اور انہوں نے ایمان میں پتہ بھی اجر نہیں بیان میں سے مصعب بن میہ نہیں جو احد کے دن شہید ہوئے انہوں نے ایک اٹھارہ کی وارپ در چھوڑی جس کی جب ہم اس سے ان کا سر اٹھاتے تو یہ صلیب جاتے اور جب پیٹ اٹھاتے تو سر کھل جاتا ہم رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم مصعب کے سر کو ڈھک دیں اور پیروں پر اڈ خرگھاس ڈال دیں۔

### کفن پہنانے کا طریقہ

وَسُمِسُ الْمَرْأَةِ لِدَرْعٍ أَوْ لَا تُمْ يَحْمَلُ شَعْرُهَا صَفِيرَتَيْنِ عَلَى صَدْرِهَا فَوْقَ الدَّرْعِ ثُمَّ لِحِمَارٍ فَوْقَ ذَلِكَ ثُمَّ الْإِذَارُ تَحْتَ اللَّفَافَةِ

ترجمہ اور جو عورت کچھ اونا کرتی پہنائی جائے پھر اس کے بالوں کو دو میٹھ جیوں میں کر کے کرتی کے اوپر اور سینہ پر رکھ دیئے جائیں۔ پھر اس کے اوپر اور مٹی پھر لفافہ کے نیچے ازار پہنایا جائے۔

تشریح عبارت واضح ہے۔

### کفن کو خوشبو لگانے کا حکم

قَالَ وَتَحْمَرُّ الْأَكْفَانُ قَبْلَ أَنْ يُدْرَجَ فِيهَا الْمَيِّتُ وَتُرَا لِأَنَّهُ ﷺ أَمَرَ بِاجْتِمَاعِ أَكْفَانِ إِسْتِهْ وَتُرَا وَالْإِجْمَاعُ هُوَ التَّطْيِيبُ فَإِذَا فَرَّغُوا مِنْهُ صَلُّوا عَلَيْهِ لِأَنَّهَا فَرِيضَةٌ

ترجمہ کہا کہ میت کو کفنوں میں میت داخل کرنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار دھونی دینی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹی کے کفنوں کو طاق بار دھونی دینے کا امر کیا ہے اور ہمارے خوشبودار کرنا ہے۔ پس جب اس سے فارغ ہو گئے تو میت پر نماز پڑھیں، کیونکہ نماز

جنازہ فرض ہے۔

تشریح اس عبارت میں کفنوں کی دھونی، اپنے کا علم مذکور ہے۔ اجمار (دھونی) خوشبودار کرتا ہے۔ دھونی حلق بار بار دینا مسنون ہے۔ جیسا کہ اس پر حدیث شامہ ہے۔ کفن دے کر فراغت کے بعد اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ فرض علی السنیہ ہے۔

## فَصْلٌ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ

ترجمہ (یہ) فصل میت پر نماز کے بیان میں ہے۔

تشریح نماز جنازہ کے مشروع ہونے پر باری تعالیٰ کا قول وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ولیل ہے اور حضور ﷺ کا قول صَلُّوا عَلٰی كُلِّ مَيِّتٍ فَارْحِمُوْهُ ہے اور ساجد امت ہے (کفایہ) نماز جنازہ غسل علی الکفایہ ہے۔ فرض تو اس لئے ہے کہ صل اور رسول اللہ ﷺ کے قول میں صَلُّوا امر کے صیغے ہیں۔ و امر کا موجب وجوب (فرض) ہے اور علی الکفایہ اس لئے ہے کہ تمام لوگوں پر واجب رہا یہ تو محال ہے اور یا اس میں حرج واقع ہوگا۔ اس لئے بعض پر اکتفا کیا ہے جیسا کہ جہاد میں ہے۔

نماز جنازہ کے واجب ہونے کا سبب میت ہے۔ اور اس سے جوڑ کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے کیونکہ کافر پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرُدُّوهُ إِلَىٰ طَمَیْتِ کَافِرٍ ہونا ہے۔ چنانچہ اگر غسل دینے سے پہلے میت پر نماز پڑھ لی جاتی تو غسل کے بعد نماز کا اہدہ کیا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جنازہ مصلیٰ کے سامنے ہو چنانچہ ناب پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس طرح اگر جنازہ مصلیٰ کے پیچھے ہو تو جائز نہیں ہے۔

## میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے

وَأُولَى السَّاسِ بِالصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ السُّلْطَانُ إِنْ حَضَرَ لِأَنَّ فِي التَّقْدِيمِ عَلَيْهِ إِزْدِرَاءً بِهِ فَإِنْ لَمْ يَحْضَرْ فَلِقَاضِي لِأَنَّهُ صَاحِبٌ وَلَايَةٌ فَإِنْ لَمْ يَحْضَرْ فَيَسْتَحِبُّ تَقْدِيمُ إِمَامِ الْحَيِّ لِأَنَّهُ رَضِيَهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ قَالَ ثُمَّ الرَّوْلِيُّ وَالْأَوْلِيَاءُ عَلَى التَّرْتِيبِ أَمَّا ذِكْرُ فِي لِكَحَاح

ترجمہ اور میت پر نماز پڑھنے کے واسطے سب سے ولی سلطان ہے اگر جنازہ پڑھا ضر ہو تو کیونکہ سلطان سے آگے بڑھنے میں سب سے حق میں خست ہے۔ پس اگر سلطان نہ آیا تو قاضی اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ صاحب ولایت ہے ورا اگر قاضی بھی نہ آیا تو محلہ کا امام اولیٰ ہے کیونکہ میت زندگی میں اس کے امام ہونے پر رضی تھا۔ کہا کہ پھر میت کا ولی بہتر ہے اور میت کے اولیاء اسی ترتیب پر ہوں گے جو کاح میں مذکور ہے۔

تشریح نماز جنازہ کے مستحق امامت ہونے میں ترتیب یہ ہے کہ اگر سلطان حاضر ہو گیا تو جنازہ ان امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا۔ کیونکہ سلطان کی موجودگی میں کسی اور کو امام بنانا سلطان کی توہین ہے۔ حالانکہ سلطان ظل اللہ ہے۔ پس جو اس کی عزت کرے گا اللہ کی عزت کرے گا اور جو اس کی اہانت کرے گا اللہ اس کی اہانت کرے گا اور اگر سلطان نہ آیا تو پھر قاضی مستحق امامت ہوگا۔ کیونکہ قاضی کو سب پر ولایت عامہ حاصل ہے اگرچہ سلطان کے مقرر کرنے سے ہے۔ ان دونوں کی تقدیم تو واجب ہے پھر اگر قاضی بھی حاضر نہ

ہوا تو محلہ کے امام کو آگے بڑھانا مستحب ہے۔ کیونکہ میت اپنی زندگی میں اس کے امام ہونے پر راضی تھا تو مرنے کے بعد بھی اسی کی پسند کا امتداد ہے۔ بہتر ہے جبہ شریعت کے مخالف بھی نہیں ہے۔ پھر ولی مستحق مامت ہے اور میت کے اویاء مامت کے حق میں اسی ترتیب پر ہوں گے جو ترتیب نکاح میں مذکور ہے۔ لیکن نکاح میں عورت کا بیٹا عورت کے باپ پر مقدم ہے۔ اور یہاں باپ اولیٰ بال مامت ہے اور اگر میت کے برابر کے دو ولی ہوں مثلاً اس کے سگے دو بھائی ہوں تو ان میں جس کی عمر زیادہ ہو وہ مقدم ہوگا لیکن اس کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی جگہ کسی اجنبی کو کر دے مگر یہ کہ دوسرا بھی راضی ہو۔ صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق حسن بن زیاد نے بو حنیفہ سے ترتیب اس طرح نقل کی ہے۔ اول سلطان یعنی خلیفہ پھر جو اس شہر کا سلطان ہے پھر قاضی پھر مقتبہ حاکم پھر محلہ کا امام پھر ولی میت۔ اس ترتیب کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ ترتیب میں ولی کا سب سے آخر میں ہونا طرفین کا قول ہے۔ ورنہ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ولی ہر حال میں میت کی نماز کا مستحق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ وَلٰی بَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ** اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حسن بن علیؑ کی جب وفات ہوئی تو نماز جنازہ کے لئے حسین اور لوگ آئے۔ پس سیدنا حسینؑ نے اامت کے لئے سعید بن العاص کو آگے بڑھایا جو اس زمانہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ سعید بن اعاصؓ نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تو حسینؑ نے ان سے کہا کہ آگے بڑھے یہی سنت ہے۔ مگر یہ سنت نہ ہوتا تو میں آپؐ کو آگے نہ بڑھاتا۔ امام ابو یوسفؒ کی پیش کردہ آیت **اُولُو الْاَرْحَامِ** الایہ میراث اور نکاح کی ولایت پر محمول ہے۔ یعنی نکاح کی ولایت صرف اولیاء کو حاصل ہے سلطان وغیرہ کو حاصل نہیں ہے۔

### غیر ولی نے نماز جنازہ پڑھائی تو ولی اعادہ کر سکتا ہے

**فَاِنْ صَلَّى غَيْرُ الْوَلٰی اَوْ السُّلْطَانُ اَعَادَ الْوَلٰی یَعْنٰی اِنْ شَاءَ لِمَا ذَکَرْنَا اَنَّ الْحَقَّ لِلْاُولِٰیاءِ وَاِنْ صَلَّى الْوَلٰی لَمْ یَجْزِ لِاَحَدٍ اَنْ یَّصَلِّیَ بَعْدَهُ لِاَنَّ الْفَرْضَ یَتَّادٰی بِالْاَوَّلِ وَالْفُلُّ بِهَا غَیْرُ مَشْرُوعٍ وَلِهٰذَا رَاَیْتُ النَّاسَ تَرَکُوْا عَنْ اٰخِرِهِمْ اَصْلُوْةَ عَلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ الْیَوْمَ کَمَا وُضِعَ**

ترجمہ پس اگر ولی یا سلطان کے علاوہ نے نماز پڑھ دی تو ولی اعادہ کر لے یعنی اگر جی چاہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ حق میت کے اویاء کا ہے۔ اور اگر ولی نے میت پر نماز پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ فرض تو پہلے کے پڑھنے سے داہو چکا اور اس نماز کے ساتھ نفل پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اول تا آخر حضور ﷺ کی قبر پر نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے حالانکہ حضور ﷺ آج بھی ایسے ہی ہیں جیسے (قبر میں) رکھے گئے تھے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ میت پر اگر ولی اور سلطان کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی کو نماز جنازہ کے اعادہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر سلطان نے نماز پڑھی یا اس شخص نے پڑھی جو نماز جنازہ کی ترتیب اامت میں ولی پر مقدم ہے تو ولی کو اعادہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھی تو اس کے بعد کسی کو میت پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ ولی کے نماز پڑھنے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نفل اس نماز کے ساتھ مشروع نہیں ہوا ہے۔ اس لئے ولی کے نماز پڑھنے کے بعد کسی کو نماز پڑھنے کا حق نہ ہوگا۔ یہ ہم رائد ہب ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جنازہ پر مرتبہ بعد مرتبہ نماز کا اعادہ کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کا ایک نئی قبر کے پاس سے گزر رہا آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ فداں عورت کی قبر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نماز کی خبر کیوں نہیں دی تو جواب دیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس عورت کو رات میں دفن کیا گیا ہے ہم کو ذرا ہوا کہ حشرات الارض آپ ﷺ کو اذیت نہ پہنچا دیں۔ اس لئے آپ ﷺ کو خبر نہیں دی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی قبر پر نماز پڑھی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے جنازہ پر صحابہ کما جوق در جوق آکر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ ان دونوں واقعوں سے ایک مرتبہ کے بعد دوسری اور تیسری بار نماز پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ہماری دلیل نذر چکی کہ ولی یا سلطان جس نے پہلے نماز پڑھی ہے اسکے پڑھنے سے فرض تو ادا ہو چکا اور نماز جنازہ میں نفل مشروع نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک پر تمام لوگوں نے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے۔ اور اگر نماز جنازہ میں نفل مشروع ہوتا تو اجتماعی طور پر اس کو ترک نہ کیا جاتا۔ درالحالیکہ رسول اکرم سید الامم ﷺ آج بھی اپنی قبر میں اسی طرح آرام فرما ہیں جس طرح آپ ﷺ کو دفن کیا گیا تھا۔ کیونکہ انبیاء کا گوشت زمین پر حرام ہے۔ انبیاء کے جسم و زمین کی مٹی متغیر نہیں کر سکتی۔ رہا حضور ﷺ کا اس عورت کی قبر پر نماز پڑھنا تو یہ اس لئے تھا کہ یہ آپ ﷺ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ آنحضور ﷺ کے اس حق کو ساقط کرنے کی کسی کو ولا یت حاصل نہیں ہے دوسرے واقعہ کا جواب یہ ہے کہ صدیق اکبر خلیفہ ہونے کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی نماز جنازہ کے زیادہ حقدار تھے لیکن آپ معصومت کی درنگی و رفتہ کو فرو کرنے میں مشغول ہو گئے اور لوگ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی آکر نماز پڑھنے لگے جب آپ مسئلہ خلافت سے فارغ ہو چکے تو آپ نے نماز پڑھی پھر آپ کے بعد رسول اکرم ﷺ کے جنازہ پر کسی نے نماز نہیں پڑھی ہے۔

### جس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

وَأِنْ دُفِنَ الْمَيِّتُ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ صَلَّى عَلَى قَبْرِهِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَى قَبْرِ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَيُصَلِّي عَلَيْهِ قُلْ أَنْ يَتَفَسَّخَ وَالْمُعْتَبَرُ فِي مَعْرِفَةِ ذَلِكَ أَكْبَرُ الرَّأْيِ هُوَ الصَّحِيحُ لِإِخْتِلَافِ الْحَالِ وَالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ

ترجمہ اور اگر میت اس حال میں دفن کی گئی کہ اس پر نماز نہیں ہوئی تھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی ہے۔ اور قبر پر نماز پڑھی جائے میت کے پھول پھٹنے سے پہلے اور اس کی معرفت میں معتبر غالب رائے ہے یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حال، زمانہ اور مکان مختلف ہے۔

تشریح مسد یہ ہے کہ میت اگر بغیر نماز کے دفن ہو گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے دلیل یہ کہ ایک انصاری عورت کو اس حال میں دفن کر دیا گیا تھا کہ حضور ﷺ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کا حکم ہوا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

صاحب قدوری نے کہا کہ قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت میت کے خراب اور متفرق اعضاء ہونے سے پہلے پہلے ہے پھول پھٹنے کے بعد اجازت نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ نہ پھول پھٹنے کی شناخت میں غالب رائے معتبر ہے یعنی جب تک غالب گمان یہ ہو کہ غش پھولی پھنی نہیں ہے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور جب پھول پھٹنے کا غالب گمان ہو گیا تو اب یہ اجازت نہ ہوگی۔ یہی صحیح قول ہے۔ امام ابو جوسف نے کہا ہے کہ تدفین کے بعد تین دن تک قبر پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اسکے بعد جائز نہیں ہے۔ قول صحیح کی دلیل یہ ہے کہ قفس کا خراب ہونا میت کے حال کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ مونا تازہ بہ نسبت دبلے ہوئے کے جدی خراب اور ریختہ

ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موسم درمکان کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ گرمی اور برسات کے موسم میں بہ نسبت سردی کے موسم میں جدی ستر جاتا ہے اور سیلی اور نمناک زمین میں بہ نسبت خشک زمین کے جدی خراب ہو جاتا ہے۔ بہر حال جب غالب گمان معتبر ہے تو اگر غالب گمان یہ ہو کہ تین دن سے پہلے ہی نقش گل سڑ گئی ہوگی۔ تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ تین دن کے بعد بھی خراب نہیں ہوتی ہے تو اس پر تین دن کے بعد بھی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ رہا یہ کہ حضور ﷺ نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز پڑھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شہداء احد کے لئے دعائے جس کو لفظ صلی کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شہداء کے اجسام بھی چونکہ گلنے سڑتے نہیں ہیں اس لئے ان کی قبروں پر نماز پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

### نماز پڑھنے کا طریقہ .

وَالصَّلَاةُ أَنْ يُكَبِّرَ تَكْبِيرَةً بِحَمْدِ اللَّهِ عَقِبَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً يَدْعُو فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِينَ ثُمَّ يُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ وَيُسَلِّمُ لِأَنَّهُ ﷺ كَبَّرَ أَرْبَعًا فِي آخِرِ صَلَاةٍ صَلَّاهَا فَسَخَتْ مَا قَبْلَهَا وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ خَمْسًا لَمْ يُتَابِعْهُ الْمُؤْتِمِرُ خِلَافًا لِزُفَرٍ لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ لِمَا رَوَيْنَا وَيَنْتَظِرُ تَسْلِيمَةَ الْإِمَامِ فِي رَوَايَةٍ وَهُوَ الْمَخْتَارُ وَالْإِتْيَانُ بِالْأَعْوَابِ اسْتِغْفَارُ لِلْمَيِّتِ وَالْبِدَايَةُ بِالدُّعَاءِ ثُمَّ بِالصَّلَاةِ سُنَّةُ الدُّعَاءِ وَلَا يَسْتَعْفِرُ لِلنَّبِيِّ وَلَكِنْ يَقُولُ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا قَرِطًا وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذَخِيرًا وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفَّعًا وَلَوْ كَبَّرَ الْإِمَامُ تَكْبِيرَةً أَوْ تَكْبِيرَتَيْنِ لَا يُكَبِّرُ الْآتِي حَتَّى يُكَبِّرَ أُخْرَى بَعْدَ حُضُورِهِ عِنْدَ أَبِي حَبِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُكَبِّرُ حِينَ يَحْضُرُ لِأَنَّ الْأُولَى لِلْإِفْتِيحِ وَالْمَسْبُوقُ يَأْتِي بِهِ وَلَهُمَا أَنْ كُلُّ تَكْبِيرٍ قَائِمَةٌ مَقَامَ رَكْعَةٍ وَالْمَسْبُوقُ لَا يَتَدَيَّ بِمَا فَانَهُ إِذَا هُوَ مَنْسُوخٌ وَلَوْ كَانَ حَاضِرًا فَلَمْ يُكَبِّرْ مَعَ الْإِمَامِ لَا يَنْتَظِرُ الثَّانِيَةَ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَذْرُوكِ

ترجمہ اور نماز جنازہ کی کیفیت یہ ہے کہ تکبیر کہے اسی تکبیر کے بعد اللہ کی ثناء کرے پھر تکبیر کہے۔ اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر تکبیر کہے اس میں دعا کرے اپنے واسطے، میت کے واسطے اور تمام مسلمانوں کے واسطے پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام بھیج دے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے جو سب سے آخر میں نماز جنازہ پڑھی اس میں چار ہی تکبیرات کہیں۔ تو اس نے سابق کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور اگر امام نے پانچ تکبیرات کہیں تو مقتدی (چار سے زائد میں) اس کی پیروی نہ کرے گا۔ امام زفر کا اختلاف ہے کیونکہ مدار و بسا کی وجہ سے چار سے زائد منسوخ ہے۔ اور ایک روایت میں امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے۔ یہی مختار ہے اور دعائیں کرنا میت کے لئے مغفرت مانگنا ہوتا ہے اور ثناء کے ساتھ شروع کرنا پھر درود کے ساتھ دعا کی سنت ہے۔ اور بچہ کے لئے استغفار نہ کرے۔ لیکن یوں کہے (النبی اس بچہ کو ہمارے واسطے فرط کر دے اور اس کو ہمارے لئے ثواب اور ذخیرہ نیکی کر دے اور اس کو ہمارے لئے ایسا شفاعت کرنے والے کر دے جس کی شفاعت قبول ہو۔ اور اگر امام ایک یا دو تکبیریں کہے چکا تو آنے والا تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ امام اس کے آنے کے بعد تکبیر کہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور ابو یوسف نے کہا کہ حاضر ہوتے ہی چھوٹی ہوئی تکبیریں کہے۔ کیونکہ پہلی تکبیر افتتاح کے واسطے ہے اور مسبوق اس کو ضرور لاتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور مسبوق اس نماز کو ادا کرنا شروع نہیں کرتا جو اس سے چھوٹ گئی ہے۔ کیونکہ یہ منسوخ ہو گیا ہے۔



اور اگر ایک شخص ابتداء سے حاضر تھا مگر امام کے ساتھ تکبیر نہ کہی تو بار تحاق وہ امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ بمنزل مدرک کے ہے۔

**تشریح** اس مہارت میں نماز جنازہ کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیروں کا نام ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ نیت کے بعد تکبیر افتتاح ہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اس کے بعد اللہ کی شائستگی۔ یعنی الحمد للہ اور اس کے مانند کلمات کہے اور بعض نے کہا ہے کہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ الخ کہے جیسا کہ دوسری نمازوں میں ہے۔ ہمارے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورۃ الفاتیحہ کی قرات مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی قرات فاتحہ کے قائل ہیں۔ امام شافعی نے نماز جنازہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کیا ہے۔ پس جس طرح دوسری نمازوں میں قراءت قرآن ضروری ہے اسی طرح نماز جنازہ میں بھی قراءت قرآن ضروری ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نافع سے مروی ہے اَنَّ اِسْ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ۔ یعنی نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں قرات نہیں کرتے تھے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ فقط ایک رکن (قیوم) کا نام ہے۔ اور کن مفرد میں قرات قرآن مشروع نہیں ہوئی۔ جیسا کہ بعد قراءت میں رکن مفرد ہونے کی وجہ سے قراءت مشروع نہیں ہے۔ پھر دوسری تکبیر کہہ کر رسول اکرم ﷺ پر درود پڑھے۔ کیونکہ ثابری نے بعد صَلَاةٍ عَلَى النَّبِيِّ الخ کا درجہ ہے۔ جیسا کہ تشدد میں یہی ترتیب ہے۔ اور اسی ترتیب پر خطبے وضع ہوتے ہیں۔ پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے مئے میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے مئے دعا کرے گریا ہو تو یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اعْزِزْ لِحَيِّئَا وَهَبْ لِمَيِّئَا اور اریا نہ ہو تو جو دعا دوزخ سے اُحد باری تعالیٰ اور صلوة علی النبی کے بعد دعا اس سے رکھی گئی ہے کہ حضور ﷺ سے فرمایا بَرَدَا اَرَادَ اُحَدُكُمُ اَنْ يَدْعُوَ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَدْعُو۔ جنی جب تم میں سے کوئی دعا کا ارادہ کرے تو اللہ کی حمد کرے اور حضور ﷺ پر درود پڑھے پھر دعا پڑھے۔ پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سجدہ پھیر دے، چوتھی تکبیر کے بعد سجدہ پھیرنا اس لئے ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے آخری نماز جنازہ میں چار ہی تکبیرات کہی ہیں۔ پس اس سے پہلے کا عمل اگر اس کے مخالف بھی ہو تو وہ منسوخ ہو گیا ہے۔ صاحب منایہ نے لکھا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سجدہ سے پہلے خادم الروایۃ کے مطابق کوئی دعا نہیں ہے۔ اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ سجدہ سے پہلے یہ دعا پڑھے رَبَّنَا اِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ آتَيْنَاكَ عَذَابَ الْقَبْرِ وَ الْعَذَابَ الْآخِرَ۔ اور بعض نے فرمایا کہ یہ کہے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ الْكَوْهَابُ امام ابو الحسن قدوری نے کہا ہے کہ امام نے اگر پانچویں تکبیر کہی تو مقتدی اس پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی نہ کرے کیونکہ چار سے زائد تکبیریں مذکور روایت کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ امام زفر نے فرمایا ہے کہ اگر امام نے پانچویں تکبیر کہی تو مقتدی اس کی پیروی کرے گا۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ چار تکبیرات سے زائد کا مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے نماز جنازہ میں چار کے بعد پانچویں تکبیر کہی تو مقتدیوں نے حضرت علیؑ کی پیروی کی ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ صحابہؓ نے اس بارے میں مشورہ کیا اور آنحضرت ﷺ کی آخری نماز کی طرف رجوع کیا۔ پس حضرت علیؑ کا پانچویں تکبیر کہنا منسوخ ہو گیا اور منسوخ کی پیروی کرنا غلط اور خطا ہے۔ رہی یہ بات کہ مقتدی جب پانچویں تکبیر میں امام کی متابعت نہیں کرے گا تو کیا کرے۔ اس میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مقتدی فوراً سلام پھیرے تاکہ پانچویں تکبیر میں امام کی مخالفت ثابت نہ ہو۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ مقتدی امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے۔ تاکہ سلام کے اندر متابعت ہو جائے۔ مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ مختار یہی دوسری روایت ہے۔

صاحب کتاب نے کہا ہے کہ دعا میں کرنا اور حقیقت میت کے لئے مغفرت طلب کرنا ہے ورثاء اور صلوٰۃ علی النبی سے ابتدا کرنا کی سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناباغ بچہ کے لئے استغفر نہ کرے کیونکہ مکلف نہ ہونے کی وجہ سے اس سے گناہ کا صدور نہیں ہوا۔ لہذا یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَحًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا دُحْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔

اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں اس وقت شامل ہوا، جب امام ایک یا دو تکبیریں بہہ چکا تو آنے والا شخص کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ اس کے شامل ہونے کے بعد جب امام نے تکبیر کہی تو اس کے ساتھ یہ بھی تکبیر کہے اور فوت شدہ تکبیروں کی قضاء امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرے یہ قول طرفین کا ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ شامل ہوتے ہی فوت شدہ تکبیر کہے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر یعنی تکبیر افتتاح کے بعد آنے والے مسبوق کے مانند ہے۔ اور مسبوق تکبیر افتتاح شامل ہونے کے بعد ضرور کہتا ہے۔ ہذا یہ بھی کہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص بلاشبہ مسبوق کے مانند ہے لیکن نماز جنازہ کی ہر تکبیر بمنزلہ ایک رکعت کے ہے۔ اسی وجہ سے نماز جنازہ کے بارے میں کہا گیا ہے اَرْبَعٌ كَاَرْبَعِ الظُّلُمِ۔ اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ مسبوق فوت شدہ رکعت کی قضا امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرتا ہے نہ کہ پہلے کیونکہ ہم سے پہلے قضاء کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

ور اگر ایک شخص ابتداء سے حاضر تھا مگر امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی تو یہ امام کی دوسری تکبیر کا بالاتفاق انتظار نہ کرے۔ کیونکہ یہ مد رک کے مرتبہ میں ہے۔

### امام میت کے سینے کے برابر کھڑا ہو

وَيَقُومُ الَّذِي يُصَلِّي عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ الصَّدْرِ لِأَنَّهُ مَوْصِلُ الْقَلْبِ وَفِيهِ نُورُ الْإِيمَانِ فَكَوْنُ الْقِيَادِ عَسَدَهُ إِشَارَةً إِلَى الشَّفَاعَةِ لِإِيمَانِهِ وَعَنْ أَبِي حَبِيبَةَ أَنَّ يَقُومَ مِنَ الرَّجُلِ بِحِذَاءِ رَأْسِهِ وَمِنَ الْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ وَسْطِهَا لِأَنَّ أُنْسًا فَعَلَ كَذَلِكَ وَقَالَ هُوَ السُّنَّةُ فَلَسَا تَأْوِيلُهُ أَنَّ جَنَازَتَهَا لَمْ تَكُنْ مَنَعُوشَةً فَحَالَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ

ترجمہ اور جو شخص مرد و عورت کی نماز جنازہ پڑھتا ہے وہ سینہ کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل میں نور ایمان ہے۔ جس اس کے پاس کھڑا ہونا اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ مرد کے جنازہ کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے وسط میں کھڑا ہو۔ کیونکہ حضرت انسؓ نے اسی طرح کیا ہے اور کہا کہ یہی سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے کلام میں تاویل یہ ہے کہ عورت کا جنازہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نعلش دار نہ ہوتا تھا تو حضور ﷺ عورت کے جنازہ اور لوگوں کے درمیان حائل ہو جایا کرتے تھے۔

تشریح مسند یہ ہے کہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا نماز کے وقت امام میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔ دلیل یہ ہے کہ سینہ قلب کا محل ہے اور قلب کے اندر نور ایمان ہوتا ہے۔ پس سینہ کے پاس کھڑا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے کی گئی ہے امام ابو حنیفہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جنازہ اگر مرد کا ہو تو امام اس کے سر کے مقابل کھڑا ہو۔ اور اگر عورت کا ہے تو اس کے وسط میں کھڑا ہو۔ دلیل حدیث اس ہے رَوَى عَنْ نَافِعِ أَبِي عَدْلِبٍ قَالَ كُنْتُ فِي مَسْجِدِ الْمَرْبَدِ فَمَرَّتْ جَنَازَةٌ مَعَهَا نَاسٌ كَثِيرٌ قَالُوا جَنَازَةُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَيْرٍ فَتَبِعُهَا فَإِذَا أَنَا بِرَجُلٍ عَلَيْهِ كِسَاءٌ رَقِيقٌ عَلَى رَأْسِهِ خِرْقَةٌ تَقْبِيهِ مِنَ الشَّمْسِ فَقُلْتُ مَنْ

هَذَا الدِّهْقَانُ قَالُوا أُنْسُ نُنْ مَالِكٍ قَالَ كَمَا وَضَعَتِ الْحَنَازَةُ قَامَ أُنْسٌ فَصَلَّى عَلَيْهَا وَ أَنَا خَلْفَهُ لَا يَحُولُ بَيْنِي وَ بَيْنَهُ شَيْءٌ فَقَادَ عِنْدَ رَأْسِهِ وَ كَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ لَمْ يَطْلُ وَ لَمْ يَسْرَعْ ثُمَّ ذَهَبَ يَقْعُدُ فَقَالُوا يَا أَبَا حَمْرَةَ الْمَرْأَةُ الْأَنْصَارِيَّةُ فَقَرَّبُوَهَا وَ عَلَيْهَا نَعْشٌ حَضَرُ فَقَامَ عِنْدَ عَجِيزَتِهَا فَصَلَّى عَلَيْهَا نَحْوَ صَلَوَتِهِ عَلَى الرَّجُلِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ الْعَلَاءُ تَنْ رَبِّادِ يَا أَبَا حَمْرَةَ أَهَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى الْجَنَائِزِ كَصَلَوَتِكَ يُكَبِّرُ عَلَيْهَا أَرْبَعًا وَ يَقُومُ عِنْدَ رَأْسِ الرَّجُلِ وَ عَجِيزَةُ الْمَرْأَةِ قَالَ نَعَمْ۔

یعنی نافع سے مروی ہے کہ نافع نے کہا کہ گلی سے ایک جنازہ جس کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، گذرا۔ دونوں نے کہا کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کا جنازہ ہے (نافع جتے ہیں کہ) میں بھی جنازہ کے ساتھ چل دیا میں نے دیکھا کہ ایک آدمی جس کے بدن پر باریک چادر اور دھوپ سے پھوٹے لئے سر پر ایک کپڑا رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ وہ دہقان اور گاندی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ انس بن مالک ہیں۔ نافع کہتے ہیں کہ جب جنازہ زمین پر رکھ دیا گیا تو انسؓ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور میں آپ کے پیچھے تھا کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی (پس میں نے دیکھا کہ) آپ جنازہ کے سر کے پاس کھڑے ہوئے اور چار تکبیریں ہمیں اس طور پر کہ نہ طویل تھیں اور نہ جلدی کی، پھر آپ بیٹھنے لگے تو لوگوں نے کہا اے ابو حمزہ (انس بن مالک) ایک انصاری عورت کا جنازہ بھی ہے۔ پس انہوں نے اس کو انسؓ کے قریب کیا اور اس پر ایک سبز رنگ کی غش (مراہ کی چار پانی جس پر صندوق سا بنا رہتا ہے) تھی آپ اس کے چوتروں کے پاس یعنی وسط میں کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی جیسے مرد کی پڑھائی تھی پھر آپ بیٹھ گئے پس علماء بن زیاد نے کہا کہ ابو حمزہ یہ رسول اللہ ﷺ بھی جنازوں پر اسی طرح نماز پڑھتے تھے تو انسؓ نے کہا کہ ہاں۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے اسی طریقہ کو مسنون قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ انصاری عورت کے جنازہ پر غش نہیں تھی یعنی وہ صندوق نما تھا بوت نہیں تھا۔ جس سے عورت کا ستر ہوتا ہے۔ پس اس عورت اور لوگوں کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے وسط میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن صاحب ہدایہ کی یہ تاویل اس لئے معتبر نہیں ہے کہ حدیث میں بمراحت وَ عَلَيْهَا نَعْشٌ اُخْصَرُ کا لفظ موجود ہے۔

### سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

فَبِأَن صَلَّوْا عَلَى حَنَازَةٍ رُكْنَا أَجْرَاهُمْ فِي الْقَبَائِسِ لِأَنَّهَا دَعَاءٌ وَلِئِي الْأَسْبَحْسَانِ لَا تُجْزِيهِمْ لِأَنَّهَا صَلَوةٌ مِنْ وَجْهِ لَوْ جُودَ التَّحْرِيمَةِ فَلَا يَحُوزُ تَرْكُهَا مِنْ غَيْرِ عُدْرٍ احْتِطَاطًا

ترجمہ۔ اگر دونوں نے جنازہ پر سواری کی حالت میں نماز پڑھی تو قیاس کے مطابق ان کی نماز جائز ہوگئی۔ کیونکہ یہ دعا ہے اور استحساناً جائز نہیں ہوتی کیونکہ یہ تحریم کے پاس جانے کی وجہ سے من وجہ نماز ہے ہذا احتیاطاً بغیر عذر کے اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح۔ سواری پر سواری پر نماز جنازہ پڑھنا قیاساً تو جائز ہے لیکن استحساناً جائز نہیں ہے قیاس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت دعا کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ میں نہ قرأت ہے نہ رکوع اور سجدہ پس جس طرح دوسری دعاؤں کا پڑھنا سواری پر جائز ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ بھی جائز ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ نماز جنازہ من وجہ نماز ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ کے لئے تحریم پایا جاتا ہے اور وقت کے علاوہ

تمہارے وہ شرطیں ضروری ہیں جو دوسری نمازوں کے لئے ضروری ہیں۔ پس بلا عذر احتیاط کی میں ہے کہ قیام کو ترک نہ کیا جائے اور سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں چونکہ قیام ترک کرنا پڑتا ہے اس لئے سواری پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

### نماز جنازہ کے لئے ولی سے اجازت لینے کا حکم

وَلَا بَأْسَ بِالْأَذَانِ فِي صَلَوةِ الْجَزَاةِ لَأَنَّ التَّقْدِمَ حَقُّ الْوَلِيِّ فَيَمْلِكُ إِطْلَاقَهُ بِتَقْدِيمِ غَيْرِهِ وَفِي نَعْضِ السُّحِّ لَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ أَيْ الْإِعْلَامِ وَهُوَ أَنْ يُعْلِمَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِيَقْضُوا حَقَّهُ

ترجمہ اور نماز جنازہ میں اجازت کا مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ امام کا ہونا ان کا حق ہے پس وہ دوسرے کو آگے بڑھا کر اپنے حق کو باطل کر سکتا ہے اور بعض نسخوں میں ہے کہ نماز جنازہ میں اذان یعنی اعلان کا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اعلیٰ یہ ہے کہ بعض لوگ دوسرے کو آگاہ کر دیں تاکہ وہ میت کا حق ادا کریں۔

تشریح متن کے دو نسخے ہیں۔ ایک تو لَا بَأْسَ بِالْإِذْنِ فِي صَلَوةِ الْجَزَاةِ دوسرا لَا بَأْسَ بِالْأَذَانِ۔ پہلے نسخہ کی بنیاد پر عبارت کے دو مطلب ہوں گے۔ ایک یہ کہ ولی اگر کسی دوسرے کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ امامت کا حق ولی کو ہے۔ پس وہ میت اگر دوسرے کو امام بنا کر اپنا حق مٹا نا چاہے تو مٹا سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد ولی اگر لوگوں کو گھر واپس جانے کی اجازت دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ تدفین سے پہلے بغیر ولی کی اجازت کے لوگوں کا گھر واپس جانا درست نہیں ہے۔ اور دوسرے نسخہ کی بنیاد پر عبارت کا حاصل یہ ہوگا کہ نماز جنازہ کی اطلاع دینے اور لوگوں کو باخبر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قَالَ ﷺ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَأَذِّنُوهُ بِالصَّلَاةِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے تو مجھ کو نماز کی اطلاع دینا۔ بعض متاخرین نے اس شخص کی نماز جنازہ کے لئے بازاروں میں علان کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے جس کی نماز کے لئے لوگ راغب ہوں جیسے زاہد و رعلما۔

### مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

وَلَا يُصَلِّي عَلَى مَيِّتٍ فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أُجْرَ لَهُ وَلَا نَافِعَ يُسَى لِأَدَاءِ الْمَكْتُوباتِ وَلِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ تَلَوِيثُ الْمَسْجِدِ وَفِيمَا إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ اخْتَلَفَ الْمُشَافِعُ

ترجمہ اور کسی میت پر مسجد جماعت میں نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی اس کے واسطے ثواب نہیں ہے اور اس لئے کہ مسجد تو ادائے فرائض کے لئے بنائی گئی ہے اور اس لئے کہ اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے اور اس صورت میں جبکہ میت مسجد سے باہر ہو تو مشافع نے اختلاف کیا ہے۔

تشریح صاحب عزایہ نے اس عبارت کو حل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر فقط جنازہ مسجد میں ہو اور امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں اور باقی مسجد میں ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر فقط جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام اور تمام لوگ مسجد میں ہوں تو مشافع نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کراہت کے قائل ہیں اور بعض عدم کراہت کے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ کسی حال میں مکروہ نہیں ہے یعنی فقط جنازہ اگر

مسجد میں ہو تب بھی اس پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص کی وفات ہوئی تو صدیقہ عائشہ نے حکم دیا کہ ان کے جنازہ کو مسجد میں داخل کیا جائے حتیٰ کہ اس برقعہ زوان مطہرات نے نماز پڑھی۔ پھر حضرت عائشہ نے اپنے ارد گرد کے بعض لوگوں سے کہا کہ کیا وہ لوگ ہمارے اس فعل پر عیب لگایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں (لوگوں کو اس پر اعتراض ہے) حضرت عائشہ نے کہا کہ وہ کس قدر جلد فراموش کر گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن ابیہضہ کے جنازہ پر مسجد ہی میں نماز پڑھی تھی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد کے اندر بھی نماز جنازہ بلا کر اہت جائز ہے ورنہ رسول اللہ ورفیقہ امت حضرت عائشہ مسجد کے اندر نماز جنازہ جنازہ پڑھتے ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أُحْرَكُهُ يَعْنِي حَضَرَ عَمِّي نَعْنِي أَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أُحْرَكُهُ اس کے سنے کوئی ثواب نہیں ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ مسجد اور عمارت کے لیے بنائی گئی ہے جس میں وقت نمازوں کے علاوہ کوئی نماز مسجد میں ادا نہ کی جائے تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر جنازہ مسجد میں ہو تو اس صورت میں مسجد کے آلودہ ہونے کا حتمل ہے اس سے بلا مذکر مسجد میں میت کا نہ لکرا ہے۔

حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں انصار و مہاجرین موجود تھے انھوں نے حضرت عائشہ کے عمل پر عیب لگایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسجد کے اندر جنازہ کی نماز کی رہت معروف تھی اور یہاں آنحضرت ﷺ کا سہیل کے جنازہ پر مسجد کے اندر نماز پڑھنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ محکف تھے آپ کے منے مسجد سے نکلنا ممکن نہ تھا تو آپ نے جنازہ کو اپنے کا حکم دیا جس کو وہ جنازہ خارج مسجد رکھا یا یہ اور آپ ﷺ نے مسجد میں رہتے ہوئے نماز پڑھی اور ہمارے نزدیک اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور وہ مسجد کے اندر کھڑے ہو کر اس پر نماز پڑھیں تو کراہت نہیں ہے۔ پس اول تو آنحضرت ﷺ کو اہمکاف کا عذر تھا دوسرے یہ کہ جنازہ مسجد میں نہیں تھا بلکہ مسجد سے باہر تھا اس لئے اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا مناسب نہ ہوگا۔

جس بچہ میں پیدائش کے بعد آثار حیات ہوں نام رکھا جائے گا، غسل دیا جائے

گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی

وَمِنْ اسْتَهْلَ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِّلَ وَصَلَّى عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ ﷺ إِذَا اسْتَهْلَ الْمَوْلُودُ صَلَّى عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَهْلْ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ وَلَئِنْ اسْتَهْلَكَ دَلَالَةُ الْحَيَاةِ فَتَحَقَّقْ فِي حَقِّهِ سُنَّةُ الْمَوْتَى وَمَنْ لَمْ يَسْتَهْلْ أُدْرِجْ فِي حَرْفَةِ كَرَامَةِ نَبِيِّ آدَمَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ لِمَا رَوَيْنَا رِيعَسَلْ فِي غَيْرِ الطَّاهِرِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ لِأَنَّهُ نَفْسٌ مِنْ وَحْدِهِ وَهُوَ الْمُحْتَارُ

مترجمہ۔ جس بچہ نے ولادت کے بعد رونے کی آواز نکالی اس کا نام رکھا جائے اس کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب بچہ رونے کی آواز نکالے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر رونے کی آواز نکالی تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور اس نے کہ رونا زندہ ہونے کی دلیل ہے ہذا س کے حق میں مردوں کا طریقہ متحقق ہوگا۔ اور جو بچہ نہیں رویا اس کو ایک کپڑے میں داخل کیا جائے اولاد آدم کی تکریم کے پیش نظر۔ اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور غیر ظاہر الروایت کے مطابق اس کو غسل بھی دیا جائے۔ کیونکہ وہ من وجہ نفس ہے اور یہی حکم مختار ہے۔

تشریح۔ استہل صبی۔ ولادت کے وقت بچہ کا آواز بند نہ لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ایسی چیز پائی جو بچہ کی حیات پر دلالت کرے مثلاً

بچہ کے کسی عضو کا حرکت کرنا یا اس کا رونے کی آواز نکالنا وغیرہ۔

بہر حال بچہ اگر پیدا ہوتے ہی مر گیا یعنی ولادت کے وقت زندگی کی کوئی دلیل پائی گئی پھر مر گیا تو اس بچہ کا نام بھی رکھا جائے۔ اس کو غسل میت بھی دیا جائے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ دلیل حضور ﷺ کا قول اِذَا اسْتَهْلَ الْمُؤَلُّوْهُ صَلَّی عَلَیْہِ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَهْلْ لَہُ یُصَلِّ عَلَیْہِ ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ استہلال یعنی بچہ کا آواز نکالنا زندہ ہونے کی علامت ہے۔ لہذا اس کے حق میں مردوں کا طریقہ متحقق ہوگا۔ اور جس بچہ نے ولادت کے وقت رونے کی آواز نہیں نکالی۔ اور دوسری کوئی زندگی کی علامت بھی نہیں پائی گئی تو اس کو بطور غنیمت کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڈھے میں داب دیا جائے۔ یہ عمل بھی فقط اول و آدم کی تکریم کے پیش نظر ہوگا۔ اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔ دلیل گذشتہ روایت ہے اہل غیر ظہر الروایۃ کے مطابق اس کو غسل دیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ من وجہ تو بدن کا ایک جز ہے اور من وجہ نفس ہے۔ پس دونوں کا اعتبار کیا گیا اور کہا کہ چونکہ بدن کا ایک جز اور عضو ہے۔ اس لئے اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور چونکہ من وجہ نفس ہے اس لئے اس کو غسل دیا جائے۔ یہی ابو یوسف سے مروی ہے اور یہی مختار قول ہے۔

### کوئی بچہ اپنے والدین کے ساتھ قید ہو گیا، پھر مر گیا تو نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی

وَاِذَا سَئِی صَبًیٍّ مَعَ اَحَدِ اَبَوَیْہِ وَمَاتَ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْہِ لِاَنَّهُ بَعَثَ لَہُمَا اِلَّا اَنْ یُقَرَّ بِالْاِسْلَامِ وَهُوَ یَعْقِلُ لِاَنَّهُ ضَحَّ اِسْلَامُہُ اَسْتَحْسَانًا اَوْ یُسْلَمَ اَحَدُ اَبَوَیْہِ لِاَنَّهُ یَنْبَغُ خَیْرُ الْاَبْوَابِ دُنْیَا وَاِنْ لَّمْ یَسْتُمْعِ مَعَهُ اَحَدُ اَبَوَیْہِ صَلَّی عَلَیْہِ لِاَنَّهُ طَهَّرَتْ تَبْعَیۃُ الدَّارِ فَحُکِمَ بِالْاِسْلَامِ کَمَا فِی اللَّحِیْطِ

**ترجمہ** اور اگر کوئی بچہ اپنے والدین میں سے کسی کے ساتھ قید ہوا اور مر گیا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنے والدین کے تابع ہے مگر یہ کہ وہ اسلام کا اقرار کرے۔ دراصل ایک وہ سمجھدار ہے کیونکہ استحسان اس کا اسم صحیح ہو گیا ہے یا اس کے والدین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے۔ کیونکہ وہ دین کے اعتبار سے خیر الابواب دنیا و آخرت میں تابع ہونا اس کے حق میں حاکم ہوا تو اس کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جیسے قیط میں ہوتا ہے۔

**تشریح** صارت مستند یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا اور مر گیا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ بچہ والدین کے تابع ہو کر کافر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے الْوَلَدُ یَتَّبِعُ خَیْرَ الْاَبْوَابِ دُنْیَا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ دین میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے اور چونکہ یہاں والدین کافر ہیں لہذا بچہ بھی کافر ہوگا اور کافر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی اس لئے اس بچہ پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ہاں اگر وہ بچہ سمجھدار ہو اور اسلام کا اقرار کر لے یا اس کے والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اسلام کا اقرار کرنے کی صورت میں تو اس لئے کہ استحسان اس کا مسلمان ہونا صحیح ہے۔ اور اُحد الابواب کے تابع ہوتا ہے اور دین کے اعتبار سے خیر الابواب وہ ہے جو مسلمان ہو گیا لہذا بچہ بھی اس کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا۔ اور مسلمان کے جنازہ پر چونکہ نماز پڑھی جاتی ہے اس لئے اس بچہ کے جنازہ پر بھی نماز پڑھی جائے گی۔

اور اگر بچہ قید ہوا مگر اس کے ساتھ اس کے ابویں میں سے کوئی قید نہیں ہوا اور وہ بچہ مر گیا تو اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ کیونکہ

۱۔ مالک کے تابع نہ ہوا اس کے حق میں نہ ہو گیا تو اس کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جیسے لقیط میں ہوتا ہے یعنی ایک شخص نے جنگل وغیرہ میں ایک بڑا پتھر پڑا اس کا کوئی وارث معلوم نہیں ہوتا ہے۔ پس اگر وہ اسلام میں ملا ہو تو وہ اس وارث کے تابع ہو کر مسلمان قرار دیا جائے گا۔

### کافر کا مسلمان ولی اسے غسل اور کفن دے گا اور دفن کرے گا

وَإِذَا مَاتَ الْكَافِرُ وَلَهُ وَلِيٌّ مُّسْلِمٌ فَإِنَّهُ يَغْسِلُهُ وَيَكْفِيهِ وَيُدْفِنُهُ بِدَلِكِ أَمْرِ عَلِيٍّ فِي حَقِّ أَبِيهِ أَبِي طَالِبٍ لَكِنْ يُغْسَلُ غَسْلَ التَّوْبِ السَّخِسِ وَيُدْفَنُ فِي جُزْءٍ وَتُحْفَرُ حَمِيرَةٌ مِنْ غَيْرِ مَرَاعَاةِ سُنَّةِ التَّكْفِينِ وَاللَّحْدِ وَلَا يُوضَعُ فِيهِ بَلٌّ يُلْفَى

ترجمہ۔ اگر جب کوئی کافر مرے اور اس کا کافر ولی مسلمان وارث نہ ہو تو مسلمان اس میت کا فر کو غسل دے، کفن دے اور دفن کر دے۔ حضرت علیؑ کو اس کے پاپ ابوتاب کے حق میں اسی طرح کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس طرح غسل دیا جائے جس طرح نجس کپڑا دھویا جاتا ہے اور ایک پتھر میں ڈیب دیا جائے اور ایک گڑھا کھودے ست تکفین اور سنت لحد کی رعایت کئے بغیر اور اس میں رکھنا نہ جائے بلکہ ڈال دیا جائے۔

تشریح۔ مسند یہ ہے کہ اگر کوئی کافر مرے اور اس کا کافر ولی ہے البتہ مسلمان ولی ہے یعنی اس کافر کا کوئی قرہبی رشتہ دار مسلمان نہ ہو تو یہ مسلمان اس کو نجس پتھر کی طرح دھو کر ایک پتھر میں پیٹ کر کسی گڑھے میں ڈال دے۔ دلیل یہ ہے کہ ابو طالب نے اہل بیت علیہ السلام کے جب حضور ﷺ کو اطہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا غَسِلْهُ وَكَفِّهِ وَوَارِدْهُ وَلَا تُخَدِّثْ بِهِ حَدِيثًا حَتَّى تَنْقَاسِي یعنی اس کو دھو کر کفن دے کر اس کو زمین میں چھپا دے۔ پھر کوئی بات نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آنا میرا یہ کہ اس کی نماز نہ پڑھنا۔ حضور ﷺ کی ماریہ ہے کہ مستنون طریقہ پر تدفین اور تکفین نہ کرنا۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ کافر میت کو جس پہ کسی طرح دھویا جائے اور پتھر کی پیٹ دیا جائے اور گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جائے اور اگر کافر میت کے کافر ولی نہ ہو جو مسلمان نہ چاہے کہ وہ کافر میت اور اس کے کافر ولی کے درمیان غلیہ کر دے وہ اس کے ساتھ جو چاہیں معاملہ کریں۔

متن میں عبارت وَلَهُ وَلِيٌّ مُّسْلِمٌ میں وہی سے مراد وہی رشتہ دار ہے کیونکہ مسلمان اور کافر کے درمیان حقیقی ولایت موجود نہیں ہے۔ یہ حدیث نے فرمایا لَا تُتَّخَذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ یعنی مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کو پڑولی نہ بنو۔

### فَصْلٌ فِي حَمْلِ الْجَنَازَةِ

(یہ) فصل جنازہ اٹھانے کے بیان میں ہے

جنازہ اٹھانے کا بیان۔ جنازہ اٹھانے کا طریقہ

وَرَدَّ أَحْمَدُ بْنُ الْحَكِيمِ عَلَى سِرْبِهِ أَحَدُوا بِقَوْلِهِمُ الْأَرْبَعِ بِدَلِكِ وَرَدَّتِ السُّنَّةُ وَفِيهِ تَكْثِيرُ الْجَمَاعَةِ وَزِيَادَةُ الْإِكْرَامِ وَالصِّيَابَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ السُّنَّةُ أَنْ يَحْمِلَهَا رَحْلَانِ يَضَعُهَا السَّابِقُ عَلَى أَصْلِ عُنُقِهِ وَالثَّانِي عَلَى صَدْرِهِ لِأَنَّهُ حَسَارَةٌ سَعْدَتْ مَعَادًا هَكَذَا حُمِلَتْ قُلْنَا كَانَ ذَلِكَ لِإِرْدِ حَامِ الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِ وَيَمْشُونَ بِهِ مُسْرِعِينَ دُونَ

السَّحَبِ لِأَنَّهُ ۖ حَيْثُ سُبِّلَ عَنْهُ قَال مَسَادُونَ السَّحَبِ

ترجمہ جب لوگ میت کو اس کے تحت پراٹھا نہیں تو چار پائی کے چاروں پایہ پکڑے ہوں۔ اسی طریقہ کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے۔ اور اس میں تکثیر جماعت ہے اور میت کے اکرام میں زیادتی ہے۔ (اور گرنے سے) حفاظت ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ کو دو مرد اٹھائیں (اس طرح کہ) اگلا شخص جنازہ کو اپنی گردن کی جڑ پر رکھے۔ اور دوسرا شخص اس کو اپنے سینہ پر رکھے۔ کیونکہ سعد بن معاذ کا جنازہ یونہی اٹھایا گیا تھا۔ ہم جواب دیں گے کہ یہ ملائکہ کے جہوم کی وجہ سے تھا اور جنازہ کو تیزی کے ساتھ لے کر چلیں دوڑ کر نہ چلیں۔ کیونکہ جس وقت اس بارے میں رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مَا دُونَ السَّحَبِ۔

تشریح اس فصل کے اندر جنازہ اٹھانے کی کیفیت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ میت کو تحت یا چار پائی پر اٹھائیں اور چار پائی کے چاروں پایہ پکڑیں یعنی چار آدمی موجود ہوں اور ہر آدمی اس کا پایہ پکڑے۔ مسنون طریقہ یہی ہے عید اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے مَسْنُ السَّنَةِ أَنْ تُحْمَلَ الْجَنَازَةُ مِنْ حَوَالِهَا الْأَرْبَعَةِ۔ یعنی مسنون یہ ہے کہ جنازہ کو اس کی چاروں جانب سے اٹھایا جائے۔ حضور ﷺ کا قول ہے مَنْ حَمَلَ الْحَنَازَةَ مِنْ حَوَالِهَا الْأَرْبَعَةِ غُمِرَ لَهُ مَغْفِرَةٌ مُوجِبَةٌ یعنی جس نے جنازہ اس کی چاروں جانب سے اٹھایا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ اس میں تکثیر جماعت بھی ہے کیونکہ اگر جنازہ کے ساتھ کوئی آدمی نہ جائے تو یہ چار حاملین جنازہ تو ضروری ہوں گے اور طہر ہے کہ چار آدمیوں کی ایک جماعت ہوتی ہے اور چار آدمیوں کے اٹھانے میں جنازہ کا اکرام بھی ہے۔ بایں طور کہ ایک جماعت اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور جس کو گردنوں پر اٹھایا جاتا ہے اس کے مکرم اور محترم ہونے میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز چار آدمیوں کے اٹھانے کی صورت میں میت کے زمین پر گرنے سے حفاظت بھی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ مسنون یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح اٹھائیں کہ اگلا آدمی جنازہ اپنی گردن کی جڑ پر رکھے اور پچھلا آدمی اس کو اپنے سینہ پر رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی ہے پناہ بھیڑ کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ سعد بن معاذ کی شہادت پر ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترے تھے۔ اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی تعداد زمین پر نہیں اتری۔

حاصل یہ کہ سعدؓ کے جنازہ کو دو آدمیوں کا اٹھانا راستہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے تھا یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بچوں کے بل چل رہے تھے۔

ماتن کہتے ہیں کہ جنازہ کو بے کرتیز رفتار ہی کے ساتھ چلیں دوڑیں نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے جب جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے مَسَادُونَ السَّحَبِ فرمایا جب کے معنی دوڑنے کے ہیں یعنی آپ ﷺ نے رفتار میں سرعت کا حکم تو فرمایا ہے۔ لیکن دوڑنے سے منع فرمایا ہے اور سرعت کا حکم اس لئے فرمایا ہے کہ جنازہ اگر نیک میت کا ہے تو اس کو بارگاہ خداوندی میں جلد پہنچا دو۔ اور اگر برے آدمی کا ہے تو اس کو جلد اپنی گردنوں سے دور کر دو۔ اور دوڑنے سے اس سے منع کیا ہے کہ اس میں میت کی تحقیر ہے۔





## فَصْلٌ فِي الدَّفْنِ

### دفن کا بیان..... قبر لحد نائے جائے یا شق

وَيُحْصَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ لِقَوْلِهِ ﷺ أَلَسَّحَدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِعَيْرِنَا وَيُدْخِلُ الْمَيِّتُ مِمَّا يَلِي الْقَبْلَةَ حِلَاقًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنْ عِنْدَهُ يَسْلُ سَلًا لِمَارُوِي أَنَّهُ ﷺ سَلٌ سَلًا وَلَنَا أَنَّ جَانِبَ الْقَبْلَةِ مُعْظَمٌ فَيَسْتَحِبُّ الْإِدْخَالَ مِنْهُ وَأَصْطَرَبَتْ الرِّوَايَةُ فِي إِدْخَالِ النَّبِيِّ ﷺ

ترجمہ (یہ) فصل میت کو دفن کرنے کے بیان میں ہے اور قبر کھودی جائے اور حد بنائی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے لئے لحد ہے اور دوسروں کے لئے شق ہے۔ اور میت اس جہت سے داخل کی جائے جو متصل قبہ ہے برخلاف امام شافعی کے کیونکہ ان کے نزدیک میت کو (پائنتی) کی جانب سے کھینچ جائے گا کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح سل کر کے داخل کئے گئے تھے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قبلہ کی جانب معظم ہے اس لئے اس طرف سے داخل کرنا مستحب ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کو داخل کرنے میں روایات مضطرب ہیں۔

تشریح لحد یہ ہے کہ قبر کے اندر قبہ کی طرف گول کر دیا جائے یعنی بغل بنادی جائے اسی کو بغلی قبر کہتے ہیں۔ اور شق یہ ہے کہ چوڑی قبر کھود کر اس کے اندر ایک پتلی نالی سی بنا کر اس میں مردہ دفن کرتے ہیں۔ (حنیہ)

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک قبر کھود کر لحد بنانا مسنون ہے بشرطیکہ زمین نرم نہ ہو اور اگر زمین ایسی نرم ہو کہ لحد بنانا ممکن نہ ہو تو شق چاہئے۔ اور امام شافعی کے نزدیک مسنون لحد نہیں بلکہ شق ہے۔ امام شافعی کی دلیل شق پر اہل مدینہ کا تواتر ہے۔ حنی اہل مدینہ سے تواتر شاہی چلا آ رہا ہے کہ وہ مسلمان میت کے واسطے شق بناتے تھے نہ کہ لحد۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول أَلَسَّحَدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِعَيْرِنَا ہے اور امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) کی زمین نرم اور ریتلی ہے کہ اس میں لحد کا بنانا ممکن نہیں اس لئے اہل مدینہ شق بنانے کو اختیار کرتے تھے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبر میں اتارنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو اس جہت سے داخل کیا جائے جو متصل قبہ ہے یعنی جنازہ قبر سے قبہ کی جانب رکھا جائے پھر وہاں سے میت کو اٹھ کر لحد میں رکھ دیا جائے اور امام شافعی نے کہا کہ مسنون میت کو اس کی قبر تک کھینچ کر لے جانا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ قبر کی پائنتی کی طرف اس طرح رکھا جائے کہ میت کا سر قبر میں اس کے قدموں کی جگہ کے برابر ہو پھر قبر میں داخل کرنے والا شخص میت کے سر کو پکڑ کر قبر میں داخل کرے۔ اور اس کو کھینچتا چلا جائے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر کے سر پہنے اس طرح رکھا جائے کہ میت کے دونوں پاؤں قبر میں اسکے سر کے محاذی ہوں۔ پھر میت کے دونوں پاؤں پکڑ کر وں ان کو قبر میں داخل کرے اور کھینچتا ہو پوری میت کو قبر میں اتار دے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اسی طرح کھینچ کر قبر میں اتارا گیا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت قبہ معظم اور محترم ہے ہذا اسی طرف سے داخل کرنا مستحب ہوگا اور رہا رسول اللہ ﷺ کو قبر میں داخل کرنے کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں روایات مضطرب ہیں کسی میں کچھ ہے ورنہ کسی میں کچھ اس لئے یہ روایت قابل استدلال نہ ہوگی۔

## قبر میں رکھنے والا کوئی دعا پڑھے اور کیا عمل کرے

فَإِذَا وَضَعَ فِي لَحْدِهِ يَقُولُ وَاضْعُهُ بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ كَذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ وَضَعَ أَبَا جَانَةَ فِي الْقَبْرِ وَيُوَخِّهُ إِلَى الْقَبْلَةِ بِذَلِكَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَيَحُلُّ الْعُقْدَةَ لَوُفُوعِ الْأَمْنِ مِنَ الْإِنْتِشَارِ وَيُسَوِّي اللَّيْنُ عَلَى اللَّحْدِ لِأَنَّهُ ﷺ حُجِّلَ عَلَى قَبْرِهِ الْيَمِينُ وَيُسَجَّى قَبْرُ الْمَرْأَةِ بِثَوْبٍ حَتَّى يُجْعَلَ اللَّيْنُ عَلَى اللَّحْدِ وَلَا يُسَجَّى قَبْرُ الرَّجُلِ لِأَنَّهُ مَنَى حَالَهُنَّ عَلَى الشَّيْرِ وَمَنَى خَالِ الرَّجُلِ عَلَى الْإِنْكَشَافِ

**ترجمہ** پس جب میت کو اس کی لحد میں رکھے تو کہے بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ یوں ہی ابودجانہ کو قبر میں رکھتے وقت رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا۔ اور میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دے اسی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور کفن کی گرہ کھول دے کیونکہ کفن منتشر ہونے کے خوف سے اطمینان ہو چکا اور لحد پر کچی اینٹیں برابر کر دی جائیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں اور عورت کی قبر پر کپڑے سے پردہ کر لیا جائے یہاں تک کہ کچی اینٹیں لحد پر لگائی جائیں اور مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ عورتوں کا حال پردہ پر مبنی ہے اور مرد کا حال کشف پر مبنی ہے۔

**تشریح** مصنف نے فرمایا ہے کہ میت کو لحد میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھی جائے بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ اور ایک روایت میں بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ کے الفاظ مروی ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابودجانہ کی میت کو قبر میں اتارتے وقت رسول اکرم ﷺ نے بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ کے الفاظ فرمائے تھے۔ مبسوط اور بدائع میں یہی مذکور ہے۔ صاحب کتاب نے بھی انہی حضرات کی تقلید کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابودجانہ انصاری کی وفات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبر کی خلافت میں جنگ یمامہ کے موقع پر ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالنجدین (عبداللہ) کو قبر میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھی تھی۔ اس کے علاوہ اس دعا کا ثبوت ابن عمرؓ کی حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث یہ ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ فرماتے۔ اور حاکم کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں إِذَا وَضَعْتُمْ مَوْتَاكُمْ فِي قُبُورِهِمْ فَقُولُوا بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ۔ جب تم اپنے مردوں کو قبر میں رکھو تو بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ کہہ کرو۔ (فتح القدیر)

لحد میں رکھ کر میت کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔ یعنی دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ کی طرف متوجہ کریں۔ دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ عنہ میں یہ حدیث موجود ہے عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ يَا عَلِيُّ اسْتَقْبِلْ بِهِ الْقَبْلَةَ اسْتَقْبَالًا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ بنی عبدالمطلب کا ایک آدمی مر گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے علیؓ اس کو قبر کی طرف متوجہ کر دو۔ فرمایا ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہ کھول دے۔ کیونکہ اب کفن کے منتشر ہونے کا خوف باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد لحد پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں۔ چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے كَانَ قَبْرُ النَّبِيِّ ﷺ لَحْدٌ وَبِضَا عَلَيْهِ النَّسْ بِضَا وَزُفِعَ قَبْرُهُ مِنَ الْأَرْضِ شَرًّا۔ یعنی حضور ﷺ لحد میں رکھے گئے اور ہم نے لحد پر کچی اینٹیں نصب کیں اور آپ کی قبر مبارک ایک باشت کی مقدار زمین سے اونچی کی گئی۔

اور عورت کو لحد میں اتارتے وقت اس کی قبر پر پردہ کر لیا جائے یہاں تک کہ نہ کوچی اینٹوں سے بند ہو جائے۔ اور مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ عورتوں کا حال ستر پر مبنی ہے اور مردوں کا حال کشف پر مبنی ہے۔ نیز حضرت فاطمہ کو قبر میں اتارتے وقت ان کی قبر پر پردہ کیا گیا تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مرد کی قبر پر بھی پردہ کیا جائے اور دلیل میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے سعد بن معاذ کو قبر میں اتارتے وقت ان کی قبر پر پردہ کرایا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کا ایک میت کے پاس سے گزر ہوا کہ اس کی قبر پر پردہ کیا گیا ہے حضرت علی نے اس کو ہنادیا۔ اور فرمایا کہ یہ مرد ہے یعنی مردوں کے حال کی بنیاد کشف پر ہے نہ کہ ستر پر۔ اور امام شافعی کی پیش رو حدیث کا جواب یہ ہے کہ سعد بن معاذ کا کفن تنا چھوٹا تھا کہ ان کا بدن چھپ نہ سکا بلند بدن کا چھبھہ مٹا رہا تھا حضور ﷺ نے ان کی قبر پر پردہ ڈلوادیا تاکہ کوئی شخص ان کے کسی عضو پر مطلع نہ ہو سکے۔

### قبر میں پکی اینٹ، لکڑی لگانے کا حکم

وَيُكْرَهُ الْأَحَرُّ وَالْحَشَبُ لِأَنَّهُمَا لِإِحْكَامِ الْبَاءِ وَالْقَبْرِ مَوْضِعُ الْبِلَى ثُمَّ بِالْأَخِرِ أَثَرُ النَّارِ فَيُكْرَهُ تَعَاوُلًا وَلَا بَأْسَ بِالْقَصَبِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَيُسْتَحَبُّ اللَّسَنُ وَالْقَصَبُ لِأَنَّهُ جُعِلَ عَلَى قَبْرِهِ طَنْ مِنْ قَصَبٍ لَمْ يُهَالِ السَّرَابُ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَا يَسْطَحُ أَيُّ لَا يَرْتَعُ لِأَنَّهُ نَهَى عَنِ تَرْسُوعِ الْقُبُورِ وَمَنْ شَاهَدَ قَبْرَهُ أَحْمَرًا فَهُوَ مُسَنَّمٌ

ترجمہ اور پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کی مضبوطی کے لئے ہیں۔ اور قبر لگنے کی جگہ ہے۔ پھر یہ کہ پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے اس لئے بدنامی کے طور پر بھی مکروہ ہوگا اور بئس کے استعمال میں ہتھمذاقہ نہیں ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ کچی اینٹ اور بئس کا استعمال مستحب ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی قبر پر بئس کا ایک گٹھا استعمال ہوا۔ پھر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور سطح نہ بنائی جائے۔ یعنی چوکور نہ ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے اور جس نے مختصر تھیں کی قبر کو دیکھا اس نے خبر دی کہ وہ مسنم (کوہان نما) ہے۔

تشریح قبر میں پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کی مضبوطی کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور قبر لگ کر برباد ہونے کی جگہ ہے پس ایسی جگہ میں وہ چیز صرف کرنا جو رائیگاں ہو اسراف مکروہ ہے۔ پکی اینٹ لگانے میں مہر بہت زیادہ ہے یہ بھی ہے کہ پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے لہذا تفاقولاً مکروہ ہے گویا اس کا آخرت کا گھر آگ کی معاونت سے تیار ہوا۔ نہ کل اور بئس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ کچی اینٹ اور بئس کا لگانا مستحب ہے۔ قدوری کی عبارت استحب پکانہ مت نہیں کرتی۔ اور جامع صغیر کی عبارت ان چیزوں کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر لڑل کا ایک گٹھا لگایا گیا تھا۔ پھر قبر پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے۔ یعنی زمین سے ایک باشت یا چھراکھ اوپھی بنایا جائے۔ قبر کو سطح یعنی چوکور نہ بنایا جائے۔ امام شافعی کے نزدیک مسنون قبر کا مربع یعنی چوکور ہونا ہے نہ کہ مسنم یعنی کوہان نما۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ نے ان کی قبر چوکور سطح بنائی نہ کہ مسنم۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جس آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو بائیں اور شائیں یعنی ابوبکر اور عمر کی قبروں دیکھا اس نے مجھے بتلایا کہ ان حضرات کی قبریں مسنم یعنی کوہان نما ہیں اور امام شافعی کی بیان کردہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد ﷺ کی قبر اوا

تو مسطح بنائی گئی لیکن پھر اس کو مسنم کر دیا گیا تھا۔ مبسوط اور محیط میں یہی مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ جسٹس احمد غنی عنہ۔

## باب الشہید

ترجمہ - (یہ) باب شہید کے بیان میں ہے

**تشریح** مقتول کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ میت باخجلہ ہے یعنی اس کی موت دقت پر آئی ہے وقت سے پہلے واقع نہیں ہوئی۔ رہی یہ بات کہ مقتول جب میت باخجلہ ہے تو پھر قتل پر قصاص یا دیت کیوں واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل نے چونکہ سبب قتل اختیار کرے کی وجہ سے نظام عالم کو خراب کیا ہے اس لئے نظام عالم کو برقرار رکھنے کے لئے قاتل کے واسطے یہ سزا تجویز کی گئی ہے۔

شہید کے احکام محمد و باب میں اس لئے ذکر کرتے گئے ہیں کہ شہید کی موت دوسری اموات سے ہزار ہا درجہ افضل ہے۔ حتیٰ کہ شہید فی کتب اللہ کو مردہ تک کہنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَسَوْكَانَ لَا تَشْعُرُونَ (البقرہ ۱۵۴)۔ چنانچہ بعد شہید کا ذکر خاص بعد العام کے قبیلہ سے ہے جیسے قرآن پاک میں ملائکہ کے بعد جبریل اور میکائیل کا ذکر خاص طور پر آیا جاتا ہے۔ مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ البقرہ ۹۸۔

شہید کا نام شہید اس لئے ہے کہ مدد نگہ تکریم اور تعظیم کی خاطر اس کی موت کی شہادت دیتے ہیں۔ پس یہ مشہود کے معنی میں ہوگا۔ جیسے تعبیر مشغول کے معنی میں آتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ چونکہ مشہود لہ بالجنۃ ہے یعنی اسکے جنتی ہونے کا وعدہ ہے۔ اس لئے اس کو شہید کہا گیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ چونکہ زندہ ہے اور خدا کے پاس موجود ہے اس لئے اس کو شہید کہا گیا ہے۔ کیونکہ شہید کے معنی بھی موجود و حاضر کے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر ڈالا یا معرکہ جنگ میں پڑا ہوا یا گیا اور اس کے بدن پر قتل کا اثر ہے یا اس کو مسلمانوں نے ظلم، قتل کیا اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہیں ہوئی۔

شہادت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ احکام آخرت میں شہید ہے اگرچہ دنیاوی احکام میں اس کو غسل وغیرہ دیا جائے۔ دوم یہ کہ دنیاوی آخرت دونوں میں شہید ہے۔ حتیٰ کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

## شہید کی تعریف

الشَّهِيدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ أَوْ وَجَدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ أَثَرُ أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَّةٌ فَيَكْفُرُ وَيُصَلِّيَ عَلَيْهِ وَلَا يُغْسَلُ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى شَهْدَاءِ أَحَدٍ وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ زَمَلَوْهُمْ بِكُلِّوْهُمْ بِهِمْ وَ دَمَائِهِمْ وَلَا تَغْسِلُوهُمْ فَكُلُّ مَنْ قَتَلَ بِالْحَدِيدِ ظُلْمًا وَهُوَ طَاهِرٌ بِالْغَلِّ وَلَمْ يَجِبْ بِهِ عَوَضٌ مَالِيٌّ فَهُوَ فِي مَعْنَاهُ قَيْلُ حَقِّ بِهِمْ وَالْمَرَادُ بِالْأَثَرِ الْجِرَاحَةُ لِأَنَّهَا دَلَالَةُ الْقَتْلِ وَكَذَا خُرُوجُ الدَّمِ مِنْ مَوْضِعٍ غَيْرِ مُعْتَادٍ كَالْعَيْنِ وَنَحْوِهِ وَالشَّافِعِيُّ يَخَالِفُ فِي الصُّورَةِ وَيَقُولُ السَّيْفُ مَخَافَةٌ لِلذُّنُوبِ فَأَغْنِي عَنِ الشُّفَاعَةِ وَنَحْنُ نَقُولُ الصُّلُوءُ عَلَى رَأْسِهِ لَا ظَهَارَ كَرَامَتِهِ وَالشَّهَادَةُ أَوْلَى بِهَا وَالظَّاهِرُ غَنِ الذُّنُوبَ لَا يَسْتَفِي عَنِ الدُّعَاءِ كَالنَّبِيِّ وَالصَّبِيِّ

ترجمہ شہید وہ ہے جس کو شریکین نے قتل کیا یا معرکہ میں مارا درنہا لیکہ اس پر اثر ہے یا اس کو مسلمانوں نے قتل کیا ظلماً اور اس قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو تو اس کو کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کو غسل نہ دیا جائے۔ کیونکہ ایسا مقتول شہداء احد کے معنی میں ہے۔ اور حضور ﷺ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کو لپیٹ دو ان کے زخموں و رخنوں کے ساتھ اور ان کو غسل مت دے۔ جس جو شخص قتل کیا گیا دھار دار آلہ سے ظلماً اور یہ پاک اور بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے عوض مالی بھی واجب نہ ہوا ہو تو وہ بھی شہداء احد کے معنی میں ہے و انہیں کے ساتھ الحق کیا جائے گا۔ اور اثر سے مراد زخم ہے کیونکہ زخم دلیل قتل ہے اور اسی طرح مادت کے خلاف جگہ سے خون ٹپکنا جیسے تھک اور اس کے مانند۔ اور امام شافعی نماز میں ہمارے جی لطف ہیں اور امام شافعی کہتے ہیں کہ تلواریں گناہوں کو محو کرنے والی ہے۔ پس اس نے شفاعت سے مستغنی کر دیا اور ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی کرامت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور شہید اس کا زیادہ مستحق ہے اور جو کوئی گناہوں سے پاک ہو وہ دعا سے مستغنی نہیں ہو جاتا جیسے نبی اور پچہ۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا ہے کہ شہید کی چند صورتیں ہیں

(۱) کسی مسلمان کو شریکین نے قتل کر دیا خواہ کسی آلہ سے یا لکڑی وغیرہ سے

(۲) کوئی مسلمان میدان جنگ میں اس حال میں پایا گیا کہ اس کے بدن پر زخم وغیرہ کا اثر ہے۔

(۳) کسی مسلمان کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ ان تینوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ بالاتفاق کفن دیا جائے اور جب شہداء احد کے معنی میں ہو تو اس کو بالاتفاق غسل نہ دیا جائے۔ اہل نماز میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ہمارے

نزدیک شہیدوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور امام شافعی کے نزدیک نہیں پڑھی جائے گی۔ شہید کو کفن تو اس لئے دیا جائے گا کہ کفن دینا ہوا آدم کے مردوں میں سنت ہے۔ پس اگر شہید کے بدن پر پتھرے ہوں تو ان کو اتارا نہ جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا

ہے زَمِّلُوهُمْ بِكُلِّ مِثْمٍ وَ دِمَائِهِمْ اور ایک روایت میں ہے بِثِيَابِهِمْ یعنی ان کو لپیٹ دو ان کے زخموں ان کے خونوں اور ان کے کپڑوں کے ساتھ۔ شہید کے بدن پر اگر ٹوپی، موزہ اور ہتھیار وغیرہ ہوں تو ان کو اتار دیا جائے، اس لئے کہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے شمار نہیں ہوتیں۔ ہاں اگر کفن کے کپڑوں میں کمی ہو تو ان کا اضافہ کر دیا جائے اور شہیدوں کو غسل نہ دینا اس لئے ہے کہ شہید،

شہداء احد کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور شہداء احد کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے وَلَا تَغْسِلُوهُمْ ان کو غسل مت دو، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے راستے میں اگر کوئی زخم لگ گیا تو کل قیامت کے دن اللہ کے حضور میں اس حال میں پیش کیا جائے گا

کہ اس کا رنگ تو خون جیسا ہو گا مگر خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

صاحب برائے کہتے ہیں کہ جس شخص کو آلہ دھار سے ظلماً قتل کیا گیا ہو اور وہ پاک اور بالغ ہو اور اس قتل کی وجہ سے عوض مالی واجب نہ ہوا ہو تو وہ بھی شہداء احد کے معنی میں ہے۔ لہذا اس کو بھی شہداء احد کے ساتھ الحق کیا جائے گا۔

شہید کی نماز میں ہمارا اور امام شافعی کا اختلاف ہے، چنانچہ ہمارے نزدیک شہید کی نماز جنازہ بھی فرض علی الکفایہ ہے اور امام شافعی شہید کی نماز کے قائل نہیں ہیں، امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت میت کے لئے سفارش اور دعا ہے، تلواریں جو شہید پر

پائی گئی ہے وہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے پس جب تلواریں شہید کے گناہوں کو مٹا دیا تو اس کے لئے سفارش اور دعا کی کوئی ضرورت

نہیں رہی۔ اس لئے کہا گیا کہ شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ میت پر نماز جنازہ فقط دعا کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ دعا کے علاوہ میت کی تکریم و تعظیم کا ظاہر کرنا بھی ہوتا ہے و شہید تکریم کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے دیگر موتی کی طرح شہید کی بھی نماز پڑھی جائے گی اور امام شافعی کا یہ کہنا کہ جو شخص گناہوں سے پاک ہو وہ دعا سے مستغنی ہوتا ہے غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ پاک کون ہوگا اور ناباغ بچہ بھی گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے باوجود دونوں پر نماز پڑھنا فرض ہے۔ پس جب نبی و صبی پر نماز پڑھنا فرض ہے تو شہید پر بھی نماز پڑھنا فرض ہوگا۔

### حریوں، باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کا حکم

وَمَنْ قَتَلَ هَلَّ الْحَرْبِ أَوْ أَهْلَ الْبَغْيِ أَوْ قَطَّاعَ الطَّرِيقِ فَبِأَيِّ شَيْءٍ قَتَلُوهُ لَمْ يُغْسَلْ لِأَنَّ شُهَدَاءَ أَحَدٍ مَا كَانَ كُلُّهُمْ قَتِيلَ السَّيْفِ وَالسَّلَاحِ

ترجمہ اور جس کو حربیوں نے قتل کیا ہو یا باغیوں نے یا ڈاکوؤں نے کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو اس کو غسل نہ دیا جائے کیونکہ شہداء احد سب کے سب تلو رہتھیا رہی سے قتل نہیں کئے گئے تھے۔

تشریح مسئلہ، اگر کسی مسلمان کو دارا حرب سے کافروں نے قتل کر دیا یا دارالسلام کے باغیوں نے قتل کیا یا ڈاکوؤں نے قتل کیا کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو مقتول شہید کہلے گا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ شہداء احد سب کے سب تلو اور ہتھیار سے مقتول نہ تھے۔ بلکہ بعض کو ان کے سر میں پتھر مار کر ہلاک کیا گیا تھا اور بعض کو ڈنڈے سے ہدک کیا گیا تھا۔ پس یہ معلوم ہوا کہ شہید ہونے کے لئے لوہے کے آلہ سے مقتول ہونا شرط نہیں ہے۔ لیکن یہ اعتراض اپنی جگہ ہے کہ اہل اسلام میں سے ڈاکو یا باغی کا مقتول شہداء احد کے معنی میں نہیں ہے۔ ہذا ان کے ہاتھوں مقتول مسلمان کو شہید نہ کہنا چاہئے۔ جواب ہم کو جس طرح حربیوں سے قتال کا امر کیا گیا ہے۔ اسی طرح باغیوں سے بھی قتال کا حکم کیا گیا ہے، چنانچہ رشادہاری ہے فَقَاتِلُوا الَّذِينَ نَسَعِي حَتَّى تَفِي إِلَى أَمْرِ اللَّهِ یعنی جو مہانت بغاوت کرے اس سے قتال کرو یہاں تک کہ اللہ کے امر کی طرف رکوع کرے۔ پس جو شخص باغی کے ہاتھوں قتل ہوا اس نے بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنی جان دیدی، پس کفار کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے، راجا اور باغیوں کے ہاتھوں مقتول ہونا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے مقتول ہونا بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے جان دینا ہے اس لئے کہ ڈاکوؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اَن يَكُوْلُوْا مِمَّا رَكَبُوْا اَن يَكُوْلُوْا مِمَّا رَكَبُوْا اَن يَكُوْلُوْا مِمَّا رَكَبُوْا اَن يَكُوْلُوْا مِمَّا رَكَبُوْا اَن يَكُوْلُوْا مِمَّا رَكَبُوْا اب جو ڈاکوؤں کے ساتھ محاربہ کرے گا وہ ان کے ہاتھوں مقتول ہوگا تو گویا اس نے اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کی اور مارا گیا اور جو شخص اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ان کو راضی کرنے کے لئے جنگ کرے گا اور قتل ہو جائے گا تو وہ بھی محاربہ کفار میں مقتول کے مانند ہے، اور جو مسلمان محاربہ کفار میں مقتول ہو گیا وہ بلشبہ شہید ہے۔ ہذا باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے مقتول بھی اسی کے مانند شہید ہوگا۔

### جنبی شہید کو غسل دینے کا حکم، اقوال فقہاء

وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجَنْبُ غُسِلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يُغْسَلُ لِأَنَّ مَا وَجَبَ بِالْجَنْبَةِ سَقَطَ بِالمَوْتِ وَالثَّانِي لَمْ

يَجِبُ لِلشَّهَادَةِ وَالْأَبْنَى حَيْفَةُ أَنَّ الشَّهَادَةَ عُرِفَتْ مَانِعَةٌ غَيْرُ رَافِعَةٍ فَلَا تَرْفَعُ الْجَنَابَةَ وَقَدْ صَحَّ أَنَّ حَنْظَلَةَ لَمَّا شَتَّهَهُ حُبًّا عَسَلَهُ الْمَلِيكَةُ وَعَلَى هَذَا الْإِخْلَافِ الْحَائِضُ وَالنَّفْسَاءُ إِذَا طَهَّرَتَا وَكَدَا قُلُّ الْإِنْقِطَارِ هِيَ الصَّحِيحُ مِنَ الرَّوَايَةِ وَعَلَى هَذَا الْإِخْلَافِ الصَّبِيُّ لَهُمَا أَنَّ الصَّبِيَّ أَحَقُّ بِهَذِهِ الْكَرَامَةِ وَلَهُ أَنَّ السَّبْفَ كَفَى عَنِ الْغُسْلِ فِي حَقِّ شَهْدَاءِ أَحَدٍ يَوْصَفُ كَوْنُهُ طَهَارَةً وَلَا ذَنْبٌ عَنِ الصَّبِيِّ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعَاهُمْ

ترجمہ اور اگر حالت جنابت میں شہید ہوا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین نے کہا کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا وہ موت سے ساقط ہو گیا۔ اور دوسرا غسل شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہے۔ اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت تو اس طرح پہچانی گئی کہ وہ غسل میت کے واجب ہونے سے مانع ہے نہ کہ غسل واجب کو رفع کرنے والی۔ پس وہ جنابت کو دور نہ کرے گی۔ اور یہ صحیح ہے کہ حنظلہ جب جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تو ان کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اور اسی اختلاف پر حیض دان اور نفاس والی عورت ہے۔ جبکہ وہ پاک ہو جائیں اور یونہی انقطاع سے پہلے ہے صحیح روایت کے مطابق اور اسی اختلاف پر بچہ ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بچہ اس کرامت کا زیادہ مستحق ہے اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہداء احد کے حق میں غسل سے کمزور کافی ہو گئی اس وصف کے ساتھ کہ کمزور گناہوں سے پاک کرنے والی ہے اور بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے تو بچہ شہداء احد کے معنی میں نہ ہوا۔

تشریح مسئلہ، جنبی مسلمان اگر شہید ہو گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے یہی امام احمد کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے۔ اسی کے قائل امام شافعی ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا تھا وہ موت سے ساقط ہو گیا کیونکہ موت کی وجہ سے وہ غسل جنابت کا مکلف ہونے سے نکل گیا ہے اور دوسرا غسل یعنی غسل میت شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا کیونکہ شہادت وجوب غسل سے مانع ہے اس لئے کہ شہداء کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے زَمِلُوهُمْ بِكُلِّ مَوْتِهِمْ وَلَا تَغْسِلُوهُمْ حدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ شہید جنبی ہو یا غیر جنبی ہو۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت، غسل میت واجب ہونے سے مانع تو ہے لیکن اگر پہلے سے غسل واجب ہو تو اس کو رفع کرنے والی نہیں ہے۔ چنانچہ شہید کے کپڑے پر اگر نجاست لگی ہو تو اس کو دھونا ضروری ہے۔ لیکن اس کے بدن کے خون کو دھونا ضروری نہیں ہے۔ پس شہادت چونکہ رافع نہیں ہے اس لئے شہادت جنابت کو بھی دور نہ کرے گی۔ اور جب جنابت کو دور نہیں کیا تو جنبی شہید کو غسل جنابت دینا واجب ہو گا۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی دہوتی ہے کہ حضرت حنظلہؓ جب شہید ہو گئے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ حنظلہ کس حال میں تھے ان کی بیوی نے کہا کہ مجھ سے جماع کیا تھا جب جنگ کا اعلان سنا تو بغیر غسل کے شریک جنگ ہو کر شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی سبب ہے۔ یہ اعتراض کیا جائے کہ بندوں کا غسل دینا واجب ہے نہ کہ ملائکہ کا۔ پس اگر شہید جنبی کو غسل دینا واجب ہوتا تو حضور ﷺ حنظلہ کو دوبارہ غسل دینے کا حکم فرماتے۔ جواب واجب ہوتا تو فقط غسل دینا ہے۔ غسل دینے والا کوئی بھی ہو اچھا نچا آپ ﷺ حنظلہ فرمائیں کہ جب ملائکہ نے آدم کو غسل دیا تو واجب ادا ہو گیا۔ اولا آدم نے آدم کے غسل کا اعادہ نہیں کیا۔ اگر ملائکہ کا دیا ہوا غسل ناقص ہوتا تو اولا آدم، آدم کے غسل کا اعادہ کرتی اور رسول اکرم ﷺ حضرت حنظلہ کے غسل کا اعادہ فرماتے۔



یعنی اختلافِ حاضہ اور نفاس والی عورت میں ہے۔ یعنی اگر حیض یا نفاس کا خون منقطع ہو کر پاک ہو گئی اور بھی غسل نہیں کیا سی حالت میں شہید ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غسل دیا جائے گا کیونکہ امام صاحبؒ نے نزدیک شہادت مانع وجوب غسل ہے رافع غسل نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے کیونکہ اول تو موت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور ثانی شہادت کی وجہ سے واجب نہیں ہوا۔ اور ایک روایت کے مطابق اگر خون بند ہونے سے پہلے شہید ہو گئی تو امام صاحب کے نزدیک اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ خون منقطع ہونے سے پہلے اس پر غسل واجب ہی نہیں ہوا اور دوسری روایت کے مطابق غسل دیا جائے گا۔ یہی صحیح روایت ہے۔ کیونکہ موت کی وجہ سے انقطاع دم حاصل ہو گیا اور دم سائل انقطاع کے وقت غسل واجب کرتا ہے اور بچہ اگر شہید کر دیا گیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شہید سے غسل کا ساقط ہونا اس لئے ہے تاکہ اس کی مظلومیت کا اثر باقی رہے۔ پس شہید کو غسل نہ دینا اس کے اکرام کے پیش نظر ہے اور بچہ کی مظلومیت زیادہ ہے لہذا بچہ اس پر راست کا زیادہ مستحق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہداءِ واحد کے حق میں میں تلوار غسل سے کافی ہو گئی۔ کیونکہ تلوار گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ یعنی شہداءِ واحد کو غسل اس لئے نہیں دیا گیا کہ تلوار نے ان کو گناہوں سے پاک کر دیا ہے اور چونکہ بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے بچہ شہداءِ واحد کے معنی میں نہ ہوگا۔ اور جب شہداءِ واحد کے معنی میں نہ ہو تو شہداءِ واحد کی طرح بچہ سے غسل بھی ساقط نہ ہوگا بلکہ بچہ کو غسل دیا جائے گا۔

**شہید سے خون نہ پونچھا جائے اور نہ کپڑے اتارے جائیں، زائد اشیاء اتار لی جائیں**

وَلَا يُعْسَلُ الشَّهِيدُ دَمُهُ وَلَا يُزْعُ عَنْهُ نَيْبُهُ لِمَا رَوَيْنَا وَيُزْعُ عَنْهُ الْفَرُّ وَالْحَشْوُ وَالسَّلَاحُ وَالْخُفُّ لِأَنَّهَا لَيْسَ مِنْ جَنَسِ الْكَفْنِ وَبُرْدُونٌ وَيَقْصُونَ مَا شَاءُوا إِنْ مَاتُوا لِلْكَفْنِ

ترجمہ۔ اور شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے اور نہ اس سے اس کے کپڑے اتارے جائیں اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے اور شہید سے جدا کر دی جائے پوتین، روٹی وغیرہ سے بھراؤ کی چیز، ہتھیار اور موزے کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے نہیں ہیں اور کفن سنت پورا کرنے کے لئے جو چاہیں گھٹائیں اور بڑھائیں۔

**تشریح** شہید کے بدن پر اگر چمڑے کا کوئی لباس، پوتین، غیرہ ہو یا روٹی سے بھراؤ کی کوئی چیز ہو یا ہتھیار اور موزہ ہو تو ان کو اتار دیا جائے۔ یہ علماءِ احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ شہید کے بدن سے کوئی چیز نہ اتاری جائے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا قول رَمَلُوهُمْ اِنْ هُوَ ہے۔ یعنی شہداء ہوائے کپڑوں میں پیٹ دو۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے کہ کس کپڑے میں پیٹا جائے ورنہ اس کو اتارا جائے۔ اس لئے حدیث کے اطلاق کا مقتضی یہ ہے کہ کوئی کپڑا شہید کے بدن سے نہ اتارا جائے۔ ہماری دلیل حدیث ابن عباسؓ ہے قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِقَتْلِ أَحَدٍ أَنْ يَسْرَعَ عَلَيْهِمُ الْحَدِيدُ وَالْجُلُودُ وَأَنْ يُدْفِنُوا بِدِمَانِهِمْ وَرَثَاتِهِمْ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے مقتولینِ احد کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے بولہ اور پوتین جدا کر دو۔ اور ان کے خون اور کپڑوں میں دفن کر دو۔ بظاہر یہ ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں۔ اس سے ہم ان دونوں کو چھوڑتے ہیں کی طرف رجوع کریں گے۔ اور قیاس یہ ہے کہ پوتین وغیرہ کو اتار دیا جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں کفن کی جنس سے نہیں۔

شہید کے بدن پر اگر عدد مسنون سے کم کپڑے ہوں تو ان میں اضافہ کر کے عدد مسنون کر دیا جائے اور اگر عدد مسنون سے زائد کپڑے ہوں تو کم کر کے عدد مسنون کو باقی رکھا جائے۔

### ارثیات کی تعریف

وَمِنْ ارْتِثَاتٍ غُسْلٌ وَهُوَ مَنْ صَارَ خَلْقًا فِي حُكْمِ الشَّهَادَةِ لِنَيْلِ مَنَافِعِ الْحَيَاةِ لِأَنَّ بِذَلِكَ يُخَفَّفُ أَمْرُ الظُّلْمِ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى شَهْدَاءِ أَحَدٍ، وَالْارْتِثَاتُ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ أَوْ يَنَامَ وَبُذَاوَى أَوْ يُقْلَ مِنَ الْمَعْرَكَةِ لِأَنَّهُ نَالَ كَعْصَ مَرَاتِقِ الْحَيَاةِ، وَشَهْدَاءُ أَحَدٍ مَا تَوَاعَطَشُوا وَالكَّاسُ تَدَارُ عَلَيْهِمْ فَلَمْ يَقْسُوا خَوْفًا مِنْ نَقْصَانِ الشَّهَادَةِ إِلَّا إِذَا حُمِلَ مِنْ مَضْرَعِهِ كَيْلًا نَطَأَهُ الْحَيُولُ لِأَنَّهُ مَا نَالَ شَيْئًا مِنَ الرَّاحَةِ وَلَوْ أَوَاهُ قُسْطَاطُ أَوْ خِيَمَةٌ كَانَ مُرْتَشَاتًا لَمَّا نَبَّأَ وَلَوْ بَنَى حَيًّا حَتَّى مَضَى وَقْتُ صَلَوةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ فَهُوَ مُرْتَثٌ لِأَنَّ يَدَكَ الصَّدْرَةَ صَارَتْ دَبًّا فِي دِمَتِهِ وَهُوَ مِنْ أَحْكَامِ الْأَحْيَاءِ وَقَالَ وَهَذَا مَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُونُسَ وَلَوْ أُوصِيَ بِشَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الْأَحْيَةِ كَانَ ارْتِثَاتًا عِنْدَ أَبِي يُونُسَ لِأَنَّهُ ارْتِثَاتِي وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَكُونُ لِأَنَّهُ مِنْ أَحْكَامِ الْأَمْوَاتِ

ترجمہ اور جو شخص ارثیات پائے اس کو غسل دیا جائے اور یہ وہ ہے کہ جو ہم شہادت میں پرانا ہو گیا منفع زندگی حاصل ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ظلم کا اثر ہکا ہو جائے گا۔ پس وہ شہداءِ واحد کے معنی میں نہ رہا۔ اور ارثیات یہ ہے کہ کھانا یا پینے یا سونے یا اس کی دوا کی جائے یا معرکہ سے منتقل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اس نے زندگی کے کچھ منافع حاصل کر لیے اور شہداءِ واحد تو پیا سے مر گئے حالانکہ پانی کا یہ نہ ان پر گھمیا جا رہا تھا لیکن انہوں نے نقصان شہادت کے خوف سے اس کو قبول نہ کیا مگر جب مقتل سے اس لئے اٹھا اس لئے کہ اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں اس لئے کہ اس نے راحت سے کچھ حاصل نہ کیا اور اس کو بڑے یا چھوٹے خیمہ میں جگہ ملی تو اس نے ارثیات پا لیا۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور اگر وہ نماز کا وقت گزرنے تک زندہ رہا جائے۔ نہ سمجھتا ہے تو وہ بھی ارثیات حاصل کرنے والا ہے۔ کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں دین ہو گئی اور یہ زندوں کے احکام میں سے ہے۔ مصنف نے کہا کہ یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور اگر امور آخرت میں سے کسی چیز کی وصیت کی تو ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی ارثیات ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی راحت ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک یہ ارثیات نہیں ہے کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے۔

تشریح ارثیات کے معنی ہیں پرانا پڑ جانا۔ ثوبِ رت پرانے کپڑے کو کہتے ہیں۔ صورتِ مسند یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ نے اگر زخم کھانے کے بعد اور مرنے سے پہلے کچھ منافع زندگی حاصل کر لیے تو کہا جائے گا کہ یہ شہید پرانا ہو گیا۔ اور چونکہ منافع زندگی حاصل کرنے کی وجہ سے ظلم کا اثر بھی ہکا ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ شہداءِ واحد کے معنی میں نہ رہا اور جب شہداءِ واحد کے معنی میں نہ رہا تو اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیونکہ غسل کا ساقط ہونا اس شہید کے حق میں ہے جو شہداءِ واحد کے معنی میں ہو۔

صاحبِ قدوری کہتے ہیں کہ ارثیات یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ نے سے پہلے کچھ کھالے یا کچھ پی لے۔ یا سو جائے یا اس کا علاج معالجہ کیا جائے معرکہ جنگ سے بغرضِ راحت منتقل کر دیا جائے کیونکہ اس نے زندگی کے کچھ منافع حاصل کر لیے ہیں۔ حالانکہ شہداءِ واحد کا حال یہ تھا کہ پانی بن کو پیش کیا جا رہا ہے مگر انہوں نے نقصان شہادت کے خوف سے قبول نہ کیا اور یوں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ ہاں اگر کسی شہید کو مقتل سے اس لئے منتقل کیا گیا کہ مقتل میں اس کو گھوڑے نہ روند ڈالیں، تو یہ ارثیات نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے کوئی راحت

حاصل نہیں کی ہے اور اگر اس کو بڑے یا چھوٹے خیمہ میں پناہ دی تو وہ ارثاٹ پانے والا شمار ہوگا۔ اور اگر شہید ایک نماز کے وقت گزرنے تک زندہ رہا اور اس حال میں زندہ رہا کہ سکے، دوش و حواس باقی ہیں تو یہ بھی ارثاٹ پانے والا ہوگا۔ کیونکہ یہ نماز اس کے ذمہ میں دین ہو گئی اور نماز کا کسی کے ذمہ میں دین ہونا دنیا کے احکام میں سے ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسف کی روایت ہے اور اگر مقتول فی سبیل اللہ نے ہر آخرت میں سے کسی چیز کی وصیت کی تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی ارثاٹ ہے کیونکہ یہ حصول ثواب کی راحت ہے اور امام محمد کے نزدیک یہ ارثاٹ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے۔

### شہر میں پائے جانے والے مقتول کے غسل کا حکم

وَمَنْ وَجَدَ قَتِيلًا فِي الْمَضَرِّ غُسِلَ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقَسَامَةُ وَالِدِيَّةُ فَخُفِّفَ أَثَرُ الظُّلْمِ إِلَّا إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ فَلَمْ يَلَمَّْا لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقِصَاصُ وَهُوَ عُقُوبَةٌ وَالْقَاتِلُ لَا يَتَحَلَّصُ عَنْهَا ظَاهِرًا أَمَّا فِي الدُّنْيَا وَأَمَّا فِي الْعُقُوبَةِ وَعَنْ أَبِي يُونُسَ وَحَمْدٍ مَا لَا يَلْبَثُ كَالسَّيْفِ وَيُعْرِفُ الْحَيَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ۔ اور جو شخص شہر کے اندر مقتول پایا گیا اس کو غسل دیا جائے کیونکہ اس قتل میں واجب تو قسامت اور دیت ہے۔ اس لئے ظلم کا اثر ہلکا پڑ گیا۔ مگر جب یہ معلوم ہو کہ یہ دھاردار اس سے ظلماً قتل کیا گیا ہے۔ سوائے کہ اس میں قصاص واجب ہے اور وہ عقوبت ہے اور قاتل بظاہر اس سے چھٹکارا نہ پاسکے گا تو دنیا میں یا آخرت میں۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جو چیز دیر نہیں کرتی وہ تلوار ہے اور یہ مسئلہ باب الجنايات میں انشاء اللہ معلوم ہوگا۔

تشریح۔ مسئلہ، اگر کوئی مقتول شہر کے اندر پایا گیا اور اس کا قاتل معلوم نہیں تو اس کو غسل دیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی اور اس دیت کا نفع میت کو پہنچے گا۔ چنانچہ مقتول اگر مدیون ہو تو اس سے اس کا دین ادا کیا جائے گا۔ بہر حال جب دیت کا نفع مقتول کو حاصل ہوا تو اس پر سے ظلم کا اثر ہلکا پڑ گیا۔ اور جب یہ مقتول کامل مظلوم نہ رہا تو شہداء احد کے معنی میں بھی نہیں ہوگا۔ اور شہداء احد کی طرح اس سے غسل ساقط نہ ہوگا۔ ہاں اگر یہ معلوم ہے کہ دھاردار آلہ سے مقتول ہوا اور اس کا قاتل بھی معلوم ہے تو اس کو غسل نہ دیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قصاص واجب ہے۔ اور قصاص عقوبت ہے نہ کہ عوض اور جب قصاص عقوبت ہے عوض نہیں ہے تو ظلم کا اثر بھی بکاف ہوگا بلکہ مقتول کامل مظلوم ہوگا۔ اور جب مکمل مظلوم ہے تو شہداء احد کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اس کو غسل بھی نہ دیا جائے گا۔ اور رہا قاتل تو وہ بچ نہیں سکے گا۔ اس لئے کہ اگر قاتل پر قابو پایا گیا تو دنیا ہی میں اس سزا کو بھگتے گا۔ اور اگر قابو نہ ملا تو آخرت میں بھگتے گا۔ حاصل یہ کہ اگر قاتل کی وجہ سے قاتل یا اولیاء قاتل یا اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوئی تو مقتول دنیا میں شہید نہیں ہوگا۔ مگر مردوں کی طرح اس کو بھی غسل دیا جائے گا اور اگر قاتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوا تو مقتول شہید ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

اس جگہ ایک سوال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جس کے قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوا ہے وہ شخص شہداء احد کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ شہداء احد کے قتل کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی تھی اور جو شخص شہداء احد کے معنی میں نہ ہو اس کو غسل دیا جاتا ہے۔ لہذا اس کو بھی غسل دیا جانا چاہئے جس کے قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے۔ جواب قصاص کا فائدہ اولیاء مقتول اور جملہ انسانوں کو پہنچتا ہے۔ مقتول کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس جس طرح شہداء احد کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح اس کو بھی کوئی نفع حاصل نہیں ہوا۔

برخلاف دیت کے کیونکہ دیت کا نفع مقتول کو پہنچتا ہے حتیٰ کہ مال دیت سے اس کا قرض دایا جائے گا اور اگر وصیت کی ہو تو اس کو نافذ کیا جائے گا۔

صاحبین نے کہا ہے کہ جو چیز قتل میں دیر نہیں لگاتی وہ بھی تلوار کے مانند ہے یعنی اگر شہر میں کوئی مقتول پایا گیا اور اس کا قاتل بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ آلہ دھاردار کے علاوہ کسی بھاری پتھر یا لٹھ وغیرہ سے مارا گیا ہے تو صاحبین کے نزدیک قاتل پر قصاص بھی واجب ہوگا اور چونکہ ظلماً مقتول ہوا اس لئے شہید ہونے کی وجہ سے غسل بھی نہیں دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک آلہ دھاردار کے علاوہ کسی بھاری چیز سے قتل کی صورت میں قاتل پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ وجوب قصاص کے لئے امام صاحب کے نزدیک آلہ دھاردار سے قتل کرنا شرط ہے اور صاحبین کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب الجنایات کو ملحوظ فرمائیں۔

### حد اور قصاص میں قتل ہونے والے کو غسل دینے اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

وَمَنْ قُتِلَ فِي حِلٍّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُيِّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ بَذَلَ نَفْسَهُ لِإِقَاءِ حَقِّ مُسْتَحِقِّ عَيْبِهِ وَشَهَدَاءُ أَحَدٍ بَدَلُوا أَنْفُسَهُمْ مَرْضَاتِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يُلْحَقُ بِهِمْ وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُعْدَةِ أَوْ قُصَّاعِ الظَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ لَمْ يُصَلَّ عَلَى الْبُعْدَةِ

ترجمہ اور جو شخص حد یا قصاص میں قتل کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے، اور اس پر نماز پڑھی جائے کیونکہ اس نے ایسا حق ادا کرنے کے لئے اپنی جان کو صرف کیا ہے جو حق اس پر واجب ہے اور شہداء احد نے اپنی جانوں کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صرف کیا ہے، لہذا مقتول فی الحد والقصاص کو شہداء احد کے ساتھ احق نہیں کیا جائے گا۔ اور باغیوں یا ذکوةوں میں سے اگر کوئی قتل ہوا تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علیؑ نے باغیوں پر نماز نہیں پڑھی ہے۔

تشریح اگر کوئی شخص حد یا قصاص میں قتل ہو تو اس کو غسل بھی دیا جائے اور اس پر جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے، کیونکہ اس نے حق ادا کر کے جان دی ہے اور شہداء احد نے فقط اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان دی تھی۔ اس لئے حد یا قصاص میں قتل ہونے والے کو شہداء احد کے ساتھ احق نہیں کیا جائے گا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت مائکہ کو سگسار کر دیا گیا تو ان کے چچا دربار رسالت میں حاضر ہو کر یوں کہنے لگے قَتِلَ مَا عَزَّ كَمَا يُقْتَلُ لِكَلَابٍ فَمَاذَا قَامَرُنِي أَنْ أَصْنَعَ بِهِ اللہ کے رسول ﷺ عز کو کتوں کی طرح قتل کر دیا گیا۔ فرمائیے میں اب اس کے ساتھ آیا کروں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لَا تَفْعَلْ هَذَا، فَقَدْ نَابَتْ تَوْبَةُ لَوْ قَسِمَتْ تَوْبَتُهُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ لَوَسَعَتْهُمْ إِذْ هَبْ وَاغْسِلْهُ وَصَلِّ عَلَيْهِ یہ مت ہو، وہ توبہ کر چکا، توبہ بھی ایسی کہ اگر اس کو تمام زمین والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے، جاؤ وہاں کو غسل دے دے کر ان کی نماز پڑھو۔ (کفایہ)

اور اگر کوئی باغی یا ذاکو قتل کر دیا گیا تو ہمارے نزدیک اس کی نماز نہ پڑھی جائے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اس کی نماز پڑھی جائے گی۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ باغی اور ذاکو مؤمن ہے۔ حق واجب کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے پس یہ اس شخص کی مانند ہو گیا جو رجم یا قصاص میں قتل کیا گیا ہے اور سابقہ سطروں میں گذر چکا کہ مقتول فی رجم و قصاص پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ لہذا باغی اور ذاکو مقتول ہوا تو اس کی نماز بھی پڑھی جائے گی۔ بھاری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے خوارج کو غسل دیا تھا، ان کی نماز پڑھی تھی دراصل ایک خوارج باغی

میں حضرت سے کہا گیا، اہم کفار؟ کیا خوارج کافر ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا لَا وَلَکِنَّہُمْ اِخْوَانُنَا بَغَوًا عَلَیْنَا نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں، ہم پر بغاوت کی ہے، ایسے معلوم ہوا کہ باغیوں اور ڈاکوؤں کو قتل نہ دینا اور نماز نہ پڑھنا ان کو سزا دینے کے لئے اور دوسروں کو تنبیہ دینے کے لئے جیسے ڈاکو کو تین دن تک سولی پر چھوڑا جائے گا، ظاہر ہے کہ سولی پر چھوڑنا اس کے لئے سزا اور دوسروں کے لئے تنبیہ ہے۔ واللہ اعلم، تیسرا اہم غلطی عنہ

## بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكُعْبَةِ

ترجمہ..... یہ باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے

تشریح صلوة فی الکعبہ کو کتاب الصلوة کے آخر میں اس لئے ذکر کیا گیا تاکہ کتاب الصلوة کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو۔ بیت اللہ کا نام کعبہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ مکعب یعنی چوکور ہے۔

کعبہ میں فرائض و نوافل ادا کرنے کا حکم، اقوال فقہاء

الصَّلَاةُ فِي الْكُعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرَضُهَا وَ نَفْلُهَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا وَلِمَالِكٍ فِي الْفَرَضِ لِأَنَّهُ صَلَّى فِي حَوْفِ الْكُعْبَةِ يَوْمَ الْفَتْحِ وَلِأَنَّهَا صَلَاةٌ اسْتَجْمَعَتْ شَرِائِطَهَا لَوْ جُودَ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ لِأَنَّ اسْتِعَابَهَا لَيْسَ بِشَرْطٍ

ترجمہ کعبہ میں نماز پڑھنا جائز ہے خواہ فرض ہو یا نفل ہو۔ امام شافعیؒ کا ان دونوں میں اختلاف ہے اور فرض نماز میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے اور اس لئے کہ یہ ایسی نماز ہے جس کی تمام شرطیں جمع ہو گئیں کیونکہ استقبال قبلہ پایا گیا اس لئے کہ تمام قبلہ کا استقبال شرط نہیں ہے۔

تشریح ہمارے نزدیک کعبہ کے اندر فرض نماز اور نفل نماز دونوں جائز ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں ناجائز ہیں۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک نفل تو جائز ہے البتہ فرض جائز نہیں ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ کعبہ کے اندر فرض اور نفل کے عدم جواز کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کرتا کاتب کا سہو ہے۔ اس لئے کہ اصحاب شافعی نے اپنی کتب میں امام شافعیؒ کا مذہب جواز کا لکھا ہے نہ کہ عدم جواز کا جواب اس کا یہ ہے کہ کعبہ کا اگر دروازہ کھلا ہو اور آگے سترہ نہ ہو تو کعبہ کے اندر فرض اور نفل پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور اگر کعبہ کا دروازہ بند ہو۔ یا آگے سترہ ہو تو جائز ہے۔ امام مالکؒ نے دلیل بیان کی ہے کہ جو شخص کعبہ کے اندر نماز پڑھتا ہے۔ وہ قبلہ کے ایک حصہ کا استقبال کرتا ہے۔ اور ایک حصہ کا استدبار کرتا ہے پس نماز کی حالت میں استقبال قبلہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز صحیح ہو اور استدبار کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فاسد ہو۔ پس جانب فساد کو احتیاطاً ترجیح دی گئی ہے۔ قیاس کا تقاضا نفل کے اندر بھی یہی تھا۔ کہ نفل بھی کعبہ کے اندر ناجائز ہو لیکن نفل کے بارے میں چونکہ اثر وارد ہے اس لئے نفل کے اندر قیاس کو ترک کر دیا گیا نیز نفل کی بنیاد نرمی پر ہے۔ چنانچہ قدس سرہ القیام کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے۔ اور فرض چونکہ نفل کے معنی میں نہیں ہے۔ اس لئے فرض کو نفل کے ساتھ لاحق کر کے کعبہ کے اندر فرض پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر دو رکعت نفل نماز ادا کی ہے روایت یہ ہے عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ

السی ۱۰۰۰ داخل الکعبہ ہو وامامہ و بلال و عثمان بن طلحہ و اعلقہا علیہ ثم مکث فیہا قال ابن عمر فحسنت بلالاً حين خرج ما صنع رسول اللہ ۱۰۰۰ قال جعل عمودین عن يساره و عموداً عن يمينه و ثلاثہ اعمدہ درواہ ہ ثم صلی و کان الیوم من ذی الحجۃ و کان هذا یوم الفصح ۱۰۰۰ ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ۱۰۰۰ وامامہ بلال اور عثمان بن طلحہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس کو بند کر لیا پھر اس میں آپ ٹھہرے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے بلال سے پوچھا جس وقت بلال باہر نکلے کہ رسول اللہ ۱۰۰۰ نے کیا کیا ہے بلال نے کہا کہ دو ستون تو آپ نے بائیں جانب کئے ایک دائیں جانب اور تین پیچھے کی جانب کئے پھر آپ نے نماز پڑھی۔ اس زمانہ میں بیت اللہ کے چہرے ستون تھے اور یہ فتح مکہ کا دن تھا۔ اگر کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ناجائز ہوتا تو رسول خدا ۱۰۰۰ ہرگز کعبہ کے اندر نماز نہ پڑھتے۔ اور اگر آپ کہیں کہ وہ نفل نماز تھی تو ہم جواب دیں گے کہ جواز کی جو شرطیں نفل کی ہیں وہی فرض کی ہیں۔ اس لئے فرض بھی نفل کے معنی میں ہو گا۔ اور جب فرض نماز نفل کے معنی میں ہے تو نفل کی طرح فرض پڑھنا بھی کعبہ کے اندر جائز ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جو نماز کعبہ کے اندر پڑھی گئی ہے۔ اس میں تمام شرائط نماز جمع ہیں حتیٰ کہ استقبال کعبہ بھی پایا گیا کیونکہ تمام قبلہ کا استقبال شرط نہیں ہے اور یہ ممکن بھی نہیں۔

### کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

فان صلی الامام بجماعة فیہا فجعل بعضهم ظہرہ الی ظہر الامام جاز لانه متوجه الی القبلة ولا یعتقد امامہ علی الخطاء بخلاف مسألة التحری ومن جعل منهم ظہرہ الی وجہ الامام لم تجز صلاحہ لتقدمہ علی امامہ

ترجمہ۔ پس اگر امام نے کعبہ کے اندر جماعت سے نماز پڑھی اور مقتدیوں میں سے بعض نے اپنی پشت امام کی پشت کی جانب کی تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ مقتدی قبلہ کی طرف متوجہ ہے اور وہ اپنے امام کو بھی خطاء پر نہیں جانتا بخلاف مسئلہ تحری کے۔ اور مقتدیوں میں سے جس نے اپنی پیٹھ کو امام کے منہ کی طرف کر دیا تو اس کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے امام سے آگے بڑھ گیا ہے۔

تشریح۔۔۔ کعبہ کے اندر باجماعت نماز پڑھنے کی چار صورتیں ہیں

(۱) مقتدی کا منہ امام کی پشت کی جانب ہو۔ (۲) مقتدی کا منہ امام کے منہ کی جانب ہو۔

(۳) مقتدی کی پشت امام کی پشت کی جانب ہو۔ (۴) مقتدی کی پشت امام کے منہ کی طرف ہو۔

اول اور سوم تو بلا کراہت جائز ہے۔ اور دوم مع الکراہت جائز ہے اور چہارم قطعاً جائز نہیں ہے پہلی صورت کا جائز ہونا ظاہر ہے۔ اور دوسری صورت اس لئے جائز ہے کہ متابعت امام پائی گئی۔ اور متبع یعنی امام سے آگے بڑھنا منافی ہو گیا اور اس صورت میں کراہت اس لئے ہے کہ جب مقتدی کا منہ امام کے منہ کی طرف ہو گا تو صورت سامنے رکھ کر عبادت کرنے والے کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔ پس اس صورت میں مقتدی اور امام کے درمیان مترہ رکھنا مناسب ہو گا۔ تاکہ اس مشابہت سے بچاؤ ہو سکے۔ تیسری صورت کے جواز کی وجہ صاحب ہدایہ نے بیان کی ہے کہ مقتدی قبلہ کی طرف بھی متوجہ ہے اور اپنے امام کو غلطی پر بھی نہیں سمجھتا۔ اور اپنے امام سے آگے بھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ خلاف مسئلہ تحری ہے۔ یعنی جب تاریک رات میں باجماعت نماز پڑھی اور مقتدی نے امام کی پشت کی طرف اپنی پشت کی اور مقتدی امام کی حالت سے واقف بھی ہے تو مقتدی کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اس کا امام غلطی پر ہے۔ چوتھی صورت کے عدم جواز کی وجہ ظاہر ہے۔

کیونکہ اس صورت میں مقتدی اپنے امام سے آگے ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ قطعاً ناجائز ہے۔  
فائدہ..... جو مقتدی امام سے دائیں یا بائیں جانب ہوں گے ان کی نماز بھی جائز ہے۔

### مسجد حرام میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ

وإذا صلى الإمام في المسجد الحرام فتحلق الناس حول الكعبة و صلوا بصلوة الإمام فمن كان منهم أقرب إلى الكعبة من الإمام جازت صلاته إذا لم يكن له بجانب الإمام لأن التقدم والتأخر إنما يظهر عند اتحاد الجانب

ترجمہ..... اور جب امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے کعبہ کے گرد حلقہ باندھا اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس جو شخص امام کی بہ نسبت کعبہ سے زیادہ قریب ہو اس کی نماز بھی جائز ہے۔ جبکہ امام کی جانب میں نہ ہو۔ کیونکہ آگے ہونا اور پیچھے ہونا اتحاد جانب کے وقت ظاہر ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی۔ لوگوں نے کعبہ کا حلقہ باندھا یعنی کعبہ کے گرد حلقہ بٹائیں اور امام کی اقتداء میں نماز پڑھی تو جس جانب امام نہ ہو اگر اس طرف مقتدی کعبہ سے زیادہ قریب ہے بہ نسبت امام کے تو اس کی نماز جائز ہے لیکن جس جانب امام ہے اگر مقتدی اس جانب کعبہ سے زیادہ قریب ہو بہ نسبت امام کے تو اس مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔ کیونکہ تقدم اور تاخر اتحاد جہت کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ پس امام کی جانب میں جو مقتدی دیکھو کعبہ سے بہ نسبت امام کے زیادہ قریب ہے وہ امام سے آگے ہے اور جو مقتدی اپنے امام سے آگے ہو اس کی نماز جائز نہیں ہوتی اور جس جانب امام نہیں اس طرف تقدم اور تاخر تحقیق نہ ہوگا۔ اس لئے اس طرف کے لوگوں کی نماز درست ہو جائے گی۔

### کعبۃ اللہ کی حیثیت پر نماز پڑھنے کا حکم، امام شافعی کا نقطہ نظر

ومن صلى على ظهر الكعبة جازت صلواته خلافاً للشافعي لأن الكعبة هي العرصة والهواء إلى عتاف السماء عندنا دون البناء لانه ينقل الا ترى انه لو صلى على جبل ابي قبيس جاز ولا بناء بين يديه الا انه يكره لما فيه من ترك التعظيم وقد ورد النهي عنه عن النبي ﷺ

ترجمہ..... اور جس نے عمارت کعبہ کی حیثیت پر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے امام شافعی کا اختلاف ہے۔ کیونکہ کعبہ ہمارے نزدیک میدان اور آسمان تک کی فضاء کا نام ہے نہ کہ عمارت کا۔ کیونکہ وہ منتقل ہو سکتی ہے۔ کیا نہیں دیکھتے اگر کسی نے ابو قیس پہاڑ پر نماز پڑھی تو جائز ہے۔ حالانکہ عمارت اس کے سامنے نہیں ہے۔ مگر مکر وہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے اور اس سے حضور ﷺ کی طرف سے نفی وارد ہوئی ہے۔

تشریح..... ہمارے نزدیک کعبہ کی حیثیت پر نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ اس کے سامنے سترہ نہ ہو۔ اور امام شافعی نے کہا کہ کعبہ کی حیثیت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کے سامنے سترہ ہو تو جائز ہے۔ بنیاد اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک نماز میں عمارت کعبہ کی

طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک قبلہ نام ہے کعبہ کا اور کعبہ عمارت کا نام نہیں بلکہ وہ میدان جہاں عمارت کعبہ ہے وہاں سے لے کر آسمان تک پوری فضا کا نام کعبہ ہے۔ عمارت کا نام کعبہ اس لئے نہیں کہ عمارت متقل ہو سکتی ہے۔ جی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ابوبتیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز ہے حالانکہ اس کے سامنے عمارت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کعبہ سے بہت اونچی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ کعبہ کی چھت پر چڑھنے میں کعبہ کی تعظیم ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا گیا۔

نیز کعبہ کی چھت پر نماز ادا کرنے سے حضور ﷺ نے بھی منع فرمایا ہے۔ عن ابی ہریرۃ انہ قال نہی النبی ﷺ عن الصلوٰۃ فی سبع مواطن المجزرة والمزيلة والمفيرة والحمام وقوارع الطريق ومواطن الابل و فوق ظہر بیت اللہ تعالیٰ۔

حضور ﷺ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے:

- (۱) ندع ،
- (۲) کوزاخانہ ،
- (۳) حمام ،
- (۴) درمیان راستہ ،
- (۵) بیت اللہ کی چھت
- (۶) اونٹ بانڈھنے کی جگہ
- (۷) قبرستان

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللّٰهُمَّ رَبَّنَا نَقُـلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِیْمُ وَ ثُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ